دلیل الفالحین
شرح اردو
ریاض الصالحین
جلد سوم
تالیف
محمد بن علان الصدیقی الشافعی الأشعری المکی
المتوفی سنة ١٠٥٧ھ
تحقیق
عصام الدین الصبابطی
مترجم
مولانا شمس الدین صاحب
ناشر
مکتبۃ العلم
١٨- اردو بازار لاہور۔ پاکستان
7231788

جلد سوم

تالیف: محمد بن علان الصدیقی الشافعی الاشعری المکی

مترجم: مولانا شمس الدین صاحب

تحقیق: عصام الدین الصبابطی

اس ترجمہ کی چند نمایاں خصوصیات

★ تمام احادیث کا آسان و عام فہم ترجمہ ★ احادیث کے حل طلب مسائل کی بہترین و دلکش تشریح

★ دور جدید کے مسائل کا بہترین حل ★ حل اللغات' نحو وغیرہ کے عنوانات سے آسان تشریح

★ ہر مسئلے پر فقہا کی آراء ★ آیات قرآنیہ مکمل حوالوں کے ساتھ ★ ہر حدیث کی مکمل و مدلل تخریج

★ ''الفرائد'' کے عنوان سے حدیث میں بیان کیے گئے ارشادات نبویہ ﷺ کا مختصر خلاصہ

ناشر

مکتبۃ العلم

۱۸۔ اردو بازار لاہور پاکستان

Ph:7211788-7231788

نام کتاب .... دَلِیْلُ الْفَالِحِیْن شرح اردو رِیَاضُ الصّٰلِحِیْن

تالیف: .... مُحَمَّدْبِنْ عَلَّانَ الصِّدِّیْقِی الشَّافِعِی الأَشْعَرِی المَکِّی

مترجم .... مولانا شمس الدین صاحب

تحقیق: .... عِصَامُ الدِّیْن الصَّبَابطِی

طابع .... خالد مقبول

مطبع .... آر۔ آر۔ پرنٹرز

❖ مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7224228

❖ مکتبہ علوم اسلامیہ اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور 7221395

❖ مکتبہ جویریہ ۱۸۔ اردو بازار ٥ لاہور ٥ پاکستان 7211788

فہرست

کتاب الأدب

کتاب آداب السفر

٦٩ :بَابُ اسْتِحْبَابِ الْعُزْلَةِ عِنْدَ فَسَادِ النَّاسِ وَالزَّمَانِ اَوِالْخَوْفِ مِنْ فِتْنَةٍ فِي الدِّيْنِ وَوقوع فِيْ حَرَامٍ وَّشُبُهَاتٍ وَنَحْوِهَا

بَابٌ: لوگوں اور زمانے کے بگاڑ' دین میں فتنہ اور حرام میں مبتلا ہونے کے خوف کے وقت علیحدگی اختیار کرنا بہتر ہے

العزلة : اعتزل سے اسم مصدر ہے۔اس کا معنی پرہیز کرنا' بچنا ہے (الصحاح) عند فساد الزمان جب زمانے کے حالات بگڑ جائیں تو عزلت عبادت قرار دی گئی ہے۔ زمانے کے بگڑنے کا مطلب اس میں اصلاح کے بعد فساد کا پیدا ہونا اور ریا کاری جھوٹ کا دور دورہ ہے۔ اسی طرح امانت کے بعد خیانت کا آ جانا ہے۔ او عند الخوف من فتنة کیا کسی مشقت میں پڑھنے کا خدشہ ہو۔ في الدين مثلاً کسی حرام پر اتفاق کر لیں یا منکرات سے پیدا ہو جائیں' منکرات پر اصرار کرنے لگیں' یہ اگرچہ زمانے کا بگاڑ نہ مگر بہت سے لوگ منکرات پر مجتمع ہو جائیں یعنی اجتماعی برائیاں پیدا ہو جائیں۔ وقوع في حرام و شبهات ونحوها یہ محنت پر معطوف ہے یہ عطف خاص علیٰ العام کی قسم سے ہے۔ دین میں شبہ کا واقع ہونا یا تو اس بناء پر ہوتا ہے کہ وہ چیز حقیقت میں حرام ہے اور اس میں واقع ہونا اس میں مبتلا ہونے کی طرح ہے جیسا گزرا من وقع في الشبهات وقع في الحرام عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر فتنے وغیرہ کا خطرہ نہ ہو اس وقت میل جول عزلت سے افضل ہے۔ نووی کہتے ہیں جس کو غالب گمان ہو کہ وہ مخالفت میں مبتلا نہ ہوگا اسے میل جول افضل ہے اور اگر اس کے لئے یہ گراں ہو تو عزلت بہتر ہے۔ عنقریب تفصیل سے تذکرہ آئے گا۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ اِنِّىْ لَكُمْ مِنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ [الذاريات: ۵۰]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''پس تم اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑو بے شک میں تمہارے لئے کھلا ڈرانے والا ہوں''۔ (الذاريات)

ففروا الى الله اللہ تعالیٰ کے علاوہ سب سے بھاگو۔ یہ اللہ پر ایمان اور اس کی اطاعت میں داخل ہونے کا امر ہے۔ یہاں امر کو فرار سے تعبیر فرما کر متنبہ کیا عذاب وعتاب لوگوں کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بھاگ جائیں گویا یہ لفظ بیک وقت تحذیر و استدعا دونوں کو شامل ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی اسی معنی پر خبردار کر رہا ہے۔ لا ملجاء ولا منجى منك الا اليك الحديث حسین بن فضل کہتے تھے جو غیر کی طرف بھاگا اس نے اپنے کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچایا۔ الى لكم منه نذير مبين اسلئے مجھے خبردار کرنا اور ڈرانا ضروری یا میں اپنا منذر ہونا معجزات سے واضح کرنے والا ہوں۔

۵۹۷ :وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِىْ وَقَّاصٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ :''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِىَّ الْغَنِىَّ الْخَفِىَّ'' رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

الْمُرَادُ "بِالْغَنِيِّ"، غَنِيِّ النَّفْسِ ، كَمَا سَبَقَ فِي الْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ۔

۵۹۷: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا بے شک اللہ تعالیٰ پرہیز گار مخلوق سے بے نیاز اور پوشیدہ رہنے والے بندے کو پسند کرتا ہے"۔ (مسلم)

الْغَنِيِّ سے یہاں مراد دل کے غنا والا ہے جیسے پچھلی صحیح حدیث میں گزرا ہے۔

سعد بن ابی وقاص ابووقاص کا نام مالک ہے۔ سعد عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ان کے حالات پہلے گزرے۔ ان اللّٰہ یحب العبد یہاں محبت کی غایت مراد ہے کیونکہ محبت بمعنی میلان نفس کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر درست نہیں اور وہ توفیق اطاعت ہے۔ ② یا بہترین فضل سے اس پر رجوع کرنا ③ یا ملائکہ کے ہاں اس کی تعریف کرنا جب کہ صفت فعل ہو اور اگر صفت ذات مراد ہو تو پھر ارادہ مراد ہے۔ العبد یہ انسان کی سب سے بلند صفت ہے۔ اس سے مراد مکلّف ہے خواہ غلام ہو یا آزاد۔ التقی جو اوامر ونواہی کو بجالانے اور نواہی سے پرہیز کرنے والا ہو۔ الغنی وہ مالدار شرع میں جس کو پسند کیا گیا ہے۔ الخفی وہ آدمی جو سب سے منقطع ہو کر عبادت اور طاعت الٰہی میں مشغول ہو۔ ایسے امور انجام دینے والا ہو جو دین و دنیا کے لحاظ سے شرعاً مطلوب ہوں۔ ② دوسرا قول یہ ہے جو لوگوں سے الگ تھلگ ہو اور اس کا مقام لوگوں سے مخفی ہو۔ اگر اس کو الحفی پڑھا جائے تو مراد صلہ رحمی کرنے والا ہو۔ رشتہ داروں سے نرمی برتنے والا اور دوسرے ضعفاء سے بھلا سلوک کرنے والا۔ زیادہ درست پہلا ہے۔ حاصل روایت۔ اس میں مخالطت سے علیحدگی کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ خواہ مطلق مراد ہو یا خوف فتنہ کا موقعہ ہو۔ جیسا مصنف کا میلان ہے غنی سے غنی نفس مراد ہے حدیث میں بھی یہی مراد ہے اور غنی النفس کا معنی جو تکلف سے بچا ہوا ہو۔

تخریج: اخرجه مسلم ۲۹۶۵ واحمد ۱/۱٤٤۱ وابو یعلی ۷۳۷ والبیهقی فی شعب الایمان ۱۰۳۷۰ وابو نعیم فی الحلية ۱/۲٤

الفرائد: ① اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں کی صفات ذکر کی گئی ہیں۔ ② تقویٰ غناء نفس اعلیٰ صفات ہیں۔ ③ نفلی عبادات کو لوگوں سے چھپا کر کرے تا کہ ریا کاری سے محفوظ رہیں۔

۵۹۸: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ اَیُّ النَّاسِ اَفْضَلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: "مُؤْمِنٌ مُجَاهِدٌ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ" قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ رَجُلٌ مُعْتَزِلٌ فِیْ شِعْبٍ مِّنَ الشِّعَابِ یَعْبُدُ رَبَّهٗ" وَفِیْ رِوَایَةٍ "یَتَّقِی اللّٰهَ وَیَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهٖ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۵۹۸: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سا شخص افضل ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: وہ مؤمن جو اللہ کی راہ میں اپنے نفس اور مال کے ساتھ جہاد کرنے والا ہے۔ عرض کی پھر کون؟ فرمایا وہ آدمی جو کسی گھاٹی میں الگ تھلگ رہ کر اپنے رب کی عبادت کر رہا ہو اور ایک روایت میں ہے وہ اللہ سے ڈرتا اور لوگوں کو اپنے شر سے بچاتا ہو"۔ (بخاری ومسلم)

قال رجل حافظ کہتے ہیں مجھے اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ جن لوگوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ مراد لیا ہے وہ درست نہیں کیونکہ بخاری کتاب الرقاق میں جاء اعرابی ہے اور ابوذر اعرابی نہیں۔ ای الناس افضل بخاری کی ایک روایت میں ای الناس خیر کے الفاظ ہیں۔ یا رسول اللہ یہ خطاب تلذذ کے لئے ہے بقول شاعر اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ...... هو المسلك ما کررته یتضرع اس خطاب سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ ایسی باتوں کا جواب تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اس کے زمین کے ذریعہ معلوم ہو سکتا ہے۔ قال یہاں فا اور ثم کے بغیر لائے تا کہ جملہ مستانفہ ہونا ظاہر ہو کیونکہ یہاں اصل مقصود سوال کا جواب لینا ہے۔

النّحو : مومن یجاهد بنفسه وماله فی سبیل اللّٰه یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی الافضل مؤمنٌ فی سبیل اللہ کا مطلب کفار سے جہاد کرنا اور دین کا غلبہ ہے یعنی وہ جان سے جہاد کرے اور مال سے اعانت کرے۔ بعض اوقات اسے مطلق اطاعت مراد ہوتی ہے۔ قال ثم من اس کے بعد کون؟ ثم کو لائے تا کہ ماقبل سے کم درجہ ہونے پر نص بن جائے یعنی ثم بعدهٗ۔

رجل معتزل فی شعب من الشعاب مسلم میں رجل کی بجائے مومن کا لفظ ہے۔

یہ مبتداء ہے جس کی خبر محذوف ہے ماقبل کے برعکس۔ الشعب دو پہاڑوں میں کھلی جگہ اور پانی بہنے کا راستہ۔ ویعبد ربه مسلم کی روایت میں مقیم الصلاۃ ویؤتی الزکوٰۃ حتی یاتیه الیقین لیس من الناس الا فی خیر۔

یہ جملہ مستانفہ ہے۔ الگ تھلگ ہونے والے کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے لوگوں میں رہنے سے آدمی اس میں غفلت برتتا ہے۔ خلوت میں جلوت ہے۔

یہ دوسری خبر بھی بن سکتی ہے۔ یہ اس روایت کے خلاف نہیں "خیر کم من تعلم القرآن و علمهٗ" "خیر کم من طال عمره وحسن عمله" اس جیسی دیگر روایات۔ کیونکہ خیریت کا یہ اختلاف اوقات واقوام واحوال کے لحاظ سے ہے۔ حدیث بالا میں صرف عزلت کی فضیلت ذکر کی گئی اور بس۔ بقول ابن حجرؒ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ اس سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد کا زمانہ مراد ہے۔ بخاری کی روایت میں ثم مؤمن فی شعب من الشعاب کے الفاظ ہیں۔ یتقی وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور جانتا ہے کہ وہ اس پر نگہبان اور محیط ہے۔ یدع الناس لوگوں کو چھوڑ دے۔ من شرہ ان سے منفرد الگ رہنے کی وجہ سے اس کی برائی ان تک نہیں پہنچتی۔ مصنف نے جو جملہ الگ روایت کی صورت میں ذکر کیا وہ اسی روایت کا حصہ ہے۔

تخریج : اخرجه احمد ٤/١٣٢٢ والبخاری ٢٧٨٦ ومسلم ١٨٨٨ واللفظ له والترمذی ٢٦٦٠ والنسائی ٣١٠٥ وابو داود ٢٤٨٥ وابن ماجه ٣٩٧٨ وابن حبان ٤٥٩٩ والبیهقی ١٥٩/٩۔

الفرائد: ① فتنوں کے زمانے میں لوگوں سے علیحدگی اختیار کرنا تا کہ دین محفوظ رہے مستحسن ہے۔ ② نوافل کو چھپا کر ادا کرنا چاہے۔

۵۹۹ : وَعَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "یُوْشِكُ اَنْ یَّكُوْنَ خَیْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ یَتَتَبَّعُ بِهَا

شَعَفَ الْجِبَالِ، وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِيْنِهِ مِنَ الْفِتَنِ" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

وَ "شَعَفُ الْجِبَالِ": اَعْلَاهَا۔

۵۹۹: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جن کو لے کروہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کے مقامات پر اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لئے جائے گا۔(بخاری)

شَعَفُ الْجِبَالِ: پہاڑوں کی چوٹیاں۔

یوشك قریب ہے۔

النحو: ان يكون خير مال المسلم غنم يتبع بها شعف الجبال ابن مالک کہتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اور اس کا منصوب اور غنم نکرہ موصوفہ یہ یکون کا اسم ہے اور خیر مال المسلم یہ خبر ہے۔ المسلم جنس مسلم مراد ہے۔ الگ تھلگ رہنے کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے خبر کو مقدم کیا گیا اور اس لئے کہ کلام سے یہ مقصود ہے۔ غنم مقصود نہیں اسی لئے اس کو موخر لائے۔ ابن حجر کہتے ہیں اس کا عکس بھی درست ہے۔ غنم میں زیادہ مشہور رفع ہے۔ بعض نے دونوں اجزاء کو مرفوع قرار دے کر مبتدا و خبر بنایا ہے۔ یہ جملہ موضع نصب میں یکون کی خبر ہے اور اس کا اسم ضمیر شان ہے۔ کیونکہ یہ کلام تحذیر، تعظیم پر مشتمل ہے۔ خبر شان کو پہلے لانا اس کے معنی کی تاکید کے لئے ہے مگر یہ تکلف ہے(فتح الباری) شعف یہ شعفہ کی جمع ہے جیسے اکم و اکمة اور شعاف یعنی جمع ہے۔ مواقع القطر قطر بارش اور اس کے مواضع سے گھاس کے مقامات۔ و الغیث اور بادل کے مقامات کیونکہ جب کسی زمین پر بارش پڑتی ہے تو وہ سبزہ زار بن جاتی ہے۔

النحو: لغير بدينه من الفتن یہ یتبع کی ضمیر سے جملہ حالیہ ہے۔ ② مسلم مضاف الیہ سے حال ہے یہ جز کی طرح ہو گیا ③ جملہ مستانفہ ہے یہ زیادہ بہتر ہے۔

تخریج: خرجه البخاری ۱۹ ومالك فی موطئه ۱۸۱۱ والنسائی ۵۰۵۱ وابن ماجه ۳۹۸۰ وابو داود ۴۲۶۷۔

الفرائد: ① فتنہ کے وقت لوگوں سے علیحدگی اختیار کرنے میں سلامتی ہے تاکہ دین محفوظ رہے۔ ② اگر لوگوں میں رہنے کی وجہ سے اس کا اور دوسرے لوگوں کا دین بچتا ہو تو پھر اسے علیحدگی اختیار نہ کرنی چاہیے۔

۶۰۰: وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا رَعَى الْغَنَمَ" فَقَالَ اَصْحَابُهُ: وَاَنْتَ؟ قَالَ: نَعَمْ، كُنْتُ اَرْعَاهَا عَلٰى قَرَارِيْطَ لِاَهْلِ مَكَّةَ" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۶۰۰: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس پیغمبر کو بھی بھیجا اس نے بکریاں چرائیں۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا آپ نے بھی؟ آپ نے ارشاد فرمایا جی ہاں میں اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط پر چرایا کرتا تھا۔(بخاری)

نبیاُس سے مراد مطلق ہو کہ جن کو نبوت ملی ہو اور شریعت کی وحی کی گئی خواہ اس کی تبلیغ کا حکم ہوا یا نہ۔ بعث کی تفسیر یہاں ایحاء سے کی گئی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد رسول ہوں۔ پھر یہ عام بول کر خاص مراد لے لیا کی جنس سے ہوگا اور اس کا قرینہ بعث کا لفظ موجود ہے۔ **الا رعی الغنم** بخاری سے اسم فاعل راعی ذکر کیا ہے۔ بکریاں چرانے کی وجہ یہ ہے تا کہ ان کو رعایا کے معاملات کی مشق ہو جائے بکریوں کے چرانے سے حلم و شفقت پیدا ہوتی ہے کیونکہ ان کے چرانے میں بڑے صبر سے کام لینا پڑتا ہے۔ ان کا منتشر ہونا پھر جمع کرنا' بار بار اِدھر اُدھر بھاگنا۔ ایک چراگاہ سے دوسری کی طرف لے جانا۔ ان کو درندے' چور وغیرہ سے محفوظ کرنا۔ اسی طرح اس کی طبیعت کا اختلاف باوجود ضعف و احتیاج کے بہت زیادہ متفرق ہونا۔ ان سب باتوں سے امت پر صبر اور لوگوں کی عقول و طبائع کے فرق کو باوجود ان سے الفت اختیار کی اس کے ٹوٹنے والے کو جوڑا' کمزوروں سے نرم رویہ رکھا اور ان کی اچھے انداز سے نگرانی کی۔ اس طرح ان مشقتوں کا برداشت کرنا ان کے لئے بہت آسان ہو گیا۔ بنسبت اس کے کہ اگر پہلی مرتبہ ان کے کندھے پر یہ ذمہ داری ڈال دی جاتی۔ ان کو تدریجاً بکریاں چرانے سے یہ بات سکھائی۔ بکری کو اس لئے منتخب کیا کہ یہ دوسروں سے کمزور اور جلد مطیع ہونے والی ہے۔ شرارتوں میں بھی سب سے تیز تر ہے۔ **فقال اصحابه وانت** کیا آپ نے بھی بکریاں چرائیں ہیں۔ **فقال نعم كنت ارعاها على قراريط لاهل مكه** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عظیم تواضع سے ذکر فرمایا حالانکہ آپ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ عزت والے تھے۔ اس میں جہاں اللہ تعالیٰ کے احسان کا اعتراف کرنے کے ساتھ ساتھ امت کو اس پر چلنے کے لئے آمادہ کیا۔ قیراط سے یہاں درہم یا دینار کا جزء مراد ہے۔ ابراہم جرمی کہتا ہے کہ قراریط مکہ کی چراگاہ کا نام ہے۔ چاندی کے قیراط مراد نہیں مگر یہ درست نہیں۔ مکہ میں اس نام کی کوئی جگہ معروف نہیں۔

تخریج: اخرجه البخاری ۲۲۶۲ وابن ماجه ۲۱۴۹ والبغوی فی المشکوة ۲۹۸۳۔

الفرائد: ① بکریاں چرانے سے انسان میں شفقت و علم اور تحمل و صبر' وسعت ظرفی پیدا ہوتی ہے اور اس سے لوگوں کی صفات واقسام کے مختلف ہونے کے باوجود ان سے درست میل جول کا پتہ چلتا ہے اسی لئے انبیاء علیہم اسلام نے بکریاں چرائی ہیں۔
② بکریاں چرانے والے عمل کی تحقیر نہ کرنی چاہیے۔

۶۰۱: وَعَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: "مِنْ خَيْرِ مَعَاشِ النَّاسِ رَجُلٌ مُمْسِكٌ عِنَانَ فَرَسِهٖ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ يَطِيْرُ عَلٰى مَتْنِهٖ كُلَّمَا سَمِعَ هَيْعَةً اَوْ فَزْعَةً طَارَ عَلَيْهِ يَبْتَغِي الْقَتْلَ اَوِ الْمَوْتَ مَظَانَّهٗ، اَوْ رَجُلٌ فِي غُنَيْمَةٍ فِي رَاْسِ شَعَفَةٍ مِّنْ هٰذِهِ الشُّعَفِ اَوْ بَطْنِ وَادٍ مِّنْ هٰذِهِ الْاَوْدِيَةِ يُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتِي الزَّكٰوةَ وَيَعْبُدُ رَبَّهٗ حَتّٰى يَاْتِيَهُ الْيَقِيْنُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ اِلَّا فِي خَيْرٍ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

"يَطِيْرُ": اَيْ يُسْرِعُ "وَمَتْنُهٗ": ظَهْرُهٗ۔ "وَالْهَيْعَةُ" الصَّوْتُ لِلْحَرْبِ۔ "وَالْفَزْعَةُ":

نَحْوُہٗ۔ "وَمَظَانُّ الشَّیْءِ" الْمَوَاضِعُ الَّتِیْ یَظُنُّ وُجُوْدَہٗ فِیْھَا۔ "وَالْغُنَیْمَۃُ" بِضَمِّ الْغَیْنِ۔ تَصْغِیْرُ الْغَنَمِ۔ "وَالشَّعَفَۃُ" بِفَتْحِ الشِّیْنِ وَالْعَیْنِ :وَھِیَ اَعْلَی الْجَبَلِ۔

۶۰۱: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں میں سب سے بہتر زندگی اس آدمی کی ہے جو اپنے گھوڑے کی لگام اللہ کی راہ میں تھامنے والا ہو اور اس کی پشت پر ہوا میں اڑتا ہو۔ جب بھی کوئی خوفناک آواز یا گھبراہٹ سنتا ہے تو اس پر اڑ کر قتل ہوجانے کے لئے وہاں پہنچ جاتا ہے یا موت کے مقامات کو تلاش کرتا ہے یا پھر وہ آدمی جو اپنی بکریوں میں کسی پہاڑ کی چوٹی پر یا ان وادیوں میں سے کسی وادی میں رہ کر نماز ادا کرتا اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور موت تک اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ اور لوگوں میں سے وہ خیر یا بہتر حالت پر ہے۔ (مسلم)

یَطِیْرُ : وہ تیزی کرتا ہے۔ بَطْنَہٗ : اس کی پشت۔
الْھَیْعَۃُ : لڑائی کے لئے پکار۔
الْفَزْعَۃُ : اس کا بھی وہی مطلب ہے۔
مَظَانُّ الشَّیْءِ: جہاں کسی چیز کے ملنے کا گمان ہو۔
الْغُنَیْمَۃُ :یہ غنم کی تصغیر ہے تھوڑی بکریاں۔
شَعَفَۃُ :پہاڑ کی چوٹی۔

معاش گزراوقات کی چیز۔ الناس لهم ان کی زندگی بہتر احوال سے ہے۔

النَّحْوُ : رجل ممسك عنان فرسه رجل کا مضاف محذوف ہوجانے کی وجہ سے یہ مرفوع ہوگیا۔

نحوفی سبیل اللّٰہ یہ رجل سے حال ہے کیونکہ وصف سے یہ خاص ہوگیا۔ یہاں مراد کفار سے جہاد کرنا ہے۔ یطیو علی متنه کلما یہ یطیر کا ظرف ہے۔ هیعه اور الفزعه ان کا ایک معنی ہے۔ طار علی فرسه فرس یہ نر و مادہ دونوں پر بولا جاتا ہے۔ یبتغی القتل او الموت وہ کفار کے ہاتھوں شہادت کا طالب ہے یا طبعی موت جو راہِ خدا میں آئے۔ مظانه جن میں اس کے پائے جانے کا گمان ہے۔ وہ شہادت کے طلب میں ان مقامات پر جاتا ہے۔

مَسْئَلَۃ: اللہ تعالیٰ کی راہ میں آنے والی موت افضل ہے خواہ وہ دشمن کے ہاتھوں قتل نہ بھی ہو۔

النَّحْوُ :یبتغی کا جملہ مستانفہ ہے جو اس لئے لایا گیا ہے تاکہ سواری کی غرض واضح ہوجائے۔ او ① یہ واؤ کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے۔ ② تنویع کے لئے بھی لے سکتے ہیں۔ رجل فی غنیمة دنیا کی کثرت سے اعراض کو ظاہر کرنے کے لئے۔ غنیمة تصغیر کے ساتھ لایا گیا کہ دنیا بقدر ضرورت ہو۔ فی رأس من هذه الشعف پہلا ظرف تو غنیمۃ کے لئے محل صفت میں واقع ہے اور دوسرا ظرف شعفہ کی صفت ہے۔ یعنی عوالی کے ان بلند پہاڑوں میں سے کسی کی چوٹی پر ٹھہرے۔ او بطن واد من هذه الاودية او یہاں تنویع کو ظاہر کر رہا ہے۔ وادی کی جمع قلت اودیہ ہے۔ دو پہاڑوں کے درمیان وسیع جگہ کو وادی کہتے ہیں جس میں پہاڑوں سے اترنے والا پانی بہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بکریوں والا جہاں گھاس پائے گا وہاں منتقل ہوجائے گا

خواہ دامن کوہ ہو یا پہاڑ کی چوٹی۔ یقیم الصلاۃ یہ رجل سے حال ہے۔ یا جملہ مستانفہ ہے جو اس وضاحت کے لئے لایا گیا ہے جس کی وجہ سے یہ گزر او قات بلند مرتبہ والا بن گیا اور اقامت صلاۃ کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے تمام ارکان و شرائط ادب سے ادا کرنے والا ہو۔ یؤتی الزکاۃ فرض زکوۃ ادا کرنے والا ہے۔ و یعبد ربہ یعنی مختلف طاعات کے کام کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہا ہے۔ حتی یاتیہ الیقین یہاں تک کہ اسے یقینی چیز موت آ لے۔ لیس من الناس فی مشتنی الا فی خیر اپنے امور و احوال کے اعتبار سے لوگوں میں سے کوئی اس سے بہتر نہیں کیونکہ وہ لوگوں سے الگ تھلگ بھی رہتا ہے۔ یہ جملہ یقیم کے فاعل سے محل حال میں ہے پس حال متداخلہ بنے گا۔ ② رجل سے حال ہے یہ حال مترادفہ بنے گا (رواہ مسلم) یطیر یہ تیزی کے معنی میں ہے۔ متنہ زمین کا سخت اور بلند حصہ۔ ھیعۃ دشمن کے حملہ آور ہو جانے پر جو آواز دی جاتی ہے۔ مظان جمع مظنہ جہاں ملنے کا امکان ہو۔

تخریج : اخرجہ مسلم ۱۸۸۹ و ابن ماجہ ۳۹۷۷۔

الفوائد: ① مسلمان جو بلند ہمتی رکھتا ہو اسے باطل کے خلاف ہر وقت سر بکف رہنا چاہیے۔ ② جو شخص اپنے میں کمزوری محسوس کرے اور باطل کا سامنا نہ کر سکتا ہو اسے یکطرف رہنا چاہیے تا کہ جو کچھ دین رکھتا ہو اس کو بھی ضائع نہ کر بیٹھے۔ ③ دنیا کی کثرت کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے۔

۷۰: بَابُ فَضْلِ الْاِخْتِلَاطِ بِالنَّاسِ وَحُضُوْرِ جُمَعِهِمْ وَجَمَاعَاتِهِمْ وَ شَاهِدِ الْخَيْرِ، وَمَجَالِسِ الذِّكْرِ مَعَهُمْ، وَعِيَادَةِ مَرِيْضِهِمْ وَحُضُوْرِ جَنَائِزِهِمْ وَمُوَاسَاةِ مُحْتَاجِهِمْ، وَاِرْشَادِ جَاهِلِهِمْ، وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِنْ مَّصَالِحِهِمْ، لِمَنْ قَدَرَ عَلَى الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ وَقَمَعَ نَفْسَهٗ عَنِ الْاِيْذَاءِ وَصَبَرَ عَلَى الْاَذٰى

بَاب ۷۰: لوگوں کے ساتھ میل جول، جمعہ اور جماعتوں میں شرکت، ذکر اور بھلائی کے مقامات پر حاضری، بیماروں کی عیادت، جنازوں میں حاضر ہونا، محتاج کی خبر گیری، ناواقف کی راہنمائی اور دیگر بھلے کاموں میں شرکت کرنا جو آدمی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر سکتا ہے اور ایذاء سے اپنے نفس کو روک سکتا اور دوسروں کی ایذاء پر

صبر کر سکتا ہے ان سب کی فضیلت

اَعْلَمْ اَنَّ الْاِخْتِلَاطَ بِالنَّاسِ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِیْ ذَکَرْتُهٗ هُوَ الْمُخْتَارُ الَّذِیْ کَانَ عَلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَسَآئِرُ الْاَنْبِیَآءِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَیْهِمْ وَکَذٰلِكَ الْخُلَفَآءُ الرَّاشِدُوْنَ وَمَنْ بَعْدِهِمْ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِیْنَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِّنْ عُلَمَآءِ الْمُسْلِمِیْنَ وَاَخْیَارِهِمْ، وَهُوَ مَذْهَبُ اَکْثَرِ التَّابِعِیْنَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ وَبِهٖ قَالَ الشَّافِعِیُّ وَاَحْمَدُ وَاَکْثَرُ الْفُقَهَآءِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ میل جول اس طریقے سے جس کا میں نے ذکر کیا نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ سارے انبیاء علیہم الصلوات والسلام اور اسی طرح خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے بعد تبع تابعین اور ان کے بعد علماء مسلمین اور ان کے نیک لوگ سب کے ہاں پسندیدہ ہے اور اکثر تابعین کا یہی مسلک ہے اور اس کو امام شافعی احمد اور اکثر فقہاء رحمہم اللہ نے اختیار کیا ہے۔

فضل الاختلاط بالناس جب گزشتہ باب میں مذکورہ چیزوں سے بچا ہوا ہو تو اس وقت میل جول بہتر ہے۔ **الناس** یہ اسم جنس ہے جس پر الف لام آیا ہے۔ اس سے عموم بھی مراد ہوسکتا ہے۔ مگر سیاق کے پیش نظر کلام میں شرط وحدت مقدر ہوگی۔ ② اس سے مراد خاص بھی ہوسکتی ہے۔ یعنی وہ لوگ جن سے میل وجول مناسب ہو۔ **جمعهم** یہ جمعہ (جیم کے ضمہ یا فتحہ کے ساتھ) کی جمع ہے۔ **جماعاتهم** جمع جماعت یعنی فرض نمازیں۔ **وشاهد الخير** یعنی عیدین وغیرہ۔ **مجالس العلم** وعظ ونصیحت کی مجالس۔ **مجالس الذکر معهم** ظرف حضور سے متعلق ہے یعنی اس کا ان کے ساتھ حاضر ہونا تا کہ ان میں شامل ہو جائے اور ثواب میں شریک ہو کر کامیاب کی برکات پالے۔ **عيادة مريضهم** اس کا استحباب آئندہ مذکور ہوگا۔ **وحضور جنائزهم** اگر بقدر کفایت حاصل ہو تو مستحب ہے اور اس کو بھی نماز جنازہ پڑھنے والے کے برابر یا کم وبیش ثواب ملے گا ہر دو کا احتمال ہے۔ **مواسات محتاجهم** خوشحال لوگوں پر یہ فرض ہے۔ **ارشاد جاهلهم** یہ بھی فرض کفایہ ہے۔ اس خیر خواہی کو بجالاتے ہوئے جو مسلمانوں کے ایک دوسرے پر لازم ہیں۔ **وغير ذلك من مصالحهم** اسی طرح دیگر مصالح مسلمین کے کام جن میں اس کو حاضری ممکن ہو۔ **لمن قدر على** لام کے متعلق تمام مصادر مذکورہ خواہاں ہیں کہ وہ ان کا معمول بنے اور بہتر یہ ہے اور بصریین کے مطابق آخر کو معمول بنائیں گے۔ گزشتہ عوامل کا معمول حذف کر دیا کیونکہ وہ زائد ہے اور اس مقام پر اس کا حذف حرف جائز ہے بلکہ واجب ہے اور پہلے کو معمول بناؤ تو اضمار لازم آتا ہے (ابن ہشام) اس سے معلوم ہوا کہ جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو اس کو علیحدگی افضل ہے اور بقول نووی اگر معاملہ اس پر مشکوک ہو جائے تو پھر بھی عزلت ہی اولیٰ ہے۔ تمہیں اچھی طرح علم ہونا چاہئے کہ لوگوں سے میل جول اس وقت درست ہے جب ان کی بھلائیوں میں شریک ہو اور ان کے شر سے بچا رہے۔ **هو المختار الذى كان عليه** یہ آپ کا پسندیدہ جبکہ لوگوں کے ساتھ جمع ہو کر اعمال کو قائم کرلے اور ان کے سامنے احوال کو کھول کر رکھے۔ **وسائر الانبياء صلوات الله وسلامة عليهم** یہ عطف تغائر کے لئے ہوسکتا ہے یا جمع کے

لئے اور سائر کا خود معنی بھی تمام ہے۔ یہ عام کا عطف خاص پر کی جنس سے ہے۔ (ذکر الجوہری والجوار البقی فی شرح اداب الکتاب) تمام انبیاء علیہم السلام پر سلام مستحب ہے عنقریب آئے گا۔ و کذلك الخلفاء الراشدون انبیاء علیہم السلام کی طرح خلفاء اربعہ کا بھی یہی طریقہ تھا۔ یہاں خلفاء سے وہی مراد ہیں جن کے متعلق فرمایا الخلافة بعدی ثلاثون سنة ثم تصیر ملکا عضوضًا'' ومن بعدھم من الصحابه۔ خلفاء اربعہ کا تذکرہ افضل ہونے کی وجہ سے کیا اور اس وجہ سے کہ وہ علم و عمل میں کامل تھے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل صحبت اٹھائی۔ باقی صحابہ رضی اللہ عنہم اس میں ان کے برابر نہیں۔ صحابہ کا لفظ جمع صاحب اس کی جمع صحب واصحاب آتی ہے (المصباح) بقول سیبویہ صحباً اسم جمع ہے جمع نہیں اور صاحب سے بھی یہاں صحابی مراد ہے۔ اس مومن کو کہتے ہیں جس کو زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ملی ہو خواہ لحظہ بھر کے لئے ہو اور اس کی وفات ایمان پر ہوئی ہو۔ والتابعین جمع تابعی جس کی ملاقات صحابی سے ہوئی۔ اس کی معمولی ملاقات کافی ہے یا زیادہ۔ دوسرا قول راجح ہے۔ اخیارھم جمع خیر یہ یا کی تخفیف وتشدید کے ساتھ مستعمل ہے جیسا میت جب یہ مشدد ہوگا تو اس کی جمع رباعی ہونے کی وجہ سے اموات آئے گی۔ ھو مذھب اکثر التابعین ومن بعدھم بعدھم سے تبع تابعین مراد ہیں کیونکہ ان تین قرون کی خیریت کی گواہی دی گئی ہے۔ اس کو دوبارہ اس سے لئے ذکر کیا یہ مذہب دلیل کے مطابق ہے اور پہلی مراد اس لئے لائے کہ یہ ان سب کو شامل ہے۔ اکثر سے اشارہ کیا کہ بعض تابعین الگ رہنے کو افضل کہتے تھے۔ مگر وہ اس کے خلاف عمل کرتے تھے کیونکہ وقتی حکم یہی تھا۔ امام شافعی واحمد واکثر فقہاء کا یہی قول ہے۔ اکثر فقہاء سے ائمہ مذاہب اربعہ مراد ہیں۔ ابن حجرؒ کہتے ہیں یہ مصنف کا مختار ہے۔ ان کے علاوہ اشخاص کے مختلف ہونے پر حکم کو مختلف مانتے ہیں۔ بعض وہ ہیں جن کے لئے دو میں سے ایک بات متعین ہے اور بعض ایک کو ترجیح دیتے ہیں اور کلام ان کے متعلق نہیں بلکہ جب دونوں برابر ہوں تو اوقات کے اختلاف سے مختلف ہو جائیں گے۔ چنانچہ بعض میل جول کو قطعی کہتے ہیں جبکہ ازالہ منکر کی اس کو طاقت حاصل ہو۔ پھر اس پر حال کے مطابق عینی یا کفائی وجوب ہوگا۔ بعض ترجیح دیتے ہیں ان کے متعلق جن کو غالب گمان ہو کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو انجام دیں گے تو ان کا اپنا نفس منکر سے بچا رہے گا۔ اور بعض برابر قرار دیتے ہیں جن کا خیال ہے کہ میں تو بچ جاؤں گا لیکن میری بات آگے تسلیم نہ کی جائے گی اور یہ بھی اس وقت ہے جب عام بگاڑ کا خطرہ نہ ہو۔ جب فتنہ برپا ہو تو اس وقت عزلت راجح ہے۔ کیونکہ اس میں عموماً محذورات کا ارتکاب پیدا ہو جاتا ہے اور کبھی وہ عقوبت کے حقدار بن جاتے ہیں اور اس کی لپیٹ میں وہ بھی آ جاتے ہیں جو ان سے نہیں ہوتے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصه﴾ اور اس کی افضلیت کو حدیث ابی سعید رضی اللہ عنہ کی تائید حاصل ہے۔ خیر الناس رجل جاھد بنفسہٖ ومالہٖ و رجل فی شعب عن الشعاب یعبد ربه ویدع الناس من شرہٖ''۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی :

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی﴾ [المائدة:۲]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے سے تعاون کرو''۔

وَالْاٰیَاتُ فِیْ مَعْنٰی مَا ذَکَرْتُهٗ کَثِیْرَةٌ مَّعْلُوْمَةٌ۔

اس سلسلہ کی آیات بہت زیادہ اور مشہور ہیں۔

وتعاونوا علی البر والتقوی اس میں نیکی پر تعاون کیلئے سب کو کہا گیا ہے۔ یعنی تم مامورات مثلاً جمعہ اور جماعت کی ادائیگی اور اقامت شریعت اور تقویٰ پر ایک دوسرے سے تعاون کرو اور بری چیزوں سے گریز و پرہیز میں تعاون ضروری ہے اور اس سلسلہ میں اقامت حق میں معاونت کی آیات بہت ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینهون عن المنکر﴾ اسی طرح فرمایا: کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنکر اور ایک مقام پر فرمایا: ﴿ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیله صفًا کانهم بنیان مرصوص﴾ ایک مقام پر فرمایا: ﴿اصبروا و صابروا و رابطوا﴾

۷۱: بَابُ التَّوَاضُعِ وَخَفْضِ الْجَنَاحِ لِلْمُؤْمِنِيْنَ

بَاب: تواضع اور مؤمنوں کے ساتھ نرمی کا سلوک

رسالہ قشیریہ میں اس کی تعریف اس طرح ہے۔ حق کے سامنے مکمل جھک جانا اور حکم پر اعتراض کو ترک کر دینا۔ شیخ زکریا کہتے ہیں یہ خشوع سے زیادہ عام ہے کیونکہ اس کا استعمال اس چیز میں ہوتا ہے جو بندوں کی باہمی اور بندوں اور رب تعالیٰ کے درمیان ہے اور خشوع کا استعمال صرف دوسرے پہلو میں ہوتا ہے۔ اس طرح نہیں کہتے: یتخشع العبد لمثله بلکہ اس طرح کہتے ہیں تواضع لفلان (تحفۃ القاری)

ابن حجر تواضع یہ الضعۃ سے بنا ہے ذلت و عاجزی کو کہتے ہیں۔ تواضع سے مراد جس کی تعظیم کا ارادہ ہو اس کے سامنے اظہار عاجزی ہے۔ بعض نے کہا کسی بڑے کی فضیلت کو مان لینا۔

فضیل کہتے ہیں حق کے سامنے جھکنا اور مطیع ہونا اور جس نے حق کہا ہو اس کی طرف متوجہ ہونا۔

ابن عطا کہتے ہیں ہر حق کہنے والے سے حق کو قبول کر لینا۔

ابو یزید بسطامی کہتے ہیں جب آدمی اس طرح ہو جائے کہ اپنے نفس کا کچھ مقام نہ خیال کرے اور نہ کوئی حالت بلکہ تمام مخلوق سے اپنے کو کم درجہ خیال کرے۔ مزید تشریح آئے گی۔

خفض الجناح نرمی کرنا اور رحم کھانا۔ اس کی اصل یہ ہے کہ جب پرندہ اپنے چوزوں کو اپنے ساتھ ملاتا ہے تو وہ اپنے پروں کو پھیلاتا ہے پھر پروں کو چوزوں پر بند کر لیتا ہے اور انسان کے لئے جناح سے مراد جانب و پہلو لیا جاتا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الشعراء:۸۸]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"تو اپنے بازو کو جھکا دے ان مؤمنوں کے لئے جو تیرے پیروکار ہیں"۔ (الشعراء)

واخفض جناحك ابن عطیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ نرمی والے پہلو سے استعارہ ہے۔ یعنی ان کے لئے تو نرم رویہ

اختیار کرو۔ جناح پہلو کو کہتے ہیں اسی سے یہ بھی ہے "واضحم يدك الى جناحك" اس میں ان کی طرف میلان کا حکم فرمایا۔ الجنوح میلان (تفسیر ابن عطیہ) اس کے کنایہ اور استعارہ ہونے میں تضاد نہیں۔ صاحب الفہر کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت پر نہایت شفقت تھی یہ آیت باب ضعفة المسلمين میں گزری ہے۔

وَقَالَ تَعَالٰى :

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ [المائدة:۵۴]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"اے ایمان والو جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر گیا اللہ عنقریب ایسی قوم کو لائیں گے جن سے وہ محبت کریں گے وہ اللہ سے محبت کریں گے۔ مؤمنوں کے ساتھ نرمی کرنے والے اور کافروں پر غالب اور زبردست ہوں گے"۔ (المائدہ)

يايها الذين امنوا من يرتد منكم عن دينه فسوف ياتى الله من يرتد منكم عن دينه کئی قبائل عرب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام اور خلافت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما میں مرتد ہو گئے۔ فسوف یاتی اللّٰہ بقوم عنقریب اللہ تعالیٰ ان کی جگہ اور ان کے بدلے ایسی قوم لائیں گے۔ یہاں سوف کا لفظ وعدے کی تحقیق کے لئے لایا گیا ہے۔ یحبھم یعنی ان کی رہنمائی فرمائیں گے اور ان کو ثابت قدم فرمائیں گے۔ ویحبونہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے ہوں گے۔ اس سے مراد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ہیں۔ ② اہل یمن یا اشعری لوگ ہیں۔ مستدرک نے نقل کیا جب یہ آیت اتری تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا اور فرمایا وہ یہ لوگ ہیں۔ یہ سب سے صحیح قول ہے۔ زمانہ اسلام میں خوب کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ اور عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کی عام فتوحات ان کے ہاتھوں تکمیل پذیر ہوئی۔ (النہر) اذلة على المؤمنين ان کے لئے عاجزی کرنے والے ان پر شفقت برتنے والے اور اپنے پہلو ان کے لئے نرم رکھنے والے ہیں۔

النحو: اذلہ جمع ذلیل ہے نہ ذلول کی جو کہ صعب کی ضد ہے کیونکہ اس کی جمع افعلۃ کے وزن پر نہیں آتی بلکہ ذلل آتی ہے اور علی کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اسی لئے اس کے ضمن میں ہم نے مہربانی کا معنی کیا ہے۔

اعزة على الكافرين کافروں کے معاملے میں سخت اور ان پر غلبہ پانے والے ہیں۔

صاحب النہر کہتے ہیں یہ صفت اس اسم کے ساتھ آتی ہے جس میں مبالغہ ہے کیونکہ اذلہ اور اعزہ ذلیل وعزیز کی جمع ہے اور یہ دونوں صیغہ ہائے مبالغہ ہیں اور اس سے پہلے صفت فعل کی صورت میں استعمال ہوتی ہے۔ یحبونہ کیونکہ اسم تو ثبوت کے لئے آتا ہے جب وہ صیغہ مبالغہ ہو تو تجدد نہ پایا جائے گا بلکہ کثرت کی طرح ہوگا اسی لئے صفت کو بصورت اسم لائے۔ جب پہلی صفت تجدد والی تھی کیونکہ وہ فعل طاعات اور اس پر مرتب ہونے والی انابت کا نام ہے۔ اسی وجہ سے فعل کی صورت میں صفت لائی گئی جو تجدد کو چاہتا ہے۔ جب مومن سے متعلق صفت زیادہ تاکید والی اور موصوف کے لئے لازم ہونے والی تھی۔

اسی لئے کافر کی صفت سے مومن کی صفت کو مقدم کیا اور اس لئے بھی کہ مومن اعلیٰ ہے اور جب مومن اور اس کے رب کے مابین آنے والا وصف اس سے زیادہ موکد تھا جو مومنوں کے مابین ہوتا ہے تو یحبھم ویحبونہ کو مقدم کیا اور اذلة علی المومنین کو بعد میں لائے۔ اس سے اس قول کی تردید ہوگئی کہ جب وصف اسم وفعل کی صورت میں ہو تو فعل مقدم نہیں ہوتا سوائے ضروری شعری کے۔ یہ اذلہ و اعزۃ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں یہ شاذ قول ہے۔ (النہر)

وَ قَالَ تَعَالٰی :

﴿یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ [الحجرات:۱۳]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والے اللہ کے ہاں وہ ہیں جو ان میں سب سے زیادہ متقی ہیں''۔ (الحجرات)

ذکر و انثی اس سے آدمؑ وحواؑ مراد ہیں اس میں بتلایا کہ تم نسب پر فخر کیوں کرتے ہو جبکہ سب ایک ماں باپ کی اولاد ہو۔ شعوباً یہ شعب کی جمع ہے۔ قبائل کی جڑ اور پہلا طبقہ۔ جن سے قبائل شاخ در شاخ ہوں۔ قبائل یہ شعب سے کم ہے۔ مثلاً تمیم یہ مضر سے ہیں بعض نے کہا شعوب عجم کے لئے اور قبائل عرب کے لئے آیا ہے۔

لتعارفوا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو نہ کہ فخر کرو۔ حدیث میں فرمایا: لتعلموا من انسابکم ما تصلون به ارحامکم صلہ رحمی وقت کے گزرنے سے بھلا دی جاتی ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم اس میں اس خصلت کا تذکرہ جس کی وجہ سے باہمی فضیلت ہے۔

وَ قَالَ تَعَالٰی :

﴿فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی﴾ [النجم:۳۲]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''پس اپنے آپ کو پاک مت قرار دو وہ خوب جانتا ہے اس کو جو بڑے تقویٰ والا ہے''۔ (النجم)

فلا تزکوا انفسکم ان کی زیادہ تعریف مت کرو اور پاکیزگی کی طرف ان کی نسبت مت کرو اور نہ نفس کے اعمال پر فخر کرو۔ ابن عطیہ کہتے ہیں اس کا ظاہر بتلا رہا ہے کہ آدمی کو اپنا تزکیہ نہیں کرنا چاہئے اور اس کا بھی احتمال ہے کہ ایک دوسرے کو پاک قرار دینے کی ممانعت ہو۔ اس صورت میں ممانعت اس کی ہوگی جو دنیا کی غرض سے ہو یا کسی کے تزکیہ میں قطعی بات کہنا مراد ہے۔ البتہ اگر مقتدا یا امام کسی کو اس لئے صفائی دے کہ لوگ اسکی اقتدا کریں یا اس سے کسی بھلائی کی تکمیل ہوتی ہو یہ بالکل جائز ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ مثلاً ابوبکر کا تزکیہ فرمایا۔ ھو المسلم بمن اتقی بعض اوقات لوگ کسی کی نسبت تقویٰ کی طرف کرتے ہیں حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا نہیں ہوتا۔ اسی لئے حدیث میں وارد ہے: اذا کان احدکم

ما دحاً صاحبه لا محالة فليقل احسب فلاناً واللّٰه حبيبه ولا ازكى على اللّٰه احدا' احسبه كذا و كذا ان يعلم ذلك" اعلم یہ اسم تفضیل ہے بعض اس کو عالمؐ کے معنی میں قرار دیا مگر جمہور کا قول یہ ہے یہ اپنے معنی میں ہے یعنی وہ تمام موجودین سے زیادہ جانتے ہیں۔

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿وَنَادٰى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمَاهُمْ قَالُوْا : مَا اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ' اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ؟ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ﴾ [الاعراف:٤٨،٤٩]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اعراف والے آواز دیں گے ان آدمیوں کو جن کو وہ ان کے نشانات سے پہچانتے ہوں گے کہیں گے تمہاری پارٹی نے تم کو کوئی فائدہ نہ دیا اور ان چیزوں سے جن پر تم تکبر کرتے تھے۔ کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں اٹھاتے تھے۔ ان کو اللہ رحمت عنایت نہیں فرمائیں گے تم داخل ہو جاؤ جنت میں نہ تم پر کوئی خوف ہو گا اور نہ تم غمگین ہو گے''۔ (اعراف)

اصحاب الاعراف اعراف جنت و دوزخ کے درمیان حائل دیوار کا نام ہے۔ یعرفونهم بسیماهم ہم سے مراد روٴسا و کفار جیسے ابوجہل وغیرہ جن کا نام لے کر وہ کہیں گے۔ قالوا ما اغنی عنکم تمہیں کچھ فائدہ نہ دیا اور یہ بھی جائز ہے کہ ما استفہامیہ ہو کس چیز نے تم کو فائدہ دیا؟ ابن عطیہ نے اسی کو زیادہ درست کہا۔ جمعکم تمہاری افراد کثرت اور مال جمع کرنے سے۔ وما کنتم تستکبرون تمہارے حق سے تکبر کرنے اور روگردانی اختیار کرنے کی وجہ سے۔ پھر اہل اعراف ان کفار کو کہیں گے۔ اهولاء الذین اقسمتم لاینالهم برحمة ہولاء کا مشار الیہ وہ کمزور مسلمان ہیں جن کو کفار حقیر قرار دیتے اور ان کا دنیا میں تمسخر اڑاتے بلکہ قسمیں کھاتے کہ اگر کوئی آخرت ہوئی تو اس میں بھی جنت میں ہم جائیں گے یہ نہ جائیں گے۔ رحمة سے یہاں جنت کا داخلہ بطور مجاز مرسل مراد لیا ہے اور بقول دمامینی رحمت کی تفسیر مختلف مقامات پر کئی مقامات پر احسان اور ارادہ احسان سے اس کی تفسیر بالکل درست نہیں۔

ادخلوا الجنة لا خوف علیکم کسی ناپسند چیز کا خطرہ نہ ہوگا تمہیں اس سے محفوظ کر دیا گیا۔ ولا انتم تحزنون اس وجہ سے کہ کوئی محبوب ترین چیز فوت ہو' ضمیر تاکید کے لئے ہے اور ادخلوا کا مخاطب ضعفاء موٴمنین ہو یعنی ان کو یہ بات کہی جائیگی۔ یا اہل اعراف ہوں یعنی ان کو یہ کہا جائے گا یا پھر بطور عار اہل اعراف اہل نار کو کہیں گے اور اہل نار ان کو کہیں گے۔ اگر یہ لوگ جنت میں چلے گئے تو قسم بخدا تم جنت میں نہ جاؤ گے یہ بطور عار کہیں گے۔ اس وقت فرشتے کہیں گے۔ کیا ان اہل اعراف کے متعلق تم قسمیں اٹھاتے ہو کہ ان کو اللہ تعالیٰ رحمت سے نہ نوازیں گے؟ پھر ملائکہ اہل اعراف کو جنت میں داخلے کا حکم جاری کریں گے۔

۶۰۲ :وَعَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :"اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰى اِلَيَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لَا يَفْخَرَ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ وَلَا يَبْغِيَ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۶۰۲: حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی ہے کہ تم تواضع (عاجزی وانکساری) اختیار کرو۔ یہاں تک کہ تم میں سے کوئی بھی دوسرے پر فخر نہ کرے نہ دوسرے پر زیادتی کرے۔ (مسلم)۔

عیاض بن الحمار کا لفظی معنی گدھا ہے۔ حمار کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ بن ناجیہ بن عقال بن محمد بن سفیان بن مجاشع بن دارم بن مالک بن حنظلہ بن مالک بن زید بن مناۃ بن تمیم یہ مجاشعی تمیمی رضی اللہ عنہ ہیں۔ بعض نے اور سلسلہ نسب بتلایا ہے۔ حضرت عیاض بصرہ میں مکین ہوئے یہ اہل بصرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تیس روایات نقل کی ہیں۔ مسلم میں دو نقل کی ہیں (تہذیب نووی)۔

اوحی الی اس سے وحی الہام مراد ہو یا وحی رسالت۔ ان تواضعوا تواضع اختیار کرو۔ حسن بصری کا قول گھر سے نکل کر جس مسلمان کو ملے اس کو اپنے سے افضل سمجھنا تواضع ہے۔ ابو یزید کا قول جب تک آدمی کے دماغ میں یہ رہے کہ مخلوق میں اس سے اور کمتر آدمی ہے اس وقت تک اس میں تکبر پایا جاتا ہے۔ بعض نے کہا تواضع انکسار و تذلل کا نام ہے اس کی ضد تکبر و بڑائی ہے۔ قرطبی کا قول تواضع انکسار و تذلل کا نام ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی ایسی ذات ہو جس کے سامنے وہ تواضع کرنے والا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اسی لئے جن کیلئے اللہ تعالیٰ نے تواضع کا حکم فرمایا مثلاً رسول امام حاکم عالم والد وغیرہ۔ یہی وہ قابل تعریف تواضع ہے جس سے دونوں جہاں میں اللہ تعالیٰ بلند کرتے ہیں۔ تمام لوگوں کے لئے تواضع میں اصل یہ ہے کہ وہ محمود و مستحب ہے اور اس کی طرف ترغیب دلائی گئی ہے جبکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو اور جو متواضع ہو اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں اسے بلند کرتے ہیں اور لوگوں میں اس کا اچھا تذکرہ کیا جاتا ہے اور آخرت میں اس کا درجہ اونچا ہوگا۔

البتہ دنیاداروں کے سامنے تواضع کرنا اور ظلم کرنے والوں کے سامنے تذلل اختیار کرنا یہ ایسی ذلت ہے جس میں عزت کا نشان نہیں اور یہ وہ نا کامی ہے جس سے رفعت میسر نہیں آ سکتی بلکہ آخرت کی ذلت دامن ہوتی ہے اور ہر معاملہ وہ نقصان میں پڑتا ہے اور وارد ہے کہ جس نے غنی کے لئے تواضع اختیار کی اس نے اپنے دین کے دو حصے ضائع کر دیئے۔ حتیٰ عاجزی کی انتہاء یہ ہے کہ اپنے نفس کا بالکل دھیان نہ رہے۔ مطلب یہ ہے کہ تواضع کو اس طرح اختیار کرو کہ ایک دوسرے پر بالکل فخر نہ کرو۔ الفخر مصدر ہے اسم فخار اس سے اسم ہے سلام کی طرح ہے۔ یہ مکارم و مناقب کے متعلق حسب و نسب کے لحاظ سے فخر کرنا خواہ وہ مکارم اس میں پائے جائیں یا اس کے آباء میں۔ احد علی احد فخر سے ایک کو دوسرے پر بلند قرار دے۔ حالانکہ اصل کے لحاظ سے اس طرح نہیں کیونکہ تمام مخلوق ایک اصل سے ہے اور عارضی حالت کو دیکھ کر جو کہ زائل ہونے والی ہے کسی کو بڑا قرار دینا عقل کا تقاضا نہیں۔ و لا یبتغی احد علی احد یہ یفخر پر عطف ہے یعنی یہاں تک کہ وہ نہ ظلم کرے اور نہ حد سے بڑھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس نے انکساری اختیار کی اس نے اپنے اور ظلم و فساد اور اعتداء کے درمیان رکاوٹ

بنالی۔

تخریج: اخرجه مسلم ٦٤/٢٧٦٥۔

الفوائد: ① رسول، امام، حاکم، عالم، والد کے لئے تواضع واجب ہے۔ ② عام لوگوں سے تواضع مستحب اور اعلیٰ اخلاق سے ہے جب کہ رضاءِ الٰہی کے لئے ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرتے ہیں۔

٦٠٣ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ ، وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا ، وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ ' رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

٦٠٣ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی صدقہ مال کو کم نہیں کرتا اور جتنا بندہ درگزر کرتا ہے اللہ اس کی عزت بڑھاتے ہیں اور جس نے اللہ کے لئے تواضع کی اللہ نے اس کو بلند کر دیا۔ (مسلم)

ما نقصت صدقه من مال: صدقہ سے دنیا میں برکت ہوتی ہے اور اس کے مفاسد دور ہوتے ہیں یعنی جتنا مال بظاہراً کم ہوتا ہے صدقے کی برکت سے اتنا بڑھ کر اس کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ بعض نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں کئی گنا ملے گا اور ثواب بھی پائے گا۔ ما زاد الله عبدًا بعضوا الاعزاء جو کسی کی ذات کو نقصان پہنچائے خواہ اس کی ذات یا عزت یا مال وغیرہ میں ہو دنیا یا آخرت میں اس کی عزت بڑھے گی۔

وما تواضع الله الا رفعه الله اس میں دو قول ہیں ان تینوں چیزوں میں وہ دونوں صورتیں درست ثابت ہو سکتی ہیں (نووی) باب الکرم والجود میں تشریح دیکھیں۔

تخریج : اخرجه مسلم ٢٥٨٨، واحمد ٩٠١٨/٣ والترمذی ٢٠٣٦ وابن حبان ٣٢٤٨ وابن خزيمة ٢٤٣٨ والبيهقی ١٨٧/٤ والدارمی ٣٩٦/١ والبغوی فی المیشکاة ١٨٨٩۔

الفوائد: ① مسلمانوں میں الفت و محبت بڑھانے کے لئے اہل ایمان کے ساتھ تواضع اختیار کرنا لازم اخلاق کا حصہ ہے۔ ② تفاخر بالانساب سے بغض و کینہ پیدا ہوتا ہے۔ ③ صدقے سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ برکت پڑتی ہے۔

٦٠٤ : وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ مَرَّ عَلٰی صِبْیَانٍ فَسَلَّمَ عَلَیْهِمْ وَقَالَ : كَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَفْعَلُهٗ'' مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

٦٠٤ : حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کا گزر چند بچوں کے پاس سے ہوا جن کو انہوں نے سلام کیا اور فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کیا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

عن انس یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کا واقعہ یہ ہے۔ صبیان یہ صبیہ کی جمع قلت ہے یعنی ان کی ممتاز جماعت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا۔ کان النبی صلی الله علیه وسلم یفعله ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو اپناتے ہوا اور کسرِ نفس کے

لئے بچوں کو سلام کیا کیونکہ بڑے لوگ طبعی طور پر بچوں کے خطاب سے اپنے کو برا خیال کرتے ہیں ان سے گھل مل جانا یہ تو دور کی بات ہے۔ ابن بطال کا قول۔ اس میں بچوں کو تہذیب سکھانا اور تکبر کی چادر کو چاک کرنا اور نرم گوشہ اختیار کرنا ہے۔ **کان** کا استعمال محققین کے ہاں یہاں تاکید کا فائدہ نہیں دیتا۔ اسی روایت کو حمید نے اس طرح نقل کیا کہ **انا علام فی الغلمان فسلم علینا۔**

تخریج : اخرجه البخاری ٤٢٤٧ ومسلم ٢١٦٨ وابو داود ٥٢٠٢ و٥٢٠٣ والترمذی ٢٧٠٥ والنسائی فی عمل الیوم واللیلة ٣٣١ وابن ماجه ٣٧٠٠ والدارمی ٢٧٦/٢ وابن حبان ٤٥٩ والزار ٢٠٠٧ وابو نعیم فی الحلیة ٢٩١/٦۔

الفرائد: ① بقول ابن بطالؒ بچوں کو سلام کرنے میں بچوں کو آداب شرع کی تعلیم و تہذیب مقصود ہے۔ ② تکبر ترک کر کے سب لوگوں کو سلام کرنا چاہئے۔ ③ جناب رسول اکرم ﷺ کی کمال تواضع ذکر کی گئی ہے۔

۶۰۵ : **وَعَنْهُ قَالَ :اِنْ کَانَتِ الْاَمَةُ مِنْ اِمَآءِ الْمَدِیْنَةِ لَتَاْخُذُ بِیَدِ النَّبِیِّ ﷺ فَتَنْطَلِقُ بِهٖ حَیْثُ شَآءَ تْ" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔**

۶۰۵: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے کہ مدینہ کی باندیوں میں سے کوئی باندی نبی اکرم ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی آپؐ کو لے جاتی۔ (بخاری)

ان کانت الامة یہ ان مخففہ من المثقلہ ہے۔ امۃ لونڈی۔ **من اماء المدینة** یعنی اہل مدینہ کے کسی رہنے والے کی لونڈی۔ **المدینه** اس سے دارالہجرت مراد ہے یہ اب علم بن گیا۔ قرآن نے اسی طرح استعمال فرمایا۔ **لتاخذ** یہ لام ظاہر کرتی ہے کہ ان مثقلہ ہے۔ **فتنطلق به حیث شاء ت** یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال تواضع کا بیان ہے اس کی مندرجہ ذیل وجوہ ہیں ① وہ لونڈی ہے با اثر انسانوں میں سے نہیں ② وہ آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر لے جاتی ہے تو آپ ﷺ اس کے ساتھ چلے جاتے ہیں یہ کمال انقیاد ہے۔ ③ وہ اپنے کام کی غرض سے قریب و بعید جگہ لے جاتی ہے۔ یہ کمال شفقت ہے۔

تخریج :اخرجه البخاری فی الادب ٦٠٧٢ تعلیقاً۔

الفرائد: ہر چھوٹے بڑے پر آپ ﷺ کی شفقت حقیقیہ ٹپک رہی ہے اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور وہ سب سے زیادہ سچے ہیں ﴿**وما ارسلناك الا رحمة للعالمین**﴾

۶۰۶ : **وَعَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ :سُئِلَتْ عَآئِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا مَا کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَصْنَعُ فِیْ بَیْتِهٖ؟ قَالَت : کَانَ یَکُوْنُ فِیْ مِهْنَةِ اَهْلِهٖ ' فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ خَرَجَ اِلَی الصَّلٰوةِ" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔**

۶۰۶: حضرت اسود بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا۔

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کرتے تھے؟ وہ کہنے لگیں کہ آپ گھر والوں کی خدمت میں لگے رہتے جب نماز کا وقت ہوتا تو آپ نماز پڑھنے کے لئے تشریف لے جاتے۔ (بخاری)

عن الاسود بن یزید ان کی کنیت ابوعمرو یا ابوعبدالرحمان ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ یزید بن قیس بن عبداللہ بن مالک بن علقمہ بن سلامان بن کہیل النخعی کوفی تابعی رحمۃ اللہ علیہ۔ امام احمد کا قول۔ یہ بھلے آدمی ہیں اور ثقہ ہیں ان کی ثقاہت پر اتفاق ہے۔ قول میمون بن حمزہ اسود نے پیدل اسّی حج اور عمرے کئے دونوں کو جمع نہ کیا (تہذیب نووی) **یصنع** یہ فعل کی بنسبت خاص میں استعمال ہوتا ہے۔ **فی بیتہ** یعنی اپنے مکان میں۔ **المھنۃ** بعض نے اس کو کسرہ سے پڑھا اصمعی کہتے ہیں یہ فتحہ سے ہے اس کا معنی خدمت ہے۔ صاحب نہایہ نے کہا اس کا کسرہ بھی درست ہے (النہایہ) شفاء کے حاشیہ میں کسرہ کو غلط کہا گیا ہے۔ ابن اقبرس نے بھی دونوں لغت تسلیم کئے ہیں۔ **تعنی خدمۃ اھلہ** یہ اسود کے الفاظ ہو سکتے ہیں اور کسی اور کے بھی بخاری کے نسخوں میں یہ عبارت نہیں مؤلف لائے ہیں۔ الشفاء میں یہ الفاظ زائد ہیں **کان فی بیتہ فی مھنۃ اھلہ یفلی ثوبہ ویحلب شاتہ ویرقع ثوبہ ویخصف نعلہ ویخدم نفسہ ویعلف ناضحہ ویقیم البیت ویعقل البعیر ویاکل مع الخادم ویعجن معھا ویحمل بضاعتہ من السوق**" یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال تواضع ہے کہ سید القوم خادمہم۔ اس روایت سے ظاہر مراد یہ ہے اگر اس سے اہم کام نہ ہوتا تو گھریلو کاموں میں ہاتھ بٹانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیب نہ سمجھتے۔ اگر اہم ترین کام ہوتا وہ انجام دیتے۔ **فاذا حضرت الصلوٰۃ خرج الی الصلوٰۃ** تا کہ نماز کو اس کے اول وقت میں ادا فرمالیں کیونکہ افضل ترین عمل ہے۔

تخریج :اخرجہ البخاری ٦٧٦۔

الفرائد: ① ترک تکبر اور تلبس تواضع کی تعلیم دی گئی ہے۔ ② گھر کے کام کاج میں مرد کے لئے کمال تواضع ہے یہ خیر خلق اللہ کا عمل ہے۔

٦٠٧ :وَعَنْ اَبِیْ رِفَاعَةَ تَمِیْمِ بْنِ اُسَیْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :انْتَهَیْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ هُوَ یَخْطُبُ فَقُلْتُ :یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَجُلٌ غَرِیْبٌ جَآءَ یَسْاَلُ عَنْ دِیْنِهٖ لَا یَدْرِیْ مَا دِیْنُهٗ؟ فَاَقْبَلَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَتَرَكَ خُطْبَتَهٗ حَتّٰی انْتَهٰی اِلَیَّ ، فَاُتِیَ بِكُرْسِیٍّ فَقَعَدَ عَلَیْهِ وَجَعَلَ یُعَلِّمُنِیْ مِمَّا عَلَّمَهُ اللّٰهُ ثُمَّ اَتٰی خُطْبَتَهٗ فَاَتَمَّ اٰخِرَهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

٦٠٧: حضرت ابورفاعہ تمیم بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ کے پاس اس وقت پہنچا جب آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک مسافر آدمی اپنے دین کے بارے میں پوچھنے آیا ہے اسے دین کا پتا نہیں۔ رسول اللہ میری طرف خطبہ چھوڑ کر متوجہ ہوئے یہاں تک کہ میرے پاس پہنچ گئے۔ آپ کے لئے ایک کرسی لائی گئی جس پر آپ تشریف فرما ہوئے اور مجھے وہ سکھلانے لگے جو اللہ نے آپ کو سکھلایا۔ پھر اپنے خطبے کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے آخری حصے کو مکمل فرمایا۔ (مسلم)

ابی رفاعہ ان کا نام تمیم ہے والد کا نام اسید۔ ہمزہ کے فتحہ اور ضمہ سے پڑھا گیا ہے۔ (تبصیر المنبہ لابن حجر) سلسلہ نسب اس

ہے۔ اسید بن عبد العزی بن جعونہ بن عمرو بن العین بن ازاح بن عمرو بن سعد بن کعب بن عمرو الخزاعی رضی اللہ عنہ ابن اثیر کہتے ہیں یہ اسلام لائے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم کے حدود کے لئے نصب کردہ پتھروں کی تجدید کا حکم فرمایا یہ مکہ میں مقیم ہو گئے (اسد الغابہ) انہوں نے ۱۸ روایات نقل کی ہیں جیسا ابن جوزی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے (استخرج اتیج) مسلم نے ان کی یہی روایت نقل کی ہے۔ بخاری میں کوئی روایت نہیں ہے۔ یخطب اس سے خطبہ جمعہ مراد ہے۔

اللغات: فقلت یا رسول اللہ رجل غریب جاء یسال عن دینہ یہ دونوں جملے فعلیہ رجل کی صفت بھی بن سکتے ہیں جیسا اس آیت میں ھذا ذکر مبارک انزلناہ اور حال بھی بن سکتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ وہ یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ کونسا سے دینی احکام اسے لازم ہیں۔ لا یدری ما دینہ یہ جملہ استفہامیہ ما قبل فعل سے متعلق ہے اس سے معلوم ہوا کہ سائل سے نرمی ہی بہتر ہے۔ ناقبل علی آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرسی پیش کی گئی جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے تا کہ دیگر حاضرین بھی بات کو سنیں اور زیارت کریں۔ وجعل یعلمنی کا علمہ اللہ یعنی مجھے اسلام میں داخل ہونے اور جو ایمان کے تقاضے تھے وہ سکھلانے لگے۔ ثم اتی خطبتہ فاتم یہ کمال شفقت ہے کہ منبر سے نیچے تشریف لا کر اس کو دین کے احکام سکھائے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معاملات میں سب سے اہم کو مقدم کرنا چاہئے اور ممکن ہے سائل عقائد معلوم کرنا چاہتا تھا۔ علماء کا اتفاق ہے کہ جو اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہوا سے فی الفور تعلیم دینی چاہئے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ عام تقریر ہو جمعہ کا خطبہ نہ ہو اسی لئے اسے قطع کر دیا۔ یا اس مسافر کی کلام کا تعلق بھی خطبہ سے ہو۔ پس خطبے کا حصہ ہونے کی وجہ سے جگہ بدلنے سے انقطاع نہ ہوا۔

تخریج: اخرجه مسلم ۸۷٦ والنسائي ٥٣٩٢۔

الفوائد: سائل کو جلد جواب دینا چاہئے اور مسائل میں اہم سے اہم تر کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۶۰۸ : وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا اَكَلَ طَعَامًا لَعِقَ اَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ قَالَ وَقَالَ: "اِذَا سَقَطَتْ لُقْمَةُ اَحَدِكُمْ فَلْيُمِطْ عَنْهَا الْاَذٰى وَلْيَاْكُلْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ" وَاَمَرَ اَنْ تُسْلَتَ الْقَصْعَةُ قَالَ: فَاِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِيْ اَيِّ طَعَامِكُمُ الْبَرَكَةُ". رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۶۰۸: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا تناول فرماتے تو اپنی تینوں انگلیاں چاٹ لیتے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر پڑے تو اس سے وہ مٹی کو دور کر کے اس کو کھالے اور اس کو شیطان کے لئے نہ چھوڑے اور ہمیں حکم فرمایا کہ ہم پیالے کو چاٹ لیا کریں۔ ارشاد فرمایا تم نہیں جانتے ہو؟ کہ تمہارے کون سے کھانے میں برکت ہے۔ (مسلم)

اذا کل طعاما طعام سے یہاں وہ نرم چیز جو انگلیوں کو لگنے والی ہو۔ لعق اصابعہ الثلاثہ۔ تین انگلیوں سے مراد انگوٹھا، مسبحہ اور وسطی مراد ہے۔ چاٹنے کی ابتدا وسطی سے ہوئی کیونکہ وہ سب سے بڑھ کر ملوث ہونے والی ہے وہ لمبائی کی وجہ سے کھانے

میں پہلے اترتی ہے۔ پھر سبابہ پھر اس کے قریب والی جیسا طبرانی اوسط نے نقل کیا ثم رأيته صلى الله عليه وسلم يلعق اصابعه الثلاثة قبل ان يمسحها الوسطى ثم التي تليها ثم الابهام شاید اس خبر کے سامنے نہ ہونے کی وجہ سے ثلاث کی نسبت کر دی۔ اہم بات: انگلیاں چاٹنے کو ناپسند کرنے والوں کی تردید ہے۔ بقول خطابی ایسے لوگوں کے دل خوشحالی کی وجہ سے بگڑ چکے ہیں۔ ان حمقاء کو یہ نظر نہیں آتا کہ انگلیوں سے چمٹنے والا کھانا اسی کھانے کا جزء ہے جو انہوں نے کھایا ہے۔ اگر تمام کھانا برا نہیں تھا تو انگلیوں والا کس طرح برا بن گیا۔ بسا اوقات آدمی اپنے منہ میں انگلی داخل کر کے اس کو ملتا ہے مگر اس کو مزاج میں آ جانے کی وجہ سے برا نہیں سمجھتا (خطابی) اور برا انگلیاں چاٹنا اس لئے قبیح نظر آیا کہ ان انگلیوں منہ میں اور کھانے میں لوٹاتا ہے اور لعاب کے اثرات انگلیوں کے ساتھ لگے ہونے کا احتمال ہے۔ اگر اس وہم کی وجہ سے ناپسند کیا تو تارک سنت ہوگا اور اگر تحقیر کی وجہ سے اس کو قبیح خیال کیا تو ملت اسلام سے خارج ہو گیا۔ آپ کے کسی فعل مبارک کا استخفاف کفر ہے (التعرف الوسائل)

سقطت لقمة احدكم فليمط: گرے ہوئے لقمے سے مٹی کا ازالہ کرے اگر وہ خشک چیز ہو کیونکہ مائع چیز تو مٹی سے مل جاتی ہے جدا کرنا ممکن نہیں۔ عنها الاذى جو گرنے سے اس کے ساتھ چمٹ گئی ہے۔ وليأكلها یہ نفس کی اس عادت کو توڑنے کے لئے کہ بڑی چیز کو اٹھا کر کھانے اپنے سے باعث عار خیال کرتا ہے۔ لا يدعها للشيطان اور شیطان کے لئے نہ چھوڑے۔ وامرنا ان تسلت القصعة پیالے کو چاٹ لے۔ قصعة جس پیالے میں دس آدمی کھانا کھا سکتے ہوں صحفة وہ پیالہ جس میں پانچ آدمیوں کا کھانا آئے۔ (الصحاح المهذب) فانكم لا تدرون في اي طعامكم البركة تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے کون سے کھانے میں برکت ہے گرے ہوئے لقمے یا پیالے اور انگلیوں سے چمٹے ہوئے کھانے میں۔ نووی کا قول: وہ کھانا جس میں برکت اتری ہے وہ معلوم نہیں کہ اس کھانے میں تھی جو کھایا جا چکا یا جو گر گیا یا انگلیوں اور پیالے سے جو چمٹا ہوا ہے۔ پس حصول برکت کے لئے تمام کی حفاظت کرے۔ برکت اصل میں اضافہ اور خیر کا قائم ہونا اور اس سے نفع اٹھانے کو کہا جاتا ہے۔ یہاں اس سے مراد وہ کھانا جس سے غذا میسر ہو اور انجام کے لحاظ سے ایذاء سے محفوظ رہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہمت حاصل ہو۔

تخریج: اخرجه احمد ٤/٢٢٨١٥ و مسلم ٢٠٣٤ و ابو داؤد ٣٨٤٥ و الترمذی ١٨٠٣ و النسائی فی الکبری ٤/٦٧٦٥ و ابن حبان ٥٢٤٩ وغیرهم۔

الفوائد: ① گرنے والے لقمہ کو مٹی وغیرہ سے صاف کر کے کھا لینا مستحب ہے ② تین انگلیوں سے کھانا مستحب ہے مگر جب کہ کوئی عذر ہو ③ انگلیوں اور برتن کو چاٹ لینا چاہئے۔ متکبرین اور حکام کی طرح نہ کرنا چاہئے۔

۷۶۸: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا رَعَى الْغَنَمَ" قَالَ اَصْحَابُهُ: وَاَنْتَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ كُنْتُ اَرْعَاهَا عَلَى قَرَارِيْطَ لِاَهْلِ مَكَّةَ" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۶۰۹: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس پیغمبر کو بھی بھیجا اس نے بکریاں چرائیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اور آپؐ بھی؟ آپؐ نے فرمایا جی ہاں۔ میں اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط پر چراتا تھا۔ (بخاری)

بعث رسول و نبی بنانا۔ رعی الغنم تاکہ بکریوں کی نگرانی سے امت کی نگرانی کی مشق کرائی جائے جن کو دین حق کی دعوت پہنچانی ہے۔ قال اصحابه وانت کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بکریاں چرائی ہیں نبیاً کی تنکیر سے یہ بات معلوم ہوتی تھی کہ اسی عموم میں آپ ﷺ بھی شامل ہیں اگر کلام مجازی ہو تو عام بول کر خاص مراد لیا گیا۔ قال نعم یعنی اس سلسلہ میں انہی سے ہوں۔ آگے اسکی وضاحت فرمائی کہ کنت ارعاها علی قراریط لاهل مکة ۔ کامل کے کمال میں معاملہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا جب تک کہ کوئی مروت کے خلاف یا ممنوع چیز کا ارتکاب نہ ہو۔ قراریط یہ مکہ کی کسی جگہ کا نام ہے یا درا ہم و دینار کا ایک جزء۔ لاهل مکة۔ اس کو قراریط سے ظرف مستقر قرار دیں تو وہ جگہ کا نام بنے گا۔ باب استحباب العزلة میں مزید تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

تخریج : بخاری، ابن ماجه، بغوی فی المشکاة ۲۹۸۳۔

۶۱۰: وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "لَوْ دُعِيْتُ إِلٰى كُرَاعٍ أَوْ ذِرَاعٍ لَأَجَبْتُ، وَلَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ ذِرَاعٌ أَوْ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۶۱۰: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجھے بکری کے پائے یا بازو کھانے کی دعوت دی جائے تو میں ضرور قبول کروں اور اگر میرے پاس پائے یا بازو ہدیۃً بھیجے گئے تو میں ضرور قبول کروں گا۔ (بخاری)

کراع گھٹنے سے پنڈلی تک کا حصہ۔ ترمذی کی یہ روایت اس کی تائید کرتی ہے لو اهدی الی کراع لقبلت اور طبرانی کی روایت جو ام حکیم رضی اللہ عنہا سے مروی ہے یا رسول اللہ یکرہ رد الظلف؟ قال ما اقبحه لو اهدی الی کراع لقبلت (طبرانی) کیا کھراوڑے کا واپس کرنا ناپسند ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہت برا ہے اگر مجھے پنڈلی کی نلی ہدیہ کرے میں وہ بھی قبول کرلوں گا۔ او ذراع ابن حجرؒ کہتے ہیں ذراع اور کراع کو اس لئے لائے تاکہ تھوڑا اور زیادہ دونوں کو شامل ہو کیونکہ آپ ﷺ کو دستی کا گوشت محبوب تھا اور نلی اس کے بالمقابل بہت معمولی چیز ہے۔ مثل مشہور ہے: اعط العبد کراعا یطلب ذراعاً۔ ولو اهدی الی ذراع ابن بطال کہتے ہیں اس میں قبول ہدیہ پر آمادہ کیا گیا خواہ وہ معمولی چیز ہو تا کہ ہدیہ دینے والے کی تحقیر نہ ہو۔ بلکہ تالیف ہو جائے۔ دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنی چاہئے خواہ وہ معمولی چیز کیوں نہ ہو۔ اس میں تواضع کی تعلیم دی گئی اور باہمی الفت و محبت پیدا کرنے والے اعمال پر برانگیختہ کیا گیا ہے۔

تخریج : بخاری فی الهبة والنکاح، نسائی فی الولیمه، احمد ۳/۱۰۲۱۶، ابن حبان ۵۲۹۱، بیهقی ۶/۱۶۹، بغوی فی المشکاة ۱۸۲۷۔

الفرائد: ① دعوت وہدیہ قبول کرلینا چاہئے خواہ وہ معمولی چیز ہو۔ ② سچی محبت اور سرور ہی کھانے کی دعوت کا ذریعہ ہے۔

۶۱۱ : وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَتْ نَاقَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْعَضْبَآءُ لَا تُسْبَقُ اَوْ لَا تَكَادُ تُسْبَقُ ، فَجَآءَ اَعْرَابِيٌّ عَلٰى قَعُوْدٍ لَّهٗ فَسَبَقَهَا فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ حَتّٰى عَرَفَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ : "حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ اَنْ لَّا يَرْتَفِعَ شَيْءٌ مِّنَ الدُّنْيَا اِلَّا وَضَعَهٗ" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۶۱۱: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عضباء نامی اونٹنی تھی جس سے کوئی اونٹ سبقت نہیں کر سکتا تھا ایک دیہاتی اپنے اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور اس سے آگے نکل گیا یہ بات مسلمانوں پر گراں گزری۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گرانی کو پہچان لیا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ جو بھی چیز دنیا میں بلند ہے اس کو نیچا کر دے۔ (بخاری)

العضباء نووی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد اونٹنیاں تھیں جن کے نام یہ ہیں: القصویٰ الجدعاء العضباء' ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ عضباء آپ کی ناقہ کا نام ہے کسی جسمانی نقص کی وجہ سے یہ نام نہ تھا۔ مگر شیخ زکریا کہتے ہیں آپ ﷺ کی اونٹنی نہ عضباء اور نہ قصویٰ تھی یہ دونوں اس اونٹنی کے وصفی نام تھے (تحفۃ القاری وجوہری) قاضی عیاضؒ نے ناقہ سے متعلق روایات نقل کی ہیں ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی اونٹنی کے وصفی نام ہیں۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ یہ اس کا نام ہے اور یہ بات بھی ثابت شدہ ہے القصویٰ الگ اونٹنی ہے۔

حربی کا قول۔ العضب اور الجدع۔ ناک کے سوراخ اور القضو' المخضرمہ کان کا چرنا۔

ابن الاعرابی کا قول: القصویٰ جس کے کان کی ایک طرف کٹی ہو۔ اور الجدع کان کا کچھ حصہ کٹا ہو۔

اصمعی کا قول: القصویٰ کا اوپر والا معنی ہے۔ البتہ کان کے ہر کٹاؤ کو جدع کہتے ہیں اور جب کان کے چوتھائی حصہ سے بڑھ جائے تو یہ عضباء اور المخضرمہ جس کا کان جڑ سے کٹ گیا ہو اور العضباء جس کا نصف یا اس سے اوپر کان کٹا ہو۔

خلیل کہتے ہیں المخضرمہ کان کٹی ہوئی' العضباء کان چری ہوئی۔ حربی کہتے ہیں حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ العضباء نام ہے اگر اس کا کان چرا تھا تو پھر نام بن گیا (الشفاء لقاضی)

ابراہیمی تیمی تابعی کہتے ہیں العضباء قصویٰ' الجدعاء یہ ایک ہی اونٹنی کے نام ہیں۔

ابن حجر کا قولؒ: اس میں اختلاف ہے کہ عضباء اور قصویٰ ایک اونٹنی ہے یا الگ۔ حربی کا قول یہ ہے کہ یہ ایک ہی اونٹنی کے نام ہیں (ابن سعد عن واقدی) دیگر علماء نے کہا کہ الجدعاء یہ سیاہی سفیدی ملے رنگ والی تھی۔ نزول وحی کا صرف یہ بوجھ برداشت کرتی اس کے علاوہ بھی آپ ﷺ کی اونٹنیاں تھیں۔ **لا تسبق او لا تکاد تسبق** یہ حمید راوی کی طرف سے شک ہے۔ باقی روایات میں **لا تسبق** ہی ہے۔ **فجاء اعرابی** اس کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ **علٰی قعود له** وہ اونٹ جو سواری کے قابل ہو چکا ہو۔ جوہری کہتے ہیں جوان سال اونٹ کو کہتے ہیں سواری کے قابل ہونے تک یہی نام ہے۔ اس کی کم سے کم عمر دو سال ہوتی ہے جب۔ جب چھٹے سال تک پہنچ جائے تو جمل کہلاتا ہے۔ ازہری کہتے ہیں نر اونٹ کو قعود کہتے ہیں مادہ کو قلوص

کہتے ہیں۔ کسائی نے قلوص کے لئے قعود ۃ استعمال کیا ہے مگر اکثریت نے تردید کی ہے۔ خلیل کہتے ہیں قعود وہ اونٹ جس پر چرواہا اپنا سامان رکھے اور سوار ہو۔ فسبقھا مسلمانوں پر یہ سبقت گراں گزری جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہروں پر نگاہ ڈالی اور آثار پریشانی دیکھے کہ عضباء سے دوڑ جیت لی گئی ہے۔ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غم و صدمے کو دور کرنے کے لئے فرمایا یہ دوڑ قضاء و قدر کے اس فیصلے کا حصہ ہے کہ جو دنیا میں اونچا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو نیچا کر دیتے ہیں خواہ کوئی ہو۔ حق علی اللہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قضاء میں یہ لازم کر لیا ہے کہ الا یرتفع شئی من الدنیا الا وضعه کہ دنیا کی مال و جاہ میں سے جو چیز اونچی ہو اس کو نیچا کر دے۔ اس میں دنیا کی ٹھاٹھ باٹھ سے نفرت اور دنیا سے بے رغبتی کی ترغیب دی گئی ہے کہ ایک وقت میں وہ اتنی بلند ہوتی ہے کہ اس کی طرف نگاہیں اٹھتی ہیں اور دوسرے وقت میں نگاہ اس کو دیکھنا بھی نہیں چاہتی۔

ابن بطال کہتے ہیں اس سے دنیا کی حقارت ظاہر ہوتی ہے۔ دنیا کے معاملات کا ناقص ہونا معلوم ہوتا ہے۔ دنیا پر فخر و مباہات سے بچنا چاہیے۔ تکبر کی چادر کو اتار کر تواضع اختیار کرنی چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق کی جھلک ظاہر ہوتی ہے۔ آپ نے کس طرح ان کی دلجوئی کی اور دنیا کی جن چیزوں سے تقرب الی اللہ کا قصد کیا جاتا ہے۔ یہ ان میں سے نہیں۔ پس اس خبر کے تحت داخل نہیں۔ دنیا میں اتار چڑھاؤ رہتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم تواضع ثابت ہوتی ہے۔ اعرابی کی سبقت کو تسلیم فرمایا۔

تخریج: بخاری فی الجهاد، ابو داؤد فی الجهاد، احمد ۱۲۰۱۰/۴، نسائی ۳۵۹۰، ابن حبان ۷۰۳، البزار ۳۶۹۴، بیهقی ۱۰/۱۶، مسند شهاب ۱۰۰۹، ابو الشیخ ۱۵۴۔

الفوائد: بقول طبریؒ تواضع دین و دنیا کے مصالح کو جامع ہے اگر لوگ اسکو اختیار کر لیں تو وہ فخر و مباہات کی مشقت سے چھوٹ جائیں۔

۷۲: بَابُ تَحْرِيْمِ الْكِبْرِ وَالْإِعْجَابِ

باب: تکبر اور خود پسندی کی حرمت

الکبر دوسرے کو حقیر و ذلیل قرار دینا اور اللہ تعالیٰ کے متعلق تکبر اختیار کرنا کفر ہے۔ وہ اس طرح کہ نہ تو اس کی اطاعت کرے اور نہ اس کے حکم کو قبول کرے۔ پس جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑا یا معمولی قرار دے کر اس کی ممنوعات میں مبتلا ہوا وہ کافر ہے۔ البتہ اگر اس نے تحقیر شرع کے طور پر اس کو نہ چھوڑا ہو بلکہ غلبہ شہوت وغفلت سے چھوڑا ہوا تو چھوڑنے سے گناہ گار ہوگا کافر نہ ہوگا۔ علامہ مظہری کہتے ہیں اگر کسی نبی یا فرشتہ یا عالم کی تحقیر علم کی تحقیر کا عقیدہ رکھ کر کرے تو وہ کافر ہے۔

اعجاب اپنے آپ کو علم وصلاح میں عبوری کمال کی نگاہ سے دیکھنا۔ یا اسی طرح مال وجاہ میں اپنے کو کامل سمجھنا۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ [القصص:۸۳]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''یہ آخرت کا گھر انہی لوگوں کے لئے ہم مقرر کریں گے جو زمین میں بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد اور اچھا انجام متقین کا ہے''۔ (القصص)

تلك الدار اشارہ بعید سے آخرت کی عظمت کی طرف اشارہ کیا یعنی وہ آخرت جس کا تذکرہ تو نے سنا یا جس کے حالات بیان ہوئے وہی تو آخرت والا گھر ہے۔

النَّحْوُ : نجعلها یہ تلک کی خبر ہے اور دار اس کی صفت ہے ② الدار خبر اور جملہ مستانفہ ③ دوسری خبر ہے۔

للذين یہ الدار سے حال ہے اور اس کا عامل تلک والا ہے۔ علواً۔ تکبر یا بڑائی۔

فی الارض ماقبل کی صفت ہو تو ظرف مستقر ہے۔ ② اور متعلق ہو تو لغو ہے۔

ولا فساداً معاصی پر عمل کرنا ② مخلوق کو شرک کی طرف لے جانا۔ والعاقبة : اچھا انجام۔ للمتقين : جو گناہوں سے بچنے والے ہیں۔

وَ قَالَ تَعَالٰى :

﴿وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا﴾ [الاسراء:۳۷]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''کہ زمین میں تو اکڑ کر مت چل'' (الاسراء)

النَّحْوُ : جمہور کے ہاں مرحاً یہ مصدر ہے اور حال بن رہا ہے ② یا مضاف محذوف ہے ای ذامرح ③ مفعول لہ ہے۔ یہ اس آیت کی طرح ہو جائے گا ﴿ولا تكونوا كالذين خرجوا من ديارهم بطراً ورياء الناس﴾ یہ مفعول مطلق ہے جو اس معنی میں ہوگا لا تمرح مرحا ابوالحسن نے حال کو مبالغہ کی وجہ سے ترجیح دی ہے۔ اس آیت کو الگ سے ذکر کرنے کی وجہ

مصنف نے ظاہر نہیں کی اگلی خود اس مفہوم پر مزید معنی کے ساتھ دلالت کر رہی ہے اور اس میں نہی کے بعد نہی آ رہی ہے۔

وَ قَالَ تَعَالٰی :

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾

[لقمان:۱۸]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اور تو اپنے رخسار کو لوگوں کے لئے مت پھلا اور زمین میں اکڑ کر نہ چل ۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر متکبر اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے ۔ (لقمان)

ولا تصعر جب لوگ تم سے بات کریں تو تکبر کرتے ہوئے چہرے کو مت پھیرو۔ **لا یحب** یعنی توفیق عنایت نہیں فرماتے۔
کل مختال فخور یعنی جو لوگوں پر فخر کرتے ہوئے تکبر کرے اور تواضع اختیار نہ کرے۔

النحو :ان اللّٰہ...... نہی کے بعد جملہ مستانفہ لایا گیا ہے۔

نووی کا ارشاد: **ولا تصعر** کا معنی لا تمیلہ ہے یہ ماقبل کا عطف بیان یا بدل ہے **تعرض** یعنی لوگوں سے تکبر کے طور پر اعراض مت کرو جبکہ لوگ تم سے مخاطب ہو۔ تکبراً یہ مفعول لہ ہے۔ یہ اس وقت ہے جب اعراض تکبر کی وجہ سے ہو اور اگر مخاطبین کو ادب سکھانے کے لئے اور اس بناء پر ہو کہ وہ منکر میں مبتلا ہوں یا کسی معروف کو ترک کر رہے ہوں تو ایسا اعراض عین ثواب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کے موقعہ پر تین پیچھے رہنے والے صحابہ کرام سے اعراض فرمایا اور توبہ کرنا اعراض نے طوالت اختیار کی۔ حدیث میں وارد ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت اور اللہ تعالیٰ کی خاطر غصہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے لئے دیا اور اللہ تعالیٰ کے لئے روکا۔ اس نے اپنے ایمان کی تکمیل کر لی۔ **والمرح** یہ مصدر ہے۔ **التبختر** یہ نفس کی خود پسندی اور لوگوں کو حقیر قرار دینے کی بناء پر ہے۔

وَمَعْنٰی : "تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ" :اَیْ تُمِيْلُهٗ وَتُعْرِضُ بِهٖ عَنِ النَّاسِ تَكَبُّرًا عَلَيْهِمْ۔ "وَالْمَرَحُ" التَّبَخْتُرُ۔

تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ : کا معنی ہے تکبر کی وجہ سے لوگوں سے چہرہ: پھیرنا۔

اَلْمَرَحُ : اکڑنا' اترانا۔

وَ قَالَ تَعَالٰی :

﴿اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰی فَبَغٰی عَلَيْهِمْ وَاٰتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَا اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْءُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ﴾ اِلٰی قَوْلِهٖ تَعَالٰی: ﴿فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ﴾ [القصص:۷۶-۸۱] **الْاٰيَاتِ۔**

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بے شک قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا۔ پس اس نے ان پر سرکشی کی ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے کہ جن کی چابیاں ایک طاقتور جماعت کو بوجھل کر دیتی تھیں ۔ جب اس کو اس کی قوم نے کہا مت اتراؤ۔ بے شک اللہ تعالیٰ اکڑنے والے کو پسند نہیں کرتے'' .... ''پس ہم نے اس کو گھر

سمیت دھنسا دیا''۔ (القصص)

قارون مشہور قول یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ابن عم تھا یہ ابن جریج وابراہیم نخعی کا قول ہے۔ابن اسحاق کہتے ہیں وہ ان کا چچا تھا۔بعض نے ابن خالہ بتلایا ہے۔بالا تفاق یہ بنی اسرائیل سے تھا۔موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا اور تورات یاد کی۔پھر اس پر خود پسندی اور تکبر نے غلبہ پالیا۔

النحو: یہ لفظ غیر منصرف ہے۔

فبغی علیھم اس نے کئی قسم کی سرکشی اختیار کی ان میں سے ایک چیز موسیٰ علیہ السلام کا انکار اور ان کی توہین اور ان پر الزام بازی کرنا تھا۔جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بری کر دیا اور بعض نے کہا یہ بنی اسرائیل ے بیگار کا کام لینے کے لئے فرعون کا افسر مجاز تھا۔اس نے بنی اسرائیل پر سرکشی کر کے ظلم ڈھائے۔بعض نے کہا بغاوت کی وجہ مال کی کثرت تھی۔بعض نے کہا تکبر کی وجہ کپڑا لٹکا کر سرکشی کی۔و اتیناہ من الکنوز ما ان مفاتحہ مفاتحہ جمع مفتح (چابی) بعض نے خزانے معنی کیا ہے۔ابن عطیہ اور اکثر مفسرین کہتے ہیں انجیل میں منقول ہے کہ قارون کی چابیاں اونٹ کی جلد سے بنی ہوئی تھیں۔ ہر چابی نصف سیر اور کل چابیوں کا وزن ستر اونٹوں یا خچروں کو بوجھل کر دیتا تھا۔ ہر خزانے کی ایک چابی تھی۔اس کے قریب اوروں نے بھی کہا مگر یہ ضعیف ہے۔صاحب نظر ان کو بعید قرار دیتا ہے۔یہ ممکن ہے کہ اس کا مفہوم اس طرف لوٹایا جائے کہ اس کے پاس اتنا مال تھا جو سہولت سے شمار اور گناہ نہ جا سکتا تھا۔مگر اس صورت میں یہ مفاتیح یا کے ساتھ ہونی چاہئے اور اسی کے مشابہ یہ بھی ہے کہ چابیاں لوہے سے ہوں۔صاحب النہر کہتے ہیں اس نے یوسف علیہ السلام کا خزانہ پالیا تھا۔بعض کہتے ہیں اس کے مال کو کنز اس لئے فرمایا گیا کیونکہ اس کی زکوٰۃ نہ دی جاتی تھی۔اسی وجہ سے اس کی سب سے پہلی دشمنی موسیٰ علیہ السلام سے تھی (کیونکہ آپ ﷺ زکوٰۃ کا حکم فرماتے تھے) تفسیر کواشی میں ہے کثرت مال کی وجہ یہ تھی کہ اسے علم کیمیا تھا۔

ما موصولہ اور اس کا صلہ ان کا جملہ ہے۔ما اتینا مامفعول دوم ہے۔

لتنوء بالعصبۃ بڑی جماعت۔اولی القوۃ یہ عصبہ کی صفت ہے اور جملہ انّ کی خبر ہے۔تنوء بوجھل کرنا۔ابوحیان کا قول۔ تنوء کو باء نے متعدی بنا دیا جس سے معنی اس طرح بن گیا۔یہ خزائن کثرت کی وجہ اور مختلف اقسام کی وجہ سے نگرانوں کو تھکا دیتے تھے (البحر المحیط) خلیل وسیبویہ رحمہما اللہ کا رجحان بھی یہی ہے' ابن عطیہ کہتے ہیں یہ باب القلب سے ہے۔اس طرح کہا جائے گا جماعت بوجھل ہو جاتی بھاری چابیوں کی وجہ سے۔اکثر موولین نے یہی تاویل پسند کی ہے۔یہ طرز قلب کلام عرب میں مستعمل ہے۔پھر سیبویہ کا قول نقل کر کے ابن عطیہ فرماتے ہیں تنوء کا اسناد مفاتیح کی طرف مجازی ہو سکتا ہے کیونکہ وہ اٹھانے سے اٹھ جاتی ہے۔جب کہ اٹھانے والا اسے لے کر اٹھے۔العصبہ ابن عباس رضی اللہ عنہما تین آدمیوں کو کہتے ہیں قتادہؒ نے دس سے چالیس تک اور مجاہدؒ نے پندرہ تعداد ذکر کی ہے جبکہ بعض نے ۲۱ اور چالیس بھی کہا ہے۔بیضاوی وکشاف نے اس کو تنوء سے منصوب تسلیم کیا مگر نہر میں اس کو ضعیف ترین قول قرار دیا۔ابن عطیہ نے ① بغی سے متعلق کیا مگر ابوحیان نے اس کو ضعیف قرار دیا ② یہ محذوف فعل کا ظرف ہوا۔ یبغی علیھم وقت قولھم لہ۔ یعنی اس نے ان پر سرکشی کی جب انہوں نے اسے کہا۔صاحب نہر کہتے ہیں مناسب تقدیر عبارت یہ ہے واظھر التفاخر والفرح بما اوتی من الکنوز وقت قولھم لہ لا تفرح اس نے تفاخر وتکبر کا اظہار کیا اس وجہ سے کہ اس کے پاس خزائن تھے اور اظہار اس وقت میں تھا جب انہوں نے

اسے لاتفرح کہا۔ فرح سے مراد وہ خوشی جو سرکشی کو پہنچنے والی ہو۔ جس کی حقیقت یہ ہے کہ نفس اس میں منہمک ہو کر بڑائی اور خود پسندی اختیار کر لے۔ دنیا کے سلسلہ میں یہ فرح اس لئے ممنوع ہے کہ اس کا نتیجہ دنیا پر راضی ہو کر اس کے زوال سے اعراض ہے اور اگر دنیا سے جانے کو جانتا ہو گا تو دنیا سے ہاتھ کھینچ کر رکھے گا۔ شاعر نے خوب کہا۔

اشد الغم عندی فی سرور ☆ تیقن عنه صاحبه انتقالا

میرے ہاں وہ خوشی غمناک بنانے والی ہے جس کا پانے والا اسے چھوڑنے والا ہے۔

ان اللہ لا یحب الفرحین یہ نہی کی علت ہے کہ زخارف دنیا پر مرنے والے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے۔ ابن عطیہ فرماتے ہیں: **لا یحب** یہاں فعل کی صفت ہے کیونکہ یہ امر بہر صورت واقع ہونے والا ہے۔ پس ارادہ کی طرف اس کا لوٹانا محال ہے اور وہ یہ ہے کہ ان پر اپنی برکات کو ظاہر نہیں فرماتے اور نہ ان پر رحمت کو عام کرتے ہیں۔ **وابتغ فیما اتاك اللہ** اور اس مال میں جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے رکھا ہے آخرت ڈھونڈو۔ اس طور پر کہ اسے رضائے الٰہی میں صرف کرو۔ **ولا تنس نصیبك من الدنیا** یعنی دنیا میں سے وہ حصہ جو انجام کار تمہیں فائدہ دے اور وہ اعمال صالحہ ہی ہو سکتے ہیں۔ انسان دنیا میں جو عمر پاتا ہے اور اعمال صالحہ انجام دیتا ہے انسان کو عمر کا کوئی حصہ بے کار ضائع نہ کرنا چاہئے۔ بعض نے نصیب سے مراد بقدر کفایت روزی مراد لی ہے۔ **واحسن** اور دوسروں پر ان نعمتوں میں احسان کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہیں۔ **کما حسن اللہ الیك** بعض نے کہا اس کا معنی شکر و طاعت سے احسان کرو' جیسا اس نے انعام سے تم پر احسان فرمایا۔ **ولا تبغ الفساد فی الارض** اور زمین میں ایسے کام مت کرو جو ظلم و بغاوت کا سبب بنیں۔ بعض نے کہا فساد سے مراد مطلقاً اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے کیونکہ ہر عاصی مفسد ہے۔ **ان اللہ**...... ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کو پسند نہیں فرماتے۔ **قال انما اوتیته علی علم عندی** جب اس کی قوم نے اسے نصیحت کی کوشش کی تو وہ چراغ پا ہو گیا اور خود پسندی میں کہنے لگا کہ جو مال و دولت میرے پاس ہے وہ اللہ تعالیٰ نے میری اہلیت کی وجہ سے دیا ہے' میری یہ عظمت دوسروں جیسی نہیں۔

یہ علم کیا ہے ① بعض نے کہا تورات اور اس کا یاد کرنا۔ علماء نے کہا یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ ② تجارت کے طرق معلوم تھے۔ مطلب یہ ہو کہ یہ مال میں نے اپنی عقل اور تدبیر سے کمایا ہے ③ بعض نے علم کیمیا مراد لیا۔ بعض نے کہا اس کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے اس کے ساتھ خاص کیا گیا ہے پس میرے مال پر کوئی چیز لازم نہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے اس کی ترکیب یہ ہے عندی مبتداء محذوف کی خبر ہے ای ہذا عندی۔ جیسا کہتے ہیں **فی معتقدی و رأیی** بہر طور قرآن مجید نے اس کے بڑا بننے کی غلطی کو واضح کیا۔ **اولم یعلم** اس کا مقدر پر عطف ہے **ای عنده مثل ذلك العلم الذی ادعی ولم یعلم** اس کے پاس ایسا علم تھا جس کا وہ مدعی بنا اور اس نے یہ نہ سمجھا کہ **ان اللہ قد اهلك**...... اس سے بڑے طاقتور اس سے پہلے ہلاک کر دیئے گئے پس کثرت مال اس بات کا ثبوت نہیں کہ یہ مالدار رضائے الٰہی کا مستحق ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے نفس کو مقامات ہلاکت سے بچائے گا۔ **ولا یسال عن ذنوبهم المجرمون** ① یعنی دریافت کے لئے ان سے سوال نہ کیا جائے گا کیونکہ وہ ان کی حالت سے مطلع ہے۔ ② بطور عتاب فرمایا کہ ان کو اچانک پکڑ لیا جائے گا۔ پس یہ آیت ان آیات کے مخالف نہیں جن میں ان کے سوال کا تذکرہ ہے کیونکہ وہ سوالات توبیخ اور تبکیت کے لئے ہیں۔ **فخرج علی قومه** ابن عطیہ کہتے ہیں زینت کے متعلق اکثر مفسرین نے جو بات کہی ہے وہ کوئی دلیل نہیں رکھتی۔ اسی سے میں نے بات مختصر کر دی۔

قال الذین...... جیسے مال کی رغبت میں عام لوگوں کی عادت ہوا کرتی ہے۔یا لیت لنا......ان لوگوں نے حسد سے بچتے ہوئے اس کے مثل مال کی تمنا کی۔لذو حظ عظیم کہ وہ دنیا میں بڑے نصیب والا ہے۔قال الذین اوتوا العلم یعنی علماء نے ان تمنا کرنے والوں کو کہا۔ویلکم یہ بددعا کا کلمہ ہے جو بطور زجر استعمال ہوتا ہے۔تمہارا ستیاناس ہو۔ثواب اللّٰہ خیر اللہ تعالیٰ کا ثواب قارون کی اس دولت سے بدر جہا بہتر ہے۔لمن امن...... لا یلقاھا۔ھا ضمیر کلمہ یا ثواب بمعنی مثوبہ کی طرف راجع ہے یا پھر جنت یا ایمان و عمل صالح جبکہ ان سے سیرت و طریقہ مراد لیا جائے۔مگر ابن عطیہ کہتے ہیں اس ضمیر کا مرجع مذکور نہیں یہ ان آیات کی طرح ہے ﴿حتی توارت بالحجاب﴾ اور ﴿کل من علیھا فان﴾ الا الصابرون جو شہوات سے رک کر طاعات پر جمے رہنے والے ہیں یہ تمام بھلائیوں کی جڑ ہے۔فخسفنا بہ قارون کو گھر سمیت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے زمین میں دھنسا دیا۔اللہ تعالیٰ نے زمین کو موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کا حکم دیا کہ اس کو پکڑ لو اس سے پکڑ لیا۔ان آیات میں بغاوت و تکبر کا بدترین انجام مذکور ہے۔بقول شاعر والبغی مصرع مبتغیه وخیم۔سرکشی کی چراگاہ بدمزہ ہے۔اعاذنا اللّٰہ منھا۔

❀ ❀ ❀

٦١٢ :وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ :لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ" فَقَالَ رَجُلٌ: "اِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ اَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَّنَعْلُهٗ حَسَنَةً؟" قَالَ : "اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ وَّيُحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

"بَطَرُ الْحَقِّ" :دَفْعُهٗ وَرَدُّهٗ عَلٰى قَائِلِهٖ۔ "وَغَمْطُ النَّاسِ" بِمَعْنٰى احْتِقَارُهُمْ۔

۶۱۲: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''وہ آدمی جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ایک ذرّے کے برابر تکبر ہو''۔ایک شخص نے پوچھا بے شک آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے خوبصورت ہوں اور اس کے جوتے خوبصورت ہوں۔ارشاد فرمایا: ''بے شک اللہ جمال والے ہیں اور جمال کو پسند کرتے ہیں۔کِبْر حق کو ٹھکرانے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا نام ہے''۔(مسلم)

بَطَرُ الْحَقِّ : حق کو رد کرنا۔

غَمْطُ النَّاسِ :لوگوں کو حقیر سمجھنا۔

تشریح ❀ لا یدخل الجنة وہ کبھی جنت میں نہ جائے گا جس نے حرام چیز کو حلال قرار دیا۔یہاں مراد ایمان لانے سے تکبر اختیار کرنا ہے۔(۲) بعض نے ذو کا لفظ محذوف مانا ہے مطلب یہ ہوا جنت میں داخل ہونے کے وقت تکبر کا ایک ذرہ اس کے دل میں نہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ونزعنا ما فی صدورھم من غل﴾ نووی کہتے ہیں یہ تاویل بھی خطابی سے مختلف نہیں۔مگر اس طرح بات نہیں بنتی کیونکہ روایت میں کبر کی ممانعت وارد ہے۔اس کا درست معنی قاضی عیاض رحمہ اللہ نے محققین سے نقل کیا ہے کہ وہ بغیر بدلہ لینے کے جنت میں داخل نہ ہوگا۔بعض نے کہا اگر اس سے بدلہ چکایا جائے تو یہی اس کی

سزا ہے۔ بسا اوقات بغیر بدلے کے بھی داخل کر دیا جاتا ہے۔ تمام موحدین کا جنت میں داخل ہونا ضروری ہے۔ خواہ اوّلی داخلہ ہو یا تمام اصحاب کبائر جو بڑے گناہوں پر پختگی سے قائم تھے اور ان کی موت آ گئی جب ان کو رہائی ہے تو اس کو بھی رہائی مل جائے گی۔ پہلے ہی مرحلہ میں داخلہ نہ ہوگا۔ من فی قلبه مثقال ذرة من ایمان یعنی چھوٹی چیونٹی کی مقدار کے برابر یا اڑنے والے ذرات میں سے ایک ذرے کی مقدار۔ فقال رجل اس سے مالک بن مرارہ رھاوی مراد ہیں جیسا کہ حافظ عبدالغنی مصری نے ذکر کیا ہے اور یہ کہ کہنے والے مالک ہیں اس کو ابن عبدالبر اور قاضی عیاض نے ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن بشکوال نے ان کے نام کے متعلق جتنے اقوال ہیں ان کو جمع کیا ہے: ① ابن اعرابی کہتے ہیں نام شمعون اور کنیت ابو ریحانہ ہے۔ ② علی ابن المدینی نے ربیعہ بن عامر بتلایا ہے (طبقات ابن المدینی) ③ ابن السکن کہتے ہیں ان کا نام سواد بن عمرو ہے۔ ابن ابی الدنیا نے کتاب الخمول والتواضع میں معاذ بن جبل بتلایا ہے۔ ④ ابو عبید نے مرارہ رھاوی لکھا ہے (غریب الحدیث) ⑤ عمر نے اپنی جامع میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کہا ہے۔ ⑥ ابن بشکوال نے خریم بن فاتک بتلایا (شرح نووی للمسلم) ان لرجل یحب ان یکون ثوبه حسنا ونعله حسنا قال ان اللّٰه جمیل یحب الجمال یعنی یہ کبر میں شامل نہیں بشرطیکہ فخر و مباہات کے لئے نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کے اظہار کے طور پر ہو جیسا ارشاد الٰہی ہے: ﴿واما بنعمة ربك فحدث﴾

ان اللّٰه جمیل کا معنی یہ ہے ① اس کے تمام حکم جمال والے ہیں اور اس کے اچھے نام اور بلند اوصاف ہیں۔ ② جمیل بمعنی مجمل جیسے کریم بمعنی مکرم ہے یعنی جمال دینے والے۔ ③ قشیری کہتے ہیں اس کا معنی جلال والے ہیں۔ ④ خطابی کہتے ہیں اس کا معنی نور و رونق والے یعنی اس کے مالک ہیں۔ ⑤ تمہارے افعال کے سلسلہ میں جمال والے اور تمہاری طرف نظر کرنے میں جمال والے ہیں کہ معمولی اور ہلکے پھلکے کا ذمہ دار بناتے اور بہت سے مستغنی کر دیتے ہیں۔ کثرت سے ثواب عنایت فرماتے اور اس کی قدر فرماتے ہیں۔

یہ نام اگرچہ اس حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے مگر یہ خبر واحد ہے اور اسماء حسنٰی میں بھی وارد ہوا مگر اس روایت کی سند میں کلام ہے اور علماء کا پسندیدہ قول یہ ہے کہ اس کا اطلاق باری تعالیٰ پر درست ہے اگرچہ بعض علماء نے منع کیا ہے۔ چنانچہ امام الحرمین کہتے ہیں شرع میں اللہ تعالیٰ کے جو اسماء وصفات وارد ہوئے ہیں ان کا اطلاق اس کی ذات پر درست ہے اور جن اسماء سے ممانعت کی گئی ان کا اطلاق جائز نہ ہوگا اور جن کے متعلق اجازت و ممانعت میں سے کوئی چیز وارد نہیں ہے۔ ان کے متعلق حلت و حرمت کا قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ احکام شریعت موارد شرع سے ہی لئے جائیں گے۔ اگر ہم تحلیل و تحریم کا فیصلہ دیتے ہیں تو بلا شرعی اجازت کے ہم حکم ثابت کرنے والے بنیں گے۔ البتہ جواز اطلاق کے لئے شرط نہیں کہ شریعت میں اس کے متعلق قطعی فیصلہ وارد ہو۔ لیکن اس سے اقتضاء عمل ثابت ہو جائے گا اگرچہ وجوب علم کے لئے یہ کافی نہیں۔ پس شرعی قیاسات عمل کے مقتضی ہوں گے۔ البتہ قیاسات سے اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات میں استدلال ہرگز درست نہ ہوگا۔ علمی تحقیق کے لحاظ سے امام کا یہ کلام بڑا بلند پایہ ہے قاضی عیاضؒ نے بھی ان کی ہمنوائی کی ہے۔ مگر خبر واحد سے عمل کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے پکارا اور اس سے اس کی تعریف کی جا سکتی ہے اور یہ اس ارشاد پر عمل کرنا ہے: ﴿ولله الاسماء الحسنٰی فادعوه بها﴾

الکبر بطر الحق وغمط الناس بطر کامعنی اطاعت نہ کرنا۔ دھتکار دینا' باطل کرنا (نہایہ) دوسرے معنی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔﴿فلا وربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم﴾معنی کو اس آیت میں ذکر کیا گیا جو منافقین کے متعلق وارد ہے:﴿واذا دعوا الی الله ورسوله لیحکم بینهم اذا فریق منهم معرضون﴾ الحق میں الف لام استغراقی ہو تو کافر کا تکبر مراد ہوگا اور کافر تو مطلق جنت میں نہ جائے گا اور حق سے الف لام عہد خارجی ہو تو ایمانیات کے علاوہ احکام شرع مراد ہوں گے۔ تو پھر یہ کبر کافر و مؤمن دونوں میں پایا جاتا ہے یہ اگرچہ انفرادی طور پر ممنوع ہے مگر ایمان سے خارج کرنے والا نہیں۔ اس لئے اس کا معنی نودی ردۂ علی قائله کیا اور اسی معنی کو ترجیح دی ہے' گویا قائل میں بڑا چھوٹا' حقیر' عظمت والا سب شامل ہیں اور تردید کرنا بڑھائی سے صادر ہو یا حاکمانہ طور پر تو وہ تکبر میں شامل رہے گا۔ البتہ اگر اس معاملے کی حقیقت واضح نہ ہوئی تھی اور اس نے اسے نہیں مانا اور مسترد کر دیا مگر حق سے تکبر و ترفع کی بناء پر نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ حق اس کے سامنے ظاہر نہیں ہوا تو یہ تکبر میں شامل نہ ہوگا۔ باب التواضع میں گزرا ہے کہ اسکی حقیقت حق کو قبول کرنا اور قائل کی طرف نظر کرنے کے بغیر اس پر یقین کرنا ہے اور یہ اسکا عکس اور ضد ہے۔ غمط یہ غمط یغمط (ض س) کسی کو حقیر قرار دینا۔

تخریج: مسلم کتاب الایمان' ابو دائود کتاب اللباس' ترمذی باب البر والصلة' نسائی ان تمام کی سند اعمش عن ابراہیم النخعی ہے(الاطراف للمزی) احمد ۳۷۸۹/۲' ابو داؤد ٤٠٩١' ابن ماجه ٤١٧٣' طبرانی کبیر ۹۲/۱۰۔

الفوائد :اللہ تعالیٰ صفات کمالیہ والے ہیں نقائص عیوب سے متبراء ہیں۔ اللہ تعالیٰ نظافت ثوب و بدن کے ساتھ ساتھ نظافر قلب بھی چاہتے ہیں۔ تکبر کی حقیقت لوگوں کو حقیر سمجھا اور حق کو مسترد کرنا ہے۔

٦١٣ :وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا اَكَلَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِمَالِهٖ فَقَالَ :"كُلْ بِيَمِيْنِكَ" قَالَ :لَا اَسْتَطِيْعُ قَالَ:"لَا اسْتَطَعْتَ :مَا مَنَعَهٗ اِلَّا الْكِبْرُ" قَالَ :فَمَا رَفَعَهَا اِلٰى فِيْهِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

٦١٣: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بائیں ہاتھ سے کھایا۔ آپ نے فرمایا اپنے دائیں ہاتھ سے کھا۔ اس نے کہا میں طاقت نہیں رکھتا۔ آپ نے فرمایا: خدا کرے کہ تو طاقت نہ رکھے۔ اس کو تکبر نے اس بات سے روکا تھا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ پھر وہ اپنا دایاں ہاتھ منہ کی طرف نہیں اٹھا سکا۔ (مسلم)

رجلاً باب المحافظة علی السنة میں اس آدمی کا نام اور حدیث کی تشریح گزر چکی ہے۔ اکل عند رسول الله صلی الله علیه وسلم بشماله ممکن ہے کہ ابتدائی طور پر اس کا یہ فعل جہالت کی وجہ سے ہو۔ پھر جب اسے معلوم ہو چکا تو آپ نے اسے فرمایا۔ کل بیمینك جیسا کہ کھانے کے آداب مسنونہ میں وارد ہے تو اس میں خودنمائی آئی اور حق کو قبول نہ کرتے ہوئے اس نے کہا حالانکہ واقعہ میں یہ عذر نہ تھا۔ فقال لا استطیع میں اس سے نہ کھاؤں گا۔ اس بیماری کی وجہ سے جو اس ہاتھ کو کام میں لانے سے رکاوٹ ہے۔ فقال لا استطعت پہلی مرتبہ اس کا انکار تکبر پر دلالت کرتا تھا اس لئے اس کو سزا مل گئی۔ وما منعه الا الکبر یہ جملہ مستانفہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کی علت ذکر کرنے کی بناء پر لایا گیا ہے حالانکہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم عفوودرگزر اور رحمت میں اپنی مثال آپ تھے۔ مطلب یہ ہے کہ جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ اس کو میری بات پر عمل کرنے سے تکبر نے روکا ہے تو بددعا فرمائی۔

مَسْئَلَۃ: اس سے معلوم ہوا جو شریعت سے نکلنے کا قصد کرے تو اس کے حق میں بددعا جائز ہے۔ **فما رفعها الی فیه** وہ منہ تک اپنے اس ہاتھ کو نہ اٹھا سکا۔ دارمی کی تصریح کے مطابق **یمینه** کے الفاظ ہیں پہلے ہم ذکر کر آئے کہ یہ مومن تھا۔ قاضی عیاض کا منافق قرار دینا درست نہیں۔

تخریج : مسلم باب الاطعمه' احمد ۵/۱۶۴۹۹' ابن حبان ۶۵۱۲' طبرانی ۶۲۳۵' اصابه ۱۵۳/۱' دارمی ۹۷/۲' بیهقی ۲۷۷/۷' دلائل ۲۳۸/۶۔

الفوائد : شرع کے جو شخص مخالف ہو اس کے حق میں بددعا کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ بہر حال امر بالمعروف اور عن المنکر اختیار کرنا چاہئے۔ کھانے کے آداب کی تعلیم مستحب ہے۔

❁ ❁ ❁

۶۱۴ : وَعَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : "اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ النَّارِ؟ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُّسْتَكْبِرٍ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَتَقَدَّمَ شَرْحُهُ فِیْ بَابِ ضَعَفَةِ الْمُسْلِمِيْنَ۔

۶۱۴ : حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔ کیا میں تم کو آگ والوں کے بارے میں نہ بتلا دوں؟ ہر سرکش، بخیل، متکبر جہنمی ہے۔ (بخاری و مسلم) اس کی تشریح ضَعَفَةِ الْمُسْلِمِيْنَ روایت نمبر ۲۵۲ میں گزر چکی۔

تشریح ❁ **حارثه ابن وهب رضی الله عنه**۔ ان کا تعلق خزاعہ قبیلہ سے ہے۔ یہ عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے والدہ کی طرف سے بھائی ہیں۔ ان سے ابو اسحاق سبیعی اور معبد بن خالد جہنی نے روایت نقل کی ہے۔ ان سے متکلم فیہ روایت نقل کی ہے (اسد الغابہ) **الا اخبر کم باهل النار**؟ یعنی جن کی اکثریت اہل نار سے ہوتی ہے۔ **کل عتل** درشت مزاج، خشک انداز والا۔ **جواظ** موٹا، روکنے والا، بعض نے متکبرانہ چال چلنے والا معنی کیا ہے۔ **مستکبر** باب استفعال اس باب کو ظاہر کرنے کے لئے کہ تکبر والی بیماری اس نے خود اپنے کو لگائی ہے وہ اس کا اہل نہیں۔ اسے عبودیت و عجز چاہئے۔ کبریائی تو کبریاء کے لائق ہے۔ اس کی تشریح باب ضعفۃ المسلمین میں گزر چکی ہے۔

تخریج : بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجه۔

الفوائد : تکبر کو جہنم کا سبب قرار دیا گیا۔

❁ ❁ ❁

۶۱۵ : وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ : "احْتَجَّتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ فَقَالَتِ النَّارُ : فِیَّ الْجَبَّارُوْنَ وَالْمُتَكَبِّرُوْنَ، وَ قَالَتِ الْجَنَّةُ : فِیَّ ضُعَفَآءُ النَّاسِ وَمَسَاكِيْنُهُمْ -

فَقَضَى اللّٰهُ بَيْنَهُمَا :اِنَّكِ الْجَنَّةُ رَحْمَتِي اَرْحَمُ بِكِ مَنْ اَشَاءُ، وَاِنَّكِ النَّارُ عَذَابِي اُعَذِّبُ بِكِ مَنْ اَشَاءُ وَلِكِلَيْكُمَا عَلَيَّ مِلْؤُهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۶۱۵: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ و جنت نے آپس میں جھگڑا کیا۔ آگ نے کہا میرے اندر سرکش اور متکبر لوگ ہیں۔ جنت نے کہا مجھ میں کمزور اور مساکین ہوں گے۔ پھر اللہ نے ان کے درمیان فیصلہ فرمایا کہ اے جنت تو رحمت ہے تیرے ساتھ جس کو میں چاہوں گا رحم کروں گا اور آگ سے کہا کہ اے آگ تو میرا عذاب ہے۔ تیرے ساتھ جس کو میں چاہوں گا عذاب دوں گا اور تم دونوں کو بھرنا میری ذمہ داری ہے۔ (مسلم)

تشریح ❁ **احتجت الجنة والنار** یہ روایت اپنے ظاہر پر محمول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں تمیز رکھی ہے جس سے وہ باہمی مقابلہ ومناظرہ کرسکتی ہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں کہ یہ تمیز ان میں ہمیشہ باقی رہے۔

فی الجبارون جبار جو انسان اپنے لئے زبردستی ایسی بات کا دعویدار ہو جس کا وہ حقدار نہیں' یہ وصف بطور مذمت بولا جاتا ہے۔ جیسا فرمایا: ﴿وخاب کل جبار عنید﴾ اور غالب کو بھی جبار کہہ دیتے ہیں جیسا فرمایا ﴿وما انت علیھم بجبار ﴾ (مفردات) ابن علان کہتا ہے کہ یہاں قرینے کے لحاظ سے پہلا معنی زیادہ مناسب ہے۔ **المتکبرون** ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اوثرت **بالمتکبرین والمتجبرین** ہے۔ دوسرے معنی کا احتمال ہے۔ اس وقت اس سے مراد جو آدمی دوسروں کو باطل پر لگانے میں زبردستی کرے پس اس صورت میں مذموم ہوگا۔ حق پر قائم رکھنے کے لئے قدرت والے کو جبر کرنا قابل تعریف ہے۔ باب تفعل کی تعبیر میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ بتکلف اپنے اندر وہ صفت ظاہر کرنا چاہتا ہے جو اس کے مناسب نہیں ہے۔ **قالت الجنة فی ضعفاء الناس ضعفاء** یہ ضعیف کی جمع ہے۔ جھکنے اور عاجزی کرنے والے۔ **مساکینھم** جمع مسکین یعنی حاجت مند جیسے فقیر ومسکین۔ قول شافعی رحمہ اللہ علیہ جب دونوں اکٹھے استعمال ہوں تو ان کا معنی مختلف ہوتا ہے اور جب دونوں میں سے ایک آئے تو وہ دونوں معنوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ **فقضی اللّٰہ بینھما** ان کے درمیان اس طرح فیصلہ فرمایا۔

النحو: **انك الجنة رحمتی** رحمتی یہ دوسری خبر ہے۔ ان کی خبر ہے۔ الجنۃ یہ نصب ورفع دونوں کے ساتھ ہے۔ خبر اول دوسری کے لئے بطور تمہید لائی گئی ہے۔ جیسا **جاء زید رجلاً راکباً** جاء بطور تمہید حال ہے اور اس کا قاعدہ یہ ہے ہر جامد کی صفت ایسی چیز سے لاسکتے ہیں جو ہیئت کو واضح کرے۔ **ارحم بك من اشاء** یہ جملہ مستانفہ جنت کو بنانے کی حکمت کے لئے لایا گیا ہے۔

ماقبل سے اسکا حال بنانا بھی درست ہے۔ **وانك النار عذابی اعذب بھا من اشاء** جنت کو مقدم کرنے کی وجہ ظاہر ہے کہ رحمت وفضل عذاب وعتاب پر سبقت کرنے والے ہیں۔ **ولکلیکما علی ملؤھا** تم دونوں کو بھرمیں نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔

فرق روایت: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت کی ابتداء میں **تحاجت النار والجنه فقالت النار اوثرت بالمتکبرین والمتجبرین فقالت الجنه ومالی لا یدخلنی الاضعفاء الناس وسقطھم وعجزھم فقال اللّٰہ للجنة' انت**

رحمتی ارحم بك من اشاء من عبادی وقال للنار انت النار اعذب بك من اشاء من عبادی ولکل واحدة منکما ملؤها فاما النار فلا تمتلی فیضع قدمه علیها فنقول قط قط' فهنالك تمتلی ویزوی بعضها الی بعض ایک اور روایت میں قال اللّٰہ للجنة انما انت رحمتی ارحم بك من اشاء من عبادی وقال للنار انما انت عذابی اعذب بك من اشاء من عبادی ولکل واحدة منکما ملؤها الحدیث۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔ سند مسلم والی ہی ہے پھر مسلم کی عثمان بن ابی شیبہ والی روایت میں اس طرح ہے: احتجت الجنة والنار ابوسعید نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرح روایت نقل کی ہے۔ ولکلیکما علی ملؤها تک مذکور بقیہ حصہ نہیں۔ مصنف نے اس روایت کے متعلق قطعاً ذکر نہیں کیا کہ یہ کس کی روایت ہے۔ اس سے اشارہ کر دیا کہ یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرح ہے۔ شاید دوسرے طرق سے ان کو یہ اطلاع ہوتی ہو۔ حافظ نے مسلم کی اس بات کی نشاندہی کی ہے واللہ اعلم۔

تخریج : مسلم' احمد ۴/ ۱۱۷۴۰۔

---

۶۱۶ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : "لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِلٰی مَنْ جَرَّ اِزَارَهٗ بَطَرًا" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۶۱۶: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو نہیں دیکھے گا جس نے تکبر کی وجہ سے اپنی چادر کو کھینچا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ لا ینظر رحمت کی نگاہ سے دیکھنا مراد ہے۔ الی من جر ازاره بطرًا۔ بطر نعمت کے حق کا اہتمام نہ کرنے اور اس کو دوسری جانب پھیرنے اور نعمت کے غلط استعمال سے پیش آنے والی دہشت کو کہا جاتا ہے۔ بطر کے قریب قریب طرب کا لفظ ہے۔ خوشی سے اکثر پیش آنے والی خفت کو کہتے ہیں اور کبھی غم میں پیش آنے والی خفت کو کہہ دیا جاتا ہے۔

(مفردات راغب)

النحو : بطرا کا لفظ حال یا علت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای ذا بطر یا بتاویل وصف بطرًا یا وصف میں مبالغہ کے لئے ظاہر پر رکھیں گے گویا وہ بعینہٖ بطرا ہے۔

فرق روایت: ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں لا ینظر اللّٰہ الی من جر ثوبه خیلاء الخیلہ 'البطر' الزہو' الکبر' التبختر یہ تمام ہم معنی الفاظ ہیں بڑھائی حرام ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر اسبال ثوب تکبر کی وجہ سے ہو تو حرام ہے ورنہ مکروہ ہے ازار نصف سے ذرا نیچے مستحب ہے۔ عمامہ و قمیص کا بھی یہی حکم ہے بطور تکبر لٹکانا حرام ہے۔ اور حدیث بیہقی از ابوسعید میں یہ الفاظ ہیں: ازرة المؤمن الی انصاف ساقیه لا جناح علیه فیما بینه و بین الکعبین کعبین (ٹخنوں سے نیچے حرام ہے جب کہ تکبر کے طور پر ہو) وہ احادیث جن میں مطلق الفاظ آتے ہیں وہ خیلاء پر محمول ہیں کیونکہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما بخاری و مسلم کی روایت ہے مگر سیوطیؒ نے جامع الکبیر میں اس کی نسبت بیہقی کی طرف کی مگر مجھے بیہقی میں نہیں مل سکی۔ واللہ وعلمہ اتم۔

تخریج : اخرجه احمد ۴/۹۰۱۴ والبخاری ۵۷۹۱ ومسلم ۲۰۸۷ ومالك فی موطئه ۱۶۹۷۔

الفرائد: لباس اگر اظہار نعمت کے لئے ہوتو اکے مباح ہونے میں شک نہیں اگر تکبر' خودنمائی دوسروں کی تحقیر کے لئے ہوتو قابل مذمت ہے۔

٦١٧ : وَعَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ : شَيْخٌ زَانٍ وَّمَلِكٌ كَذَّابٌ ، وَعَآئِلٌ مُّسْتَكْبِرٌ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.
"الْعَآئِلُ" : الْفَقِيْرُ.

۶۱۷: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائیں گے اور نہ انہیں پاک فرمائیں گے اور نہ ہی انہیں رحمت سے دیکھیں گے اوران کے لئے دردناک عذاب ہوگا: ① بوڑھا زانی' ② جھوٹا بادشاہ' ③ متکبر فقیر۔ (مسلم)
الْعَآئِلُ: فقیر۔

ثلاثة تین اقسام یا تین قسموں میں سے لوگ۔

اَللُّغَاتُ: وصف کی وجہ سے مبتداء بنایا۔ **لا یکلمهم الله یوم القیامة** یہ غضب سے کنایہ ہے یا وہ گفتگو نہ فرمائیں جوان کو خوش کرے۔ نووی کہتے ہیں ان سے اہل خیر والی کلام جو رضامندی پر دلالت کرنے والی ہو وہ نہ فرمائیں گے بلکہ ناراضگی والی کلام ہوگی۔ **ولا یزکیهم** یعنی ان کے اعمال مقبول نہ ہوں گے جو کہ قابل تعریف ہوں یا ان کو گناہوں سے پاک نہ کریں گے۔ **ولا ینظر الیهم** یعنی رحمت کی نگاہ نہ فرمائیں گے۔ **ولهم عذاب الیم** یہاں الیم مولم یعنی دکھ آمیز عذاب ہوگا۔ واحدی کہتے ہیں الیم وہ عذاب ہے جس کی تکلیف دل کی گہرائیوں میں پہنچ جائے۔ عذاب: ہر وہ چیز جو انسان کو عاجزی کر دے اور اس پر گراں ہو۔ یہ تمام معانی مولم اسم فاعل کی صورت میں ہوں گے۔ اسم مفعول کا معنی بھی ہو سکتا ہے۔ اس وقت عذاب کی شدت وسختی کی طرف اشارہ مقصود ہوگا کیونکہ جب دِل دُکھی ہوگا تو جس قالب میں دِل ہے اس کا کیا حال ہوگا۔ خبر کو اس لئے مقدم کیا تا کہ اس میں پائی جانے والی سختی سے خبردار کیا جائے۔ **شیخ زان** جس کی عمر زیادہ ہو جائے۔ یہ پچاس سال اور اس سے اوپر عمر والے کو کہا جاتا ہے۔ بڈھا زانی۔ **ملك كذاب** جھوٹ بولنے والا بادشاہ۔ **عامل مستکبر** قاضی عیاض کہتے ہیں ان لوگوں کو مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اس معصیت کو اختیار کیا حالانکہ ان کو ضرورت نہ تھی بلکہ ضرورت کے اسباب نہایت کمزور ہو چکے تھے اگرچہ گناہ کرنے میں کوئی کسی وقت معذور شمار نہیں ہوتا۔ لیکن جب ضرورت بھی نہیں تھی اور اس کے دواعی بھی نہایت کمزور تھے تو ان کا گناہ کرنا عناد اور اللہ تعالیٰ کے حق کی توہین کرنے اور اس کی معصیت کے قصد سے تھا کسی اور حاجت کی وجہ سے نہ تھا۔ شیخ کی عقل تکمیل کو پہنچ جاتی ہے۔ طویل تجربات سے اس کو خوب پہچان ہو جاتی ہے اور جماع اور عورتوں کی طرف شہوت کے اسباب کمزور پڑ جاتے ہیں اور اس میں حلال کے دواعی سے بھی جان چھڑانا اور اپنے باطن کو الگ کرنا چاہتا ہے چہ جائیکہ وہ حرام کا مرتکب ہو۔ حرام کے دواعی میں سے جوانی' حرارت غریزیہ کی کثرت' غلبہ شہوت' قلت معرفت وغیرہ ہیں کیونکہ اس وقت عقل صغرسنی کی وجہ سے کمزور ہوتی ہے۔ اسی طرح حاکم وقت کو اپنی رعایا میں سے کسی کا ڈر نہیں اسے مداہنت اختیار کرنے اور چاپلوسی کرنے کی ضرورت نہیں۔ انسان اس کے سامنے مداہنت و چاپلوسی کرتا

ہے۔جس سے کسی ایذاء کا خطرہ ہو یا عتاب کا ڈر ہو اور وہ چاپلوسی سے اس کے ہاں مرتبہ و منفعت کا خواہاں ہو۔اس اعتبار سے اس کو جھوٹ کی مطلقاً ضرورت نہیں ہے۔اسی طرح وہ تنگ دست فقیر جس کے پاس مال نہ ہو۔فخر وغرور' تکبر کا سبب مال کے ذریعہ برابر والے لوگوں سے بلندی حاصل کرنا ہوتا ہے تاکہ ان پر غلبہ میسر ہو اور وہ اس کے محتاج ہوں۔جب اس کے پاس اسباب تکبر نہیں تو وہ تکبر کس لئے کرتا اور دوسروں کو حقیر قرار دیتا ہے؟ پس اس کی یہ حرکت اور شیخ زانی اور جھوٹے حاکم کا فعل اللہ تعالیٰ کے حق کی تحقیر ہی بن سکتا ہے۔اس کی اور کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔العائل یہ العیلہ سے ہے فقر کو کہتے ہیں۔عائل کی جمع عالۃ جیسے کافر اور کفرۃ (المصباح)

تخریج: مسلم کتاب الایمان' نسائی فی الرحم' طبرانی فی الکبیر ۱۷/۱۸۴' والصغیر ۲/۲۱' احمد ۳/۹۶۰۰۔

الفرائد : ان تینوں کو خصوصاً ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عدم ضرورت اور ضعف دوامی کے باوجود انہوں نے یہ حرکت کی ہے گویا ان کا گناہ شناعت میں دوسروں سے بڑھکر ہے اگرچہ قصداً گناہ میں تو کوئی بھی معذور نہیں۔انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حق کی توہین کی ہے اس لئے سخت سزا کے حقدار ہوئے (کذا قال عیاض)

٦١٨ : وَعَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ : "الْعِزُّ اِزَارِیْ ' وَالْكِبْرِيَآءُ رِدَآئِیْ – فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِیْ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا فَقَدْ عَذَّبْتُهٗ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۶۱۸: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں عزت میرا پہناوا ہے اور کبریائی میری چادر ہے۔پس جو ان میں سے کسی ایک چیز کی مجھ سے کھینچا تانی کرے گا میں اس کو عذاب دوں گا۔(مسلم)

تشریح : العز ازاری والکبریاء ردائی مظہری کہتے ہیں الکبریاء۔انتہائی عظمت اور کسی کا مطیع ہونے سے بلند ہونا یا کسی وجہ کے لحاظ سے کسی چیز کی طرف جھکاؤ سے بالاتر ہونا اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے مناسب ہے۔ازار و رداء دونوں ایک دوسرے کے مشابہہ ہیں۔رداء آدمی کا وہ کپڑا جس کو سر' کندھے اور اس سے کچھ نیچے تک کے لئے استعمال کرتا ہے۔ازار آدمی کا وہ کپڑا جس کو جسم کے وسطی حصے سے نیچے قدم تک کے لئے استعمال کرتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ عزت و کبریائی یہ میری وہ مخصوص صفات ہیں جن میں میرا کوئی شریک نہیں جیسا آدمی کی چادر و ازار کے پہناوے میں اس کا کوئی شریک نہیں ہوتا۔
فمن نازعنی عذبتہ عرب کہتے ہیں نازع جب کہ وہ کھینچے اور کسی چیز کو کچھ حصہ پکڑے اور وہ کچھ حصہ پکڑنے والا دوسرے سے کھینچے اور ہر ایک اس پر ملکیت کا دعویدار ہو۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ دو ایسے حق ہیں کہ میرے سوا کوئی بھی ان کا مستحق نہیں۔جس نے عزت و کبریائی کا دعویٰ کیا اس نے گویا مجھ سے مخاصمت کی اور مجھ سے مخاصمت کرنے والا کافر ہو گیا۔
فرق روایت: بزاز نے اس کو مختصراً روایت کیا ہے۔علائی نے احادیث قدسیہ میں شمار کیا ہے۔مسلم نے جو الفاظ نقل کئے۔یہی تمام نے نقل کئے ہیں۔

تخریج : مسلم فی اللباس' ابو دائود فی الزهد' ابن ماجه فی السنن' بزاز ملخصاً' الاحادیث القدسیه للعلائی۔

الفرائد :بڑھائی اور عظمت یہ صفات باری تعالیٰ ہیں ان کو اختیار کرنے والا عذاب الٰہی کا حقدار ہے۔یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی

صفات ہیں مخلوق کی صفت تو تواضع اور تذلل ہے (خطابی)

۶۱۹ :وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : "بَيْنَمَا رَجُلٌ يَّمْشِيْ فِيْ حُلَّةٍ تُعْجِبُهٗ نَفْسُهٗ مُرَجِّلٌ رَاْسَهٗ يَخْتَالُ فِيْ مِشْيَتِهٖ اِذْ خَسَفَ اللّٰهُ بِهٖ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِي الْاَرْضِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔
"مُرَجِّلٌ رَاْسَهٗ" اَيْ مُمَشِّطُهٗ ۔ "يَتَجَلْجَلُ" بِالْجِيْمَيْنِ :اَيْ يَغُوْصُ وَيَنْزِلُ۔

۶۱۹: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک آدمی اپنے ایک جوڑے میں چل رہا تھا اور اس کو اپنا آپ اچھا معلوم ہو رہا تھا اس کے سر پر کنگھی کی ہوئی تھی اپنی چال میں وہ اترا رہا تھا۔ اسی وقت اللہ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا۔ پس وہ زمین میں قیامت تک دھنستا رہے گا۔ (بخاری و مسلم)
مُرَجِّلٌ رَاْسَهٗ : بالوں پر کنگھی کی ہوئی۔
يَتَجَلْجَلُ: اُترتا جائے گا۔

تشریح ۞ بینما رجل یہ ہیزن نامی شخص ہے جو ترکی النسل فارسی بدو ہے (دمامینی) جوہری کہتے ہیں یہ قارون ہے۔ صاحب خازن نے قارون ہی لکھا ہے۔ کہ وہ ہر روز قد انسانی کے برابر دھنستا ہے قیامت تک جہنم کی قعر میں نہ پہنچ سکے گا (الصحاح للجوہری)

یمشی فی حلة حلہ وہ کپڑا جس کا اوپر والا حصہ بھی ہو اور نیچے کی طرف الگ کپڑا ہو۔

النحو :تعجبه یہ جملہ مستانفہ ہے جو دھنسنے کا سبب بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے یا یمشی کی ضمیر سے حال ② دوسری خبر ہے۔

مرجل رأسه بالوں کو کنگھی کی گئی تھی۔ یختال تکبر کرنا۔ فی مشیته اذ خسف اللّٰه به اذ یہاں مفاجات کے لئے ہے۔ ابن حجر ہیثمی۔ ابوحیان کہتے ہیں یہ ظرف ہے۔ یہ مفعول بہ بھی نہیں بنتا اور نہ تعلیل کا حرف ہے۔ مفاجات ظرف کے لئے بھی نہیں آتا۔ (البحر المحیط) یتجلجل یہ تدریجاً اس لئے کیا تاکہ عذاب دائمی ہو اور کبر کی وجہ سے اس کی اہانت و تذلیل ہو۔

فرق روایت: مسلم کے الفاظ یہ ہیں: قد اعجبته جمته و برداه ایک اور روایت میں بینما رجل یتبختر یمشی فی بردیه قد اعجبته نفسه اور ایک روایت میں بینما رجل یتبختر یمشی فی بردین ایک روایت میں ان رجلا ممن کان قبلکم یبختر فی حلته مجھے یہ الفاظ یختال فی مشیته کے بخاری و مسلم میں نہیں ملے واللہ اعلم۔ مرجل یہ کنگھی کرنے والے کو کہتے ہیں۔ اسم مفعول ہو تو کنگھی کیا ہوا زیادہ مناسب یہی ہے۔ یتجلجل دھنسنا۔ یہ خاء کے ساتھ بھی آتا ہے۔ مگر قاضی نے اس کا بعید قرار دیا ہے۔ عرب کا مقولہ ہے خلخلت العظم جب ہڈی کے اوپر والا گوشت چھیل دیا جائے۔ بخاری و مسلم کے علاوہ دوسروں نے حا سے روایت نقل کی ہے۔

تخریج :اخرجه احمد ۳/۹۰۷۵ والبخاری ۵۷۹۸ ومسلم ۲۰۸۸ و ۲۰۸۸/۵۰ وابن حبان ۵۶۸۴۔

الفرائد :خود پسند ممنوع ہے۔ جو تکبر سے باز نہ آئے گا عنقریب وہ زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔

٦٢٠ : وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "لَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَذْهَبُ بِنَفْسِهٖ حَتّٰى يُكْتَبَ فِي الْجَبَّارِيْنَ فَيُصِيْبُهٗ مَا اَصَابَهُمْ" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ- وَ قَالَ : حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

"يَذْهَبُ بِنَفْسِهٖ" اَیْ يَرْتَفِعُ وَيَتَكَبَّرُ۔

۶۲۰: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی تکبر کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ سرکشوں میں لکھا جاتا ہے پس اس کو وہی سزا ملے گی جوان کو ملی۔ (ترمذی)

اس نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

يَذْهَبُ بِنَفْسِهٖ: برائی اور تکبر کرتا ہے۔

تشریح ۞ یذھب بنفسہ بقول عاقولیؒ با متعدی کے معنی کے لئے ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو اونچا قرار دے لوگوں سے بلند مرتبہ سمجھے' یا مصاحبت کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہے موافقت کرنا اور ساتھ لینا اس طرح جیسا دوست دوست کو تمام عزت و مکرمات کے کام میں ساتھ رکھے یہاں تک کہ وہ متکبر بن جائے۔ کتاب اللباس میں لکھا ہے ذھب بہٖ اپنے ساتھ بھگانا۔ ذھب بہٖ الخیلاء یہ مجازی معنی میں ہے یعنی تکبر اختیار کرنا۔ حتی یکتب فی الجبارین ان کے گروہ سے شمار ہونے لگا۔ فیصیبہ ما اصابھم اصاب سے مراد عذاب ہے۔ ما موصولہ لا کر وعید کی شدت ظاہر کی گئی ہے۔ نووی نے یذھب بنفسہٖ کا ترجمہ تکبر کرنا کیا ہے۔

تخریج : ترمذی فی البر و الصلة فی اسناده ضعف۔

الفرائد : غرور سے بچنا چاہئے کیونکہ یہ تدریجاً انسان کو

٧٣ : بَابُ حُسْنِ الْخُلُقِ

بَاب ۷۳ : اعلیٰ اخلاق

الخلق حسن اخلاق نفس کا وہ ملکہ اور قوت جس سے سہولت کے ساتھ اچھے افعال کرنے کی قدرت ہو۔ اس کے متعلق یہ اختلاف ہے کہ غریزی قوت ہے یا کسبی ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

﴿اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ [ن:٤]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اور بے شک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اعلیٰ اخلاق پر ہیں''۔ (نون)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے تو انہوں نے جواب دیا قرآن کے احکام و آداب آپ ﷺ کے اخلاق سے ٹپکتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ عظیم اخلاق قرآن کے آداب کا نام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اخلاق کی تعبیر دین وشریعت سے کی ہے اور لامحالہ دین وشریعت تمام اخلاق کی جڑ ہے اور اس کی تاکید کرنے والا ہے۔ ظاہراً آیت میں جس بات کی تعریف کی گئی ہے وہ شریفانہ عادات' طبیعت کی عمدگی' شاندار ملکہ اور عمدہ اطوار ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: بعثت لاتمم مکارم الاخلاق اسی بات کی طرف مشیر ہے۔ جنیدؒ کہتے ہیں آپ ﷺ کے اخلاق کو عظیم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کا مقصود ذاتِ باری تعالیٰ تھی۔ آپ ﷺ مخلوق کے ساتھ سے رہن سہن رکھنے والے مگر دل سے مخلوق کو دور کرنے والے تھے۔ پس آپ ﷺ کا ظاہر تو لوگوں کے ساتھ تھا اور باطن اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ حکماء کا مقولہ ہے: **علیك بالخلق مع الخلق وبالصدق مع الحق وحسن الخلق خیر کله** مخلوق سے برتاؤ اخلاق کے ساتھ کرو۔ باطن کا معاملہ اللہ تعالیٰ ک ساتھ سچائی والا رکھو' حسن خلق سب کا سب خیر ہی ہے۔ دوسرا قول آپ ﷺ کے اخلاق کو عظیم اس لئے کہا کہ آپ نرمی وسختی اپنے اپنے موقعہ پر استعمال فرماتے۔ ایمان والوں کے ساتھ رافت ورحمت سے پیش آتے اور کفار سے سختی وانتقام اللہ تعالیٰ کی خاطر لیتے تھے۔

وَ قَالَ تَعَالٰی :

﴿وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ [آل عمران: ۱۳۴] **الْاٰيَہ**۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اور وہ غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے ہیں''۔ (آل عمران)

الکاظم وہ شخص جو قدرت کے باوجود بدلہ نہ لے۔ **العافین** چھوڑ دینے والے۔ **عن الناس** یعنی وہ سزا جس کے وہ لوگ حقدار ہیں۔ **واللّٰہ یحب** اللہ تعالیٰ ثواب دیتے ہیں۔ **المحسنین** اس سے اشارہ کیا کہ یہ لوگ مقام احسان کو پانے والے ہیں۔

۶۲۱ : وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَحْسَنَ النَّاسِ خُلُقًا"۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۶۲۱: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں اخلاق کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ❁ **احسن الناس خلقا** کیونکر نہ ہو جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ادبنی ربی فاحسن تادیبی** میرے رب نے مجھے بہترین ادب سکھایا' بخاری ومسلم میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت اس طرح ہے: **کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس وجھا واحسنھم خلقا الحدیث**۔

تخریج: اخرجه احمد ۴/۱۲۲۰۰ والبخاری ۶۱۲۹ وفی الادب المفرد ۲۶۹ واخرجه مسلم ۲۱۴۴ والترمذی ۳۳۳ والنسائی فی عمل الیوم واللیلة ۳۳۴ وابن حبان ۲۳۰۸ والبیهقی ۵-۲۰۳ بالفاظ متاربة وبعضهم یزید علی بعض۔

الفرائد : جس کے ہاں اولاد نہ ہوا سے بچے کی کنیت اختیار کرنا درست ہے۔جس مزاح میں گناہ نہ ہو وہ درست ہے۔بچوں کو چڑیا وغیرہ کے کھیلنا درست ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال خلق ظاہر ہوتا ہے۔

٦٢٢ : وَعَنْهُ قَالَ : مَا مَسِسْتُ دِيْبَاجًا وَّلَا حَرِيْرًا اَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : وَلَا شَمِمْتُ رَائِحَةً قَطُّ اَطْيَبَ مِنْ رَّائِحَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَلَقَدْ خَدَمْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَشْرَ سِنِيْنَ فَمَا قَالَ لِيْ قَطُّ ، اُفٍّ ، وَلَا قَالَ لِشَيْءٍ فَعَلْتُهُ : لِمَ فَعَلْتَهُ؟ وَلَا لِشَيْءٍ لَّمْ اَفْعَلْهُ : اَلَّا فَعَلْتَ كَذَا؟" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۶۲۲: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے میں نے کسی بڑے موٹے ریشم کو اور نہ باریک ریشم کو چھوا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور میں نے کوئی خوشبو نہیں سونگھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہو۔ میں نے دس سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ مجھے آپ نے کبھی بھی اُف تک نہیں فرمایا اور نہ ہی کسی کام کے متعلق جو میں نے کیا یہ فرمایا کہ یہ تم نے کیوں کیا؟ اور نہ ہی کسی کام کے بارے میں یہ فرمایا' جو میں نے نہیں کیا کہ تو نے اس طرح کیوں نہ کیا؟

تشریح ✿ **ما مسست** بلا حائل کسی چیز تک پہنچنا (المصباح) **دیباجاً** تانا بانا ریشم کا ہو۔بعض نے اس کو معرب قرار دیا ہے۔اس کی یا زائد کہا اور فیعال وزن بتایا۔اس کی جمع دبابیج ہے۔بعض نے کہا اس کی اصل دبج مضاعف ہے۔ایک با کو حرف علت سے بدل دیا۔اسی وجہ سے اس کی جمع میں تردد ہے اور دبابیج بتلائی جاتی ہے۔**ولا مریر** اَبریشم کہتے ہیں یہاں علیٰ سبیل الترقی فرمایا کہ آپ کی ہتھیلی مبارک ریشم سے بڑھ کر نرم تھی۔**الین من کف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم** یہ وصف اس کے مخالف نہیں جو دیگر روایات میں **شثن الکف و القدمین** فرمایا گیا ہے۔سیوطی شثن کہا اصمعی نے اس کا معنی سخت یعنی مضبوط اور موٹے' پھر اس پر یہ اعتراض وارد کیا بخاری میں تو منقول ہے **انه لین الکف** تو انہوں نے حلفاً کہا کہ یہ مطلقاً شثن کے لفظ کا معنی ہے۔اس حدیث کی مراد نہیں بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے۔بغیر کمی کوتاہی کے موٹے پن کی طرف میلان تھا ان میں کھردرا پن نہ تھا۔یعنی آپ کے اعضاء مبارکہ پُر گوشت و مضبوط ضرور تھے مگر جلد مبارکہ میں کھردرا پن نہ تھا بلکہ نرمی تھی۔مردوں کے لئے یہ قابل تعریف چیز ہے (النہایہ) کیونکہ کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑنے میں مددگار ہے۔عورتوں میں یہ قابل تعریف نہیں یا لین کا مفہوم یہ ہو کہ اصل خلقت کے لحاظ سے نرم تھے اور ان میں کام کاج کرنے اور سفر کی وجہ سے وقتی خشونت آ جاتی تھی۔پس دونوں روایتوں میں الگ الگ حالت کو بیان کر دیا۔**الکف** انگلیوں سمیت ہتھیلی کو کہتے ہیں۔کف کہنے کی وجہ یہ ہے یہ بدن سے ایذاء کو دور کرتی ہے۔یہ لفظ مونث ہے۔ابن انباریؒ جن لوگوں نے اس کو مذکر قرار دیا وہ قابل اعتبار نہیں۔**کف مخضب** یہ رنگین کلائی کو کہتے ہیں۔**ولا شممت** یہ (س'ن) دونوں بابوں سے آتا ہے سونگھنا۔**قط** زمانہ ماضی کی تاکید کے لئے آتا ہے۔**اطیب من رائحة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم** کسی خارجی وجہ کے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی مبارکہ سے خوشبو کبھی جدا نہ ہوتی تھی۔**عشر سنین** مدینہ تشریف آوری کے بعد انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے گھر میں خدمت کی ذمہ داری سنبھالی ہے جو کہ دس سال کا عرصہ ہے۔ اف یہ کلمہ اکتاہٹ اور ڈانٹ کے وقت استعمال ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انس رضی اللہ عنہ ممنوعہ اعمال سے بالکل بچنے والے تھے۔ ورنہ کسی ممنوعہ امر پر کبھی خاموش نہ رہتے۔ یہ لفظ کئی لغات کے ساتھ لکھا اور بولا جاتا ہے۔ گزشتہ اوراق میں ذکر کر آئے۔ **ولا قال لشی فعلته** شئی کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کوئی بھی چھوٹا بڑا کام۔ **لم فعلته**۔ لم سے سبب فعل کا سوال کیا جاتا ہے۔ الا یہ تعریض کے حروف سے ہے۔ **فعلت کذا** اس سے معلوم ہوا کہ ان کے افعال آپ کی نگاہ میں پسندیدہ تھے اور تقدیر کو اس قدر تسلیم فرمانے والے تھے کہ جو عالم شہادت میں ظہور پذیر نہیں ہوا۔ اس کے ظہور کا کوئی راستہ نہ تھا۔ پس سبب حال سے سوال بے فائدہ ہے۔ میل جول اگرچہ ایسی موقعہ پر سوال کو مقتضی ہے مگر یہ آپ کا حسن خلق تھا کہ اپنے خادم سے ایسے موقع پر بھی باز پرس نہ فرماتے تھے۔

تخریج : الروایة الاولی اخرجها البخاری ۳۵۶۱ ومسلم ۲۳۳۰ والروایة الثانیة اخرجها احمد ۴/۱۳۶۷۶ والبخاری ۲۷۶۸ ومسلم ۲۳۰۹ وابو داود ۴۷۷۳ والترمذی ۲۰۱ وابن حبان ۲۸۹۳ والدارمی ۱/۳۱ وعبدالرزاق ۱۷۹۴۶ والبخاری فی الادب المفرد ۲۷۷ وابن المبارک فی الزهد ۶۱۶ وغیرهم من ائمة الحدیث الشریف بالفاظ متقاربة۔

الفرائد : خدام سے آپ کے برتاؤ کی عمدہ تصویر ہے۔ خدام کو ڈانٹ اور ڈپٹ مذمت سے متنفر نہ کرنا چاہئے۔ امور شرعیہ میں مصالحت نہ ہے نہ کی جائے گی کیونکہ وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے ہے۔

---

۶۲۳ : وَعَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : اَهْدَيْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حِمَارًا وَّحْشِيًّا فَرَدَّهٗ عَلَيَّ ، فَلَمَّا رَاٰى مَا فِيْ وَجْهِيْ قَالَ : "اِنَّا لَمْ نَرُدَّهٗ عَلَيْكَ اِلَّا لِاَنَّا حُرُمٌ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۶۲۳ : حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک جنگلی گدھا ہدیہ کے طور پر پیش کیا۔ آپ نے مجھے واپس کر دیا اور جب میرے چہرے پر اثرات دیکھے تو فرمایا ہم نے تیرا یہ ہدیہ اس لئے واپس کیا کہ ہم احرام باندھنے والے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ صعب بن جثامہ جثامہ کا اصل نام یزید بن قیس بن عبداللہ بن یعمر بن عوف بن عامر بن لیث یہ لیثی حجازی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی وفات خلافت صدیقی میں ہوئی (تہذیب نووی) انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سولہ روایات نقل کی ہیں۔ دو متفق علیہ ہیں ایک حدیث بخاری کی دو احادیث کو جمع کرنے والی ہے اس کے علاوہ باقی حصہ متفق علیہ ہے۔ (المستخرج الملیح)

اهدیت حافظ کہتے ہیں یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے آپ کی خدمت میں ہدایا پیش کئے (فتح الباری) **فردہ علی** آپ ﷺ نے محرم ہونے کی وجہ سے واپس کر دیا کیونکہ احرام کی حالت میں شکار نہیں کیا جا سکتا۔ **فلما رأی ما فی وجھی** جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ مسترد کئے جانے کا اثر میرے چہرے پر پایا۔ **قال انا لم نردہ علیك الا لانا حرم رد** یرد (ن) سے زیادہ فصیح ہے۔ حُرُم یعنی ہم احرام باندھنے والے ہیں۔

فرق روایت: بخاری کی ایک روایت میں فی وجھی کو فا کے بغیر نقل کیا ہے۔

تخریج: بخاری و مسلم فی الحج والهبة' ترمذی' نسائی' ابن ماجه فی الحج' ابو داود ' ابن حبان ١٣٦' عبدالرزاق ٨٣٢٢' الادب المفرد ٢٧٧' ابن المبارك فی الزهد ٦١٦' طبرانی کبیر ٧٤٣٦' بیهقی ١٩١/٥' احمد ١٦٦٨٧/٥۔

الفرائد: ہدیہ پیش کرنے والے کے ہدیہ کو قبول کرنے میں عذر ہو تو اسکی دلجوئی کر دینی چاہئے۔ محرم کو شکار ممنوع ہے جو ہاتھ میں ہو اسے آزاد کر دے۔

٦٢٤ : وَعَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْبِرِّ وَالْاِثْمِ فَقَالَ : "اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ ، وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِیْ صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ یَّطَّلِعَ عَلَیْهِ النَّاسُ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۶۲۴: حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے متعلق سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی اچھے اخلاق کو کہتے ہیں اور گناہ وہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے اور تجھے ناپسند ہو کہ لوگ اس سے مطلع ہوں۔ (مسلم)

تشریح ۞ نواس رضی الله عنه کے حالات باب الورع وترک الشبہات میں گزر چکے ملاحظہ فرمالیں۔ البر یعنی طاعت و نیکی الاثم یعنی معصیت کیونکہ گناہ اس کا سبب ہے۔ البر حسن الخلق نیکی کا بڑا حصہ حسن اخلاق ہے کیونکہ اچھے اخلاق والا اچھے اخلاق کی قدرت رکھتا ہے اور برے اعمال سے بچ سکتا ہے شریعت کا انداز یہی ہے۔ حاك فی نفسك تیرے نفس میں جس کے کرنے اور چھوڑنے میں تردد پایا جائے۔ نفس اس کو اس لئے ناپسند کرے کیونکہ شریعت میں اس کا واضح جواز نہیں ہے۔ وکرهت ان یطلع علیه الناس لوگ اطلاع پا کر اس کے کرنے پر عار دلائیں گے کیونکہ نفس طبعی طور پر تعریف کو پسند اور مذمت کو ناپسند کرتا ہے۔

تخریج: مسلم فی البر والصلة' ترمذی الادب المفرد ٢٩٥' ابن حبان ٣٩٧' دارمی ٢٧٨٩' احمد ١٧٦٥٠/٦' حاکم ٢١٧٢' بیهقی ١٩٢/١٠۔

الفرائد: شرح گذر چکی ہے باب ۶۸ میں۔

٦٢٥ : وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : لَمْ یَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَاحِشًا وَّلَا مُتَفَحِّشًا – وَّكَانَ یَقُوْلُ : "اِنَّ مِنْ خِیَارِكُمْ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۶۲۵: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نہ تو فحش گو تھے اور نہ بتکلف فحش کہنے والے تھے اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو اخلاق میں

سب سے اچھے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

تشریح العاص ناقص کی یا برقرار رہتی ہے مگر اس میں تخفیفاً حذف کردی گئی ہے۔فاحشا ای ذا فحش یعنی اپنے اقوال و افعال میں فحش اختیار کرنے والے نہ تھے۔ الفحش وہ قول و فعل جس میں شدید برائی ہو۔ و لا متفحشا جان بوجھ کر بھی اس کا ارتکاب کرنے والے نہ تھے۔ان من خیار کم بخاری نے من اخیر کم نقل کیا۔اصل میں خیر و شر کے دونوں الفاظ میں الف پائی جاتی ہے مگر استعمال سے حذف غالب ہے۔احسنکم اخلاقا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسن اخلاق کے داعی تھے تو داعی کو خیار و اخیار سے ہونا چاہئے۔ بعض نے تو کہا اگرچہ لفظ عام ہیں مگر مراد اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور عام رکھنا مناسب ہے کیونکہ اس سے اعلیٰ اخلاق کی طرف لوگوں کو ترغیب ملتی ہے۔

تخریج : بخاری باب الادب و صفه النبی صلی الله علیه و سلم' مسلم فی الفضائل' ترمذی فی البر' ابن حبان ٤٧٧' طیالسی ٢٢٤٦' ابن ابی شیبه ٨/٥١٤۔

الفرائد :فحش و تفحش دونوں ممنوع ہیں۔

٦٢٦ :وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ :"مَا مِنْ شَیْ ءٍ اَثْقَلُ فِیْ مِیْزَانِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ ' وَاِنَّ اللّٰهَ یُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِیَّ" رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ :حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

"اَلْبَذِیُّ" هُوَ الَّذِیْ یَتَکَلَّمُ بِالْفُحْشِ وَرَدِیْ ءِ الْکَلَامِ۔

۶۲۶ : حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن کے میزان میں قیامت کے دن حسن اخلاق سے بڑھ کر کوئی بھاری چیز نہ ہوگی ۔ بے شک اللہ تعالیٰ بدکلامی اور بے ہودہ گوئی کرنے والے کو ناپسند کرتے ہیں۔(ترمذی)

حدیث حسن صحیح ہے۔

اَلْبَذِیُّ : بے ہودہ اور ردی باتیں کرنے والا ۔ایسا شخص جو ہر وقت بے حیائی پر کمر بستہ رہے۔

تشریح ابو الدرداء رضی الله عنه ان کے حالات باب ملاطفة الیتیم میں گزرے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ما من شئی ما نافیہ اور شئی نکرہ ما کا اسم ہے اور اثقل یہ خبر ہے۔

فی میزان العبد المؤمن اس روایت سے معلوم ہوتا ہے معانی کو جسم دیا جائے گا جیسا اس روایت میں یوتی بالموت فی صورة کبش الحدیث اختلاف اقوال: ① اعمال کا وزن ہوگا۔ ② نفس عمل تولا جائے گا۔ (مگر جدید ایجادات نے اس استبعاد کو زائل کردیا) مؤمن کی قید سے ① اشارہ کردیا کہ کافر کے اعمال کا وزن نہ کیا جائے گا کیونکہ کفر کے مقابلہ میں اس کی کوئی نیکی قابل وزن نہیں رہی۔ ② کافر بداخلاق ہے اس نے سب سے بڑی بداخلاقی یہ کی کہ ہر چیز کے خالق کی عبادت ترک کرکے مخلوق کی عبادت اختیار کرلی۔یبغض یہ ابغاض سے ہے۔مجرد سے نہیں آتا بغضہ تفعیل سے ہے' مطلب یہ ہے کہ

عالم ملکوت میں اس کی بھلائی کے ساتھ اس کا تذکرہ نہیں ہوتا ② اس کو ثواب نہ دیں گے ③ توفیق نہ دیں گے۔ **البذی** بداخلاق' فحش کلامی کرنے والا (المصباح) جامع صغیر کے الفاظ یہ ہیں: **ما من شئی اثقل فی المیزان من احسن الخلق۔**

تخریج : ترمذی فی البر والصلة' رواہ احمد ۱۰/۲۷۵۸۷' ابو داود عن ابی الدرداء اس میں یہ لفظ زائد ھیں۔ وان صاحب الخلق الحسن لیبلغ به درجة صاحب الصوم والصلاة' ابن حبان ۴۸۱۔

الفوائد : فحش گوئی اور ردی کلام سے بچنا چاہئے۔ حسن اخلاق قیامت کے دن میزان کو بھرنے والے ہوں گے۔

۶۲۷ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ اَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ ، قَالَ : "تَقْوَى اللّٰهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ" وَسُئِلَ عَنْ اَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ، فَقَالَ : "الْفَمُ وَالْفَرْجُ" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ : حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

۶۲۷: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا۔ لوگوں کو جنت میں لے جانے والے اعمال کیا ہیں؟ فرمایا: اللہ کا ڈر اور حسن اخلاق۔ پھر آپؐ سے پوچھا گیا کہ کونسی چیزیں لوگوں کو زیادہ آگ میں لے جانے والی ہیں؟ فرمایا: منہ اور شرم گاہ۔ (ترمذی)

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح ۞ **اکثر ما یدخل الناس الجنة** ما سے مراد اقوال' احوال' اعمال سب ہی ہیں۔ **تقویٰ اللّٰہ وحسن الخلق** ابن قیمؒ لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ بندے اور رب کے مابین باہمی روابط کو درست کرتا ہے اور حسن اخلاق اس کے اور مخلوق کے معاملات کو درست رکھتا ہے۔ **ما یدخل الناس النار** منہ' شرمگاہ کو اس لئے آگ کا سبب بتلایا کیونکہ منہ سے کفر' غیبت' چغلی' الزام بازی' حق کی تردید' باطل کی ابتداء' تائید وغیرہ جیسا کہ دوسری روایت میں **اهل یکب الناس فی النار علی وجوههم او قال علی مفاخرهم الاحصائد السنتهم** اور یہ ارشاد **ان الرجل لیتکلم بالکلمة لا یلقی لها بالا تهوی به فی النار سبعین خریفا** زبان کے نتیجہ میں جہنم میں پڑنا اور جہنم میں ستر خریف تک گرایا جانا معلوم ہوا اور شرمگاہ سے ہی زنا اور لواطت سرزد ہوتے ہیں۔

تخریج : ترمذی باب البر والصلة' احمد ۹۱۰۷' ابن ماجه ۴۲۴۶' حاکم ۲/۳۲۴' ابن حبان ۴۷۶۔

الفوائد : تقویٰ اللہ یہ اللہ تعالیٰ سے حسن معاملہ ہے اور حسن خلق یہ مخلوق سے حسن معاملہ ہے ان دو خصلتوں کو جمع کرنا سعادت ابدیہ کا باعث اور محرومی ابدی شقاوت ہے۔

۶۲۸ : وَعَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا ، وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَآئِهِمْ" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ : حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

۶۲۸: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومنوں میں حسن اخلاق

والے کامل مؤمن نہیں اور تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے بارے میں سب سے بہتر ہیں۔ (ترمذی)
حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح ۞ احسنهم خلقا پہلے "البر حسن الخلق" روایت گزری۔ جوں جوں بندے کے اخلاق اچھے ہوتے ہیں اس کے ایمان میں کمال پیدا ہوتی ہے' اس سے ثابت ہوا کہ ایمان میں کمی وزیادتی ہوتی ہے (باعتبار صفات کے) و خیار کم اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ۔ خیار کم نساء هم جو اپنی بیویوں سے بہتر سلوک کرنے والے ہیں یعنی بشاشت' ہنس مکھ' سخاوت' عورت کو ایذاء نہ دینا' اس کی ایذا پر صبر جیسے عمدہ اخلاق کو اختیار کرنے والے ہیں۔

فرق روایت: جامع صغیر سے "ان اکمل المؤمنین ایمانا احسنهم خلقا والطفهم باهله" کے الفاظ نقل کئے ہیں۔
باب الوصیة بالنساء میں تشریح کے ساتھ روایت گزری ملاحظہ فرمالیں۔

تخریج: ترمذی' مستدرك' احمد ٣/٧٤٠٦' ابو داود' ابن حبان ٤٧٩' ابن ابی شیبه ٨/٥١٥' الحاکم فی الافتتاح۔

الفرائد: بہترین ایمان والے وہ ہیں جو بہترین معاشرت والے ہیں۔

۞ ۞ ۞

٦٢٩ : وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ : إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الصَّآئِمِ الْقَآئِمِ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ۔

۶۲۹ : حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا بے شک مؤمن اپنے حسن اخلاق سے ہمیشہ روزہ رکھنے والے اور شب بیدار کا درجہ پالیتا ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ بحسن خلقه عاقولی کہتے ہیں: ① خوشباش رہنا' سخاوت کرنا' ایذاء سے باز رہنے کو حسن اخلاق کہا جاتا ہے۔ ② بعض نے کہا اللہ تعالیٰ کی خوب پہچان کی وجہ سے نہ وہ کسی سے لڑے اور نہ اس سے کوئی جھگڑا کرے۔ ③ سہل کہتے ہیں حسن اخلاق کا سب سے کم ترین درجہ یہ ہے برداشت کر کے بدلہ نہ لے' ظالم پر رحم کرے اور اس کے لئے استغفار کرے اور اس پر شفقت کرے' مطلب یہ ہے تاکہ داعی حسن اخلاق کی وجہ سے محامد سے مزین اور افعال مذمومہ سے بیزار ہو جائے۔
درجة الصائم القائم یعنی اعلیٰ درجات پالیتا ہے۔ رات میں سب سے اعلیٰ درجہ پانے والا شخص وہ ہے جو تہجد میں قیام کرنے والا ہے اور دن کے درجات میں سب سے اعلیٰ سخت لو اور گرمی میں روزہ رکھنے والا ہے۔

تخریج : ابو داود' ابن حبان ٤٨٠' (جامع صغیر) احمد ٢٤٦٤٩/٩' حاکم ١/١٩٩۔

الفرائد : اعلیٰ اخلاق والا صالح اور ہر دل قائم امین زاہد کا درجہ پالیتا ہے۔

۞ ۞ ۞

٦٣٠ : وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "اَنَا زَعِيْمٌ بِبَيْتٍ فِيْ رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَآءَ وَاِنْ كَانَ مُحِقًّا ' وَبِبَيْتٍ فِيْ وَسَطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَاِنْ كَانَ مَازِحًا' وَبِبَيْتٍ فِيْ اَعْلَى الْجَنَّةِ لِمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ" حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ ' اَبُوْدَاوُدَ۔

"الزَّعِيمُ": الضَّامِنُ۔

۶۳۰: حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس شخص کے لئے جس نے حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دیا' جنت کے اطراف میں ایک گھر کا ضامن ہوں اور اس شخص کے لئے بھی جنت کے درمیان میں گھر کا ضامن ہوں جس نے جھوٹ کو چھوڑ دیا خواہ مزاح کے طور پر ہی ہو اور اس شخص کے لئے بھی جنت کے بلند ترین مقام میں ایک گھر کا ضامن ہوں جس نے اپنے اخلاق کو اچھا بنا لیا۔
(ابوداؤد) حدیث صحیح ہے۔

الزَّعِيمُ: ضامن

تشریح ۞ ابو امامہ ان کا نام صدی بن عجلان رضی اللہ عنہ ہے۔ ربض الجنة جنت کا وہ حصہ جو اس کے گرداگرد باڑ کی صورت میں ہے۔ اس میں جنت کے بیرونی حصہ کو مکانات سے تشبیہ دی ہے۔ جو شہر کے گرداگرد اور قلعوں کے نیچے ہوتے ہیں (النہایہ) المراء یہ مصدر ہے اس کا معنی مجادلہ ہے اس کا دوسرا معنی کہنے والے کی تحقیر کے لئے اس کی بات میں طعنہ زنی کرنا۔ کہتے ہیں ما ریتہ جب یہ صورت پیش آئے تو اس وقت اس کو امراء کہیں گے اور جدال تو جدال ہی خواہ یہ صورت نہ پیش آئے (المصباح) وان کان محقا اگرچہ جس بات میں طعنہ زنی کر رہا ہے وہ درست ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اپنے مخالف کی راہنمائی اور اس کے اس بات کو قبول کرنے سے انکار کے بعد اس کا یہ طعنہ بات کی پڑتال کے لئے نہیں بلکہ صرف تذلیل کے لئے۔ پس امراء کا کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔ سوائے اس بات کے کہ اپنا وقت ضائع کرنے کی وجہ سے عبث کا مرتکب ہوگا۔ فی وسط الجنة میں اس کے درمیان میں اس کے لئے مکان کا ضامن ہوں۔ یہ لفظ میں کے فتح وسکون دونوں طرح درست ہے۔ (المصباح)

تشریح ۞ لمن ترك الكذب کذب خلاف واقع کی اطلاع دینا۔ اس سے مراد کذب مذموم ہے۔ بعض اوقات دو آدمیوں کے درمیان صلح کے لئے خلاف واقعہ بات کہہ دی جاتی ہے یہ اس میں شامل نہیں۔ ایک کذب واجب ہے۔ بے گناہ کو کوئی جان سے مارنا چاہتا ہے۔ اس کی جان بچانے کے لئے اس کی اطلاع میں خلاف واقعہ کہہ دینا ضروری ہے۔ اس استثناء کا تذکرہ احادیث میں موجود ہے۔ وان کان مازحا یعنی اس خلاف واقع بات سے وقار والی بات مقصود نہ ہو اور نہ وہ تعریض کی غرض رکھتا ہو۔ یہ کذب نہیں جیسا ابراہیم علیہ السلام نے توریہ فرمایا: انی سقیم یعنی عنقریب بیمار پڑنے والا ہوں اور یہ بات بھی جو سارہ رضی اللہ عنہا کے متعلق فرمائی کہ یہ میری بہن ہے یعنی اسلامی اعتبار سے۔ اس پر بعض احادیث میں کذب کا لفظ مشاکلت کی صورت میں استعمال ہوا ہے۔

اعلی الجنة اس سے مراد جنت کے درمیان میں۔ اس میں جھوٹ بولنے والے اور اچھے اخلاق اختیار کرنے والے کو پہلے پر بڑائی حاصل ہے۔ حسن خلقه باب تفعیل سے لاکر اشارہ کیا کہ اس کو اپنانے اور نفس کو اس کا عادی بنانے کے لئے کتنی مشقت اٹھانا پڑتی ہے۔ ابوداؤد کی سند ومتن دونوں کی تصحیح کی طرف مصنف اشارہ کر رہے ہیں۔ الزعیم ضامن کو کہتے ہیں جیسا اس آیت: ﴿انا به زعیم﴾

تخریج: اسناده صحيح اخرجه ابو داود ٤٨٠٠ وفي الباب عن انس رضى الله عنه الترمذى ١٩٩٤

وابن ماجه ٥١۔

الفوائد: حق پر ہوتے ہوئے جھگڑے کو چھوڑنے والا اور مزاح میں بھی سچائی کو اپنانے والا اعلیٰ اخلاق والا ہے۔ موت تک حسن اخلاق اختیار کرتے رہنا چاہیے۔

٦٣١: وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: "اِنَّ مِنْ اَحَبِّكُمْ اِلَيَّ وَاَقْرَبِكُمْ مِنِّيْ مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَحَاسِنَكُمْ اَخْلَاقًا، وَاِنَّ مِنْ اَبْغَضِكُمْ اِلَيَّ وَاَبْعَدِكُمْ مِنِّيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ وَالْمُتَفَيْهِقُوْنَ" قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ عَلِمْنَا الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ فَمَا الْمُتَفَيْهِقُوْنَ؟ قَالَ: "الْمُتَكَبِّرُوْنَ" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ: حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

"وَالثَّرْثَارُ" هُوَ كَثِيْرُ الْكَلَامِ تَكَلُّفًا۔ "وَالْمُتَشَدِّقُ" الْمُتَطَاوِلُ عَلَى النَّاسِ بِكَلَامِهٖ وَيَتَكَلَّمُ بِمِلْءِ فِيْهِ تَفَاصُحًا وَّتَعْظِيْمًا بِكَلَامِهٖ۔ "وَالْمُتَفَيْهِقُ" اَصْلُهٗ مِنَ الْفَهْقِ وَهُوَ الْاِمْتِلَاءُ، وَهُوَ الَّذِيْ يَمْلَاُ فَمَهٗ بِالْكَلَامِ وَيَتَوَسَّعُ فِيْهِ وَيُغْرِبُ بِهٖ تَكَبُّرًا وَّارْتِفَاعًا وَّاِظْهَارًا لِلْفَضِيْلَةِ عَلٰى غَيْرِهٖ۔ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الْمُبَارَكِ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِيْ تَفْسِيْرِ حُسْنِ الْخُلُقِ قَالَ: هُوَ طَلَاقَةُ الْوَجْهِ، وَبَذْلُ الْمَعْرُوْفِ وَكَفُّ الْاَذٰى۔

۶۳۱: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے قیامت کے دن مجھے سب سے زیادہ پیارا اور مجھ سے سب سے زیادہ قریب مجلس کے لحاظ سے وہ شخص ہوگا جو اخلاق میں سب سے اچھا ہوگا اور تم میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور زیادہ دُور وہ لوگ ہوں گے جو بہت زیادہ باتیں کرنے والے بناوٹ کرنے والے اور تکبر سے منہ کھول کر باتیں کرنے والے ہیں۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باتونی اور بناوٹ والے لوگ تو ہم سمجھ گئے مُتَفَيْهِقُوْنَ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ متکبر ہیں۔ (ترمذی) اور اس نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

وَالثَّرْثَارُ: بہت تکلف سے بات کرنے والے۔

اَلْمُتَشَدِّقُ: اعلیٰ گفتگو کا حامل ظاہر کرنے والا جو اپنے کلام کو منہ بھر کر اور لوگوں پر اپنے کلام کی بڑائی ظاہر کرنے والا ہو۔ اَلْمُتَفَيْهِقُ اس کی اصل الفهق ہے اور وہ منہ بھرنے کو کہتے ہیں یعنی جو منہ بھر کر کلام کرتا ہے اور منہ کو وسیع کرتا ہے اور دوسروں پر بڑائی اور بلندی ظاہر کرنے کے لئے اور اپنی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لئے تکبر سے باتیں کرتا ہے (ترمذی) نے حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے حسن خلق کی تفسیر خندہ پیشانی، سخاوت سے کام لینا اور ایذاء نہ پہنچانا سے کی ہے۔

تشریح ۞ وان من احبکم الی تم میں میری سنت کے سب سے زیادہ متبع لوگ وہ ہیں۔ معه اقربکم منی مجلسا یوم القیامة یعنی جنت میں کیونکہ وہ راحت و آرام کی جگہ ہے۔ میدان حشر میں لوگ بارگاہ رب العالمین میں کھڑے ہوں گے

اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بندوں کی شفاعت کے لئے کھڑے ہوں گے تا کہ ان کو اس کرب سے چھٹکارا مل سکے یہی وہ مقام محمود ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن دیا جائے گا۔

النحو: یوم کے لفظ کے متعلق احب اور اقرب دونوں تنازع کر رہے ہیں یہ بھی احتمال ہے کہ تنازع کی قسم سے نہ ہو بلکہ اقرب کا معمول بنالیا جائے۔ احسانکم اخلاقا یہاں اسم تفضیل کو جمع ذکر کیا گیا۔ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں مفرد لایا گیا ہے۔ معرفہ کی طرف اضافت میں دونوں صورتیں درست ہیں۔ اخلاق یہ خلق یا خلق کی جمع ہے۔ اس کی جمع خلائق بھی آتی ہے جیسا کہ حافظ نے (کتاب الانتقاض فی دفع الاعتراض) میں لکھا ہے۔

وان من ابغضکم الی وابعدکم منی یہاں ظرف کو ماقبل کی دلالت سے حذف کیا۔ (۲) معصیت کی شناعت وفضاعت کو بڑھانے کے لئے ظرف کو حذف کیا تا کہ مجلس وموقف سے بعد میں عموم پیدا ہو جائے کیونکہ معمول کا حذف اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ عاقولی کہتے ہیں اس روایت سے ایک اصول معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے لحاظ سے ایمان والے محبوب ہیں مگر ان میں صفات خیر اور شعب ایمان کی کمی زیادتی کی وجہ سے درجات میں تفاضل پایا جاتا ہے۔ محبت میں زائد ہونے کی وجہ سے فضیلت والا پہچانا جائے گا۔ بسا اوقات لوگ رذائل میں مختلف ہوتے ہیں رذالت کی وجہ سے مبغوض تو سب ہیں مگر صفات قبیحہ کے لحاظ سے ابغض وبغیض کا فرق ہوگا۔ بلکہ بعض اوقات تو ایک آدمی ایک اعتبار سے محبوب اور دوسرے لحاظ سے مبغوض ہے۔ اب اس قاعدہ کے لحاظ سے تمام مومنین سے بحیثیت مؤمنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت ہے اور ان میں بہترین اخلاق والے سے زیادہ محبت ہے۔ اسی طرح نافرمانوں سے بحیثیت نافرمان بغض ونفرت ہے اور ان میں جو بڑا بد اخلاق ہے اس سے اتنی نفرت شدید ہے۔ جیسا کہ معاملہ سے یہ بات ظاہر ہے بلکہ شعب الایمان میں بیہقی نے نقل کیا: **ان ابغضکم الی وابعدکم منی مساوئکم اخلاقا الثرثارون** مشکوٰۃ میں اس روایت کو ابو ثعلبہ خشنی کی سند سے نقل کیا گیا ہے۔

الثرثارون منہ پھٹ۔ **الثرثارون والمتشدقون والمتفیھقون**۔ صحابہ نے عرض کیا پہلے دو لفظ سمجھ میں آ گئے مگر یہ **المتفیھم** کون ہیں آپ نے فرمایا متکبر لوگ مراد ہیں۔ الثرثار جو تکلف سے بہت باتیں بنانے والے ہیں۔ مگر عاقولی نے کہا حق سے نکلنے والی باتوں' ثرثرہ' کثرت کلام کو کہتے ہیں۔ **المتشدق** جو لوگوں پر اپنی فصاحت کا سکہ جمانے کے لئے منہ کھول کر بات کرے۔ ابن حاجب کہتے ہیں تفاعل تکلف کے لئے آتا ہے۔ یہاں بھی اس میں فصاحت نہیں مگر وہ بڑا ثابت کرنے کے لئے فصیح بن رہا ہے۔ عاقولی کہتے ہیں جو بلا احتیاط واحتراز بہت کلام کرنے والا ہو۔ انہوں نے کہا جو استہزاء کے طور پر اپنے منہ کو اِدھر اُدھر مروڑ کر بات کرے۔ **والمتفیھق** یہ فہق سے نکلا ہے اس کا معنی بھرنا ہے۔ عاقولی نے کہا پورے طور پر بھرنا۔ جو آدمی منہ بھر کر بات کرے اور فضول طوالت دے اور کلام میں غیر مانوس الفاظ لائے تا کہ دوسروں پر اس کی برتری ظاہر ہو۔ اس میں درحقیقت کبر پایا جاتا ہے۔ عبداللہ بن المبارکؒ نے حسن خلق کا معنی وہ خوشی جس کا چہرے پر اثر معلوم ہو۔ ہنس مکھ رہنا۔ **بذل المعروف** اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا' زبان سے خیر خواہی کی بات کہنا اور ہاتھ سے احسان کرنا۔ **کف الاذی** قول وفعل سے لوگوں کو دکھ نہ دینا۔ گویا سب کا حاصل یہ ہے کھلے چہرے کے ساتھ بھلی بات کہنا اور برے افعال واقوال سے رکنا اور لوگوں کے ساتھ احسان کرنے کو حسن خلق کہا جاتا ہے۔ ایک جماعت نے کہا حسن خلق اس آیت میں جمع کر دیا گیا ﴿**خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاھلین**﴾ بعض نے کہا اس ناپسند بات کو برداشت کرنا جس کی وجہ سے اسے

اپنا دنیوی حصہ چھوڑنا پڑے اور افراط وتفریط کے بغیر اسے ایذاء برداشت کرنی پڑے۔

ابن حجر کہتے ہیں فضائل کو اختیار کرنے اور رذائل کو چھوڑنے کا نام حسن اخلاق ہے۔

ابوالولید باجی کہتے ہیں پاس بیٹھنے والے یا میل جول رکھنے والے کے حق میں خوش طبعی حوصلہ تعلیم ومحبت کے سلسلہ میں چھوٹے بڑے پر شفقت وصبر ظاہر ہونے کو حسن اخلاق کہا جاتا ہے (ذکرہ السیوطی)

تخریج : اخرجه الترمذى ٢٠٢٥ واسناده حسن وفى الباب عن ابى ثعلبة الخشنى رضى الله عنه عند احمد ٦/١٧٧٥٨ وابن ابى شيبة ٨/٥١٥ وابن حبان ٤٨٢ وفى الباب ايضا عن ابى هريرة رضى الله عنه عند احمد ٢/٨٨٣٠ باسناد حسن وفى الباب ايضا عن ابن مسعود رضى الله عنه عند الطبرانى فى الكبير ١٠٤٢٣۔

الفرائد : تکلف سے کثرت کلام کی مذمت کی گئی ہے۔ اسی فصاحت وبلاغت کے اظہار کے لئے باچھیں کھول کر بات کرنے کو ناپسندیدہ حرکت قرار دیا گیا یہ تکبر کی علامت ہے۔

۷۴ : بَابُ الْحِلْمِ وَالْاَنَاةِ وَالرِّفْقِ

باب ۷۴ : حوصلہ نرمی اور سوچ سمجھ کر کام کرنا

الحلم درگزر۔ یہ حا کے ضمہ سے پراگندہ خیالات اور کسرہ سے درگزر، چشم پوشی۔ جیسے کہتے ہیں حلمتہ میں نے اس کی نسبت حلم کی طرف کی۔ الأناة بروزن حصاة جلد بازی نہ کرنا۔ الرفق نرم روی۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی :

﴿وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [آل عمران:١٣٤]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اور وہ غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔ (آل عمران)

غصہ پی جانے اور لوگوں کو معاف کر دینے والا عمل ان سے اسی بناء پر ظاہر ہوا کہ وہ حوصلہ والے تھے۔ واللہ یحب المحسنین اس میں احسان ودرگزر پر آمادہ کیا گیا ہے۔ پہلے بھی بیان کر چکے ہیں۔

وَ قَالَ تَعَالٰی :

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ﴾ [الاعراف:١٩٩]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''عفو ودرگزر کو لازم پکڑو اور بھلائی کا حکم کرو اور جاہلوں سے اعراض کرو''۔ (الاعراف)

خذ العفو یعنی لوگوں سے نرمی برتو اور ان کے اعذار کو قبول کرو۔ روایات میں وارد ہے کہ جب یہ آیت اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا اس کا کیا مطلب ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ جو زیادتی کرے اسے معاف کر دیں' جو محروم رکھے اسے عنایت کریں جو قطع رحمی کرے اس سے صلہ رحمی کریں''۔
وامر بالمعروف عرف سے ہر وہ چیز جس کو شریعت معروف کہے۔ واعرض عن الجاهلين بیوقوف کا حماقت سے سامنا مت کرو۔ باب توقیر العلماء والکبار میں تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

وَ قَالَ تَعَالٰی :

﴿وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾

[فصلت:۳۴-۳۵]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
''نیکی اور برائی برابر نہیں۔ برائی کو اچھے طریقے سے ٹالو ہو سکتا ہے کہ وہ شخص کہ تیرے اور اس کے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گویا کہ وہ گہرا دوست ہے اور یہ توفیق انہی لوگوں کو ملتی ہے جو صبر کرنے والے ہیں انہی کے حصے میں آتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں''۔ (فصلت)

تشریح ۞ لا السيئه یہ لا تاکید نفی کے لئے لایا گیا ہے۔ ادفع بالتی هی احسن احسن سے مراد حسنہ ہے۔ گویا اس طرح کہا گیا کہ میں کیا رویہ اختیار کروں تو جواب دیا گیا۔ بہت خوب سے جواب دو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس آیت میں غصہ کے وقت صبر اور زیادتی کے وقت عفو کا حکم دیا گیا۔ بعض نے اس کا معنی یہ کیا کہ نیکیاں باہمی برابر نہیں بعض حسن ہیں تو دوسری احسن ہیں۔ اسی طرح برائیاں بھی۔ پس تم اس زیادتی کا دفاع اچھائی سے دو جو کہ اپنی مقابل سے خوب ہے مثلاً جو تمہارے ساتھ برسلوک کرے فقط اس کو معاف کرنے پر اکتفاء نہ کرو بلکہ اس پر احسان کرو۔ فاذا الذی...... جب تم ایسا کر گزرو گے تو دشمن مشفق دوست بن جائے گا۔ وما يلقاها الا الذين صبروا یہ بات ان کو میسر آتی ہے جو مخالفت نفس پر صبر کرنے والے ہیں۔ وما يلقاها الا ذوحظ عظيم اسی کو یہ میسر ہوتا ہے جو کمالات نفس میں بڑا نصیب ور ہے۔

وَ قَالَ تَعَالٰی :

﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ [الشوریٰ:۴۳]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
''البتہ جس نے صبر کیا اور بخش دیا یقیناً یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے''۔ (الشوریٰ)

صبر ایذاء پر صبر کیا۔ وغفر اور بخش دیا بدلہ نہ لیا۔ ان ذلك اس میں اس صابر کے صبر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جس کا پہلے تذکرہ ہوا۔ مطلق صبر کا بیان نہیں کہ جس کے لئے ضمیر کی ضرورت ہو۔ لمن عزم الامور عزیمت کے قابل تعریف اور قابل قدر کام۔

٦٣٢ :وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِاَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ :"اِنَّ فِيْكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ": اَلْحِلْمُ وَالْاَنَاةُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۶۳۲: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اشج عبدالقیس سے فرمایا بے شک تم میں دو اچھی عادتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا: ایک حلم اور دوسرا سوچ سمجھ کر کام کرنا۔ (مسلم)

تشریح ۞ **لاشج عبدالقیس** رضی اللہ عنہ ان کا اسم گرامی منذر بن عاذل (ابن عبدالبر اور اکثر کا قول) کلبی نے منذر بن حارث بن زیاد بن عصر بن عوف کہا ہے۔ بعض نے منذر بن عامر اور بعض نے منذر بن عبید نقل کیا ہے جبکہ دوسروں نے عائذ بن المنذ ر یا عبداللہ بن عوف بتلایا ہے (واللہ اعلم)

یحبھما اللّٰہ ان دونوں عادات کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں اور کرنے والے کی تعریف کرتے اور اس کو ثواب دیں گے۔ **الحلم** نووی نے اس کا معنی عقل کیا ہے۔ نہایہ میں ہے۔ معاملات میں پختگی اور حوصلہ مندی اختیار کرنا جو کہ عقلاء کی شان ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عقل لازم معنی ہے۔ حقیقی معنی وہی ہے جو المصباح کے حوالے سے گزرا۔ **الاناۃ** پختگی اور جلد بازی کو چھوڑنا۔ یہاں یہی مقصود ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا سبب و باعث ہے۔ جب قبیلہ عبدالقیس کا یہ وفد آیا تو وفد کے تمام افراد جلدی سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ ہو گئے۔ اشج کجاوں کے پاس ٹھہر گئے ان تمام کو جمع کیا پھر اپنی اونٹنی کو باندھا اور بہترین کپڑے زیب تن کر کے پھر خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قریب بٹھایا پھر ان کو مخاطب کر کے فرمایا تم مجھ سے اپنے نفوس اور اپنی قوم کی طرف سے بیعت کرنے کو تیار ہو انہوں نے جواب دیا جی ہاں۔ اشج کہنے لگے یا رسول اللہ آپ آدمی کو اس کے سابقہ دین پر سب سے زیادہ گراں چیز پر آمادہ کر رہے ہیں۔ اس لئے ہم اپنے لئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرتے ہیں اور قوم کے دیگر افراد کی طرف داعی بھیجتے ہیں۔ جس نے ہماری بات تسلیم کر لی وہ ہمارا جو انکار کرے ہم اس سے لڑائی کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے سچ کہا تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں (الحدیث) قاضی عیاض کہتے ہیں انا ۃ کسی چیز کے مصالح پر نظر کرنے کے لئے انتظار کرنا اور جلدی نہ مچانا۔ یہ چیز اشج رضی اللہ عنہ کے گہری نگاہ والا ہونے کی علامت ہے۔ یہ روایت ابو یعلیٰ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے خلاف نہیں جس میں یہ مذکور ہے: **ان فیك خصلتین قال یا رسول اللہ اکان فی ام حدثا؟ قال بل قدیم قال قلت الحمدللہ الذی جبلنی علی خلقین یحبھما اللّٰہ** یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ عادات مجھ میں پہلے سے ہیں یا نئی پیدا ہوئی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تجھ میں یہ دو عادتیں پہلے سے چلی آ رہی ہیں۔ تو میں نے عرض کیا الحمدللہ الذی اس اللہ کا شکر ہے جس نے میری فطرت میں ایسی دو خصلتیں رکھ دی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔

تخریج :اخرجه الترمذی ۲۰۱۲۔

الفرائد :جب آدمی کے غرور میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو تو اس کے سامنے اس کی تعریف درست ہے۔ حلم وانا عت صبر و عقل اور معاملات میں پختگی کی علامت ہے۔

٦٣٣ :وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَت :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :"اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْاَمْرِ كُلِّهٖ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۶۳۳: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نرم ہیں اور سارے معاملات میں نرمی کو پسند فرماتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ ان اللّٰہ رفیق رفق۔قول وفعل میں نرم رویہ اختیار کرنا۔اس کی ضد عنف ہے۔صاحب نہایہ ① رفیق یہ فعیل کے وزن پر فاعل کے معنی میں ہے (النہایہ) ② عاقولی کہتے ہیں اس کا معنی اپنے بندوں پر نرمی کرنے والے ہیں۔ ③ بعض نے کہا اللہ تعالیٰ کے لئے اس کا معنی حلم ہے کہ وہ نافرمانوں کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتے بلکہ سعادت والے کو توبہ کا موقعہ دیتے ہیں اور ضدی کے گناہ بڑھاتے ہیں (ابن رسلان) ④ قرطبی یہ معنی روایت کے سب سے زیادہ مناسب ہیں کیونکہ سبب نزول حدیث یہی ہے۔البتہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کا اطلاق درست نہیں کیونکہ کسی بھی روایت میں اسماء حسنیٰ میں وارد نہیں ہے یہاں بعد والے حکم کی تمہید کے لئے بطور خبر استعمال کیا گیا ہے۔گویا اس طرح فرمایا **ان اللہ یرفق بعبادہ فیعطیھم علی الرفق مالا یعطیھم علی سواہ** اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو رفق پر وہ بدلہ عنایت فرماتے ہیں جو اس کے علاوہ پر نہیں ملتا۔عاقولی کہتے ہیں یہ بطور مشاکلت استعمال ہوا ہے اور جو اس طرح وارد ہو اس کو علی الاطلاق استعمال کرنا درست نہیں ہے۔**یحب** یہ رضامندی کے معنی میں ہے۔**الرفق علی الامر کلہ** کیونکہ معاملے کی درستگی میں اور میل جول کا دارومدار نرم رویے پر ہے۔

٦٣٤ :وَعَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ :"اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ ، وَيُعْطِيْ عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِيْ عَلَى الْعُنْفِ وَمَا لَا يُعْطِيْ عَلٰى مَا سِوَاهُ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۶۳۴: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ نرمی کرنے والے اور نرمی کو پسند کرنے والے ہیں اور نرمی پر وہ کچھ دیتے ہیں جو سختی پر نہیں دیتے اور نہ ہی اس کے علاوہ کسی اور چیز پر دے دیتے ہیں۔ (مسلم)

تشریح ۞ **یحب الرفق** کیونکہ اس کے ذریعہ وہ عنایات فرماتے ہیں جو اس کی ضد سے ملنی ممکن نہیں۔**ویعطی علی الرفق** مثلاً دنیا میں اچھی تعریف اور آخرت میں اجر جزیل۔**العنف** شدت ومشقت' بلکہ جو رفق میں ہے عنف میں اس کا عکس ہے (النہایہ) بقول ابن رسلان عین کا ضمہ وفتحہ دونوں درست ہیں۔**وما لا یعطی**...... یہ طویل جملہ رفق پر آمادہ کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔ (المفاتیح)

تخریج : مسلم' احمد ٢٤١١٤٥' بخاری' ترمذی' ابن ماجه' دارمی ٣٢٣/٢' ابن حبان ٦٤٤١' الادب المفرد ٣١١' بیهقی ٢٠٣/٩۔

الفرائد : آپ ﷺ کے کمال حلم' کمال اخلاق کو بتلایا گیا۔نرمی' صبر حوصلہ مندی' لوگوں سے نرم سلوک اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

٦٣٥ : وَعَنْهَا اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اِنَّ الرِّفْقَ لَا یَکُوْنُ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا زَانَهٗ ، وَلَا یُنْزَعُ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا شَانَهٗ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۶۳۵: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہی روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا نرمی جس چیز میں ہوتی ہے اس کو مزین کردیتی اور جس چیز سے نرمی نکال لی جاتی ہے اس کو عیب دار کردیتی ہے۔(مسلم)

تشریح ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا نرمی کو لازم پکڑو اور فحش گوئی اور درشت روی سے اپنے کو بچاؤ۔ لا یکون فی مشی اگر تکون کو تامہ مانیں تو فی شئی کے متعلق ہے اور اگر ناقصہ ہو تو یہ اس کی خبر ہے۔ الا زانہ یہ مستثنیٰ مفرغ ہے۔ یعنی لا یکون الرفق مستقراً فی شئی موصوف بصفة من الاوصاف الا بصفة الزینة۔ یعنی نرمی سے زینت ملتی ہے۔ شئی کا لفظ ذوات واعراض دونوں کیلئے۔ لا ینزع یہ مبنی للمجہول ہے۔ من شئ ہر چھوٹی بڑی چیز مراد ہے۔ الا شانہ کا مطلب یہ ہے درشتی عیب ہے۔

تخریج : اخرجه منسلم ٢٥٩٤ والبخاری فی الادب المفرد ٤٦٩۔

الفرائد : تمام کاموں میں نرمی ان کی تکمیل کا باعث ہے اور اسکے برعکس درشتی عیب ن نقص کا باعث بنے گی۔

٦٣٦ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: بَالَ اَعْرَابِیٌّ فِی الْمَسْجِدِ فَقَامَ النَّاسُ اِلَیْهِ لِیَقَعُوْا فِیْهِ ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ : "دَعُوْهُ وَاَرِیْقُوْا عَلٰی بَوْلِهٖ سَجْلًا مِّنَ الْمَآءِ اَوْ ذَنُوْبًا مِّنْ مَّآءٍ ، فَاِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُیَسِّرِیْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِیْنَ" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

"اَلسَّجْلُ" بِفَتْحِ السِّیْنِ الْمُهْمَلَةِ وَاِسْکَانِ الْجِیْمِ : وَهِیَ الدَّلْوُ الْمُمْتَلِئَةُ مَآءً ، وَکَذٰلِکَ الذَّنُوْبُ۔

۶۳۶: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کردیا۔ لوگ اٹھے تا کہ اسے سزا دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہا دو۔ بے شک تم تو آسانی والے بنا کر بھیجے گئے ہو سختی والے بنا کر نہیں بھیجے گئے ہو۔(بخاری)

اَلسَّجْلُ : پانی سے بھرا ہوا ڈول

الذَّنُوْبُ کا بھی یہی معنی ہے۔

تشریح اعرابی اس کی جمع اعراب ہے۔ ابن دقیق العید کہتے ہیں یہاں جمع کو اسم منسوب بنایا کیونکہ یہ قبیلے کی جگہ استعمال ہوا ہے۔ بعض نے کہا اگر واحد سے اسم منسوب بنائے تو عربی بن کر مختلط ہو جاتا۔ عربی اسماعیل علیہ السلام کی اولاد پر بولا جاتا ہے۔ خواہ دیہات میں رہتا ہو یا شہر میں اور یہ پہلے معنی سے مختلف ہے اس سے ثابت ہوا کہ اعراب عرب کی جمع ہے مگر مشہور اس کے خلاف ہے۔ جوہری عرب لوگوں کی ایک نسل کو کہتے ہیں اور اس سے اسم منسوب عربی ہے اور الاعراب دیہاتی

اس کا اسم منسوب اعرابی ہے۔لفظ اس کا واحد موجود نہیں ہے اور یہ عرب کی جمع نہیں بلکہ عرب یہ اسم جنس ہے۔عراقی میں مبہمات کی کسی قسم میں اعرابی کا نام نہیں پایا (التقریب) عبداللہ بن نافع کہتے ہیں یہ اعرابی اقرع بن حابس تمیمی ہے (غایۃ الاحکام) ابن الملقن کہتے ہیں مبہمات پر کلام کرنے والوں میں سے کسی نے اس کا نام نہیں لکھا۔ میں ابوموسیٰ مدینی کی کتاب معرفۃ الصحابہ میں اس کا نام معلوم کیا انہوں نے سلمان بن یسار سے نقل کیا کہ طلع ذوالخویصرہ الیمانی کہ ذوالخویصرہ یمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ یہ درشت مزاج آدمی تھا۔اس کے متعلق ہے کہ اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ڈول ڈالنے کا حکم فرمایا۔ابن رسلان کہتا ہے کہ اس سے قبل امام ذہبی نے بھی لکھا ہے ملاحظہ ہو التجرید فی ترجمة ذی الخویصره الیمانی ابن حجر کہتے ہیں یہ ذوالخویصرہ تمیمی کے علاوہ آدمی ہے۔اس تمیمی کا نام حرقوص بن زہیر ہے یہ خارجیوں کا لیڈر ہے (تخریج احادیث رافعی) اس سے معلوم ہو گیا ابن حجر ہیثمی کو شرح مشکوٰۃ میں لکھنے میں غلطی لگی ہے کہ انہوں نے ذوالخویصرہ تمیمی لکھ دیا ہے۔فقام الیه الناس قاموا قاصدین الیه یعنی لوگ اس کی طرف اٹھے۔لیقعوا فیه سخت سست کہنے لگے۔وقع فلان فی فلان برا بھلا کہنا (المصباح) بخاری میں لقعقوا بہ اور ایک روایت میں فتناوله الناس کے الفاظ ہیں۔جبکہ مسلم میں فصاح به الناس اور دوسری روایت میں قال اصحاب رسول اللہ مہ مہ کے الفاظ ہیں۔مطلب یہ ہے کہ لوگ اس کو کچھ کہنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔دعوہ اس کو رہنے دو۔کیونکہ وہ تھوڑی دیر پہلے اسلام لایا تھا۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ جاہل کو تعلیم دیتے ہوئے نرمی وسہولت سے کام لینا چاہئے اور تنگی برتنی مناسب نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو فرما چکے تھے انما بعثتم میسرین لم تبعثوا معسرین تمہیں تنگی والے نہیں بلکہ سہولت بنا کر بھیجا گیا۔ ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ دیہاتی نے بات سمجھ لینے کے بعد کہابابی و امی صلی الله علیه وسلم میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ مجھے گالی دی اور نہ برا بھلا کہا بلکہ فرمایا ان ھذا المسجد لا یبال فیه انما نبی لذکر الله والصلاة فیه یہ مساجد اللہ کی یاد اور نماز کے لئے بنی ہیں ان میں پیشاب کرنا نامناسب نہیں۔واریقوا علی بوله سجلا۔خشک ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پیشاب کی جگہ پر ایک ڈول پانی بہانے کا حکم فرمایا۔من ماء سے ڈول کی مزید وضاحت مقصود ہے۔او کا لفظ شک راوی ہے کہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجل کا لفظ استعمال فرمایا یا دلو کا۔حافظ عراقی کہتے ہیں ابوداؤد کی روایت اس کو واضح کر رہی ہے۔وصبوا علیها سجلا من ماءٍ او قال ذنوبا من ماءٍ جب ان روایات میں او شک کے ساتھ ہو تو ذنوبا کا لفظ متعین ہو جائے گا کیونکہ حدیث انس رضی اللہ عنہ میں ذنوبا اور دلوا کا لفظ وارد ہے۔البتہ ابن ماجہ کی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت میں بسجل من ماءٍ آیا ہے۔اس حدیث سے یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں: ① آدمی کا پیشاب ناپاک ہے مسجد کا پیشاب سے صاف ستھرا رکھنا ضروری ہے۔② نجس مقام پر پانی پڑنے سے وہ پاک ہو جائے۔خواہ وہ زمین ابھی خشک نہ ہوئی ہو کیونکہ موقعہ بیان پر سکوت درست نہیں۔③ عین نجاست زائل ہو جائے تو محل پاک شمار ہوگا۔فانما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین یہ ماقبل کی علت کی طرح ہے کہ تمہارا معاملہ اسی طرح کا ہے اس کو ڈانٹ ڈپٹ مت کرو یہ نیا نیا اسلام لایا ہے۔اس کو احکام کی کچھ خبر نہیں۔ بلکہ وہ آسانی دینی چاہئے جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا۔السجل ڈول کو کہتے ہیں جو پانی سے پُر ہو۔دلو کو بعض نے مذکور

اور دوسروں نے مونث کہا اور سجل کا بھی یہی معاملہ ہے۔ الذنوب بعض نے مطلق ڈول اور بعض نے بڑا ڈول معنی کیا ہے۔ بعض نے کہا جب اس میں پانی ہو تو دلو کہلائے گا ورنہ نہیں۔

تخریج : اخرجه البخاری ۲۲۰۔

الفرائد : جاہل کی تعلیم میں درشتی سے احتراز کیا جائے۔ مسجد کو اقذار سے بچایا جائے۔ مفاسد کا جلد ازالہ کیا جائے۔ نجاست سے بچاؤ کرنا صحابہ کرام کی فطرت میں داخل ہو چکا تھا امر بالمعروف و نہی المنکر ان کا مزاج تھا۔

٦٣٧ : وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : "يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۶۳۷: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا آسانی کرو' تنگی نہ کرو' خوشخبری سناؤ اور نفرت مت دلاؤ۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ یسروا ولا تعسروا العسر والیسر ایک دوسرے کی ضد ہیں دوسرے کو تاکید اً ذکر کیا گیا ورنہ ایک کے حکم سے ضد کی نفی خود سمجھی جاتی ہے۔ ⑦ ایک پر اکتفاء کرنے سے یسر کا ایک مرتبہ اور عسر کو بعض اوقات میں پیش آنا معلوم ہوتا مگر جب ولا تعسروا کہہ دیا عسر کے تمام اوقات کی نفی کر دی کیونکہ قرآن مجید میں فرمایا گیا: ﴿وما جعل علیکم فی الدین من حرج﴾ اور اس وجہ سے بھی کہ جب آیت ﴿ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به﴾ نازل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے ایسا کر دیا اور اس لئے بھی کہ حدیث میں وارد ہے بعثت بالحنیفیة السمحة السهلة میں نرم حنیفت لایا ہوں اور صحیح میں وارد ہے صل قائمًا فان لم تستطع فقاعداً لا یکلف اللّٰه نفسا الا وسعها۔ وبشروا ولا تنفروا خیر کی اطلاع کو بشارت کہتے ہیں اس کی ضد نذارت ہے۔ یہاں اس کا تقابل منافرت سے کیا کیونکہ نذارت کا مقصود منافرت ہوتی ہے۔ اس لئے مقصود کی صراحت کر دی تاکہ بچنا آسان ہو۔

تخریج : اخرجه البخاری ٦٩ ومسلم ١٧٣٢۔

الفرائد : امور تکلفیہ میں تدریج سے کام لیا جائے تاکہ تنفر کا باعث نہ بنے۔ ولاۃ الامور یہ حکام کو اہم کاموں میں نرمی و اتفاق سے کام لینا چاہئے۔ خلیفہ کو اپنے حکام کو ہمیشہ وصیت و نصیحت کرتے رہنا چاہئے خواہ وہ اہل فضیل و اہل اصلاح ہوں۔

٦٣٨ : وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقُوْلُ : "مَنْ يُّحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ كُلَّهٗ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۶۳۸: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا : جو آدمی نرمی سے محروم کر دیا گیا وہ ہر قسم کی بھلائی سے محروم کر دیا گیا۔ (مسلم)

تشریح ۞ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ یہ بجلی الاحمسی ہیں جن کے حالات پہلے درج کر دیئے گئے باب ثواب من

سن سنة حسنة۔ من یحرم الرفق نرمی کی توفیق میسر نہ ہو بلکہ اس میں شدت وسختی پائی جائے۔اس میں الف لام تعریف حقیقی کا ہے۔یحرم الخیر اس میں الف لام عہد ذہنی کا ہے یعنی وہ خیر جو نرمی سے وجود میں آئے۔یحرم میں حرمان سے مراد ماسبق تمام بھلائیوں سے محرومی مراد ہے۔جو سابقہ روایت میں مذکور ہے کیونکہ نرمی پر دونوں جہانوں کی بھلائی کا اتصال ہے اور درشتی اس کی ضد ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لا نفضوا من حولك﴾

تخریج : اخرجه احمد ۱۹۳۷۲/۷ ومسلم ۲۵۸۲ وابو داود ۴۸۰۹ واللفظ له واخرجه ابن ماجه ۳۶۸۷ والبخاری فی الادب المفرد ۴۶۳ وابن حبان ۵۴۸ وابن ابی شیبة ۵۱۰/۸ والطبرانی فی الکبیر ۲۴۴۹۔

الفرائد : کام کو بہتر انداز اور آسان ترین راہ سے اپنانا چاہیے۔معاملات میں درشتی اسباب خیر سے محرومی کا باعث بن جاتی ہے۔

۶۳۹ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ ﷺ : اَوْصِنِیْ – قَالَ : "لَا تَغْضَبْ" فَرَدَّدَ مِرَارًا قَالَ : "لَا تَغْضَبْ" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

۶۳۹: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا مجھے نصیحت فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا غصہ مت کیا کرو۔اس نے سوال کئی مرتبہ دہرایا۔آپؐ نے فرمایا کہ غصہ مت کیا کرو۔(بخاری)

تشریح ان رجلاً ① ابن بشکوال کہتے ہیں کہ یہ جاریہ بن قدامہ ہیں ابن ابی شیبہ (المؤتلف والمختلف لدارقطنی) میں بھی اسی طرح لکھا ہے ② اور فوائد ابوالفضل بن خیرون میں ابو درداء رضی اللہ عنہ کا نام لکھا ہے ③ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق فوائد بن صخر میں لکھا ہے کہ وہ مراد ہیں۔اس نے اپنی سند سے نقل کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایسی بات فرمائیں جس کو میں پلے باندھ لوں۔آپؐ نے فرمایا غصہ مت کیا کرو۔ابن صخر کہتے ہیں یہ روایت بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً منقول ہے۔یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی صحیح روایات میں سے ہے۔اس کی سند مناسب ہے۔④ انہی فوائد میں سفیان ثقفی رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا گیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا مجھے نصیحت فرمائیں میرے بار بار سوال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی جواب دیا: **لا تغضب** (مصابیح دمامینی اربعین سخاوی) ⑤ بیہقی اور ابن ابی الدنیا نے احنف بن قیس سے نقل کیا کہ میرے بھتیجے نے بیان کیا کہ یہ جاریہ بن قدامہ رضی اللہ عنہ ہیں۔جاریہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایسی بات فرمادیں جو میں سمجھ کر محفوظ کرلوں۔آپؐ نے فرمایا: **لا تغضب** میرے بار بار سوال پر یہی جواب دیا۔پھر عروہ سے نقل کیا کہ یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں جیسا مسند ابویعلیٰ میں ہے مگر بیہقی نے اس کو وہم قرار دیا اور روایت اول کو عروہ عن ابیہ سے درست قرار دیا۔جیسا ابن مندہ نے المعرفہ میں احمد و طبرانی سے اور ابن حبان، حاکم نے اپنی روایات میں نقل کیا ہے۔روایت کے طرق میں تردد کی وجہ سے بعض ائمہ نے جاریہ کی صحابیت سے انکار کیا ہے۔سخاوی لکھتے ہیں اس باب میں جابر، جاریہ، سفیان ثقفی، ابن عمر، ابن عمرو، ابی الدرداء، ابوسعید، ابو ہریرہ اور عم جاریہ کے متعلق روایت وارد ہے۔باب الصبر میں روایت گزر چکی۔اوصنی ازہری کہتے ہیں

وصیت کا معنی ملانا ہے۔ مطلب یہ ہے مجھے ایسی چیز تک پہنچا دیں جو دین و دنیا کے لحاظ سے مفید ہو۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی میں کثرت غضب کے مرض کو پایا تو وہی علاج کیا۔ قال لا تغضب غضب دل کے خون کے جوش مارنے کو کہتے ہیں یا وہ عارضہ جو آدمی کو انتقام پر آمادہ کرے۔ یہ ایسا شیطانی وسوسہ ہے جو انسان کو حالت اعتدال سے نکال کر غلط گفتگو اور مذموم افعال پر آمادہ کرتا ہے جس سے وہ کینہ و بغض وغیرہ کا شکار بن جاتا ہے بلکہ کبھی تو کفر تک پہنچ جاتا ہے۔ فردد مرارًا۔ اس آدمی نے اوصنی کا کلمہ بار بار دہرایا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس سے زیادہ بلیغ نصیحت چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار یہی جواب دیا کیونکہ اس کے لئے یہی نفع بخش دوا تھی۔ غصے کا علاج یہ ہے کہ آدمی یہ خیال کرے کہ اللہ کا غضب سب سے عظیم تر ہے اور اس کا فضل بہت بڑا ہے۔

تخریج : باب الصبر کے تحت گزر چکی۔

الفرائد :باب الصبر میں روایت گذری۔

❁ ❁ ❁

٦٤٠ :وَعَنْ اَبِیْ یَعْلٰی شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ ' فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ ' وَلْيُحِدَّ اَحَدُكُمْ شَفْرَتَهٗ ' وَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهٗ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۶۴۰: حضرت ابویعلیٰ شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر کام کو اچھے انداز سے کرنے کو ضروری قرار دیا ہے۔ پس جب تم دشمن کو قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب تم جانور کو ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو اور اپنی چھری کو خوب تیز کر لو اور اپنے ذبیحہ کو خوب راحت پہنچاؤ۔ (مسلم)

تشریح ❁ ابو یعلی شداد بن اوس رضی اللہ عنہ ان کے حالات ابا ب الرقیہ میں گزرے۔ یہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں۔ کتب وجوب و تقدیر کے معنی میں ہے۔ الاحسان کسی فعل کو پختگی سے کرنا یا فضل و انعام کرنا۔ کل شئی ① شئی جس چیز کا وجود ممکن ہو۔ اس صورت میں مستحیل پر نہیں بول سکتے۔ ② جس کا جان لینا یا اس کے متعلق خبر دینا درست ہو۔ اس کا اطلاق جوہر و عرض، قدیم و حادث، ممکن و ممتنع سب پر درست ہے۔ دونوں اعتبار سے ذات باری تعالیٰ پر بولا جاتا ہے۔ اس روایت میں اس سے ممکن مراد ہے کیونکہ ایمان کے ہر شعبہ اور ہر رکن کے ساتھ اس کے مناسب حال احسان ملا ہوا ہے اور کل شئی کا لفظ عام ہے۔ القتلة حالت قتل۔ یعنی مقتول حد و قصاص کو اچھے انداز سے قتل کرو۔ الذبحه حالت ذبح۔ شفرته چوڑے پھل والا چاقو۔ ولیرح ذبیحته ذبیحہ کو راحت پہنچائے۔ یعنی چھری جلد چلائے اور ٹھنڈا ہونے سے پہلے کھال نہ اتارے۔ حلقوم کی طرف سے ذبح کرے نہ کہ گدی کی طرف سے، شدت سے نہ گرائے اور نہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف مت گھسیٹے، رخ قبلہ کی طرف کرے اور بسم اللہ اللہ اکبر پڑھے۔

تخریج : اخرجه احمد ٦/١٧١١٦ ومسلم ١٩٥٥ وابو داود ٢٨١٥ والترمذی ١٤٠٩ والنسائی ٤٤١٧ وابن ماجه ٣١٧٠۔

الفرائد :حد میں مقتول ہونے والے اور ذبیحہ کو بھی تعذیب نہ دینی چاہیے۔ ہر چیز کا احسن انداز اختیار کرنا مناسب ہے۔

٦٤١ :وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَت :مَا خُیِّرَ رَسُوْلُ اللّٰہ ﷺ بَیْنَ اَمْرَیْنِ قَطُّ اِلَّا اَخَذَ اَیْسَرَھُمَا مَا لَمْ یَکُنْ اِثْمًا فَاِنْ کَانَ اِثْمًا کَانَ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنْہُ وَمَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لِنَفْسِہٖ فِیْ شَیْ ءٍ قَطُّ اِلَّا اَنْ تُنْتَھَکَ حُرْمَةُ اللّٰہِ فَیَنْتَقِمُ لِلّٰہِ تَعَالٰی ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

٦٤١: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ؐ کو دو کاموں میں اختیار دیا گیا تو آپ ؐ نے ان میں سے جو زیادہ آسان ہوا اُس کو اختیار فرمایا بشرطیکہ گناہ نہ ہو اور اگر وہ گناہ ہوتا تو سب لوگوں سے بڑھ کر اس سے دور ہوتے۔ رسول اللہ ؐ نے اپنی ذات کی خاطر کسی سے بھی انتقام نہیں لیا مگر جب اللہ کی حرمت کو توڑا جائے تو آپ ؐ اللہ کی خاطر اس سے انتقام لیتے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ❁ ما خیر یہ مجہول لایا گیا تاکہ عموم کا فائدہ دے مطلب جس کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باتوں میں اختیار دیا۔ خواہ وہ دینی تھے یا دنیوی۔ اخذ بعض نسخوں میں اختار کا لفظ وارد ہے یہاں ''لینا'' معنی ہے۔ ایسر ھما امت کی سہولت کے لئے اور اس لئے دین اسلام کی بنیاد آسانی پر ہے۔ یرید اللّٰہ بکم الیسر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان ھذا الدین یسر اللہ تعالیٰ جب آپ کو دو عقوبتوں میں اختیار دیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے خفیف تر کو منتخب فرماتے۔ ② قتال کفار اور جزیہ میں جزیہ کو اختیار فرماتے اسی طرح عبادت اور مجاہدہ میں امت کے لئے خفیف تر کو اختیار فرماتے۔ ③ کفار و منافقین حرب و موادعت میں اختیار ملتا تو موادعت کو اختیار فرماتے۔ جیسا کہ جبرئیل امین اور پہاڑوں کے فرشتے نے کہا اگر آپ پسند کرتے ہیں تو میں اخشبین کو ان پر گرائے دیتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے درگزر کرتے ہوئے فرمایا میں امید پر ان کو چھوڑتا ہوں کہ ان کی نسل سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے پیدا ہوں۔ یہ اختیار فرشتے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا تھا۔ ما لم یکن اثما جب تک آسان کام گناہ نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گناہ میں اختیار نہ دیا جاتا تھا اور اگر دوسرے لوگ آسان سمجھ کر کسی گناہ کے کام کو اختیار کر لیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے سب سے زیادہ ناپسند فرمانے والے تھے۔ نووی کہتے ہیں ناپسندیدہ فعل کو معصیت کی طرح منتخب نہ فرماتے اور اگر شرعی طور پر کسی فعل کا کرنا لازم ہوتا تو آپ واضح کر دیتے کہ اس کی ممانعت تحریم کے لئے نہیں بلکہ تنزیہ کے لئے ہے۔ لنفسہ فی شئی جس حق کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مال یا عزت سے تھا اس کی خاطر کسی سے بدلہ نہیں لیا کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے وہ معرفت الٰہی کی وجہ سے ذاتی بدلے کا دروازہ بند کر لیتا ہے کیونکہ معرفت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ غیر معروف فعل میں حاضر ہی نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے کیسے بدلہ لے گا۔ جنہوں نے اپنے آپ کو مکمل طور پر سپرد کر دیا ہو کس طرح اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے بدلہ نہ دیں گے؟ وہ عزت کے مقامات اور بزرگی کے خیموں میں مقیم ہیں۔ وہ سب سے ان کی حفاظت کرتا ہے سوائے ان کے جو اس کو یاد کرے اور ہر ایک سے ان کو الگ رکھتا ہے۔ سوائے اپنی محبت کے۔ انبیاء علیہم السلام تو اس کے انوار کی کانیں ہیں اور اس نے خود ان کی مدد کی ذمہ داری لی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انھم لھم المنصورون﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے عزتی کرنے والے سے بھی انتقام نہیں لیا اگرچہ وہ بڑا گناہ لے کر لوٹا۔ کیونکہ انسانی حق صاحب حق کے معاف کرنے سے معاف ہوتا ہے۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ کا حق

ہوتا۔الا ان تنتهك حرمة اللّٰہ اگر محرمات کا ارتکاب کر کے اللہ تعالیٰ کی حرمت کو گرایا جاتا تو اللہ تعالیٰ کی خاطر انتقام لیتے۔ یہ استثناء منقطع ہے۔قاضی عیاض کہتے ہیں اگر حرمت کو گرانے والا دین کی تذلیل کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دیتا تو یہ انتہاک حرمت تھا۔اس میں معافی نہ تھی اور ان مقامات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم معاف فرما دیتے جیسا غنائم خیبر کی تقسیم کے موقعہ پر کہا گیا ھذہ القسمة ما ارید بها وجه اللّٰہ یہ بات دین میں طعن تھا مگر اس میں احتمال تھا کہ قائل نے حق سے پھرنے کا قصد نہ کیا ہو بلکہ یہ سمجھا کہ یہ ان دنیوی معاملات سے ہے جن میں خطاء جائز ہے۔یا وہ مؤلفة القلوب سے تھا۔بعض نے اس کو درست قرار دیا یا کہنے والے کی طبیعت و عادت اس طرح تھی جو سخت مزاجی کا حصہ ہے جیسا بدو نے آپ ﷺ کے سامنے بلند آواز سے گفتگو کی یا وہ شخص جس نے چادر پکڑ کر کھینچی اور کہنے لگا تم مجھے نہ اپنے مال سے دو گے نہ اپنے باپ کے مال سے۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عطیہ دینے کا حکم فرمایا۔فینتقم للّٰہ یہ شرط مقدر کا جواب ہے اگر حرمت الٰہیہ کی بے عزتی کی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرتکب سے اللہ تعالیٰ کی خاطر انتقام لیتے۔جیسا اکابر مسلمین کی حالت چلی آ رہی ہے۔ البتہ موسیٰ علیہ السلام کا غصہ قوم کی اس قبیح حرکت کو دیکھ کر تھا اور ہارون علیہ السلام قوم کے نگران تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سے انتقام لیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور کھجور کے پتوں کی نوک کی طرح کپڑے سے بال نکل آتے۔اس سلسلہ میں بہت سی احادیث و آثار مروی ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر حلیم، بہت زیادہ عفو و درگزر کرنے والے اور لوگوں کی باتیں برداشت کرنے والے تھے۔حدیث میں آسانی و نرمی کو اختیار کرنے اور تکلیف و مشقت کو ترک کرنے کا حکم ہے۔اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دی جانے والی رخصتوں کو اختیار کرنا چاہئے۔علماء کی اجتہادی رخصتیں اس وقت تک قابل عمل ہیں جب تک کہ اس کی خطا ہونا ثابت نہ ہو جائے۔ایسی رخصت قابل اعتبار نہیں جن سے تکلیف شرعی ختم ہو جائے۔اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حلم، صبر، قیام علی الحق اور دین میں پختگی والے تھے۔یہی بہترین اخلاق کا تقاضا ہے۔اگر حق ہی کو ترک کر دیں تو یہ کمزوری، بزدلی، ذلت شمار ہوتی ہے اور اگر اس نے انتقام لیا تو یہ صبر و حوصلہ تو کیا ذاتی انتقام کہلائے گا۔پس دونوں مذموم جانبیں آپ سے منتفی تھیں، اور بہترین کام درمیانے ہیں۔

تخریج : اخرجه مالك فی موطئه ١٦٧١ واحمد ٩/٢٤٠٨٩ والبخاری ٣٥٦٠ ومسلم ٢٣٢٧ وابو داود ٤٧٨٥ والدارمی ٢/١٤٧ وابن حبان ٤٨٨ والترمذی فی الشمائل ٣٤١ والبیهقی ١٠/١٩٢۔

الفرائد :حرام و مکروہ میں مبتلا ہونے کے بغیر آسان و نرم بات کو اختیار کرنا چاہئے۔حرام کا جو مرتکب ہو اس سے اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر بدلا لینا چاہئے۔عفو حوصلہ سے کام لے کر ایذاء کو برداشت کرنا چاہئے۔

٦٤٢ : وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِمَنْ تَحْرُمُ عَلَيْهِ النَّارُ؟ تَحْرُمُ عَلٰى كُلِّ قَرِيْبٍ هَيِّنٍ لَيِّنٍ سَهْلٍ" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ: حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

٦٤٢ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم کو میں ایسے

آدمیوں کے بارے میں خبر نہ دوں جو آگ پر حرام ہیں یا جن پر آگ حرام ہے۔ ہر وہ شخص جو قریب والا' آسانی کرنے والا' نرمی برتنے والا' نرم خو۔ اس پر آگ حرام ہے (ترمذی) کہا یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح ۞ الا یہ حرف تنبیہ ہے تا کہ مخاطب افکار کی وادیوں سے باہر نکل کر متوجہ ہو۔ **بمن یحرم علی النار** آگ پر حرام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نار خلیل کی طرح ان کو ایذا پہنچانے سے جلانے کی قوت اس سے سلب کر لیں گے۔ اوشک راوی ہے کہ یہ لفظ فرمائے یا **لمن تحرم علیه النار** کے لفظ فرمائے کہ وہ آگ کا مستحق نہ رہے گا۔ پہلا جملہ زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اگر وہ داخل ہوا تو آگ اس کو نقصان نہ دے گی۔ دوسرے کا مطلب تو آگ میں اس کو داخل ہی نہ کیا جائے گا۔ بقول عاقولی دونوں باتیں برابر ہیں۔ جب عدم نقصان کو ثابت کر دیا یا داخلے کی نفی کر دی۔ یہاں عاقولی نے واؤ ذکر کیا کہ یہ دو مختلف گروہوں کا تذکرہ ہے کہ پہلے دو اوصاف فریق اول کے اور دوسرے دو دوسرے گروہ سے متعلق ہیں۔ اوکی تائید جامع صغیر کی روایت سے ہوتی ہے۔ **الا اخبرکم بمن تحرم علیه النار غداً علی کل هین لین قریب سهل**' بلیٰ کا لفظ ان کے شوق کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ جلد جاننا چاہتے تھے۔ وہ خوش نصیب کون ہے۔ تو فرمایا: **تحرم علی کل قریب** جو حسن ملاطفت کے ساتھ لوگوں میں قریب تر ہو۔ هین لین یہ دونوں تشدید کے بغیر ہیں۔ یہ مدح کے لئے آتے ہیں اس سے مثقلین کی تردید مقصود ہوتی ہے (ابن الاعرابی) اگر تشدید سے پڑھیں تو یہ ہون سے ہوگا جس کا معنی سکون و وقار اور سہولت ہے۔ عین کلمہ واؤ ہے۔ شئی هین و لین اس چیز کو کہتے ہیں جو بہت آسان ہو۔ جس سے ان کی ضروریات بسہولت پوری ہوتی ہوں۔ نہایہ میں دونوں کو مترادف کہا گیا ہے۔ (النہایہ)

تخریج اخرجه احمد ۲/۳۹۳۸ والترمذی ۲۴۹۶ وفی اسناده عبد الله بن عمرو

الفرائد: لوگوں سے حسن معاشرت' خیر خواہی' کمزور پر رحم' غلطی کرنے والے کو معافی' خوش مزاجی سے پیش آنا چاہئے۔

۷۵ :بَابُ الْعَفْوِ وَالْاِعْرَاضِ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ

بَاب ۷۵: عفو اور جہلا سے درگزر

العفو گناہ و جرم کرنے والے کو معاف کرنا۔ **الاعراض** مواخذہ نہ کرنا۔ **الجاهلین** نادانوں سے جو قول و عمل صادر ہو اس پر مواخذہ نہ کرے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی :

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ﴾ [الاعراف: ۱۹۹]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''عفو کو لازم پکڑو' بھلائی کا حکم دو اور جہلاء سے اعراض کرو''۔ (الاعراف)

خذ العفو یہ ظالم کو معاف کرنے کو شامل ہے۔ **وامر بالعرف** جو شرعی طور پر بھلا کام ہو اس کا حکم دیں۔ **واعرض عن**

الجاھلین جاہل سے اعراض کرنے میں غصہ بجھ جاتا ہے۔اس کی بھڑک مکمل طور پر ختم ہو جاتی ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:قالوا سکت وقد خوصمت قلت لھم...... ان الجواب لباب الشر مفتاح حاصل یہ ہے جھگڑے والے کو جواب دینا شر کی چابی ہے۔

وَ قَالَ تَعَالٰی :

﴿فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ﴾ [الحجر:٩٥]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''ان سے اچھا درگزر کر''۔(الحجر)

ان سے حلیم و درگزر کرنے والا معاملہ کرو۔

وَ قَالَ تَعَالٰی :

﴿وَلْيَعْفُوْا وَالْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾[النور:٢٢]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اور چاہئے کہ وہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ اللہ تمہیں معاف کرے''۔(النور)

یہ آیت شان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں اتری۔ کیونکہ واقعہ افک میں شرکت کی وجہ سے انہوں نے مسطح پر خرچ نہ کرنے کی قسم اٹھائی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولیعفوا جو ان سے ہوا اس سے درگزر کرو۔ ولیصفحوا اور چشم پوشی کرو۔ الا تحبون ان یغفر اللّٰہ لکم؟ تمہارے لوگوں کو معاف کرنے اور درگزر کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے۔

وَ قَالَ تَعَالٰی:

﴿وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾[آل عمران:١٣٤]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اور وہ لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرمانے والے ہیں''۔(آل عمران)

العافین اللہ تعالیٰ رضامندی کے لئے سزا کے مستحق لوگوں کو معاف کر دینے والے ہیں۔ واللّٰہ یحب المحسنین اس میں اشارہ کر دیا کہ آیت میں مذکورہ الصدر صفات محسن و مخلص لوگوں کی ہیں اور ان کو اختیار کرنے والا مقام احسان پر فائز ہے۔

وَ قَالَ تَعَالٰی :

﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ [الشورى:٤٣]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''جس نے صبر کیا اور بخش دیا بے شک یہ عزیمت کے کاموں میں سے ہے''۔(الشوری)

صبر دکھ پر صبر کیا۔ وغفر اور انتقام نہ لیا۔ ان ذلک اس کا یہ صبر۔ لمن عزم الامور عزیمت کے کاموں سے ہے۔ اس سلسلہ کی آیات بہت ہیں۔

وَالْاٰیَاتُ فِی الْبَابِ کَثِیْرَۃٌ مَّعْلُوْمَۃٌ۔

آیات اس سلسلہ میں بہت اور معروف ہیں۔

٦٤٣ :وَعَنْ عَآئِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا اَنَّھَا قَالَتْ لِلنَّبِیِّ ﷺ ھَلْ اَتٰی عَلَیْکَ یَوْمٌ کَانَ اَشَدَّ مِنْ یَّوْمِ اُحُدٍ؟ قَالَ :"لَقَدْ لَقِیْتُ مِنْ قَوْمِکِ ، وَکَانَ اَشَدُّ مَا لَقِیْتُہٗ مِنْھُمْ یَوْمَ الْعُقْبَۃِ اِذْ عَرَضْتُ نَفْسِیْ عَلَی ابْنِ عَبْدِ یَا لَیْلَ بْنِ عَبْدِ کُلَالٍ فَلَمْ یُجِبْنِیْ اِلٰی مَا اَرَدْتُّ ، فَانْطَلَقْتُ وَاَنَا مَھْمُوْمٌ عَلٰی وَجْھِیْ ، فَلَمْ اَسْتَفِقْ اِلَّا وَاَنَا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ ، فَرَفَعْتُ رَاْسِیْ وَاِذَا اَنَا بِسَحَابَۃٍ قَدْ اَظَلَّتْنِیْ ، فَنَظَرْتُ فَاِذَا فِیْھَا جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَنَادَانِیْ فَقَالَ :اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِکَ لَکَ وَمَا رَدُّوْا عَلَیْکَ ، وَقَدْ بَعَثَ اِلَیْکَ مَلَکَ الْجِبَالِ لِتَاْمُرَہٗ بِمَا شِئْتَ فِیْھِمْ ، فَنَادَانِیْ مَلَکُ الْجِبَالِ فَسَلَّمَ عَلَیَّ ثُمَّ قَالَ :یَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِکَ لَکَ ، وَاَنَا مَلَکُ الْجِبَالِ ، وَقَدْ بَعَثَنِیْ رَبِّیْ اِلَیْکَ لِتَاْمُرَنِیْ بِاَمْرِکَ ، فَمَا شِئْتَ ، اِنْ شِئْتَ اَطْبَقْتُ عَلَیْھِمُ الْاَخْشَبَیْنِ ، فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "بَلْ اَرْجُوْا اَنْ یُّخْرِجَ اللّٰہُ مِنْ اَصْلَابِھِمْ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰہَ وَحْدَہٗ لَا یُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا" مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

"اَلْاَخْشَبَانِ" اَلْجَبَلَانِ الْمُحِیْطَانِ بِمَکَّۃَ– وَالْاَخْشَبُ :ھُوَ الْجَبَلُ الْغَلِیْظُ۔

۶۴۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ کیا آپؐ پر یوم اُحد سے زیادہ سخت دن آیا؟ آپؐ نے فرمایا تمہاری قوم کی طرف سے تکالیف اٹھائیں اور ان میں سب سے زیادہ عقبہ والے دن پیش آئی جب میں نے اپنے آپؐ کو ابن عبد یالیل بن عبد کلال پر پیش کیا۔ اس نے میری دعوت کو جس طرح میں چاہتا تھا اس طرح قبول نہ کیا میں چل دیا اس حال میں کہ میں بہت غمگین تھا۔ مجھے اس غم سے افاقہ نہ ہوگا مگر اس وقت کہ جب میں قرن ثعالب کے مقام پر پہنچا پس میں نے جونہی سر اٹھایا تو ایک بادل کو اپنے اوپر سایہ فگن پایا۔ پھر میں نے غور سے دیکھا تو اس میں جبرائیل تھے۔ انہوں نے مجھے آواز دی اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہاری قوم کی بات کو سن لیا اور جو انہوں نے جواب دیا وہ بھی اور اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کا فرشتہ تمہاری طرف بھیجا ہے تا کہ تم ان کو جو چاہو ان کے متعلق حکم دو پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے آواز دی اور سلام کیا۔ پھر کہا اے محمد ﷺ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری قوم کی بات سن لی جو انہوں نے آپؐ کو کہی اور میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں اور میرے رب نے مجھے آپؐ کی طرف بھیجا ہے تا کہ آپؐ مجھے اپنے معاملے میں حکم دیں۔ بس آپؐ کیا چاہتے ہیں؟ اگر آپؐ چاہتے ہیں تو میں مکہ کے دونوں پہاڑوں کے درمیان ان کو پیس دیتا ہوں۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا لیکن مجھے اُمید ہے کہ اللہ ان کی پشتوں سے ایسے لوگوں کو پیدا فرمائیں گے جو اللہ تعالیٰ وحدہ کی عبادت کرتے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتے ہوں گے۔ (بخاری)

اَلْاَخْشَبَانِ : مکہ کے اردگرد والے دونوں پہاڑ۔
اَلْاَخْشَبُ : سخت اور بڑے پہاڑ کو کہتے ہیں۔

هل اتی کیا گزرا؟یوم سے یہاں مطلق وقت مراد ہے۔احد یہ مدینہ منورہ کا معرف پہاڑ ہے جہاں غزوۂ احد پیش آیا۔ یہ ۳ھ کی بات ہے۔اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک زخمی ہوگیا' سامنے کے رباعی دانتوں سے ایک دانت ٹوٹ گیا ابو عامر راہب کے کھودے ہوئے گڑھے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم گر گئے ستر سے زائد مسلمان شہید ہو گئے۔**قومك** کفار قریش۔**کان اشد ما لقیته منهم** یہ اس سے زیادہ سخت تھا۔

اَللُّغٰتُ : یہ جملہ معترضہ ہے۔**یوم العقبة** :اس گھاٹی سے عقبہ طائف مراد ہے کیونکہ بعد میں طائف کا واقعہ مذکور ہے۔**اذا عرضت نفسي** ابن عبد یالیل سے میں نے اقامت دین کے لئے نصرت کرنے کو کہا۔یا لیل کا لام مکسور ہے یہ ابن عبد کلال کاف مضموم ہے اس کا اصل نام کنانہ تھا۔مغازی میں حافظ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے والا خود عبد یالیل بن عمرو بن عمیر بن عوف تھا۔بعض نے کہا عبد یالیل کا نام مسعود تھا اور ابن عبد یالیل طائف بنو ثقیف کے سرداروں سے تھا۔ موسیٰ بن عقبہ نے مغازیہ میں ذکر کیا ۱۰ھ وفد طائف کے آنے والوں میں عبد یالیل شامل تھا۔ابن عبد البر نے صحابہ میں اس کا شمار کیا ہے مگر قاضی نے کہا کہ کنانہ کے علاوہ بقیہ وفد مسلمان ہوگیا یہ روم جا کر وہیں مر گیا واللہ اعلم) مغازی موسیٰ میں لکھا ہے کہ وفات ابوطالب کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی طرف گئے تاکہ وہ آپ کو پناہ میں لیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا پیغام آزادی سے پہنچائیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف میں تین بڑے سرداروں کی طرف گئے جو کہ تینوں بھائی تھے۔عبد یالیل' حبیب' مسعود یہ تمام عمرو کے بیٹے تھے۔آپؐ نے اپنا آپ پیش کیا اور اپنی قوم کے طرزِ عمل کی شکایت کی مگر انہوں نے بدترین جواب دیا۔ابن اسحاق و ابن سعد نے بھی اسی طرح بیان کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف جانا شوال ۱۰ نبوت میں پیش آیا جبکہ خواجہ ابوطالب اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو چکا تھا۔**فلم یجبنی الی ما اردت** انہوں نے پیغام رسالت کے پہنچانے کے لئے پناہ کے سلسلہ میں میری بات کا کوئی جواب نہ دیا۔**انا مهموم** اس سے معلوم ہوا اعراض بشیر یہ ہم و غم انبیاء علیہم السلام کی عظمت کے منافی نہیں اور یہ غم تو پھر آخرت کے معاملے میں تھا۔امور دنیا میں کے فوت ہونے پر حد سے زائد غم ممنوع ہے۔**علی وجهی** اپنے سامنے۔**فلم استفق** ان کے تائید نہ کرنے کے غم سے اس وقت تک افاقہ نہ ہوا یہاں تک کہ میں قرن ثعالب میں پہنچا۔نووی کہتے ہیں مجھے اس غم کی وجہ سے یہ معلوم نہ ہوا کہ میں کدھر جا رہا ہوں یہاں تک کہ قرن ثعالب میں پہنچا۔**قرن ثعالب** یہ اہل نجد کا میقات ہے۔اس کو قرن منازل بھی کہتے ہیں۔مکہ مکرمہ سے ۲۴ گھنٹے کے فاصلہ پر واقع ہے۔قرن ہر وہ چھوٹا پہاڑ جس سے بڑا پہاڑ الگ ہونے والا ہو۔راءِ ساکن ہے۔ابن سعدؒ نے ذکر کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف میں دس روز قیام فرمایا۔**فرفعت راسي** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر والی جانب کوئی چیز محسوس کر کے سر مبارک اٹھایا یا اچانک سر اٹھایا۔**واذا انا سحابة قد اظلتني** بادل نے ڈھانپ لیا۔**اذا فیها** یہ اور پہلا اذا مفاجات کے لئے ہیں اس وقت جبرئیل علیہ السلام اپنی صورت میں نہ تھے کیونکہ وہ صرف دو مرتبہ پیش آیا۔**فسلم علی** اس نے مجھے سلام کیا جیسے آنے والا سلام کرتا ہے۔**ثم** شاید اس لئے لائے کہ جبرئیل خود یا دوسرا فرشتہ پہلے گفتگو میں مصروف تھے۔**قول قومك** جن طائف والوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ ایمان دی تھی۔**ماردوا علیك** انہوں نے جو جواب دیا۔**ملك الجبال** اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس کی پہاڑوں پر ڈیوٹی

ہے۔لتامرہ بما شئت فیهم ما یہاں الذی کے معنی میں ہے۔ممکن ہے مصدر یہ ہو یعنی جو آپ ﷺ کی چاہت ہو۔یہ زیادہ مناسب ہے۔لتامرنی بامرك مزا کا عموم ظاہر کرنے کے لئے اس طرح لائے۔فنادانی جبرئیل علیہ السلام کی گفتگو کے بعد مجھے آواز دی۔لتامرنی بامرك سنگ باری یا دونوں پہاڑوں کو ملانا۔فما شئت ما استفہامیہ محلاً مفعول بہ مقدم ہے۔بخاری نے فیما شئت نقل کیا ہے(فتح الباری) ان شئت اس کا مفعول حذف کر دیا کیونکہ اطبقت علیهم میں دلالت موجود ہے۔فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم ان کی سوءادبی پر سزا سے منع کرتے ہوئے فرمایا۔بل ارجوان یخرج اللّٰہ من اصلابهم من یعبد اللّٰہ وحدہ لا یشرك بہ شیئاً۔بل یہاں عطف کے لئے ہے۔جیسا کہ کلام دلالت کر رہی ہے۔یعنی لا امرك بما فیه هلاکهم بل علماء کا قول اللہ اور رسول کے کلام میں لعل کا لفظ واقع ہونے والی بات کے لئے لایا جاتا ہے۔مگر بادشاہوں کی عادت کے مطابق یہ تعبیر کی گئی۔بیضاوی کہتے ہیں عسیٰ، لعل، سوف وغیرہ الفاظ بادشاہوں کے کلام میں پختہ وعدوں کے لئے لائے جاتے ہیں۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اشارہ تصریح کی طرح ہے۔اللہ تعالیٰ کا وعدہ وعید ہر دو جاری ہونے والے ہیں۔اس روایت میں آپ ﷺ کی شفقت، مصائب پر صبر پایا جاتا ہے۔جو کہ اس ارشادِ خداوندی کے موافق ہے ﴿فبما رحمة من اللّٰہ لنت لهم﴾ اور اس ارشاد کے ﴿وما ارسلنٰك الا رحمة للعالمین﴾ الاخشبان بقول نووی یہ مکہ کے اردگرد کے پہاڑوں کے نام ہیں (النہایہ) مکہ کو گھیرنے والے پہاڑ ابوقبیس، جبل احمر یہ دونوں مکہ کے قریب ہیں اخشب کھردرا (النہایہ)

تخریج : اخرجه البخاری ۳۲۳۱ ومسلم ۱۷۹۵ وابن حبان ٦٥٦١ وابو نعیم فی دلائل النبوة ۲۱۳ وابن خزیمة ی التو حید والبیهقی فی الاسماء والصفات۔

الفرائد :اس میں آپ ﷺ کے صبر، حلم کے تذکرہ ہے۔آپ ﷺ کے اللہ تعالیٰ کی خاطر بڑے بڑے مصائب براداشت کرنے اور ان کے ساتھ درگذر سے کام لینے کا تذکرہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وما ارسلنات رحمة للعالمین۔

---

٦٤٤ :وَعَنْهَا قَالَتْ :مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهٖ وَلَا امْرَاَةً وَّلَا خَادِمًا اِلَّا اَنْ يُّجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَمَا نِيْلَ مِنْهُ شَيْءٌ قَطُّ فَيَنْتَقِمَ مِنْ صَاحِبِهٖ اِلَّا اَنْ يُّنْتَهَكَ شَيْءٌ مِّنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ تَعَالٰى" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۶۴۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست اقدس سے کسی خادم وعورت کو کبھی نہیں مارا مگر آپ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے اور کبھی ایسا نہیں کہ آپ کو کسی کی طرف سے تکلیف پہنچی ہو اور آپ نے اس کا بدلہ اس تکلیف پہنچانے والے سے لیا ہو۔ہاں اگر اللہ تعالیٰ کے محارم میں سے کسی چیز کی بے عزتی کی جاتی تو یقیناً آپ اللہ تعالیٰ کی خاطر انتقام لیتے۔(مسلم)

تشریح ❁ شیئاً قط حیوانات وغیرہ میں سے کسی چیز کو کسی زمانہ میں نہیں مارا۔ولا امرأة ولا خادماً خاص کا عام پر عطف کیا گیا ہے۔ان کی صراحت کی وجہ یہ ہے کہ عموماً ان کی مار پٹائی کی عادت ہے جب ان کو نہیں مارا تو دوسروں کی خود نفی ہو گئی۔الا ان یجاهد فی سبیل اللّٰہ یہ عام سے استثناء ہے کہ بس اعلاء کلمة اللہ کے لئے مارا۔وما نیل منه شئی ان کی

جہالتوں کی وجہ سے جو دکھ تکلیف پہنچا جیسے احد کے زخم' اپنی ذات کی خاطر کسی سے انتقام نہیں لیا بلکہ آپ ﷺ عفو و درگزر سے کام لیتے اور احسان فرماتے اور اس غلطی کو معاف فرماتے اگر مطلق بخشش مانگتے تو وہ اس وقت قبول کی جاتی اور ان کی طرف سے عذر پیش فرماتے۔ الا ان ینتھك شیٔ ① یہ مستثنیٰ متصل ہوسکتا ہے۔ مگر یہ کہ جس میں محارم کی پاس داری نہ کی جاتی ہو۔ فینتقم للّٰہ تعالٰی اس وقت اللہ تعالیٰ کے حق کی حفاظت کے لئے انتقام لیتے اور ان سے بدلہ نہ لیتے جنہوں نے آپ ﷺ کی تقسیم پر طعن کی تا کہ یہ پروپیگنڈا نہ کیا جائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔ ② مستثنیٰ منقطع ہو۔ یہ زیادہ مناسب ہے۔ الا لکن کے معنی میں ہوگا کہ جب حرمات اللہ کی توہین کی جاتی تو توہین کرنے والا جو بھی ہوتا اس سے انتقام لیتے۔

تخریج : اخرجه احمد ۹/۲٤۰۸۹ ومسلم ۲۳۲۸ وابو داود ٤۷۸٦ والترمذی فی الشمائل ۳٤۲۔

الفرائد :۔ خادم' بیوی' کو مار پیٹ درست ہے مگر اس کا ترک افضل ہے۔ عفو و درگذر سے کام لینا زیادہ مناسب ہے۔

٦٤٥ : وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ : كُنْتُ اَمْشِیْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ نَجْرَانِیٌّ غَلِيْظُ الْحَاشِيَةِ ، فَاَدْرَكَهٗ اَعْرَابِیٌّ فَجَبَذَهٗ بِرِدَآئِهٖ جَبْذَةً شَدِيْدَةً ، فَنَظَرْتُ اِلٰی صَفْحَةِ عَاتِقِ النَّبِیِّ ﷺ وَقَدْ اَثَّرَتْ بِهَا حَاشِيَةُ الْبُرْدِ مِنْ شِدَّةِ جَبْذَتِهٖ ثُمَّ قَالَ : يَا مُحَمَّدُ مُرْ لِیْ مِنْ مَالِ اللّٰہِ الَّذِیْ عِنْدَكَ فَالْتَفَتَ اِلَيْهِ فَضَحِكَ ثُمَّ اَمَرَ لَهٗ بِعَطَآءٍ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۶۴۵: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا اور آپؐ کے اوپر موٹے کناروں والی نجرانی چادر تھی۔ پس آپؐ کو ایک اعرابی ملا اور اس نے آپؐ کی چادر کو پکڑ کر زور سے کھینچا۔ میں نے آنحضرت ﷺ کے کندھے کو دیکھا تو اس پر چادر کے موٹے کناروں کا نشان زیادہ کھینچنے کی وجہ سے پڑ گیا تھا۔ پھر اس نے کہا اے محمد (ﷺ) میرے لئے اس مال کا حکم دو جو تمہارے پاس ہے۔ آپؐ اس کی طرف متوجہ ہو کر مسکرا دیئے پھر اس کے لئے عطیہ کا حکم فرمایا۔ (بخاری ومسلم)

امشی مضارع لائے تا کہ واقعہ کا استحضار معلوم ہو جائے۔ برد نجرانی نجران اپنے بانی کی طرف منسوب ہے۔ نجران بن زید بن یشجب بن یعرب بن قحطان (المصباح) غلیظ الحاشیة موٹے کنارے والی۔ یہ اس لئے ذکر کیا تا کہ بعد والا اثر خوب منطبق ہو سکے۔ اعرابی اس کا نام معلوم نہیں۔ فجبذہ یہ جذب کی ایک لغت ہے یا قلوب ہے۔ جبذہ شدیدہ ایک روایت میں حتی اثرت حاشیة البرد فی صفحة عاتقه چادر کے کنارے کا اثر آپ ﷺ کے کندھے پر نظر آنے لگا۔ صفحہ کنارے کو کہتے ہیں۔ گردن اور کندھے کا درمیانی حصہ۔ من شدة جبذته یہ بے ادبی اور بدوؤں کی عادات سے ہے جیسا مشہور ہے من بداء جفا پھر اس نے اپنی عادت کے مطابق کہا۔ یا محمد بدوؤں کے آواز دینے کا انداز یہی تھا۔ مر لی من مال اللّٰہ الذی عندك بیہقی میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ فانك لا تحمل لی من مالك ولا من مال ابیك اس پر آپ ﷺ خاموش رہے پھر فرمایا المال مال اللّٰہ ونا عبدہ۔ فالتفت الیه فضحك یہ کمال اخلاق اور کمال شان وعقل کی دلیل ہے۔

ثم امر له بعطاء عطاء مال فئی یا غنیمت وخراج' لاوراث کا مال کو بیت المال میں جمع کردیا جائے۔ یہاں کوئی سامال مراد ہے۔
یہ بھی روایت میں وارد ہے کہ اس کو ایک اونٹ جو اور دوسرا کھجور کا لاد دیا (شفاء للقاضی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زیادتی ہی معاف نہیں فرمائی بلکہ ہنس مکھ سے عطیہ عنایت فرمایا۔ کسی نے کیا خوب کہا۔

بشاشة وجه المرء خير من القرى ☆ فكيف بمن يعطي القرى وهو يضحك

تخريج : اخرجه البخاری ۳۱۴۹ ومسلم ۱۰۵۷ وابن ماجه ۳۵۵۳۔

الفرائد :سیئہ کو حسن سے دور کرنا چاہئے۔ غلطی کرنے والے سے معافی کا معاملہ کیا جائے۔ تالیف اسلام کے لئے تکلیف اور تجاوز کو برداشت کرنا اعلیٰ اخلاق نبوت سے ہے۔

٦٤٦ :وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَحْكِيْ نَبِيًّا مِّنَ الْاَنْبِيَآءِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِم ضَرَبَهُ قَوْمُهُ فَاَدْمَوْهُ وَهُوَ يَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَّجْهِهٖ وَيَقُوْلُ :"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۶۴۶: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے گویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اب بھی دیکھ رہا ہوں کہ آپ ایک پیغمبر کا ذکر فرمارہے تھے کہ ان کی قوم نے ان کو مارا اور ان کو خون آلود کر دیا اور وہ اپنے چہرہ سے خون پونچھتے جا رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے اے اللہ میری قوم کو بخش دے پس وہ نہیں جانتے۔ (بخاری و مسلم)

انظر گویا وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے۔

النحو :يحكی نبيا من الانبياء صلوات الله وسلامه عليهم یہ رسول اللہ سے جملہ حالیہ ہے۔ فادموہ زخموں سے خون بہنے لگا۔ وهو يمسح الدم عن وجهه یہ جملہ حالیہ ادموہٗ کی ضمیر سے حال متدخل ہے۔ ② نبیاء سے حال ہے۔ ویقول ان کو معاف کردینے کے بعد اس غصہ دلانے والی حالت میں دعا کررہے تھے۔ اللهم اغفرلی لقومی یعنی اس غلطی کو جو میرا خون بہا کر اور تکذیب کرکے کی ہے۔ فانهم لا يعلمون یہ سوال مغفرت کی گویا علت ہے۔ انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر معلوم نہیں کی' وہ اس کے مرتبے کی بلندی سے ناواقف ہیں۔ اگر وہ پہچانتے تو تکلیف نہ دیتے۔ اس میں معافی سے آگے بڑھ کر دعا مغفرت اور عدم علم کا عذر ان کی طرف سے پیش کیا جارہا ہے۔

تخريج : اخرجه احمد ۳/۳٦۱۱ والبخاری ۳٤۷۷ ومسلم ۱۷۹۲ وابن ماجه ٤۰۲۵ وابو یعلی ۵۲۰۵ وابن حبان ٦۵۷٦۔

الفرائد :انبیاء علیہم اسلام کو عفو' صبر' شفقت اعلیٰ اخلاق ک وافر حصہ دیا جاتا ہے۔ لوگوں کی جنایت پر بھی وہ ہدایت وغفران کی دعائیں کرتے ہیں۔

٦٤٧ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : "لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرْعَةِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۶۴۷: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ آدمی مضبوط نہیں جو پچھاڑ دے۔ بے شک مضبوط وہ ہے جو اپنے نفس پر کنٹرول غصے کی حالت میں کرلے۔ (بخاری)

تشریح ۞ لیس الشدید جس کی قوت شرعی طور پر قابل تعریف ہو۔ بالصرعة : جو لوگوں کو پچھاڑ کر غالب آ جاتا ہو۔ ص کے ضمہ اور راء فتحہ سے پچھاڑ نا معنی ہوگا اور اگر راء پر سکون پڑھیں تو جو لوگوں سے پچھڑ جائے۔ الشدید الذی یملك نفسه عند الغضب قابل تعریف مضبوط و پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت کنٹرول کرے۔ یعنی مغضوب کو دکھ نہ دے بلکہ غصہ پی جائے اور اس کو معاف کردے۔

تخریج : اخرجه احمد ٦/١٧٠٦٤ والبخاری ٩٠ ومسلم ٤٦٦ وابن ماجه ٩٨٤۔

الفرائد : باب ۳ الصبر ۴۷ ملاحظہ ہو۔

٧٦ : بَابُ اِحْتِمَالِ الْاَذٰی

باب ۷۶ : تکالیف اٹھانا

یعنی اس باب میں ان لوگوں کی فضیلت ذکر کی جائے گی جو رضائے الٰہی کے لئے کسی تکلیف کو برداشت کرتا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی :

﴿وَالْكَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ [آل عمران:١٣٤]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اور غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نیکیوں کو پسند فرماتے ہیں''۔ (آل عمران)

الکاظمین جو غصے کے مقصود یعنی انتقام سے اپنے کو روک لیں۔ والعافین یعنی اس غصہ پر مواخذہ نہ کریں۔ یحب ثواب عنایت فرمائیں گے۔ المحسنین اس سے اشارہ کر دیا کہ جس میں یہ صفات ہوں وہ محسن ہے وہی ثواب کا حقدار ہے۔

وَ قَالَ تَعَالٰی :

﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ [الشوری:٤٣]

وَفِی الْبَابِ : الْاَحَادِیْثُ السَّابِقَةُ فِی الْبَابِ قَبْلَهٗ۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''البتہ جس نے صبر کیا اور بخش دیا بیشک یہ عزیمت کے کاموں میں سے ہے''۔ (الشوری)

تشریح ۞ صبر ایذا پر صبر کیا۔ وغفر ایذا سے درگزر کی۔ ذلك لمن عزم الامور مشار الیہ مذکور سابق ہے۔ عزم الامور شرع میں جن کا عزم کیا جاتا ہے۔
اسی باب سے متعلق احادیث ما قبل باب صلۃ الارحام میں گزر چکی ہیں۔

۶۴۸ :وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِيْ قَرَابَةً اَصِلُهُمْ وَيَقْطَعُوْنِيْ ، وَاُحْسِنُ اِلَيْهِمْ وَيُسِيْئُوْنَ اِلَيَّ ، وَاَحْلُمُ عَنْهُمْ وَيَجْهَلُوْنَ عَلَيَّ فَقَالَ :"لَئِنْ كُنْتَ كَمَا قُلْتَ فَكَاَنَّمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ وَلَا يَزَالُ مَعَكَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى ظَهِيْرٌ عَلَيْهِمْ مَّا دُمْتَ عَلٰى ذٰلِكَ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَقَدْ سَبَقَ شَرْحُهُ فِيْ بَابِ صِلَةِ الْاَرْحَامِ۔

۶۴۸: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ میرے کچھ قرابت دار ہیں میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں وہ مجھ سے تعلق توڑتے ہیں۔ میں ان سے حسن سلوک کرتا ہوں وہ میرے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں۔ میں ان سے حوصلہ مندی سے پیش آتا ہوں وہ مجھ سے جاہلانہ برتاؤ کرتے ہیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا اگر ایسا ہی ہے جیسا تو نے کہا تو پھر گویا تو ان کے منہ میں گرم راکھ ڈالتا ہے اور جب تک تو ایسا کرتا رہے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرے لئے ایک مددگار رہے گا۔ (مسلم) اس کی شرح باب صلہ الارحام میں گزر چکی روایت ۳۱۸۔

تشریح ۞ قرابۃً رشتہ دار۔ اصلھم ویقطعونی یہاں ایک نون پر اکتفاء ہے۔ جب محذوف نون وقایہ ہو۔ ② نون وقایہ موجود ہو اور فعل کا نون محذوف ہو اور تقابل حروف بھی کلام میں حسن پیدا کرتا ہے۔ جیسا اگلے جملے میں ہے: واحسن الیھم ویسیئون الی واحلم عنھم ویجھلون علی ہر ایک فعل کے متعلقات کو حذف کیا تا کہ نفس کی تعیین میں ہر راستے پر چلے اور ہر اس چیز کی قسم بھی شامل ہو جس پر شئے کا لفظ بولا جاتا ہے۔
لئن کنت کما قلت، لام قسم مقدر پر دلالت کر رہی ہے۔ اس موقعہ پر ڈرانے کے لئے لائے کہ اچھائی کا مقابلہ برائی سے ہر گز نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿هل جزاء الاحسان الا الاحسان﴾ مطلب یہ ہوا اللہ کی قسم اگر تیری بات واقعی درست ہے اور تو ان کی برائی کے مقابلہ میں احسان کر رہا ہے۔ فکانما تسفھم المل تو تم نے ان کو ایسے مقام پر لا کھڑا کیا کہ وہ گرم راکھ پھانک رہے ہیں یہ ابن مالک کا قول ہے۔ جمہور نے لام کو زائدہ کہا ہے۔ جیسا اس شعر میں

لئن کنت ما حدثته الیوم صادقا ☆ اصم فی نھار القیظ للشمس بادیا

بعض نے اس لام کو لام ضرورت کہا اور یہ بھی ممکن ہے اگر قسم موخر ہے مگر جملے کو جزا شرط بھی کہا جا سکتا ہے جبکہ اس سے قبل مبتدا کو مقدر مانیں امے وانت واللّٰہ لئن کنت الخ اس صورت کے تمام جواز کے قائل ہیں۔ ابن مالک وجوب کے قائل ہیں جیسے زید واللّٰہ ان یقم اقم ولا یزال معك من اللّٰہ تعالیٰ ظھیر۔ ظہیر مددگار کو کہتے ہیں۔ من اللّٰہ یہ من تجرید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد اس کے ساتھ ہوگی۔ ما دمت علی ذلك ایذا پر صبر کرنے کے لئے ابھارا کیونکہ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ کی خاص مدد ہوتی ہے۔

تخریج : مسلم

الفرائد :باب ٤٠ برالوالدین وصلة الارحام میں ملاحظہ فرمائیں

۷۷ :بَابُ الغَضَب اذَا انتُهِكَتْ حُرُمَاتِ الشَّرع وَالْاِنْتِصَار لِدِيْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى

بَاب ۷۷: دین کی بے حرمتی پر غصہ اور دین کی مدد وحمایت

حرمات جمع حرمہ۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے اخذ کیا گیا: وحرم اشیاء فلا تنتکھوھا' الا وان حمی اللّٰہ محارمہ۔ الا انتصار لدین اللّٰہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرنے والا جو بھی ہو اور جس خاص شان کے ساتھ ہو۔ جب کسی آدمی کو حرام کام کے مطالبے پر ایذا دی جائے تو اسے حسب طاقت مدافعت کرنی چاہئے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ﴾ [الحج: ٣٠]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص اللہ تعالیٰ کی معظم چیزوں کا احترام کرتا ہے۔ پس وہ اس کیلئے اس کے رب کے ہاں بہتر ہے''۔ (محمد)

من یعظم اس کی تعظیم کا تقاضا اس کے پردے کو نہ پھاڑنا اور اس کی توہین سے بچنا اور حرمت والی چیزوں سے بچنا تاکہ محذورات میں مبتلا نہ ہو۔ فھو خیر له عند ربه کیونکہ اچھے عمل کرنے والے کے اجر کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فمن یعمل مثقال ذرة خیراً یره﴾

وَ قَالَ تَعَالٰى :

﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾ [محمد:٧]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اگر تم اللہ کی مدد کرو گے وہ تمہاری مدد کریں گے اور تمہارے قدموں کو مضبوط کر دیں گے''۔

ان تنصروا اللّٰہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کے سلسلہ میں (اللہ تعالیٰ) یعنی اس کے دین کی مدد کرو گے۔ ینصرو کم تمہارے دشمن کے خلاف اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ جیسا فرمایا: ینصرن اللّٰہ من ینصره اور دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿انھم لھم المنصورون وان جندنا لھم الغالبون﴾ ﴿ویثبت اقدامکم﴾ وہ جہاد وعبادت میں تمہارے قدم مضبوط کریں گے۔

وَفِى الْبَابِ حَدِيْثُ عَآئِشَةَ السَّابِقُ فِىْ بَابِ الْعَفْوِ۔

اس باب سے متعلق حدیث باب عفو میں بروایت ۶۴۴ عائشہ رضی اللہ عنہا گزری۔

۶۴۹ :وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ عُقْبَةَ ابْنِ عَمْرٍو الْبَدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ :اَنْ لَّا تَاَخَّرُ عَنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ مِنْ اَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا یُطِیْلُ بِنَا فَمَا رَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ غَضِبَ فِیْ مَوْعِظَةٍ قَطُّ اَشَدَّ مِمَّا غَضِبَ یَوْمَئِذٍ ' فَقَالَ :"یٰاَیُّهَا النَّاسُ :اِنَّ مِنْکُمْ مُّنَفِّرِیْنَ ' فَاَیُّکُمْ اَمَّ النَّاسَ فَلْیُوْجِزْ فَاِنَّ مِنْ وَّرَآئِهِ الْکَبِیْرَ وَالصَّغِیْرَ وَذَا الْحَاجَةِ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۶۴۹: حضرت ابومسعود عقبہ بن عمر بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ فلاں آدمی کے لمبی نماز پڑھانے کی وجہ سے میں صبح کی نماز میں پیچھے رہ جاتا ہوں۔ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی کسی وعظ میں اس قدر غصہ کی حالت میں نہیں دیکھا جتنا اس وعظ میں اس دن دیکھا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اے لوگو بعض لوگ تم میں سے نفرت دلانے والے ہیں پس جو شخص تم میں سے لوگوں کی امامت کرائے وہ مختصر کرلے۔ اس لئے کہ اس کے پیچھے بوڑھے' بچے اور ضرورت مند لوگ ہوتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ ابی مسعود عقبہ بن عمرو ان کا سلسلہ نسب قبیلہ خزرج سے ملتا ہے۔ بدری یہ مقام بدر کی طرف نسبت ہے۔ یہ وہاں مقیم ہوگئے تھے۔ واقعہ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک نہ تھے۔ باب المجاہدہ میں حالات کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ جاء رجل بعض نے ان کا نام حزم بن ابی بن کعب بتلایا (ابوداؤد' تاریخ بخاری کبیر) حافظ کہتے ہیں یہ وہم ہے۔ مجھے ان کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔ بعض نے حرام بن ملحان بتلایا خطیب نے اسی پر اکتفاء کیا۔ ابن اثیر نے اسی کی موافقت کی ہے۔ بعض حازم بعض نے سلیمان بن الحارث (بخاری تاریخ کبیر) روایت بزاز میں مسلم بن علی بعض نے ملیکہ کہا۔ قاری نے کہا وہ کعب بن ابی حزہ بن ابی العین ہے حالانکہ یہ وہم ہے (غایۃ الاحکام) جاء یہ متعدی ہے۔ جیسا اس آیت میں فان جاء وك کبھی حرف جر الی سے متعدی ہوتا ہے۔ انی لا تاخر عن صلاۃ الصبح بخاری میں صلاۃ الغداۃ اور واللہ کا لفظ زائد ہے۔ مطلب کہنے والا کا یہ تھا کہ طوالت قرأت کی وجہ سے میں جماعت میں حاضر نہیں ہوتا۔ من اجل فلان بقول ابن حجر یہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں جیسا ابویعلیٰ کی روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے مگر ابن الملقن نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہا مگر حافظ نے اسے وہم قرار دیا۔ فلان کا لفظ سمجھ دار' عقل' بالغ سے کنایہ ہے اگرچہ آدمی نے تو نام لے کر شکایت کی مگر راوی نے حسن ادب سے کنایۃً ذکر کردیا۔

النحو: مما یطیل بنا اعادہ عامل سے ماقبل کا بدل ہے۔ یعنی اس کے نماز میں طویل قرأت کرنے کی وجہ سے۔

فما رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی موعظۃ قط اشد مما غضب یومئذ اشد یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ غصے کی وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوتی ہدایت کے یہ خلاف تھی اگر ثابت ہوجائے ② جو طریق تعلیم تھا اس میں کوتاہی تھی ③ یہ بھی ممکن ہے شدت اہتمام کی وجہ سے آپ ﷺ کے چہرہ پر ناراضگی کے آثار ظاہر ہوئے تاکہ پوری توجہ سے بات سنی جائے۔ ابن حجرؒ نے اس کو سب سے بہتر قرار دیا ہے۔ البتہ اشد کا لفظ پہلے دو میں سے کسی ایک احتمال کی تائید کرتا ہے۔ مما غضب کا ما مصدریہ ہے۔ آپ غصے میں بھی کوئی فیصلہ خلافِ حق نہ فرماتے تھے کیونکہ آپ ﷺ معصوم تھے (برماوی) فقال

یایها الناس...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ کے دوران فرمایا اور اخفاء کے لئے عام انداز اختیار فرمایا ما بال رجال یشترطون بعض لوگ ایسی شرائط لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں۔ فایکم ام الناس بخاری میں فایکم ما صلی ہے' ما شرطیہ تاکید وتعمیم کے لئے ہے۔ فلیو جزیہ مسلم کے الفاظ ہیں بخاری نے فلیتجوز یعنی ارکان سنن کے اتمام کے ساتھ مختصر کرے۔ اوجز وجز و وجیز مختصر کرنے کو کہتے ہیں۔ فان من ورائه الکبیر والصغیر اس کے مقتدیوں میں بوڑھے' بچے ہوتے ہیں (عمدہ الاحکام) وذا الحاجة۔ ضرورت مندلوگ ہوتے ہیں زیادہ طوالت ان کی حاجات میں مانع بن جائے گی اوراس کی توجہ وخشوع جاتا رہے گا۔

تخریج : بخاری' مسلم' احمد' نسائی' ابن ماجه' ابن الجارود' ابن حبان' طبرانی' اسماعیلی' ابو عوانه' برقانی' ابو نعیم البیهقی (عمد الاحکام قلقشندی)

الفرائد : نماز میں اس کے مقاصد وسنن کا لحاظ کر کے تخفیف جائز ہے۔ جب کسی دینی سلسلہ میں دین کی خلاف ورزی ہوتو وعظ ونصیحت میں غصے والا انداز بھی درست ہے۔

❁ ❁ ❁

٦٥٠ :وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَت :قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ مِنْ سَفَرٍ وَّقَدْ سَتَرْتُ سَهْوَةً لِّيْ بِقِرَامٍ فِيْهِ تَمَاثِيْلُ ' فَلَمَّا رَاٰهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هَتَكَهٗ وَتَلَوَّنَ وَجْهُهٗ وَقَالَ "يَا عَآئِشَةُ: اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الَّذِيْنَ يُضَاهُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

"السَّهْوَةُ" كَالصُّفَّةِ تَكُوْنُ بَيْنَ يَدَيِ الْبَيْتِ۔ "وَالْقِرَامُ" بِكَسْرِ الْقَافِ : سِتْرٌ رَقِيْقٌ "وَهَتَكَهٗ" اَفْسَدَ الصُّوْرَةَ الَّتِيْ فِيْهِ۔

۶۵۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے تشریف لائے اور میں نے گھر کے سامنے چبوترے پر ایک پردہ ڈال رکھا تھا۔ جس میں تصاویر تھیں جب آپؐ نے ان کو دیکھا تو ان کو بگاڑ دیا اور آپؐ کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا اور فرمایا اے عائشہ قیامت کے دن لوگوں میں اللہ کے ہاں زیادہ عذاب والے وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی مشابہت اختیار کرنے والے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

السَّهْوَةُ : چبوترہ' دیوڑھی۔

الْقِرَامُ : باریک پردہ۔

هَتَكَهٗ: اس میں جو تصویر تھی اس کو بگاڑ دیا۔

من سفر حافظ سے بیہقی نے نقل کیا یہ غزوۂ تبوک ہے۔ ابوداؤد' نسائی کی روایت میں غزوۂ تبوک یا خیبر درج ہے۔ (فتح الباری)

اَلنَّحْوُ :قد ستوت سهوة لی بقرام۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جملہ حالیہ ہے۔ سهوةً کوٹھڑی زمین کے اندر کمرہ جس کی چھت بلند ہو۔ برآمدہ جس کی اور اندرونی کمرے کی چھت برابر بنائی جائے۔ گھر کے اندرون کو مخدع اور درمیانی حصہ

کوسھوۃ کہتے ہیں۔القرام باریک پردہ۔نرم اون کا ہودج میں بچھایا جانے والا کپڑا۔
فیه تماثیل یہ جملہ قرام کی صفت ہے۔② ظرف صفت ہے اور تماثیل اس کا فاعل ہے۔جمع تمثال بنائی ہوئی تصویر یہ عام ہے' وہ جھانکنے والی بنائی جائے یا نقش کی ہوئی ہو۔چمڑے کی ہو یا کپڑے پر بنی ہو۔ھتکه اس کو پھاڑ دیا۔بخاری کی روایت یہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ پھاڑ ڈالوں تو میں نے اسے پھاڑ دیا۔وتلون و جھه غصے سے آپ ﷺ کا چہرہ بدل گیا۔اشد الناس عذابا عند اللّٰہ یوم القیامة یہ اشد کا ظرف ہے۔
الذین یضاھون بخلق اللّٰہ یہ اشد کی خبر ہے ای الذین یشبھون ما یصنعونه بما یصنعه اللّٰہ البتہ بعض لوگوں کو اشکال ہوا کہ ﴿ادخلوا آل فرعون اشد العذاب﴾ اس آیت میں آل فرعون کو سخت ترین عذاب والے قرار دیا گیا۔طبری نے یہ جواب دیا کہ اس سے وہ مصور مراد ہیں۔غیر اللہ کی پوجا بھی کرتے ہیں۔مگر دیگر علماء نے کہا یہ اصل میں ان المصورین من اشد الناس عذابا ہے۔علامہ ابوالولید بن رشد نے کہا اگر حدیث کافر کے حق میں ہو تو کوئی اشکال نہیں وہ آل فرعون کے مشترک ہو جائے گا۔اس سے ان کے کفر کی شدت ظاہر ہوتی ہے اور اگر یہ نافرمان کے حق میں ہے تو دوسرے نافرمانوں کے مقابلے میں سخت عذاب کا حقدار ہوگا۔قرطبی نے لکھا ہے جب اشد کی اضافت الناس کی طرف ہو تو اس سے بعض افراد مراد ہوتے ہیں اور یہ جن کے ذریعہ ڈرایا گیا ہوتا ہے ان کے ساتھ عذاب میں شریک ہوتے ہیں پس فرعون کا عذاب ان لوگوں میں سب سے سخت ہوگا جنہوں نے دعویٰ الوہیت کیا اور جنہوں نے گمراہی میں اس کی پیروی کی' ان کو گمراہی کی پیروی کرنے والوں میں سب سے سخت عذاب ہوگا۔جس نے ذی روح کی تصویر عبادت کے لئے بنائی اس کا عذاب ان سے سخت تر ہوگا جنہوں نے عبادت کے لئے تصویر نہیں بنائی۔(المفہم للقرطبی)
حدیث کا ظاہر ابلیس اور قابیل کے متعلق بھی اشکال پیدا کر رہا ہے۔اس کا جواب یہ ہے اس حدیث کا حکم تو اولاد آدم کے لئے ہے۔ابلیس اس میں داخل نہیں باقی ابن آدم کے متعلق ثابت ہے کہ ظلم سے قتل ہونے والوں کا بوجھ ہوگا اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ اس کے ساتھ اسی طرح کے عذاب میں وہ بھی شامل ہو جس نے زنا کی ابتداء کی۔تمام زناۃ کا بوجھ اس پر ہوگا۔کیونکہ وہ اس کا بانی تھا اور شاید زناۃ کی کئی تعداد قاتلین سے بہت زیادہ ہو۔

تخریج : اخرجه البخاری ٥٩٥٤ ومسلم ٩٢/٢١٠٧ والنسائی ٥٣٧١۔

الفوائد : جو آدمی تصاویر عبادت کے لئے بناتا ہے وہ کافر ہے۔مجسمات تجارت کے لئے بنانا گناہ کبیرہ ہے۔منکر کو خود بدلنے کی طاقت ہو تو فوراً بدل دینا چاہئے۔

٦٥١ : وَعَنْهَا اَنَّ قُرَيْشًا اَهَمَّهُمْ شَاْنُ الْمَرْاَةِ الْمَخْزُوْمِيَّةِ الَّتِىْ سَرَقَتْ فَقَالُوْا : مَنْ يُّكَلِّمُ فِيْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ؟ فَقَالُوْا : مَنْ يَّجْتَرِئُ عَلَيْهِ اِلَّا اُسَامَةُ ابْنُ زَيْدٍ حِبُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَكَلَّمَهُ اُسَامَةُ ' فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "اَتَشْفَعُ فِىْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ تَعَالٰى؟ ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ ثُمَّ قَالَ : "اِنَّمَا هَلَكَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ وَاِذَا سَرَقَ

فِيهِمُ الضَّعِيفُ اَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَايْمُ اللّٰهِ لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۶۵۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ قریش کو اس عورت کے معاملے نے پریشان کر دیا جس نے چوری کی تھی۔ چنانچہ انہوں نے کہا اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون کلام کرے گا؟ پھر کہنے لگے اس کی جرأت تو اسامہ بن زید جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے ہیں وہی کر سکتے ہیں۔ پس اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ سے گفتگو کی تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد کے متعلق سفارش کرتے ہو؟ پھر آپ اٹھے اور خطبہ دیا جس میں فرمایا تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ ان میں جب کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب کوئی عام آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے اور اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ (بخاری)

تشریح ۞ **المرأة المخزومية اخي**۔ بقول عراقی یہ فاطمہ بنت اسد بنت ابی سلمہ بن عبدالاسد (عبدالغنی فی المبہمات) بعض نے کہا یہ ام عمرو بنت سفیان بن عبدالاسد ہے (عبدالرزاق) **التی سرقت** یہ فتح مکہ کے ایام کی بات ہے۔ **من یکلم فیھا رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم** یعنی کون سفارش کرے۔ امام تک بات پہنچ جانے کے بعد حدود میں سفارش منع ہے۔ بعض نے کہا امام تک پہنچانا مستحب ہے۔ البتہ اگر وہ مجرم موذی اور شرارتی ہو تو سفارش بالکل نہ کرے۔ **فقالوا من یجتری** کون بطور ناز کے جرأت کرے گا **حب رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم** یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اسامہ۔ **فکلمہ** انہوں نے اسامہ رضی اللہ عنہما سے بات کی انہوں نے رضامندی ظاہر کر دی۔ **اتشفع فی حد** مجھ تک بات پہنچنے کے بعد تو حدود میں سفارش کرتا ہے۔ **فاختطب** دوسرے نسخہ میں خطب ہے۔ باب افتعال سے لاکر اشارہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبے میں خوب مبالغہ کیا۔ **ثم قال** پھر وعظ تخویف تہذیر کے بعد فرمایا۔ **من قبلکم** پہلے زمانے والی امتیں۔ **الشریف** مرتبے اور وجاہت والا۔ **ترکوہ** اس کے مرتبے اور وجاہت کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیتے۔ جملہ شرطیہ کان کی خبر ہے۔ **الضعیف** وجاہت نہ ہونے اور گمنامی کی وجہ سے اس کو ضعیف کہہ دیا۔ **ایم اللّٰہ** یہ ایمن اللہ یا یمین اللہ سے ماخوذ ہے۔ بقول ابن ہاشم یہ یمن و برکت سے مشتق ہے۔ یہ یمین کی جمع نہیں اس میں بارہ لغات ہیں جن کو ابن مالک نے ان اشعار میں جمع کیا:

همزا ايم وايمن فافتح واكسرن ام قل ☆ او قل م او من بالتثليث قد شكلا

وايمن اختم له واللّٰه كلا اضعف ☆ اليه فى قسم تستوف ما نقلا

اور سیوطی نے جمع الجوامع میں بیس لغات ذکر کی ہیں۔ **سرقت** یہ علیٰ سبیل الفرض بطور مبالغہ فرمایا۔ تقی سبکی نے اس کے بعد حاشاھا من ذلک بطور ادب بڑھایا ہے۔ حالانکہ وہ اس امت کی تمام عورتوں میں زیادہ شرف والی ہیں۔

مسئلہ: مجرم کا نسب حد کو ساقط نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے احکام تمام انسانوں کے لئے برابر ہیں۔

تخریج : اخرجه البخارى ٣٤٧٥ ومسلم ١٦٨٨ وابوداود ٤٣٧٣ والترمذى ١٤٣٠ والنسائى ٤٩١٤ وابن ماجه ٢٥٤٧ وابن حبان ٤٤٠٢۔

الفرائد : حد کے معاملہ میں باہمی محبت کا لحاظ نہ ہوگا۔ کسی امر مقدر کی اطلاع دے دینی چاہئے جو کسی قطعی معاملے کے انقطاع کا باعث بنتا ہو۔ زجر و ڈانٹ میں مبالغہ کے لئے مثال بیان کرنا درست ہے۔

۶۵۲ : وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَاٰى نُخَامَةً فِي الْقِبْلَةِ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِ حَتّٰى رُؤِيَ فِيْ وَجْهِهٖ ، فَقَامَ فَحَكَّهٗ بِيَدِهٖ فَقَالَ : "اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا قَامَ فِيْ صَلَاتِهٖ فَاِنَّهٗ يُنَاجِيْ رَبَّهٗ وَاِنَّ رَبَّهٗ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ ، فَلَا يَبْزُقَنَّ اَحَدُكُمْ قِبَلَ الْقِبْلَةِ ، وَلٰكِنْ عَنْ يَّسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ" ثُمَّ اَخَذَ طَرَفَ رِدَآئِهٖ فَبَصَقَ فِيْهِ ثُمَّ رَدَّ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَقَالَ : "اَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ وَالْاَمْرُ بِالْبُصَاقِ عَنْ يَّسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ هُوَ فِيْمَا اِذَا كَانَ فِيْ غَيْرِ الْمَسْجِدِ ، فَاَمَّا فِي الْمَسْجِدِ فَلَا يَبْصُقُ اِلَّا فِيْ ثَوْبِهٖ۔

۶۵۲ : حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قبلہ والی (دیوار) میں تھوک دیکھا۔ ناراضگی کے آثار آپؐ کے چہرہ پر نمایاں ہوئے پس آپؐ کھڑے ہوئے اور اس کو اپنے ہاتھ سے کھرچ دیا۔ پھر فرمایا جب تم میں سے کوئی ایک نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے ربّ تعالیٰ سے مناجات کرتا ہے اور اس کا رب اُس کے اور قبلہ کے درمیان ہے۔ اس لئے تم میں سے کوئی بھی ہرگز قبلہ کی جانب نہ تھوکے۔ البتہ اپنی بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے تھوکنے میں حرج نہیں۔ پھر آپؐ نے اپنی چادر کا ایک کنارہ پکڑا اور اس میں تھوکا اور اس کے بعض حصے کو دوسرے سے ملا کر فرمایا یا پھر اس طرح کرلے (بخاری و مسلم) امام نووی فرماتے ہیں کہ اپنے بائیں طرف یا قدم کے نیچے تھوکنے کا حکم مسجد کے علاوہ دوسرے مقامات پر ہے۔ جب مسجد میں ہو تو کپڑے میں ہی تھوکے۔

تشریح ۞ رأی نخامة ن کا ضمہ ہے۔ ابن سیدہ نے محکم میں نخم الرجل سینے اور ناک سے کوئی چیز نکالی (المحکم) النخامه رینٹھ (الصحاح والمجمل) ناک سے نکلنے والا مواد (مطرزی) نووی کہتے ہیں رینٹھ جیسی جو چیز انسان منہ یا ناک سے پھینکے۔ **فی القبلة** ۔ وہ دیوار جس کی طرف قبلہ کی طرف رخ کرتے ہوئے رخ کیا جاتا ہے۔ **فشق** گراں گزرا۔ **فی جهه** اس سے مراد وہ غصہ ہے جو عظمت کی چیزوں کی بے ادبی کے وقت آپ ﷺ کے چہرے پر ظاہر ہوتا۔ **فقام فحکه** اطلاع کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست اقدس سے کھرچ دیا۔ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس کی تری ابھی باقی تھی تو اس کو پونچھ دیا اور اگر وہ خشک ہو چکا تھا تو اس کو زائل کر دیا۔ **بیده** یعنی لکڑی وغیرہ سے۔ **احدکم** تم میں سے کوئی ایک۔ **یناجی ربه** مناجات سے لازم معنی مراد ہے۔ ارادۂ خیر کیونکہ اصل معنی سرگوشی کرنا ہے۔ قرآن مجید اور اذکار مناجات ہی ہے۔ **وان** یہ واؤ عطف کے لئے ہے بعض نسخوں مین اور ہے جو کہ شک راوی کے لئے ہے۔ **ربه بینه و بین القبلة**۔ خطابی کہتے ہیں قبلہ کی طرف توجہ کرنا رب قبلہ کی طرف پہنچانے والا ہے۔ اب تقدیر کلام یہ ہوگی ان **مقصوده بینه و بین قبلته** یعنی اس کا مقصود اس کے اور قبلہ کے درمیان ہے۔ بعض نے مضاف مقدر مانا ای **عظمة الله** یا **ثوابه الله** بعض نے کہا یہ بات قبلہ کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے فرمائی۔ **فلا یبزقن** یہ **یبصقن** بھی پڑھا جاتا ہے۔ قبل جانب اور طرف کو کہتے ہیں۔ قبلہ کی طرف نہ تھوکنے کا حکم تعظیم

قبلہ کے لئے ہے۔شیخ زکریا کہتے ہیں یہ نہی حرمت کے لئے ہے۔(تحفۃ القاری) **یسارہ او تحت قدمہ** ان دواطراف میں تھوکے۔ پھر آپؐ نے کپڑے کی ایک جانب لے کر اس میں تھوک کر اس کی دونوں جانب کو مل دیا جس سے تھوک کا وجود ختم ہو گیا۔ **او یفعل ھکذا** اس میں او کا کلمہ بیان نوع کے لئے ہے۔ یہ بہتر بات ہے۔ دوسری روایت میں **البصاق فی المسجد خطیئة و کفارتھا دفنھا الحدیث** نووی کہتے ہیں ابتدائی کفارہ تو توبہ یا فضل الٰہی ہے۔اس کے گناہ کے دوام کا کفارہ اس کا دفن کرنا ہے۔

تخریج: اخرجه احمد ۱۲۸۰۹/۵ والبخاری ۲٤۱ ومسلم ۵۵۱ وعبدالرزاق ۱۶۹۲ وابن حبان ۲۲۶۷ وابن ابی شیبة ۳٦٤/۲ والحمیدی ۱۲۱۹ والبیهقی ۲۵۵/۱۔

الفوائد: تھوک، رینٹھ وغیرہ تکلیف دہ اشیاء کو مسجد سے زائل کردیان ضروری ہے۔نمازی کو دائیں اور سامنے تھوکنا منع ہے خواہ مسجد ہو یا دوسری جگہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔

۷۸: بَابُ اَمْرِ وُلَاةِ الْاُمُوْرِ بِالرِّفْقِ بِرَعَایَاھُمْ وَنَصِیْحَتِھِمْ وَالشَّفَقَةِ عَلَیْھِمْ وَالنَّھْیِ عَنْ غَشِّھِمْ وَالتَّشْدِیْدِ عَلَیْھِمْ وَاِھْمَالِ مَصَالِحِھِمْ وَالْغَفْلَةِ عَنْھُمْ وَعَنْ حَوَآئِجِھِمْ

باب: حکام کو رعایا پر شفقت و نرمی کرنی چاہئے‘ ان کی خیر خواہی مدنظر ہو‘ ان پر سختی‘ ان کے حقوق سے غفلت اور ان کے ساتھ فریب کاری نہ کرنی چاہئے

ولاة یہ قاض سے قضاۃ کی طرح والی کی جمع ہے۔ **بالرفق برعایاھم** جمع رعیۃ جیسے **کخطیئة و خطایا** رعایا ان کو کہا جاتا ہے جن کے معاملات کی اصلاح و نگرانی حکام کے ذمہ ہو۔ **ونصیحتھم** کا عطف رفق پر ہے۔ **والشفقة علیھم** امر پر معطوف ہے۔ **عن غشھم** ان کے لئے نقصان دہ چیزوں کو چھپائے۔ **والتشدید علیھم** احکام اور احوال میں **واھمال مصالحھم** ان کے مصالح کو چھوڑ دے یہاں تک کہ وہ فوت ہو جائیں۔ **والغفلة** اس کا غش پر عطف ہے یعنی غفلت کی ممانعت ہے کیونکہ یہ چیز معاش و معاد کے لحاظ سے ان کو نقصان دیتی ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی :

﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ [الشعراء:۲۱۵]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

’’تم اپنے بازو کو اپنے پیروکار مسلمانوں کے لئے جھکا دو‘‘۔(الشعراء)

ظرف محل حال میں موصول کا بیان ہے۔آیت تشریح پہلے گزری۔ یہاں رفق کے سلسلہ میں اس کو نقل کیا گیا ہے۔

وَ قَالَ تَعَالٰی :

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَيَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ [النحل: ۹۰]

اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ عدل واحسان اور رشتے دار کو دینے کا حکم دیتے ہیں اور بے حیائی اور منکرات اور سرکشی سے روکتے ہیں وہ تمہیں نصیحت کرتے ہیں تاکہ تم نصیحت پکڑو''۔(النحل)

ان اللّٰہ یامر بالعدل اعتقادی و عملی اعتبار سے معاملات میں میانہ روی کا حکم دیتے ہیں۔ و الاحسان لوگوں سے احسان کا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے العدل سے توحید اور الاحسان سے اخلاص فی التوحید مراد لیا ہے۔ و ایتاء ذی القربی یعنی صلہ رحمی کرنا۔ الفحشاء سخت گناہ جیسے زنا و المنکر جس کو شرع نامناسب کہے۔ و البغی لوگوں پر زیادتی۔ یعظکم لعلکم تذکرون تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ کسی نے اس آیت کے متعلق خوب کہا اگر قرآن مجید میں صرف یہی آیت ہوتی تو پھر بھی قرآن پر تبیان لکل شی وھدیً ورحمةً کے تمام القابات فٹ تھے۔ شاید نووی نے وانزلنا علیك الکتاب کے بعد اسی بات پر خبردار کرنے کے لئے اتاری ہو۔ یعظکم کا جملہ مستانفہ یا یعظکم کی ضمیر سے حال ہے۔ ترجمۃ الباب کے تمام مضامین پر آیت مشتمل ہے۔

۶۵۳ : وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ "كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ : اَلْاِمَامُ رَاعٍ وَّمَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِیْ اَهْلِهٖ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ، وَالْمَرْاَةُ رَاعِيَةٌ فِیْ بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُوْلَةٌ عَنْ رَّعِيَّتِهَا، وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِیْ مَالِ سَيِّدِهٖ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ، وَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَّمَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۶۵۳: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ؐ کوفرماتے سنا کہ تم میں سے ہرایک ذمہ دار ہے اور ہرایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ حاکم ذمہ دار ہے اس سے اس کی رعیت کے بارے مرد اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں عورت اپنے خاوند کے گھر کی ذمہ دار ہے اس سے اس کی رعیت کے بارے میں خادم اپنے آقا کے مال کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں اور ہرایک تم میں سے ذمہ دار ہے اور اس کی ذمہ داری کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ کلکم راع یہ تشبیہ بلیغ ہے۔ راعی کی مثال ہے (عاقولی) خبر کو کل کے لفظ کی وجہ سے مفرد لائے جب یہ معرفہ کی طرف مضاف ہو تو لفظ معنی کا اعتبار درست ہے۔ و کلکم مسئول عن رعیتہ آیا اس نے اس حق کو ادا کیا یا نہیں۔

الامام خلیفہ اور دیگر ذمہ دار حکام۔ **راع و مسئول عن رعیتہ** ① نحو خبر کا عطف خبر پر ہے مثلاً زید کاتب وشاعر ہے ② جملے کا عطف جملے پر **وھو مسئول' والرجل راع** یعنی اپنے اہل واولاد اور خدام پر۔ اسی طرح عورت اپنے خاوند کے گھر کی ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا جو گھر سے متعلق ہیں کہ آیا اس نے ان کی حفاظت کی یا ضائع کر دیا اور اس اہل سے متعلق سوال ہوگا۔ آیا اس نے اپنی ذمہ داری ان کے متعلق پوری کی یا نہیں؟ **والخادم راع فی مال سیدہ ومسئول عن رعیتہ** خادم اپنے آقا کے مال میں مسئول ہو کہ اس نے مال کی حفاظت کی یا اسے ضائع کر دیا۔ یہ روایت باب حق الزوج علی امراتہ میں گزری ہے۔ ملاحظہ فرمالیں۔

تخریج :اخرجہ احمد ۲/۴٤۹۰ والبخاری ۸۹۳ ومسلم ۱۸۲۹ وابو داود ۲۹۲۸ والترمذی ۱۷۰۵ وابن حبان ٤٤۸۹ والبیھقی ۲۹۱/۷۔

الفوائد :غلام کو اپنے آقا کے حال میں اس کی اجازت سے تصف درست ہے۔ ہر راعی کو اپنی رعایا سے عدل کا معاملہ کرنا چاہیے منصف لوگ قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے۔

٦٥٤ :وَعَنْ اَبِیْ یَعْلٰی مَعْقِلِ بْنِ یَسَارٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ :سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ : مَا مِنْ عَبْدٍ یَسْتَرْعِیْہِ اللّٰہُ رَعِیَّۃً یَمُوْتُ یَوْمَ یَمُوْتُ وَھُوَ غَاشٌّ لِّرَعِیَّتِہٖ اِلَّا حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ" مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ: "فَلَمْ یَحُطْھَا بِنُصْحِہٖ لَمْ یَجِدْ رَآئِحَۃَ الْجَنَّۃِ" وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِّمُسْلِمٍ :"مَا مِنْ اَمِیْرٍ یَّلِیْ اُمُوْرَ الْمُسْلِمِیْنَ ثُمَّ لَا یَجْھَدُ لَھُمْ وَیَنْصَحُ لَھُمْ اِلَّا لَمْ یَدْخُلْ مَعَھُمُ الْجَنَّۃَ"۔

۶۵۴: حضرت ابو یعلیٰ معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ اپنی رعایا کا نگران بنا دے اور وہ اپنی رعایا کو دھوکہ دینے کی حالت میں ہی مر جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا۔ (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں ہے اس نے ان کی خیر خواہی پوری نہیں کی تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا اور مسلم کی روایت میں ہے کہ جو امیر مسلمانوں کے معاملے کا ذمہ دار ہو اور پھر ان کے لئے محنت نہ کرے اور خیر خواہی نہ برتے تو وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوگا۔

تشریح ۞ **ابی یعلٰی معقل بن یسار رضی اللہ عنہ** بعض نے ان کی کنیت ابو عبداللہ اور بعض نے ابو یسار لکھی ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے یسار بن معبر بن حراف بعض نے حسان کہا بن لای بن کعب بن ثور بن عدنان المزنی البصری۔ یہ بیعت رضوان میں حاضر تھے۔ بصرہ میں اقامت اختیار کر لی۔ وہیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں وفات ہوئی۔ بعض نے کہا یزید کے زمانہ میں وفات ہوئی۔ انہوں نے ۳۴ روایات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہیں۔ ایک حدیث متفق علیہ ہے اور ایک میں بخاری منفرد ہیں اور مسلم نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں۔ احمد بن عبداللہ عجلی کا قول یہ ہے صحابہ کرام میں معقل بن یسار کے علاوہ کسی کی کنیت ابو علی نہیں ہے مگر یہ بات درست نہیں کیونکہ طلق بن علی کی کنیت بھی ابو علی تھی۔ ابو یحییٰ احمد الحاکم

نے بیان کیا کہ قیس بن عاصم کی کنیت ابوعلی تھی۔ یہ معقل وہی ہیں جن کی طرف بصرہ کی نہر معقل منسوب ہے اور بصرہ کی کھجور جو معقلی کہلاتی ہے وہ انہی کی طرف منسوب ہے۔ **یسترعیه الله رعیة** رعایا کی نگرانی اس کے سپرد کرتے ہیں۔ یہاں الرعیہ مرعیہ کے معنی میں ہے یعنی جس کی نگرانی کی جائے۔ **یموت یوم یموت وهو غاش لرعیته** یہ عبد کی صفت ہے اور خبر محذوف ہے۔ یوم یہ دوسرے یموت کا ظرف مقدم ہے۔ یہاں یوم سے مراد جانکنی کا وقت ہے اور ماقبل سے وہ مراد جب توبہ کی قبولیت کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ غرغرہ موت کی توبہ قابل قبول نہیں۔ **هو غاش** یہ پہلے یموت کی ضمیر سے حال ہے اور مقصود بالذکر وہی ہے مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی خیر خواہی کے لئے حاکم بنایا اس لئے نہیں کہ ان سے دھوکا کرنے اور اسی طرح اس کی موت آئے۔ غاش یہاں خائن کے معنی میں ہے۔ **والا حرم الله علیه الجنة** کامیاب نجات پانے والوں کے ساتھ اس کا داخلہ روک لیا جاتا ہے۔ اگر دھوکے کو جائز سمجھ کر کیا تو مطلقاً اس پر جنت حرام ہے۔ ایک روایت بخاری جو باب من استرعی رعیة فلم ینصح لهم نووی کہتے ہیں مجھے مسلم میں یہ روایت نہیں ملی۔ **فلم یحطها** حاط کا معنی حفاظت کرنا۔ **بنصحه** جلب منفعت اور دفع مضرت۔ **لم یجد رائحة الجنة** بعض نے شروع حدیث کے ما کو نافیہ قرار دے کر الا کو لم یجد سے پہلے محذوف مانا اور بعض نے ما کو زائد قرار دیا۔ ابن حجر کہتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ لفظ ایک ہے مگر رواۃ نے اس میں تصرف کیا ہے (فتح الباری) یجد کا مفعول رائحۃ الجنہ ہے۔ یعنی وہ مطلقاً جنت کی ہوا سے محروم رہے گا یا ابتدائی طور پر محروم رہے گا۔ طبرانی نے یہ الفاظ زائد لکھے ہیں **عرفها یوجد یوم القیامة من مسیرة سبعین عاما** اور دوسری روایت طبرانی میں **مسیرة خمس مائة** اور الفردوس میں الف عام کے لفظ وارد ہیں۔ ان میں تطبیق کی صورت کہ مختلف اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہے۔ (ابن العربی) روایت مسلم میں **مامن امیر یلی امور المسلمین** اس ما کے عموم میں امیر المؤمنین سے لے کر عام ذمہ دار تک سب شامل ہیں۔ **ثم لا یجهد لهم** جہد (ف) انتہائی کوشش کرنا۔ **ینصح لهم** لا مقدر ہے جیسا روایت بخاری سے معلوم ہوتا ہے۔ **الا لم یدخل معهم الجنة** روایت کا معنی بھی تقدیر عبارت سے درست ہو سکتا ہے۔

تخریج : اخرجه البخاری ۷۱۵۰ ومسلم ۱۴۲۔

الفرائد : والی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی رعایا کے مصالح میں نصیحت و خیر خود ہی سے کام لے اور ایسے کام کرے جو ان کے دین و دنیا میں بھلائی والے ہوں۔ رعایا کے معاملے میں کوتاہی راعی کو جہنم کا ایندھن بنا دیتی ہے۔

۶۵۵ : وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ بَيْتِيْ هٰذَا: "اَللّٰهُمَّ مَنْ وَّلِيَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِيْ شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ ، وَمَنْ وَّلِيَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِيْ شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهٖ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۶۵۵ : حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: میرے اس گھر میں فرما رہے تھے۔ اے اللہ جو شخص بھی میری امت کا کسی معاملے کا ذمہ دار بنے اور وہ امت کو مشقت میں ڈالے تو تو بھی اس پر سختی فرما اور جو میری امت کے معاملات میں سے کسی معاملے کا ذمہ دار بنے پھر ان میں سے کسی معاملے میں نرمی کرے تو تُو بھی اس پر نرمی فرما۔ (مسلم)

بیتی ھذا رہائش کی وجہ سے اپنی طرف نسبت کی ہے۔ ورنہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان ہے۔ چونکہ دیگر مکانات بھی تھے مزید وضاحت کے لئے یہ الفاظ فرمائے۔ یہی وہ مکان ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے صاحبین کا مدفن ہے۔

النحو : اللھم من ولی...... شیئاً۔ من بیانیہ اور شیئاً کے لئے محل حال میں ہے۔ شیئاً میں تنوین تنکیر نے چھوٹے سے بڑے کام کو شامل کر دیا۔ فشق علیھم اور قول و فعل میں ان پر سختی کرے تو فاشقق علیہ اس کو مشقتوں میں ڈال دے یعنی اس پر دشمن وغیرہ مسلط فرما دے یا اور عذاب کی اقسام ہیں وہ مسلط کرے تا کہ جزاء جنس فعل سے ہو۔ یہاں ضمیر کی بجائے وضاحت فرمائے حکام کی عام حالت قلت علم، کم فہمی ہوتی ہے کیونکہ امامت و سیاست کے کاموں میں مشغولیت کی وجہ سے گہری باتوں کو نہیں سمجھتے۔ اتمام حجت کے لئے بات واضح فرمادی تا کہ کل مراد کے مخفی ہونے کا عذر نہ کر سکیں اور امیر کی جزاء اسی جنس سے ملے گی جس قسم کا نرمی، سختی والا رویہ وہ رعایا سے برتے گا اور امراء اپنی سعی و کوشش سے اس بات کی اہلیت رکھتے ہیں کہ امت سے مصائب کو ہٹائیں (واللہ اعلم) فرفق بھم قول و فعل میں نرم رویہ رکھے۔ فارفق بہ تو دنیا و آخرت میں اس سے نرم سلوک فرما اور آثار میں وارد ہے کما تدین تدان۔

تخریج : اخرجه مسلم ۱۸۲۸۔

الفرائد : راعی کو مسلمانوں پر رحم کھانا چاہئے اور ان کو تکلیف مالا یطاق نہ دینی چاہئے۔ لوگوں کو مشقت میں ڈالنے والا والی آپ ﷺ کی بددعا کا مستحق ہے۔

❁ ❁ ❁

۶۵۶ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَآئِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَآءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهٗ نَبِيٌّ، وَاِنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِیْ وَسَيَكُوْنُ بَعْدِیْ خُلَفَآءُ فَيَكْثُرُوْنَ" قَالُوْا : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَا تَاْمُرُنَا؟ قَالَ : "اَوْفُوْا بِبَيْعَةِ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ، ثُمَّ اَعْطُوْهُمْ حَقَّهُمْ وَاسْاَلُوا اللّٰهَ الَّذِیْ لَكُمْ، فَاِنَّ اللّٰهَ سَآئِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۶۵۶ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے انبیاء ان کی سیاست کیا کرتے تھے۔ جب کوئی پیغمبر فوت ہوتا تو دوسرا پیغمبر اس کا جانشین بنتا اور شان یہ ہے کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں اور میرے بعد خلفاء ہوں گے اور وہ کثرت سے ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپؐ اس بارے میں ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ فرمایا تم سب سے پہلے کی بیعت کو پورا کرو اور پھر ان کا حق ان کو دو اور اپنے حقوق کا سوال اللہ سے کرو۔ اللہ تعالیٰ ان سے خود اس رعایا کے بارے میں پوچھ لیں گے جن کا ان کو والی بنایا گیا ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ❁ بنو اسرائیل اسر کا معنی عبد اور ایل کا معنی اللہ یعنی عبداللہ۔ یہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کا نام ہے۔ یہ عبرانی لفظ ہے۔ کلما ھلك نبی خلفه نبی آخر جب بنی اسرائیل میں فساد پیدا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان میں پیغمبر علیہ السلام کو بھیج دیتا جو تبدیل شدہ احکام تورات کو درست کرتا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ رعایا کے لئے ایسے لوگ ضروری ہیں جو ان

کو درست راہ پر رکھیں اور ظالم سے مظلوم کو انصاف دلائیں۔ کلما کا جملہ یسوس کے فاعل سے حال ہے یعنی انبیاء علیہم السلام مسلسل اور ایک دوسرے کے بعد آتے۔ وانہ لا نبی بعدی اس کا عطف تانت بنواسرائیل پر ہے۔ ۃ ضمیر شان ان کا اسم ہے۔ دوسرے میں اثبات وتاکید کے لئے معطوف ومعطوف علیہ کو مختلف لائے۔ اصل مقصود لا نبی بعدی یعنی وہ جو کچھ کرتے تھے شان یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ بنایا جائے گا۔ سیکون بعدی خلفاء بعدی کا لفظ صحیح نسخوں میں نہیں ملا فتح الباری ستکون خلفاء نقل کیا۔ شاید کسی نسخے میں موجود ہو۔ فیکثرون اس لفظ سے ان کے فعل کی قباحت بیان کرنا مقصود ہے۔
قالوا فماتامرنا ما یہ مبتدا اور فعل کا مفعول ضمیر صریح ہوگی یا حرف جر کے ساتھ ہوگی یعنی بہ اور فا شرط مقدر کا جواب ہے یعنی اذ اکثر بعدك الخلفاء فما تامرنا نفعل؟
اوفوا ببیعۃ الاول پہلے کی اطاعت کو پورا کرو اور بغاوت والے سے قتال کرو کیونکہ اس کی امامت منعقد ہو چکی۔ ثم اعطوھم حقھم پھر ان کے ساتھ رہو اور ان کی بات سنو اور اطاعت کرو۔ یہ اوفوا کے لئے بدل کی طرح ہے۔ واسالوا اللہ الذی لکم اگر وہ تمہارے حقوق پورے نہ کریں تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں باز پرس کے لئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعایا کے متعلق سوال کریں گے۔ اس سے یہ ثابت ہوا دنیا کے معاملات ہر دین پر مقدم ہیں۔ امیر کی اطاعت میں دین کی بلندی اور فتنہ وشر کی رکاوٹ ہے۔ آدمی کے ذاتی حق کے مطالبے کی تاخیر حق کو ساقط نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں تو حق پورا دلوا دینا ہے۔

تخریج: اخرجه احمد ۲/۷۹٦٥ والبخاری ۳٤٥٥ ومسلم ۱۸٤۲ وابن ماجه ۲۸۷۱ وابن حبان ۳٥٥٥ والبیهقی ۸/۱٤٤

الفرائد: بیعت اول کا لحاظ کرنا ضروری ہے جب تک وہ کھلے کفر کا ارتکاب نہ کرے ظالم حاکم کا بھی حق ادا کرے اور اسکے معاملے میں بارگاہ الٰہی میں گڑگڑائے (کذا قال القرطبی)

٦٥٧: وَعَنْ عَائِذِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ دَخَلَ عَلٰى عُبَيْدِ اللّٰهِ ابْنِ زِيَادٍ فَقَالَ لَهٗ: اَىْ بُنَيَّ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِنَّ شَرَّ الرِّعَآءِ الْحُطَمَةُ فَاِيَّاكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

٦٥٧: حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ عبید اللہ بن زیاد کے پاس داخل ہوئے اور اس کو فرمایا اے بیٹے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: بے شک بدترین حاکم وہ ہیں جو رعایا پر ظلم کرنے والے ہوں تو اپنے آپ کو ان میں سے بچا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح عائذ بن عمرو باب الامر بالمعروف میں ان کے حالات گزرے۔ عبیداللہ بن زیاد یہ اپنے والد کے بعد کوفہ و بصرہ کا گورنر تھا۔ ای قریب نداء کا حرف ہے۔ شر الرعاء الحطمة رعاء اور رعاۃ دونوں راع کی جمعیں ہیں' الحُطمہ اس چرواہے کو کہتے ہیں جو اونٹوں کو گھاٹ پر لاتے' لے جاتے اور چراگاہ میں ان پر سختی کرے' حطم کا معنی توڑنا ہے۔ مراد ظالم ہے جو ان پر ذرا نرمی نہ کرے۔ فایاك ان تكون منهم یہ عائذ رضی اللہ عنہ نے بطور نصیحت ارشاد فرمایا۔

تخریج : مسلم فی المغازی، احمد مزی و سیوطی نے بخاری کا نام ذکر نہیں کیا مختصر جامع الاصول میں دبیع نے مسلم کی طرف نسبت کی ہے۔ پس متفق علیہ نہ ہوئی۔ نووی سے قلم زد ہو گئی۔

الفرائد : باب ۲۳ فی الامر بالمعروف میں گزر چکے۔

۶۵۸ : وَعَنْ اَبِیْ مَرْیَمَ الْاَزْدِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ قَالَ لِمُعَاوِیَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ : "مَنْ وَلَّاہُ اللّٰہُ شَیْئًا مِّنْ اُمُوْرِ الْمُسْلِمِیْنَ فَاحْتَجَبَ دُوْنَ حَاجَتِہِمْ وَخَلَّتِہِمْ وَفَقْرِہِمْ : احْتَجَبَ اللّٰہُ دُوْنَ حَاجَتِہٖ وَخَلَّتِہٖ وَفَقْرِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَجَعَلَ مُعَاوِیَۃُ رَجُلًا عَلٰی حَوَآئِجِ النَّاسِ ، رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ۔

۶۵۸: حضرت ابو مریم ازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے معاملات میں سے کسی کا ذمہ دار بنا دے اور پھر وہ ان کی ضروریات اور حاجات اور فقر کے درمیان رکاوٹ ڈالے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی حاجات و ضروریات اور محتاجی کے درمیان رکاوٹ ڈال دے گا۔ پس اسی وقت حضرت امیر معاویہ نے ایک آدمی کو لوگوں کی حاجات کے لئے مقرر کر دیا۔ (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح ۞ **ابی مریم الازدی رضی اللہ عنہ** حافظ کہتے ہیں اکثر نے ازد کی طرف نسبت سے ازدی کہا ہے (تبصیر المنتبہ) ابن اثیر یہ کندی ہیں ان کو ازدی کہا جاتا ہے۔ یہ شامی صحابہ میں شمار ہوتے ہیں بعض نے کہا یہ ابو مریم غسانی نہیں بعض نے کہا یہ ابو مریم غسانی ہیں۔ ابن مندہ نے ان کو ابو مریم سلولی کے حالات میں ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا کہ میرے خیال میں یہی ابو مریم عمرو بن مرہ جہنی ہیں۔ علی بن حکم نسائی نے ابوالحسن جزری شامی سے نقل کیا کہ عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو کہا پھر یہ واقعہ نقل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بھی مروی ہے: **انہ قال لمعاویہ رضی اللہ عنہ...... من ولاہ اللہ شیئاً** نکرہ سیاق نفی میں عموم کا فائدہ دے رہا ہے (کسی بھی چیز کا ذمہ دار بنائے) **خلتھم خلہ** حاجت و ضرورت (النہایہ) یہ عطف مرادف یا عطف خاص علی العام کی قسم سے ہے۔ عاقولی کہتے ہیں حاجت، خلت، فقر میں فرق ہے۔ حاجت جس چیز کا اہتمام کیا جائے اگرچہ وہ حد ضرورت کو نہ پہنچے کہ اگر وہ حاصل نہ ہو تو معاملے میں خلل واقع ہو۔ خلت یہ خلل سے ماخوذ ہے جس کی وجہ سے معاملے میں خلل واقع ہو مگر حد اضطرار تک نہ پہنچے۔ فقر مکمل اضطرار کو کہا جاتا ہے۔ یہ فقار (ریڑھ کی ہڈی) گویا اس نے اس کی ریڑھ کی ہڈی توڑ ڈالی ہے (عاقولی) حدیث میں تو مراد کے لحاظ سے ہے اور لفظ کی وضع کے لحاظ سے وہ ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا واللہ اعلم۔ عاقولی کہتے ہیں احتجاب سے مراد یہ ہے کہ ضرورت مند لوگوں کو اپنی ضروریات کے لئے اس تک پہنچنا مشکل ہو جائے۔ **احتجب اللہ دون حاجتہ** یعنی اس کی نہ تو دعا قبول ہوتی ہے اور نہ امید پوری کی جاتی ہے۔ **یوم القیامۃ** احتجب دوم کا ظرف ہے۔ **فجعل** اس بات کو سن کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی مقرر کر دیا۔ **حوائج الناس** تاکہ ان پر معاملہ مشکل نہ ہو۔ ان تک لوگوں کی ضروریات پہنچ جائیں۔

تخریج : صحیح الاسناد اخرجه ابو داود ٢٩٤٨ والترمذی ١٣٣٢ والحاکم ٤/٧٠٢٧ وفی الباب عن معاذ رضی الله عنه عند احمد وغیرہ۔

الفرائد :حکام کو اپنی رعایا کے معاملات کی خوب خبر گیری کرنی چاہئے۔اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور رحمت سے دوری کا

٧٩ :بَابُ الْوَالِی الْعَادِلِ

باب ٧٩: عادل حکمران

والی والی کے لفظ سے اس لئے تعبیر کیا تا کہ ہر حاکم اس میں شامل ہو۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی :

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾[النحل: ٩٠]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ عدل وانصاف کا حکم فرماتے ہیں''۔(النحل)

اس آیت کے متعلق پہلے باب میں گفتگو ہو چکی وہاں دیکھ لی جائے۔

واقسطوا یہ اقساط سے ہے جس کا معنی عدل ہے۔ان الله یحب المقسطین عدل والوں کو ثواب وتوفیق عنایت فرمانے والے ہیں۔

وَ قَالَ تَعَالٰی :

﴿وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ [الحجرات:٩]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''تم انصاف کرو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں''۔(الحجرات)

سبعة یعنی سات قسم کے لوگ ہیں۔

٦٥٩ :وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ :اِمَامٌ عَادِلٌ ، وَشَابٌّ نَشَاَ فِیْ عِبَادَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی ، وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ فِی الْمَسَاجِدِ ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَاَةٌ ذَاتَ مَنْصَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

٦٥٩: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا سات آدمیوں کو اللہ اپنے سایہ میں اس دن جگہ دے دیں

گے جس دن اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا: ① امام عادل ② اللہ کی عبادت میں پرورش پانے والا نوجوان ③ وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہے ④ وہ دو آدمی جو اللہ کی خاطر آپس میں محبت کرتے' جمع ہوتے اور اسی خاطر جدا ہوتے ہیں۔ ⑤ وہ آدمی جس کو مرتبے اور خوبصورتی والی عورت گناہ کی طرف دعوت دے اور وہ یہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں ⑥ وہ آدمی جس نے چھپا کر صدقہ دیا یہاں تک کہ اُس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہیں جو اس نے دائیں ہاتھ سے دیا ⑦ وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اُس سے اِس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ یہ مبتدا ہے۔ **یظلھم اللہ** اس کی خبر ہے۔ یوم اس کا ظرف ہے۔ یوم سے قیامت کا دن مراد ہے۔ امام عادل یہ رفع کے ساتھ مبتداء کی خبر ہے۔ ای ھم یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے اور من ہم؟ کا جواب ہے۔ امام کو عدل اور افضلیت کی وجہ سے پہلے لائے' دیگر تمام حکام کو بھی شامل ہے۔ جیسا عنوان باب سے معلوم ہوتا ہے۔ **شاب نشاء فی عبادۃ اللّٰہ تعالیٰ** اللہ تعالیٰ کی عبادت اخلاص سے کرنے والا ہو۔ **رجل قلبہ معلق بالمساجد** مسجد کا آباد کرنے والا۔ ہدایت کی خاطر حاضر باش' اس کا دل مسجد سے اٹکا ہو کہ کب نماز' اعتکاف کے لئے جائے۔ اسی لئے ماقبل سے اس کو ملا دیا۔ **ورجلان تحابا فی اللّٰہ** فی علت بیان کرنے کے لئے لایا گیا۔ فقط اللہ تعالیٰ کی خاطر نہ سامان نہ دیگر کوئی غرض مطلوب ہو۔ دوسری روایت میں ہے "**افضل الحب الحب فی اللّٰہ**"۔ **اجتمعا علیہ** یہ جملہ نکرہ کی صفت ہے۔ ② وصف سے تخصیص کی وجہ سے نکرہ سے حال ہے۔ ذات منصب صاحب منصب ہوا سے مال کا لالچ نہ ہو۔ جمال اس سے اشارہ کہ موافقت کے دواعی موجود ہوں مگر اس کے باوجود اس نے اپنے کو روک لیا۔ **انی اخاف اللّٰہ** سبب بول کر مسبب مراد ہے۔ اس کا خوف معصیت سے رکاوٹ بن گیا۔ **ورجل تصدق بصدقۃ** اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اس نے محتاج کو بلا معاوضہ دیا ہو۔ **فاخفاھا حتی لا تعلم** اس نے صدقہ اس قدر چھپا کر دیا کہ اگر اس کے پہلو میں انسان ہوتا اور وہ جاننا چاہتا تو نہ جان سکتا۔ **ورجل ذکر اللّٰہ خالیا** اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کا تذکرہ کیا خالیا کی قید اس سے بڑھائی کہ یہ ریاکاری سے بعید تر ہے ورنہ تو خوفِ خدا کا رونا خلوت وجلوت دونوں میں ایک ہی حکم رکھتا ہے۔ **ففاضت عیناہ** ۔ اللہ تعالیٰ کے جلال وہیبت کی وجہ سے ② یا اس نے اللہ تعالیٰ کے انعامات کو یاد کیا اور اپنی کوتاہی بھی سامنے آئی تو حیاء کی وجہ سے اس کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔ بابُ فضل الحب فی اللہ میں اس کی شرح ملاحظہ فرمائیں۔

تخریج : اخرجہ احمد ۲/۶۵۰۲ ومسلم ۱۸۲۷ والنسائی ۵۳۹۴ والحمیدی ۵۸۸ وابن حبان ٤٤٨٤ والحاکم ٤/۷۰۰٦ والبیھقی فی الکبری ۸۸/۸۷/۱۰ وفی الاسماء والصفات والآجری فی الشریعۃ۔

الفرائد :باب فضل الحب فی اللہ میں اس کی شرح ملاحظہ فرمائیں۔

۞ ۞ ۞

٦٦٠ :وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :"اِنَّ الْمُقْسِطِیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰی مَنَابِرَ مِنْ نُّوْرٍ :اَلَّذِیْنَ یَعْدِلُوْنَ فِیْ حُكْمِهِمْ وَاَهْلِیْهِمْ وَمَاوَلُّوْا" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۶۶۰: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک انصاف کرنے والے اللہ: کے ہاں نور کے منبروں پر ہوں گے۔ وہ لوگ جو اپنے فیصلے میں اور گھر کے معاملے میں اور جن کے وہ ذمہ دار ہیں انصاف برتتے ہیں۔ (مسلم)

عبداللہ بن عمرو ان کے حالات پہلے گزرے ملاحظہ فرمالیں باب ان المقسطین عند اللہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شرف ومرتبہ کے لحاظ سے عدل والے۔

النحو: یہ انّ کی خبر بھی بن سکتی ہے۔ علی منا بر من نور ① خبر کے بعد دوسری خبر ہے ② وہ خبر ہے اور اس سے پہلا ظرف ضمیر متستقر سے حال ہے۔ من نور یہ منابر کی صفت ہے۔ من نور یہ منابر کی صفت بیان حقیقت کے لئے خاص کرنے والی ہے۔ یا حال متداخل ہے۔ عاقولی کہتے ہیں حقیقی معنی بھی درست ہے یہ منبر کی جمع ہے۔ بلندی کی وجہ سے اس کو منبر کہا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ بلند منازل سے کنایہ ہو۔ اس سے اصل مراد ان کا اکرام ہے اسی لئے عند اللہ فرمایا جو کہ معارج قدس میں ان کی شان کی بلندی کو ظاہر کرتا ہے۔

النحو: الذین یعدلون...... یہ مقسطین کی صفت ہے۔ ② محذوف کی خبر ہے۔ ای الممدوحون ③ امدح مقدر کا مفعول ہے۔ اور فی حکمھم یہ یعدلون کا صلہ اور فی اھلیھم یہ حکم کا صلہ ہے۔ یہ ظرف مستقر بھی بن سکتا ہے یعنی حال کون الحکم کائنافی اھلھم عاقولی کہتے ہیں یہ فضیلت اس انصاف کرنے والے کو ہوگی جس پر کوئی دنیوی جزوی یا کلی ذمہ داری خواہ اپنے اہل کے سلسلہ کی ہو یا دوسروں کے سلسلہ کی ہو۔ وہ اس پر ڈالی گئی۔ نسائی واحمد نے من نور کے بعد عن یمین الرحمان کا لفظ لکھا ہے۔

تخریج: اخرجه احمد ۹/۲۴۰۳۶ ومسلم ۱۸۵۵ وابن حبان ٤٥٨٩ والبیهقی ۱۵۸/۸۔

الفرائد: حاکم عادل کا بلند مرتبہ اور عدل کی فضیلت کا تذکرہ ہے۔ نیک حاکم کا بہترین بدلہ مذکور ہے۔

❁ ❁ ❁

٦٦١ :وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: "خِيَارُ اَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ وَيُحِبُّوْنَكُمْ ، وَتُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّوْنَ عَلَيْكُمْ ، وَشِرَارُ اَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُبْغِضُوْنَهُمْ وَيُبْغِضُوْنَكُمْ ، وَتَلْعَنُوْنَهُمْ وَيَلْعَنُوْنَكُمْ" قَالَ: قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نُنَابِذُهُمْ؟ قَالَ: "لَا" مَا اَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلٰوةَ ، 'لَا' مَا اَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلٰوةَ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

"تُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ": تَدْعُوْنَ لَهُمْ۔

۶۶۱: حضرت عوف بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ تمہارے سربراہوں میں وہ لوگ سب سے بہتر ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور جو تم سے محبت کرنے والے ہوں۔ تم ان کے لئے رحمت کی دعائیں کرنے والے ہوں اور وہ تمہارے لئے رحمت کی دعائیں کرنے والے ہیں۔ بدترین حکمران وہی ہیں جن سے تم بغض رکھتے ہو اور وہ تم سے بغض رکھتے

ہوں اور تم ان پر لعنتیں کرتے اور وہ تم پر لعنتیں کرتے ہوں۔ عوف کہتے ہیں کہ ہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم ان کی بیعت نہ توڑ دیں؟ فرمایا نہیں جب تک کہ وہ نماز کو تم میں قائم کرتے رہیں۔ نہیں جب تک کہ وہ تم میں نماز کو قائم کرتے رہیں۔ (مسلم)

تُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ: تم ان کے حق میں دعا کرتے رہو۔

تشریح ۞ عوف بن مالك رضی الله عنه یہی اشجعی ہیں (اطراف مزی) خيار ائمتكم خیار یہ خیر کی جمع ہے۔ جو شر کی ضد ہے جیسے سهم و سهام اسی سے خیار المال عمدہ مال کو کہا جاتا ہے۔ ائمہ جمع امام یہ افعلة ائمة ہے۔ تحبونهم ان کی عمدہ سیرت اور نرمی کی وجہ سے تم ان کو پسند کرتے ہو۔ ویحبونكم محبت جانبین میں رابطہ کا کام دیتی ہے۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بریرہ کے خاوند کو اس سے محبت اور بریرہ کو اس سے بغض دیکھ کر تعجب ہوا۔ تصلون عليهم ويصلون عليكم تم ان کے حق میں خیر کی دعا کرنے والے ہو۔ علی سے متعدی ہونے کی وجہ سے مہربانی وشفقت کے معنی کو شامل ہے۔ وہ تمہارے حق میں دعائیں کرتے ہیں کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کے احکام ادا کرتے اور مناہی سے باز رہتے ہو اور تمہاری موت کے بعد تم بھی ان کے لئے دعا گو ہو گے اور وہ تمہارے حق میں۔ عاقولی کہتے ہیں دعا کا معنی خوب ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب الفت وقرب اور انصاف ہو۔ ہر معنی دوسرے کو لازم ملزوم ہے اور ہر ایک کے لئے دوسرے معنی کا لزوم منع کے موقع پر ہے۔ شرار جمع شر کی ہے جو خیر کی ضد ہے۔ الذين تبغضونهم ان کی سختی اور نرمی نہ کرنے کی وجہ سے۔ وتلعنونهم اور تم ان کی بد عملیوں کی وجہ سے ان کے حق میں بددعا کرتے ہو گے۔ اس سے لازم نہیں کہ نام متعین کر کے لعنت کرنا جائز ہے کیونکہ یہاں تو برے حکام کے متعلق لوگوں کی عادات کو بیان کیا جا رہا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ یہ جائز ہے۔ ويلعنونكم تمہارے ان کے ساتھ سلوک کی وجہ سے وہ تم پر لعنت کرتے ہیں۔ افلاننابذهم کیا ان کی اطاعت چھوڑ کر ان کی مخالفت نہ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کی مخالفت مت کرو۔ ما اقاموا الصلوة ما مصدر یہ ہے۔ جب تک وہ نماز کو قائم کرتے رہیں۔ اس میں نماز کی عظمت ظاہر ہوتی ہے اور اس کا ترک واضح کفر کی طرح ہے۔ کیونکہ دوسرے ارشاد میں فرمایا: لا الا ان تروا كفراً بواحًا باب الامر بالمعروف میں یہ روایت گزری یا رسول الله الا نقاتلهم ؟ قال لا ما اقاموا فيكم الصلاة (مسلم) اس سے تنا ذبہم کی تفسیر اچھی طرح معلوم ہو گئی۔ نابذت کا ظاہر کرنا' کھولنا (المصباح)

الفرائد: معجزہ نبوت کا تذکرہ ہے۔ حکام کو اپنی رعایا پر شفقت سے کام لینا چاہئے اور ان پر اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کرنا ان کا فرض ہے۔

٦٦٢ : وَعَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : "اَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلَاثَةٌ : ذُوْ سُلْطَانٍ مُقْسِطٌ مُوَفَّقٌ، وَرَجُلٌ رَحِيْمٌ، رَقِيْقُ الْقَلْبِ لِكُلِّ ذِىْ قُرْبٰى وَ مُسْلِمٍ، وَعَفِيْفٌ مُتَعَفِّفٌ ذُوْ عِيَالٍ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

٦٦٢ : حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا

تین طرح کے آدمی جنتی ہیں: ① انصاف والا حکمران جن کو بھلائی کی توفیق ملی ہو۔ ② وہ مہربان آدمی جس کا دل ہر رشتہ دار اور مسلمان کے لئے نرم ہو۔ ③ وہ پاک دامن جو عیال دار ہونے کے باوجود سوال سے بچنے والا ہو۔ (مسلم)

تشریح عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ کے حالات باب فضل الاختلاط بالناس میں گزرے ملاحظہ فرمالیں۔ ثلاثة عدد مراد نہیں تین اقسام۔ ذو سلطان مسلمانوں کے معاملہ میں ذمہ دار بنایا جائے۔ مقسط انصاف کرنے والا۔ موفق اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کرنے والا اور اس کے مناہی سے بچنے والا اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں وارد ہے کہ ساعة من الملك العادل تعدل عبادة سبعين سنة من غيره عادل بادشاہ کی ایک گھڑی دوسروں کی ستر سال کی (نفلی عبادت) کے برابر ہے۔ التوفیق اسباب کو مسببات کے مطابق بنانا۔ شرعی معنی بندے میں طاعت کی قدرت پیدا کر دینا بعض نے بالفعل کی قید پیدا کرنے میں بڑھائی ہے۔ ورجل رحیم مرحوم کی طرف روح کا میلان۔ رقیق القلب یہ رقت سے ہے جو درشتی اور سختی کے برعکس ہے۔ ان کی حالت پر مہربان ہو۔ لكل ذی قربی و مسلم پہلے میں تو داعیہ قرابت موجود ہے اور مانع مفقود ہے گویا دوسرا ہی کہا کہ وہ صلہ رحمی کرنے والا ہے۔ سبب بول کر مسبب مراد لیا۔ عفیف اصل طبع کے لحاظ سے پاکدامن ہو۔ متعفف بتکلف پاکدامنی اختیار کرنے والا ہو۔ معلوم ہوا کہ اخلاق اپنانے سے بڑھتے اور قائم رہتے ہیں۔ ذو عیال کامل یقین اور مولا پر اعتماد کی وجہ سے کہ وہ ارزاق کا مالک ہے کسی اور سے سوال نہیں کرتا' اگرچہ کثرت عیال کی وجہ سے داعیہ موجود ہے۔ ذو کا لفظ صاحب سے زیادہ بلیغ ہے۔

تخریج: : جزء من حديث طويل اخرجه مسلم ۲۸٦٥۔

الفرائد :صلہ رحمی اور مکارم اخلاق اور انصاف کا معاملہ رعایا سے برتنا' حکام کو فریضہ ہے۔ پاک دامنی اور سوال سے گریز اور صدی مال کی طلب ہونی چاہیے۔

۸۰ :بَابُ وُجُوْبِ طَاعَةِ وُلَاةِ الْامر فِيْ غَيْرِ مَعْصِيَةٍ وَتَحْرِيْمِ طَاعَتِهِمْ فِي الْمَعْصِيَةِ

بَابٌ: جائز کاموں میں حکام کی اطاعت کا لازم ہونا اور گناہ میں ان کی اطاعت کا حرام ہونا

ولاة لا امر جمع کا مفہوم وجوب طاعت کی قید نہیں بلکہ مطلقاً والی مراد ہے۔ خواہ وہ امام ہو یا سلطان یا بادشاہ یا امیر یا عامل۔ فی غیر معصیة معصیت میں طاعت نہیں تاکہ مسلمانوں کی بات ایک ہو۔ مخالفت دین و دنیا کے احوال میں بگاڑ کا باعث ہے۔ وتحریم طاعتهم ان میں سے ہر ایک کی طاعت حرام ہے۔ فی المعصیة وجوب والی شق میں واجب داخل ہے اور

استحباب ومباح اور مکروہ بھی پس ولی الامر کی اطاعت اس میں درجہ بدرجہ داخل ہے اور اطاعت کی تحریم میں صغیرہ وکبیرہ پر اکتفاء ہوگا۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ [النساء:۵۹]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو حکمران ہوں ان کی''۔ (النساء)

اطیعوا اللّٰه یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کو طاعت رسول کی تشریف وعظمت کے لئے ذکر فرمایا ہے اور اس سے یہ اشارہ فرمایا کہ رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

واولی الامر منکم لطیفہ: پہلے معطوف میں عامل کو دوبارہ لائے اور دوسرے میں نہیں لائے تاکہ اشارہ کر دیا جائے کہ طاعت رسول انتہائی ضروری ہے اس کے بغیر ایمان ہی نہ ہوگا جیسا دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿**فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم**﴾ اطاعت اولی الامر اگرچہ واجب ضرور ہے مگر اس کو نہ ماننے سے ایمان میں خلل نہ آئے گا (کیونکہ اولی الامر میں وجوب بہت سی شرائط پر موقوف ہے۔ جن کا ہر ایک میں پایا جانا مشکل ہے)

۶۶۳: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيْمَا اَحَبَّ وَكَرِهَ اِلَّا اَنْ يُّؤْمَرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۶۶۳: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مرد پر سننا اور اطاعت کرنا ان سب باتوں میں ضروری ہے جو اس کو پسند ہو یا ناپسند ہو مگر یہ کہ گناہ کا حکم دیا جائے پس جب گناہ کا حکم دیا جائے گا پھر سننا اور ماننا لازم نہیں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ✿ **علی المرء المسلم** مسلمان پر واجب ہے۔ **السمع و الطاعة** والی کی بات کو ماننا اور قبول کرنا۔ **فيما احب و كره** خواہ اس کی مراد کے موافق ہو یا مخالف ہو۔

النحو: ما مصدریہ ہے اور مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ **الا ان يؤمر بمعصية** جیسے حرام قتل۔ **فان امر بمعصية** یہاں دفع التباس کے لئے ضمیر کی بجائے اسم ظاہر لائے۔ فعل بھی مجہول ہے تاکہ ہر ولی امر والدین سمیت کو شامل ہو۔ **فلا سمع ولا طاعة** یہ نفی خبر کے معنی میں ہے ای **فلا تسمعوا ولا تطيعوا** یہ زیادہ بلیغ ہے۔ گویا اس نے اس بات کو مان لیا اور جس کے چھوڑنے کا حکم دیا اس کی نفی کر دی۔ پس اس کے متعلق وہ خبر دے دی جو نفی کرنے والے کے متعلق دی جاتی ہے۔

تخریج: اخرجه البخاری ۷۱۴۴ ومسلم ۱۸۳۹ وابو داود ۲۶۲۶ والترمذی ۱۷۱۳ والنسائی فی الکبری ۵/۸۷۲۰ وابن ماجه ۲۸۶۴۔

الفرائد :امیر کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی رضامندیوں کی حدود میں ہے۔ حکام کو اپنی رعایا کے ساتھ ہمیشہ نرم روی سے پیش آنا چاہیے۔

٦٦٤ :وَعَنْهُ قَالَ : كُنَّا اِذَا بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ يَقُوْلُ لَنَا :"فِيْمَا اسْتَطَعْتُمْ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۶۶۴ : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہی روایت ہے کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کی بیعت ہر بات سننے اور ماننے پر کرتے تو حضور ﷺ فرماتے جن میں تمہاری طاقت ہو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ بایعنا باب مفاعلہ لائے کیونکہ انہوں نے اپنے نفوس و اموال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر اللہ تعالیٰ کے لئے فروخت کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخرت کے انعامات کے بدلے دینے کا وعدہ کر دیا گیا تھا۔ **علی السمع والطاعة** یعنی حکام کے لئے۔ **فیما استطعتم** بطور شفقت و رحمت **فیما استطعنا** کی تلقین فرماتے تا کہ وہ اعمال خارج ہو جائیں جو طاقت سے زائد ہیں۔ یہ اس ارشاد کی طرح ہے:"**علیکم من الاعمال ما تطیقون**" عاقولی کہتے ہیں مستثنیٰ منہ کے مکمل ہونے سے پہلے مستثنیٰ کے دل میں استثناء کا استحضار ہونا چاہیئے۔ الجواب ان ہوں مبایعت کا اعادہ مقید کرنے کی غرض سے کیا۔

تخریج : بخاری فی الاحکام' مسلم فی المغازی' عن عبداللہ بن دینار' ترمذی فی السیر' نسائی فی السیر والبیعة (اطراف مزی)

الفرائد :امام عادل کی اطاعت و مبایعت سے نہ نکلنا چاہیئے تا کہ جماعت کی شیرازہ بلندی میں فرق نہ پڑے۔

٦٦٥ :وَعَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ :"مَنْ خَلَعَ يَدًا مِّنْ طَاعَةٍ لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا حُجَّةَ لَهٗ وَمَنْ مَّاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً" رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ :"وَمَنْ مَّاتَ وَهُوَ مُفَارِقٌ لِلْجَمَاعَةِ فَاِنَّهٗ يَمُوْتُ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً"۔ "الْمِيْتَةُ" بِكَسْرِ الْمِيْمِ۔

۶۶۵ : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا جس نے اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا وہ اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی اور جو آدمی اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہیں تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ (مسلم) اور مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے جو آدمی اس حال میں فوت ہوا جو جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والا ہے وہ جاہلیت کی موت مرا۔
الْمِیْتَةُ: میم کی زیر کے ساتھ۔

تشریح ۞ **خلع یداً من طاعة** امام کی اطاعت سے خروج اختیار کیا اور غیر معصیت میں اس کی اطاعت ترک کی۔ خلع

ید بول کر اس کا لازم معنی بیعت توڑ نا مراد لیا۔ عاقولی کہتے ہیں خلع ید یہ وعدے کو توڑنے کے لئے آتا ہے کیونکہ معاہدہ کرنے والا عموماً معاہد کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہے۔ لا حجة له اس دن ترک طاعت کا اس کے پاس کوئی عذر نہ ہوگا فی عنقه بیعة امیر کی اطاعت میں داخل ہو کر اس کی بات قبول کرنے کی بیعت۔

النحو: مات کے فاعل سے یہ جملہ محل حال میں ہے۔ میتة جاهلیه یہ میتة کی صفت ہے۔ یعنی اس کی موت اسی طرح گمراہی پر ہوگی جس طرح اہل جاہلیت کی' کیونکہ وہ کسی امیر کی اطاعت قبول نہ کرتے تھے۔ بلکہ کمزور طاقتور کے لئے لوٹ مار کی جگہ تھا۔

مسلم کی ایک روایت: هو مفارق للجماعة یا تو بیعت میں شامل ہی نہیں ہوا یا بیعت میں داخل ہونے کے بعد توڑ دیا۔ یہاں جماعت سے امیر اور جیش اسلام مراد ہے اور یہ بھی درست ہے کہ نمازوں میں جدائی اختیار کرنا مراد ہو جیسے روافض وہ اپنی بدعات (بلکہ کفریہ عقائد) کی وجہ سے ائمہ حق کی طاعت داخلے کو اضطرار و تقیہ کے طور پر قبول کرتے ہیں۔ میتة جاهلیة یعنی اس کی موت اہل جاہلیت کی طرح واقع ہوگی کہ زمانہ جاہلیت میں وہ کسی کی طاعت کو لازم قرار نہ دیتے تھے۔ میتة: موت کی ایک حالت اور قسم۔

تخریج: اخرجه البخاری ۷۲۰۲ ومسلم ۱۸۶۷ والترمذی ۱۵۹۳ والنسائی ۴۱۹۸۔

الفرائد:

۶۶۶: وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "اسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَاِنْ اسْتُعْمِلَ عَلَیْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِیٌّ كَاَنَّ رَاْسَهٗ زَبِیْبَةٌ" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

۶۶۶: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم حکام کی بات سنو اور ان کی اطاعت کرو خواہ تم پر کوئی حاکم حبشی غلام بنایا جائے جس کا سر کشمش کے برابر ہو۔ (بخاری)۔

تشریح: اسمعوا وہ بات جو تمہارے امراء فرمائیں۔ واطیعوا معصیت کے علاوہ ان کی اطاعت کرو۔ وان استعمل علیکم خواہ تمہارا امیر سریہ یا جیش یا عامل معمولی آدمی ہو۔ امامت عظمیٰ اول تو مراد نہیں اگر وہ مراد لی جائے تو یہ بات بطور مثال مبالغہ استعمال کی گئی ہے جیسا اس روایت میں لو ان فاطمة بنت محمد سرقت بطور فرض ہے وقوع مراد نہیں۔ ② وہ اگر زبردستی غالب آ جائے اور وہ امامت کو تمام شرائط نہ رکھتا۔

النحو: جملہ کا عطف مقدر پر ہے ② محل حال میں واقع ہے کان راسه زبیبة۔ یہ عبد مخصوص سے محل حال میں ہے ② وصف مفرد کے وصف بالجملہ ہے۔ چھوٹے سر حقارت میں مبالغہ زبیبہ فرمایا۔

تخریج: بخاری کتاب الصلاة والاحکام' ابن ماجه فی الجهاد۔

الفرائد: حکم میں اطاعت کو بطور مبالغہ ایک مثال دیکر سمجھایا گیا اگرچہ ایسا حاکم شرعاً متصور نہیں (خطابی)

۶۶۷: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "عَلَیْكَ السَّمْعَ وَالطَّاعَةُ

فِیْ عُسْرِكَ وَيُسْرِكَ وَمَنْشَطِكَ وَمَكْرَهِكَ وَاَثَرَةٍ عَلَيْكَ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

٦٦٧: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم پر سننا اور اطاعت کرنا تمہاری تنگی اور خوشحالی میں بھی' خوشی اور ناپسندیدگی میں بھی اور تم پر دوسروں کو ترجیح کی صورت میں بھی تم پر (ہر حال میں) ضروری ہے۔ (مسلم)

تشریح ۞ علیك یہ اسم فعل بمعنی الزم ہے یعنی امیر کی بات تم پر سننا لازم ہے۔ و الطاعة جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو۔ عسرك ویسرك فقر و غنا دونوں حال میں منشطك و مكرهك بقول قرطبی یہ مصدر ہیں جس کو تم پسند کرتے ہو وہ تمہاری خوشی کے موافق ہے یا مخالف لیکن یہ اس وقت تک ہے جب تک کہ معصیت نہ ہو ورنہ اطاعت نہیں' کیونکہ احادیث صریحہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔ و اثرة علیك یہ ہمزہ کے ضمہ و فتحہ و کسرہ سے تین لغات ہیں۔ جس کا معنی دنیوی معاملات میں ترجیح دینا اور خاص کرنا۔

تخریج : اخرجه مسلم ١٨٣٦ والنسائی ٤١٦٦۔

الفرائد : کلمۃ المسلمین کی اجتماعیت کے لئے تمام احوال میں سمع و طاعت کا حکم دیا گیا۔ دینی حالت کے بگڑ جانے کے وقت طاعت میں اختلاف ہے۔

٦٦٨ : وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَو رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْ سَفَرٍ فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا ' فَمِنَّا مَنْ يُصْلِحُ خِبَآءَهُ وَمِنَّا مَنْ يَنْتَضِلُ وَمِنَّا مَنْ هُوَ فِیْ جَشَرِهٖ اِذْ نَادٰى مُنَادِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَلصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ- فَاجْتَمَعْنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: اِنَّهٗ لَمْ يَكُنْ نَبِىٌّ قَبْلِىْ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَيْهِ اَنْ يَّدُلَّ اُمَّتَهٗ عَلٰى خَيْرِ مَا يَعْلَمُهٗ لَهُمْ وَيُنْذِرَهُمْ شَرَّ مَا يَعْلَمُهٗ لَهُمْ ' وَاِنَّ اُمَّتَكُمْ هٰذِهٖ جُعِلَ عَافِيَتُهَا فِىْ اَوَّلِهَا وَسَيُصِيْبُ اٰخِرَهَا بَلَآءٌ وَّاُمُوْرٌ تُنْكِرُوْنَهَا ' وَتَجِىْءُ الْفِتْنَةُ فَيَقُوْلُ الْمُؤْمِنُ :هٰذِهٖ مُهْلِكَتِىْ' ثُمَّ تَنْكَشِفُ وَتَجِىْءُ الْفِتْنَةُ فَيَقُوْلُ الْمُؤْمِنُ :هٰذِهٖ هٰذِهٖ فَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَيُدْخَلَ الْجَنَّةَ فَلْتَاْتِهٖ مَنِيَّتُهٗ وَهُوَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ' وَلْيَاْتِ اِلَى النَّاسِ الَّذِىْ يُحِبُّ اَنْ يُّؤْتٰى اِلَيْهِ وَمَنْ بَايَعَ اِمَامًا فَاَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهٖ وَثَمَرَةَ قَلْبِهٖ فَلْيُطِعْهُ اِنِ اسْتَطَاعَ ' فَاِنْ جَآءَ اٰخَرُ يُنَازِعُهٗ فَاضْرِبُوْا عُنُقَ الْاٰخَرِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

قَوْلُهٗ "يَنْتَضِلُ" : اَىْ يُسَابِقُ بِالرَّمْىِ بِالنَّبْلِ وَالنُّشَّابِ۔ "وَالْجَشَرُ" بِفَتْحِ الْجِيْمِ وَالشِّيْنِ الْمُعْجَمَةِ وَبِالرَّآءِ :وَهِىَ الدَّوَابُّ الَّتِىْ تَرْعٰى وَتَبِيْتُ مَكَانَهَا۔ وَقَوْلُهٗ "يُرَقِّقُ بَعْضُهَا بَعْضًا : "اَىْ يُصَيِّرُ بَعْضُهَا بَعْضًا رَقِيْقًا :اَىْ خَفِيْفًا لِعِظَمِ مَا بَعْدَهٗ ' فَالثَّانِىْ يُرَقِّقُ الْاَوَّلَ - وَقِيْلَ مَعْنَاهُ - يُشَوِّقُ بَعْضُهَا اِلٰى بَعْضٍ بَتَحْسِيْنِهَا وَتَسْوِيْلِهَا ' وَقِيْلَ يُشْبِهُ بَعْضُهَا بَعْضًا۔

۶۶۸: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک مقام پر قیام کیا ہم میں سے کچھ اپنے خیمے درست کر رہے تھے اور کچھ تیر اندازی میں مقابلہ کر رہے تھے اور بعض مویشیوں میں مصروف تھے تو اچانک حضور ﷺ کے منادی نے آواز دی کہ نماز تیار ہے۔ ہم حضور ﷺ کی خدمت میں اکٹھے ہو گئے۔ پس آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے پہلے جو بھی پیغمبر ہوا اس پر لازم تھا کہ وہ اپنی امت کو ان سب بھلائی کے کاموں کو بتلاتے جن کو وہ جانتا تھا اور جن برائی کے کاموں کو ان کے متعلق وہ جانتا تھا ان سے ان کو ڈرائے۔ بے شک یہ ہماری امت اس کی عافیت اس کے ابتدائی حصے میں ہے اور اس امت کے آخری حصے کو آزمائش پہنچے گی اور ایسے حالات پیش آئیں گے جن کو تم عجیب سمجھتے ہو اور ایسے فتنے آئیں گے کہ ایک دوسرے کو ہلکا کر دے گا اور فتنہ آئے گا جس پر مؤمن کہے گا کہ اس میں میری ہلاکت ہے پھر وہ چھٹ جائے گا پھر دوسرا فتنہ آئے گا پس مؤمن کہے گا یہی ہلاکت ہے۔ پس جس آدمی کو پسند ہو کہ وہ آگ سے دور کر دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو اس کی موت ایسی حالت میں آنی چاہئے کہ وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور لوگوں کے ساتھ ایسا طرزِ عمل برتنے والا ہو جس کے بارے میں پسند کرتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ برتا جائے اور جو آدمی کسی حاکم کی بیعت کر لے تو وہ اس کو پورا کرے اور اپنے دل کے پھل اس کو دے اور اس حاکم کی جس حد تک ہو سکتا ہے اطاعت کرے۔ پھر اگر کوئی دوسرا آکر اس کو تابع بنانے کے لئے جھگڑا کرے تو اس دوسرے کی گردن مار دے۔ (مسلم)

یَنْتَضِلُ: تیر اندازی میں مقابلہ۔

الْجَشَرُ: جانوروں کو چرانا اور ان کے لئے راستہ کی جگہ بنانا۔

یُرَقِّقُ بَعْضُهَا بَعْضًا: بعد والا فتنہ پہلے فتنے کو ہلکا اور چھوٹا بنا دے گا اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ایک فتنہ دوسرے کا شوق دلائے گا اور اس کے لئے دل میں تزئین پیدا کرے گا اور بعض نے کہا کہ ہر فتنہ ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہو گا (یا یہ کہ پے در پے فتنے آتے جائیں گے)

تشریح ۞ منزل اُترنے کا مقام (المصباح) خباء ہ اونٹ کے بالوں یا بکریوں کے بالوں یا بھیڑ کی اون سے بُنا ہوا خیمہ اس کی جمع اخبیہ جیسے کساء واکسیۃ۔ اس کے دو یا تین ستون ہوتے ہیں۔ جس میں چار یا زیادہ ستون ہوں وہ بیت کہلاتا ہے (المصباح) ینتضل تیروں کی مشق کرنا۔ جشرۃ اونٹ' گھوڑے کا ریوڑ۔

النَّحْوُ: الصلاۃ جامعۃ ① مبتداء خبر ہے ② اغراء یا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ نووی نے نصب کو ترجیح دی ہے۔ قرطبی کہتے ہیں یہ خبر ہے جوامر کے معنی میں ہے ای اجتمعوا للصلاۃ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں مرفوع ہیں۔ اگر منصوب ہوں تو طلب کے معنی میں ہوں گے۔ قرطبی کہتے ہیں معلوم ہوتا ہے نماز کا وقت تھا۔ انہوں نے آکر نماز ادا کی۔ راوی نے بیان سے چھوڑ دیا۔ ورنہ یہ نہیں ہو سکتا کہ منادی نماز کی نداء دے اور وقت نماز ہو اور نماز نہ ہو۔

انہ لم یکن نبی قبلی لم یکن یہاں ناقص و تام دونوں ہو سکتا ہے۔ قبلی اسم کی صفت ہے اور خبر محذوف ہو گی۔ ای متحلیا بشی من الاحوال کسی پیغمبر پر کوئی سی حالت آتی۔ الا کان حقا علیہ اس پر لازم تھا کہ وہ اپنی امت کو اس کی اطلاع دے۔ خیر کی بات سکھائے اور خطرے سے خبردار کرے۔ کیونکہ اس کے بھیجنے کی حکمت یہی ہے کہ بندوں کو نفع بخش چیزیں

بتلائیں اوران کی طرف لائیں‘ضرر کو نصیحت سے دور کریں اور تبلیغ و بیان سے محنت کر کے ضرر کا ازالہ کریں۔
مستثنٰی مفرغ ہے۔علیہ یہ خبر مقدم ہےاوراسم ان یدّل کا جملہ ہے۔
امتکم ھذہ امت محمد یہ علی صاحبہا السلام۔ جعل عافیتھا فی اولھا اس کا پہلا حصہ دین کے سلسلہ میں عافیت والا ہے۔قرطبی کہتے ہیں اس سے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم شہادت عثمان رضی اللہ عنہ تک کا زمانہ مراد ہے۔یہی زمانہ امت کی استقامت‘عافیت دین کا کامل زمانہ تھا۔قتل عثمان رضی اللہ عنہ سے فتنے پھوٹ پڑے اور اس وقت سے اب تک چلے آ رہے ہیں۔ وامور تنکرونھا اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خاص خطاب مقصود ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ ان میں سے بعض اس کو پائیں جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں نام لیا اور اسی طرح ہوا (المفہم للقرطبی) صدیقی کہتا ہے کہ پہلے زمانہ سے صحابہ و تابعین مراد ہو سکتے ہیں اور دوسرے زمانہ سے ان کے مابعد والا زمانہ اور اس کی دلیل یہ روایت ہے خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم اور یہ روایت علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المھدیین من بعدی عضو علیھا بالنواجذ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انوار رسالت کی شعاعیں اس وقت بدعت و ضلالت اور شکوک و فتن دینیہ کے اندھیروں کو ختم کرنے والی تھیں۔ سیصیب آخرھا بلاءٌ سین تحقیق کے لئے ہے۔ بلاء و ابتلاء کا ایک معنی ہے اور بلیہ کا معنی بھی مشقت ہی ہے (المصباح) تنکرونھا کیونکہ وہ افعال شریعت کے خلاف ہوں گے۔ سیجیء کا عطف ان کی خبر پر ہے۔ وتجئی فتن یہ جملہ ماقبل کی تاکید ہے۔ ② معطوفہ ہے۔ الفتنة اس دین میں کسی بڑے فتنے کی خبر دی گئی ہے۔ ھذہ مھلکتی یہ اسم فاعل ہے۔ ہلاکت کی نسبت اس کی طرف مجازی ہے۔ثم تنکشف وتجئی الفتنة اس فتنے سے پہلے کے علاوہ فتنہ مراد ہے اور دو معرفہ والا قاعدہ اکثری ہے فافہم۔ھذہ ھذہ یہ یہ فتنہ تو بہت بڑا فتنہ ہے۔اسم اشارہ معاملے کی بڑائی کے لئے لائے۔ان یخرج نفسه من النار جو آدمی اس سے جنت کی طرف بڑھے اور عدم دخول نار کا سبب قرار دے کر موت کو ترجیح دے۔ فلتاته منیته وہ ایمان کی حالت میں مرنے والا ہے۔ مات کے فاعل سے جملہ حالیہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ موت تک ایمان پر قائم رہے۔اس کی نظیر یہ آیت ہے:﴿ولا تموتن الا وانتم مسلمون﴾ ولیأت الی الناس الذی یحب ان یوتی الیه یؤتی مجہول ہے۔اتی لازم و متعدی دونوں طرح آتا ہے۔ وہ وہی افعال لوگوں سے اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ یہ جوامع الکلم سے ہے۔ بقول قرطبی یہ اس ارشاد کی طرح ہے: لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه الناس سے مراد ائمہ و حکام ہیں اس کو ان کی اطاعت کرنی چاہئے اور ان کی خیر خواہی کا طالب ہو۔ایسی خیر خواہی اس کو چاہئے اگر یہ امیر ہوتا (المفہم) سابقہ کلام سے تو یہ تخصیص درست ہے اگر عموم پر رکھیں تو تب بھی مفہوم درست ہے۔نووی کا یہی قول ہے۔ صفقة یدہٖ یہ بیعت کے لئے بمنزلہ بیان ہے جیسے کہتے ہیں توضا فغسل وجھه عرب بیع کے مکمل ہونے پر ہاتھ پر ہاتھ مارتے یہ تکمیل بیع کی علامت تھی (المصباح) قرطبی کہتے ہیں یہ اصل ہتھیلی کو ہتھیلی پر مارنا دو انگلیوں کو ہتھیلی پر مارنا۔ ثمرة قلبه قرطبی کہتے ہیں بیعت میں زبان کا اقرار کافی نہیں بلکہ ہاتھ میں ہاتھ دینا ضروری ہے مگر یہ صرف مردوں کا حکم ہے جیسا اس آیت میں ﴿ید الله فوق ایدیھم﴾ ان استطاع جن کاموں میں طاعت ہے ان میں اطاعت کرے۔ جیسا کہ پہلے گزرا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ’فیما استطعت“ فان جاء آخر ینازعه اگر اطاعت سے نکلا اور عہدے میں جھگڑا کیا۔ فاضربوا عنق الاخر اگر وہ باز نہ آئے تو اس طرح کرو اور لڑو۔اس کے قاتل پر ضمان نہیں کیونکہ وہ اپنی لڑائی میں ظالم اور حد سے بڑھنے والا

ہے۔نبال و نشاب دونوں کا معنی تیراندازی ہے۔ جشر چراگاہ میں رہنے والے جانور' چراگاہ میں جانوروں کے ساتھ مقیم چرواہے۔ رقیق ہلکا پھلکا و نرم' چلانا بعض نے کہا بہنا' چلانا۔ یہاں مومن کو اس تیرنے والے سے مشابہت دی جو ڈوب رہا ہو۔ ایک موج کو جھلک قرار دیتا ہے تو دوسری کو اس سے زیادہ۔ مسلم کی ایک روایت میں یہ لفظ زائد ہیں' عبدالرحمان کہتے ہیں کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات میرے کانوں نے سنی اور دل نے محفوظ کی۔

تخریج : اخرجه مسلم ۱۸٤٤ وابو داود ٤٢٤٨ والنسائی ٤٢٠٢ وابن ماجه ۳۹٥٦۔

الفرائد :انبیاء علیہم اسلام کے فرائض میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنی امتوں کے سلسلہ میں ہر خیر خواہی کا لحاظ رکھیں۔اگر کوئی موت تک ایمان پر ثابت قدم رہے گا تو فتنے اسے نقصان نہ دیں گے۔

٦٦٩ :وَعَنْ اَبِیْ هُنَیْدَةَ وَآئِلِ ابْنِ حُجْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :سَاَلَ سَلَمَةُ بْنُ یَزِیْدَ الْجُعْفِیُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ:یَا نَبِیَّ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ اِنْ قَامَتْ عَلَیْنَا اُمَرَآءُ یَسْاَلُوْنَا حَقَّهُمْ وَیَمْنَعُوْنَّا حَقَّنَا فَمَا تَاْمُرُنَا؟ فَاَعْرَضَ عَنْهُ ' ثُمَّ سَاَلَهٗ ' فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :"اسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا فَاِنَّمَا عَلَیْهِمْ مَا حُمِّلُوْا وَعَلَیْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

٦٦٩: حضرت ابوہنیدہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سلمہ بن یزید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔اے اللہ کے نبی ﷺ آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں اگر ہم پر ایسے امراء مسلط ہو جائیں جو اپنا حق ہم سے مانگیں مگر ہمارا حق ادا نہ کریں؟ آپ نے اس سوال سے اعراض فرمایا۔ اس نے دوبارہ سوال کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ان کی بات سنو اور اطاعت کرو۔ بیشک ان کے ذمہ اس کا بوجھ ان کو اٹھوایا گیا اور تمہارے ذمہ وہ ہے جو تم اٹھوائے گئے ہو۔(مسلم)

تشریح ۞ وعن ابی هنیدة وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ ان کا سلسلہ نسب بن ربیعہ بن یعمر حضرمی ہے۔(ابن عبدالبر) ابن عساکر کہتے ہیں وائل بن حجر بن سعد بن مسروق بن وائل بن ضمعج بن وائل بن ربیعہ بن وائل بن نعمان بن زید اور اقوال بھی ہیں۔ یہ حمیر کے بادشاہوں سے تھے۔ ان کے ہاں بادشاہ کو قیل کہا جاتا ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خود آئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے متعلق فرمایا دور دراز علاقوں سے آل حمیر کے بادشاہوں میں بقیہ وائل بن حجر اللہ اور اس کے رسول کی طرف رغبت کرتے ہوئے آئے گا۔ جب یہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مرحبا کہا' اپنے قریب بٹھایا' اپنی چادر اس کیلئے پھیلائی اور اس پر بٹھایا اور فرمایا اللہ تعالیٰ وائل بن حجر اور اس کی اولاد میں برکت عنایت فرما۔ اس کو منبر پر بٹھایا اور اس کی تعریف فرمائی اور اس کے علاقوں پر اس کو عامل بنایا اور ان کو ایک زمین عنایت فرمائی اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ بھیجا کہ وہ زمین ان کو ماپ کر دے آؤ۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۷۱ روایات نقل کی ہیں۔ چھ کو مسلم نے نقل کیا۔البتہ بخاری نے کوئی روایت نہیں لی۔ یہ کوفہ میں مقیم ہوئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک زندہ رہے۔ان کے پاس آئے تو انہوں نے اپنے ساتھ

چارپائی پر بٹھایا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں موجود تھے اہل حضر موت کا جھنڈا ان کے پاس تھا (تہذیب نووی) سلمة بن یزید بن مشجعہ بن مجمع بن مالک بن کعب بن سعد بن عوف بن حریم بن جعفی (ابن عبدالبر) شعبی اور اصحاب سماک کو ان کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض نے سلمہ بن یزید بعض نے یزید بن سلمہ کہا ہے۔ ارایت مجھے اطلاع دو۔ امراء یسالونا حقھم وہ امراء اپنا حق اطاعت وقبولیت مانگیں۔ ویمنعونا حقنا ہمارے حقوق ومصالح کا اہتمام نہ کریں۔ فما تامرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے متعلق کیا حکم فرماتے ہیں۔ فاعرض منه آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحت کی وجہ سے یا انتظار وحی میں اس سے اعراض فرمایا۔ اس نے دوبارہ سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسمعوا واطیعوا ان کوان کا حق دو اگرچہ وہ تمہیں تمہارا حق نہ دیں۔ فانما علیھم ما حملوا ان کے حق نہ ادا کرنے کے باوجود ان کا حق تم سے ساقط نہ ہوگا (جب تک نماز کو قائم کراتے رہیں) وعلیکم ما حملتم ان کی تفریط تمہارے لئے ان کے حق کی ادائیگی سے مانع نہیں۔

تخریج : اخرجه مسلم ۱۸۴٦ والترمذی ۲۱۹۹۔

الفرائد :۔ حکام اگر شریعت کے کسی حکم میں تبدیلی نہ کریں تو ان کوتاہیوں پر صبر سے کام لیا جائے گا ان کی بداعمالیوں کا بوجھ ان پر ہوگا اور تکالیف پر صبر کرنے والے کو اجر ملے گا۔ کوتاہی کے سبب ان کی اطاعت ساقط نہ ہوگی۔

٦٧٠ : وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اِنَّهَا سَتَكُوْنُ بَعْدِیْ اَثَرَةٌ وَّاُمُوْرٌ تُنْكِرُوْنَهَا "قَالُوْا" يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَأْمُرُ مَنْ اَدْرَكَ مِنَّا ذٰلِكَ؟ قَالَ تُؤَدُّوْنَ الْحَقَّ الَّذِیْ عَلَيْكُمْ وَتَسْاَلُوْنَ اللّٰهَ الَّذِیْ لَكُمْ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

٦٧٠ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک میرے بعد عنقریب اپنوں کو ترجیح ہوگی اور ایسے کام پیش آئیں گے جن کو تم اوپرا خیال کرو گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہم میں سے جو اس حالت کو پائے آپؐ اس کو کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا جو تم پر ان کا حق بنے تم اس کو ادا کرو اور تمہارا حق جو ان کے ذمہ ہو اس کا سوال بارگاہِ الٰہی سے کرو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ انھا ستکون...... ھا کی ضمیر قصہ ہے۔ اثرہ فئی اور غنیمت کے سلسلہ میں دوسروں کو تم پر ترجیح دی جائے گی۔ وامور تنکرونھا کیونکہ وہ امور شرعاً برے ہوں گے۔ یہ معجزہ نبوت ہے۔ جو اسی طرح پیش آیا۔ کیف تامرنا اس وقت ہمیں کیا کرنا ہوگا؟ تودون اس کا پہلا مفعول حذف کر دیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تم ان کا لازم حق جو تم پر بنتا ہے وہ ادا کرو یعنی اطاعت اور قبولیت۔ تسألون اللہ تعالیٰ سے تم یہ دعا کرو کہ وہ ان کو تمہارا حق ادا کرنے کی توفیق دے دے۔ ② یہ ایسا حکم دے دے جو تمہارے ساتھ انصاف کرنے والا ہو اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اگر حکام زیادتی کریں تو اللہ کے بدلے پر اکتفاء کرنا چاہئے۔

تخریج : بخاری فی علامات النبوة، مسلم فی المغازی، ترمذی فی الفتن۔

الفرائد : معصیت کے علاوہ حکام کی اطاعت کا حکم ہے اس میں حکمت یہ ہے مسلمانوں میں انتشار نہ پھیلے۔

٦٧١ :وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ :"مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ، وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ ، وَمَنْ یُّطِعِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ یَّعْصِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۶۷۱: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی پس اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی پس اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور جو امیر کی اطاعت کرے گا پس اس نے گویا میری اطاعت کی اور جو امیر کی نافرمانی کرے گا پس گویا اس نے میری نافرمانی کی۔
(بخاری و مسلم)

تشریح ۞ **من اطاعنی**...... اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ** گویا رسول اللہ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

من عصانی یعنی میری کہی ہوئی بات سے منہ موڑا اور میری منع کی ہوئی چیز کی مخالفت کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جیسا کہ اس آیت میں فرمایا: ﴿**ومن تولی فما ارسلنك**﴾ یعنی جس نے اعراض کیا آپ کو اس کا نگہبان بنا کر نہیں مبعوث کیا آپ ﷺ کے ذمہ پہنچانا ہے۔ حساب ہم خود لے لیں گے۔

من یطع الامیر...... یعنی جس نے میرے مقرر کردہ حاکم کی بات مانی تو اس نے میری بات مانی جس نے امیر کی نافرمانی اس بات میں کی جو اللہ کی معصیت نہیں تو اس نے میری نافرمانی کی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی اطاعت کا حکم دیا اور کام اطاعت رسول کا ہے تو اس میں امیر کی اطاعت رسول کی اطاعت کی طرح ہے اور جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ ہونے کی حیثیت سے منع فرمایا تو اس کا کرنا رسول کی نافرمانی شمار ہوگا۔

تخریج : اخرجه احمد ٣/٨٥١٣ والبخاری ٧١٣٧ ومسلم ١٨٣٥ وابو داود ٢٦٢٤ والترمذی ١٧٦٢ والنسائی ٤٢٠٤ والطیالسی ٢٥٧٧ وابن حبان ٤٥٥٦ وابن ابی شیبة ٢١٢/١٢ وعبد الرزاق ٢٠٦٧٩ وابو عوانة ١٠٩/٢ والبیهقی ١٥٥/٨ وابن ماجه ٣۔

الفرائد :اس روایت میں اطاعت کی تاکید فرمائی گئی تا کہ امت مسلمہ انتشار و تشتت کا شکار نہ ہو۔

٦٧٢ :وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ کَرِهَ مِنْ اَمِیْرِهٖ شَیْئًا فَلْیَصْبِرْ ، فَاِنَّهٗ مَنْ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا مَاتَ مِیْتَةً جَاهِلِیَّةً مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۶۷۲: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اپنے حاکم کی کوئی بات ناپسند کرے پس وہ صبر کرے اس لئے کہ جو شخص بالشت کے برابر حاکم کی اطاعت سے نکلا وہ جاہلیت کی موت مرا۔
(بخاری و مسلم)

تشریح ۞ شیئاً...... خواہ وہ دنیاوی چیز تھی جیسے مالی معاملات میں دوسروں کو ترجیح دینا اور ظلم کرنا وغیرہ یا وہ دینی چیز تھی جیسے عادل ہونے کے ساتھ اس نے فسق اختیار کر لیا البتہ اگر فسق کفر تک پہنچ جائے جیسا کہ اس روایت میں ہے: **الا ان تروکفرا بواحا**۔

اس کے علاوہ کسی ناپسند بات سے اس سے علیحدگی اختیار نہ کرے اور نہ ہی بغاوت کرے بلکہ ما **فلیصبو** صبر کرے جب تک کہ اجتماعیت کو نقصان نہ ہو اور اس کے خلاف خروج درست نہ ہو جائے۔

فانه...... یہ صبر کی علت بیان کی گئی ہے ۂ ضمیر شان ہے خرج من السلطان اس کی اطاعت سے نکلنا ہے۔ **شبرا** اس سے مراد معمولی مقدار ہے۔ **میتة جاهلية** یعنی ان کے ہاں جاہلیت کے زمانے میں کمزور آدمی بڑی لوٹ کا نشانہ تھا۔

تخریج : اخرجه البخاری ۷۰۵۳ و مسلم ۱۸۴۹۔

الفرائد : زبردستی قابض حکمران کی اطاعت واجب ہے اور اس کے ساتھ مل کر کفار سے جہاد لازم ہے مسلمانوں کے خون کی حفاظت کے لئے خروج طاعت سے طاعت بہتر ہے (ابن حجر)

۞ ۞ ۞

۶۷۳ : **وَعَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقُوْلُ : "مَنْ اَهَانَ السُّلْطَانَ اَهَانَهُ اللّٰهُ" رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ - وَفِی الْبَابِ اَحَادِيْثُ كَثِيْرَةٌ فِی الصَّحِيْحِ وَقَدْ سَبَقَ بَعْضُهَا فِیْ اَبْوَابٍ۔**

۶۷۳ : حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا۔ جس نے بادشاہ کی توہین کی اللہ تعالیٰ اس کی توہین فرمائیں گے۔ (ترمذی) اور کہا حدیث حسن ہے۔

اس باب میں بہت سی احادیث صحیح ہیں۔ جن میں سے بعض مختلف ابواب میں گزریں۔

تشریح ۞ عن ابی بکر رضی اللہ عنہ ان کا نام نفیع بن حارث بن کلدہ ثقفی تھا۔ **اهان السلطان** اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی توہین کے طور پر بات نہ سننے والا اور اطاعت نہ کرنے والا ہو۔ اس کا الف لام استغراق کا ہے اس سے مسلمانوں کے معاملات بھر ذمہ دار مراد ہے۔ **اهانه الله**: یعنی دنیا میں اس کی کوشش کو بیکار کر کے اور آخرت میں ذلت اور عذاب دے کر اگر اللہ کی طرف سے معافی نہ دی جائے۔

تخریج : اخرجه احمد ۷/۲۰۵۴۴ والترمذی ۲۲۳۱ واللفظ له۔ واسناده حسن۔

۸۱ :بَابُ النَّهْيِ عَنْ سُؤَالِ الْإِمَارَةِ وَاخْتِيَارِ تَرْكِ الْوِلَايَاتِ إِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ عَلَيْهِ أَوْ تَدْعُ حَاجَةٌ إِلَيْهِ

بَاب: عہدے کا سوال ممنوع ہے جب عہدہ اسکے لئے متعین نہ ہو تو عہدہ چھوڑ دینا چاہئے اسی طرح ضرورت کے وقت بھی عہدہ چھوڑ دینا چاہئے

سؤال! یہ مصدر ہے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ یعنی امام سے عہدہ مانگنا۔ اختیار الولایات اذا لم یتعین علیه! اختیار کا عطف سوال پر ہے۔ جب کوئی اور اس سے بڑھ کر حقدار نہ ہو تو سوال و چناؤ ضروری ہے۔ حاجة! اگر اسے کام سے نہ تو رزق کا حصول مقصود ہو اور نہ مناسب کمائی کا ذریعہ ہو تو اس وقت اسے طلب کرنا چاہئے اگر ضرورت کو زائل کرنے کے لئے یہ متعین نہ بھی ہو۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ [القصص:۸۳]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وہ آخرت والا گھر ہم ان لوگوں کو دیں گے جو زمین میں بڑائی اور فساد نہیں چاہتے اور اچھا انجام تقویٰ والوں کا ہے''۔ (القصص)

تلك! عظمت کی وجہ سے اسم اشارہ بعید لایا گیا ہے۔ علوا! تکبر و بڑھائی۔ فسادا! معاصی کو اختیار کر کے۔ والعاقبة! اچھا انجام۔ للمتقین! جو معاصی سے بچنے والے ہیں۔

باب تحریم الکبیر والایجاب میں اس کی تفسیر گزری۔

٦٧٤ :وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ : لَا تَسْاَلِ الْإِمَارَةَ فَاِنَّكَ اِنْ اُعْطِيْتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْاَلَةٍ اُعِنْتَ عَلَيْهَا ، وَاِنْ اُعْطِيْتَهَا عَنْ مَّسْاَلَةٍ وُكِلْتَ اِلَيْهَا ، وَاِذَا حَلَفْتَ عَلٰى يَمِيْنٍ فَرَاَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا فَاْتِ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَّكَفِّرْ عَنْ يَّمِيْنِكَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۶۷۴: حضرت ابوسعید عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبدالرحمٰن بن سمرہ عہدے کا سوال مت کرو اور اگر تمہیں بلا سوال مل جائے تو اس پر تیری مدد کی جائے گی (اللہ کی طرف سے) اور اگر سوال سے ملا تو تمہیں عہدے کے حوالہ کر دیا جائے گا جب تم کسی بات کی قسم اٹھاؤ پھر تم کسی اور کام میں اس سے زیادہ بہتری پاؤ تو وہ کرو جو بہت بہتر ہو اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: عبدالرحمن بن سمرہ! ان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ سمرہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف (ابن عبدالبر

بخاری) مگر مصعب وزبیر نے ان کے نسب میں حبیب کے بعد ربیعہ کا ذکر کیا ہے۔ ابن عساکر نے پہلے کو درست قرار دیتے ہوئے کہا یہ قرشی، عبشمی مکی پھر بصری ہیں۔ مکہ کی فتح کے روز اسلام لائے۔ ان کا پہلا نام عبدالکعبہ تھا بعض نے عبد کلال بتلایا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمان نام تجویز فرمایا۔ بصرہ میں سکونت اختیار کر لی۔ خلافت عثمانی میں خراسان کے غزوہ میں شرکت کی اور ۳۳ھ میں سجستان کو فتح کیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱۴ روایات نقل کی ہیں۔ جن میں ایک متفق علیہ اور ۲ میں مسلم منفرد ہیں۔ انہوں نے ۵۰ھ بصرہ میں وفات پائی بعض نے ۵۱ھ لکھا ہے۔ بعض نے وفات کی جگہ مرو لکھی ہے۔ یہ پہلے صحابی ہیں جن کی تدفین مرو میں ہوئی مگر پہلی بات درست ہے۔ یہ بڑے متواضع تھے۔ جب بارش اترتی تو ٹوپی پہن کر پھاڑا لے کر راستہ صاف کرتے۔ لا تسئل الامارة! معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی عہدے کا سوال کیا تو اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی (۲) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے یہ اطلاع مل گئی کہ یہ اسی غرض سے آئے ہیں آپؐ نے یہ بات فرمائی۔ قرطبی کہتے ہیں ظاہر اً ممانعت سے تحریم ہی معلوم ہوتی ہے اس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: ((انا واللّٰہ لا نولی ھذا العمل احداً سالہ او حرص علیہ)) ! ترجمۃ الباب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ الامارۃ حکومت وسلطنت کو کہتے ہیں (المصباح) فانك ان اعطیتھا ! یہ جملہ مستانفہ ممانعت کی علت کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا کہ اگر تمہیں وہ عہدہ بغیر سوال کے مل جائے۔ اعنت علیھا! یعنی اللہ تعالیٰ اپنی توفیق اور تسدید سے تمہاری مدد فرمائیں گے بقول المہلب اعانت کی تفسیر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس تفسیر میں ہے: "من طلب القضاء واستعان علیہ بالشفعاء علیہ وکل الی نفسہ ومن اکرہ علیہ انزل اللہ لہ ملکا یسددہ' (ابن المنذر)! ابن حجر کہتے ہیں کہ ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ اور حاکم نے بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے البتہ اس کی سند میں جمہور نے کلام کیا کہ عبدالعلیٰ قوی نہیں ہے اور ابن معین نرم ہیں مہلب کہتے ہیں اکراہ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو جس عہدے کے لئے بلایا جائے تو خوف ہیبت کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو اس کا اہل نہ سمجھے تو ایسے آدمی کی اس عہدہ کو قبول کرنے کے بعد معاونت کی جائے گی اور اس میں اصل وہی ہے من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ۔ ان اعطیتھا عن مسألۃٍ وکلت الیھا: وکل الیہ ! کا معنی ہلاک ہونا ہے اور وکل کا معنی حفاظت طلب کرنا اور سپرد کرنا ہے یعنی جس آدمی نے عہدے کو خود طلب کیا تو اس کی حرص کی وجہ سے اس کی مدد منقطع ہو جائے گی یہ بات ظاہر ہے چنانچہ ابن حجر لکھتے ہیں ہر ذمہ داری میں لازماً مشقت ہے۔ جس آدمی کے ساتھ اللہ کی مدد نہ ہو تو وہ حیرت میں پڑا رہے گا اور دنیا اور آخرت کے گھاٹے میں مبتلا رہے گا عقل مند تو اس کو لینا ہی نہ چاہے گا بلکہ جب وہ بغیر سوال کے مخفی طور پر دے بھی دیا جائے تو اس کی اعانت کا سچا وعدہ ہے اور اس پر فضل ہونا کسی سے مخفی نہیں۔ واذا حلفت علی یمینٍ ! یہاں علیٰ باء کے معنی میں ہے یا اس سے مراد محلوف ہے۔ فرایت غیرھا خیراً منھا ! یعنی دوسرے کا بہتر نتیجہ معلوم ہوا۔ فات النذی ھو خیر ! تو اسی بہتر کو اختیار کرو خواہ اس کے چھوڑنے پر تم قسم اٹھا چکے ہو اور قسم کا حانث ہونے کی وجہ سے کفارہ دے دو یہ الفاظ مسلم کے ہیں بخاری میں الفاظ اس طرح ہیں "فکفر عن یمینك وانت الذی ھو خیر ! شارحین نے لکھا ہے واؤ چونکہ ترتیب کے لئے نہیں آتی اس لئے کفارے کا پہلے تذکرہ درست ہے اگرچہ بعد میں بہتر ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے اس جملے کو ماقبل سے مستثنیٰ قرار دیا کیونکہ ممنوع عہدے میں کبھی ایسا موقع بھی آ جاتا ہے کہ آدمی کو اس کے قبول نہ کرنے پر قسم اٹھانی پڑتی ہے اگرچہ میں مصلحت بھی ہوتی ہے۔

تخریج : بخاری فی الایمان والاحکام، مسلم فی الایمان والنذور ، ابوداوٗد فی الاخراج مختصراً۔ ترمذی فی النذور والایمان، نسائی فی اقضاء والسیر والایمان والنذور۔

الفوائد : کسی عہدے کا سوال کرنا مکروہ ہے ایسے آدمی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد نہیں ہوتی اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا: ہم حرص ومطالبے پر عہدہ نہیں دیتے۔

۶۷۵ : وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : "يَا اَبَا ذَرٍّ اِنِّیْ اَرَاكَ ضَعِيْفًا وَاِنِّیْ اُحِبُّ لَكَ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِیْ ، لَا تَاَمَّرَنَّ عَلٰى اثْنَيْنِ وَلَا تَوَلَّيَنَّ مَالَ يَتِيْمٍ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۶۷۵ : حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تجھے کمزور پاتا ہوں اور میں تمہارے لئے وہ بات پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں ہرگز دو آدمیوں پر بھی حاکم مت بننا اور یتیم کے مال کا متولی نہ بننا۔ (مسلم)

تشریح ۞ یا ابا ذر انی ضعیفا! ضعیف کا معنی یہاں حقوق کی رعایت کر کے معاملات کو نافذ کرنے سے عاجز ہونا ہے۔ انی احب لك لنفسی! یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بطور شفقت فرمایا گیا میں تمہارے لئے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔ لا تتامرن علی اثنین! کہ دو آدمیوں پر بھی امیر مت بننا۔ ولا تولین! یہ ولی سے ہے جو قرب کے معنی میں ہے یعنی ہرگز قریب نہ آنا۔ مال یتیم! کسی یتیم کے مال کا خواہ قریبی یا دور کا رشتہ دار ہو خواہ مرد ہو یا عورت قریب آنے کی ممانعت متولی بننے کی ممانعت سے زیادہ بلیغ ہے۔

تخریج : اخرجه مسلم ۱۸۲٦ وابو داود ۲۸٦۸ والنسائی ۳٦٦۹ وابن حبان ٥٥٦٤ والبیهقی ۱۲۹/۳۔

الفوائد : ① جو آدمی حکومت کے فرائض ادا نہ کرسکتا ہو اسے طلب ولایت نہ کرنی چاہئے۔ ② جو آدمی مصالح یتیم کا خیال نہیں رکھ سکتا اسے اس کا متولی نہیں بننا چاہئے۔

۶۷۶ : وَعَنْهُ قَالَ : قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا تَسْتَعْمِلُنِیْ؟ فَضَرَبَ بِيَدِهٖ عَلٰى مَنْكِبِیْ ثُمَّ قَالَ : "يَا اَبَا ذَرٍّ اِنَّكَ ضَعِيْفٌ ، وَاِنَّهَا اَمَانَةٌ ، وَاِنَّهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ خِزْیٌ وَّنَدَامَةٌ اِلَّا مَنْ اَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَاَدَّى الَّذِیْ عَلَيْهِ فِيْهَا" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۶۷۶ : حضرت ابوذرؓ سے ہی روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپؐ مجھے کسی جگہ کا عامل مقرر کیوں نہیں فرماتے؟ آپؐ نے اپنا دست اقدس میرے کندھے پر مار کر فرمایا اے ابوذر! وہ عہدہ امانت ہے اور قیامت کے دن وہ شرمندگی اور رسوائی کا باعث بنے گا۔ البتہ وہ شخص جس نے اس کو اس کی ذمہ داری کے ساتھ لیا اور اس کے بارے میں جو ذمہ داری تھی اس کو پورا کیا۔ (مسلم)

تشریح ۞ تستعملنی! یعنی آپؐ مجھے عامل کیوں نہیں مقرر فرماتے۔ اس کا استعمال یہاں انجز الطین کی طرح ہے۔ منکبی یہ مسجد کے وزن پر ہے کندھے کو کہتے ہیں اس کو منکب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس پر ٹیک لگائی جاتی ہے (المصباح) آپؐ

نے کندھے پر اس لئے ضرب لگائی تاکہ ان کو اپنی استعداد کا جو وہم ہو چلا ہے اس سے خبردار کریں۔ انك ضعيف! تم حکومت کے عہدے کی ذمہ داریاں اٹھانے سے کمزور ہو۔ قرطبی کہتے ہیں ان کے ضعف کی وجہ یہ تھی کہ ان پر زہد اور دنیا کی حقارت اور اس سے اعراض کا غلبہ تھا جو اس مزاج کا ہو وہ دنیا کی مصلحتیں اور ان کے اموال کی طرف توجہ نہیں دے سکتا حالانکہ ان کی رعایت سے دین کے مصالح اور امور منظم ہوتے ہیں ابوذر زہد میں اس حد تک پہنچ گئے کہ انہوں نے مطلقاً مال کے کرنے کو حرام قرار دیا اگرچہ اس کی زکوٰۃ ادا کر لی جائے جب آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کو عہدے اور یتیم کے مال کا متولی بننے سے منع فرمایا۔ انها امانةٌ! یعنی دنیا میں یہ ایک امانت ہے جس نے اس امانت کے حق میں نہ تو کوتاہی کی اور نہ خیانت کی تو وہ بری ذمہ ہو گیا اور جس نے الٹ کیا۔ انها يوم القيامة خزی! اس کے لئے امانت کا حق ادا نہ کرنے کی وجہ سے رسوائی کا باعث بنے گی اور اس کو شرمندگی ہوگی کہ کوتاہی کے باوجود اس نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا اس میں انصاف نہ کرنے والے اور غیر اہل حکام کو تنبیہ کی گئی ہے البتہ عدل والوں کو بہت بڑے اجر اور بڑی فضیلتوں سے نوازا جائے گا اس کا حشر انعام یافتہ لوگوں میں ہوگا اور عرش الٰہی کے نیچے ان کو سایہ ملے گا اسی کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد کے آخری حصے میں اشارہ فرمایا۔ الا من اخذها بحقها! یعنی جس نے عدل کیا انصاف پھیلا ظلم سے بچا۔ عاقولی کہتے ہیں کہ یہ مستثناء منقطع ہے یعنی وہ ذلت و شرمندگی ہے لیکن جس نے اس کو اس کے حق کے ساتھ لیا اس کے لئے ذلت کا باعث نہ ہوگا۔ صدیقی کہتا ہے کہ یہ مستثناء متصل بھی بنتا ہے یعنی عہدہ ذلت ہے مگر جبکہ اس کا حق ادا کیا جائے۔ نووی کہتے ہیں عدل والے عہدے میں بلاشبہ فضیلت ہے لیکن اس میں خطرہ زیادہ ہے اسی لئے بہت سارے علماء سلف نے تکلیف برداشت کر لی مگر عہدہ منظور نہ کیا۔ عاقولی کہتے ہیں عہدے سے پرہیز کرنے کے سلسلے میں یہ حدیث بہت بڑی دلیل ہے کیونکہ رکاوٹ کے ہوتے ہوئے وہ وصل میں پوری وفا نہیں کر سکتا۔

تخریج :اخرجه مسلم ۱۸۲۵

الفرائد :① جو حکومتی ذمہ داری پوری نہ کر سکتا ہے اس کے لئے وہ رسوائی و ذلت کا باعث ہوگی۔ ② جس نے اہلیت رکھتے ہوئے عدل نہ کیا وہ قیامت کے دن رسوا ہوگا۔ ③ جس نے حکومت کا عہدہ اہلیت سے قبول کیا پھر عدل کیا تو اس کے بڑے درجات ہیں۔

۶۷۷ :وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :"اِنَّكُمْ سَتَحْرِصُوْنَ عَلَى الْاِمَارَةِ ، وَسَتَكُوْنَ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

۶۷۷: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک عنقریب تم حکومت اور امارت کی حرص کرو گے اور وہ قیامت کے دن شرمندگی کا باعث ہوگی۔ (بخاری)

تشریح ۞ الامارة! یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے۔ جس طرح خبر دی اسی طرح واقع ہوا یہاں تحرصون پر ن لا گیا ہے جو کہ قسم کا مفہوم دے رہا ہے اور مضارع کا صیغہ لایا گیا گویا اس سے اشارہ فرمایا جا رہا تھا کہ اس وقت دنیا سے تمہارا اعراض اور زہد بہت زیادہ ہے کہ اس سے منکر سا معاملہ کرتے ہو۔ على الامارة! اس سے بڑی امارت اور چھوٹا عہدہ ہر دو مراد ہیں۔ ستكون ندامةً يوم القيامةِ! یعنی جو اس عہدے کی اہلیت نہیں رکھتا اور اس کے حق کو پورا نہیں کرتا اس کے لئے

ندامت ہے اگر چہ یہ مطلق ہے مگر مراد اس سے مقید ہے اور اس کو حذف کرنے کی وجہ اس سے دور رکھنا اور نفرت دلانا ہے۔

تخریج :الحدیث بتمامه اخرجه البخاری ٧١٤٨ وكذا اخرجه احمد ٣/٩٧٩٨ والنسائی ٤٢٢٢ وابن حبان ٤٤٨٢ والبیهقی ١٢٩/٣۔

الفرائد : یہ معجزہ نبوت ہے جو اسی طرح پیش آیا جیسے فرمایا: جو امارت کی حرص کرے اور اس کا بوجھ برداشت نہ کر سکتا ہو۔ قیامت کے دن حسرت و ندامت سے اٹھایا جائے گا۔

٨٢ : حَثِّ السُّلْطَانِ وَالْقَاضِي وَغَيْرِهِمَا مِنْ وُّلَاةِ الْاُمُوْرِ عَلَى اتِّخَاذِ وَزِيْرٍ صَالِحٍ وَّتَحْذِيْرِهِمْ مِنْ قُرَنَاءِ السُّوْءِ وَالْقَبُوْلِ مِنْهُمْ

بَابٌ: بادشاہ اور قضاۃ کو نیک وزیر مقرر کرنا چاہئے اور برے ہم مجلسوں سے بچنا چاہئے

الحث : آمادہ کرنا۔ **السلطان والقاضی** : بادشاہ اور حاکم اور لوگوں کے درمیان شرعی احکام کا فیصلہ کرنے والا۔ **غیرهما** : حکام سے متعلقہ لوگ۔ **وزیر صالح** : یہ وزر سے لیا گیا ہے جس کا معنی بوجھ ہے اس کی جمع وزراء ہے اس کو وزیر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ کی تدابیر کا بوجھ اٹھاتا ہے اور عدل کو قائم کرنے میں اس کا معاون ہوتا ہے۔ **من قرناء السوء** : برے ساتھیوں سے اس کو بچنے کا حکم دیا کیونکہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے کیونکہ برے لوگوں کے اشارات کو قبول کرنا گویا فساد پر آمادہ کرنا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

﴿اَلْاَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ﴾ [الزخرف:٦٧]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے تقویٰ والے لوگوں کے''۔ (الزخرف: ٦٧)

الاخلاء ! جمع خلیل ہے جیسے نبی سے انبیاء۔ **یومئذ** ! اس سے مراد معاد و فصل کا دن ہے۔

اَلنَّحْوُ : یہ جملہ الاخلاء کی خبر ہے۔ **الا المتقین** ! ان کی محبت باقی رہے گی زائل نہ ہوگی۔

٦٧٨ : وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَّاَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :"مَا بَعَثَ اللّٰهُ مِنْ نَّبِيٍّ وَّلَا اسْتَخْلَفَ مِنْ خَلِيْفَةٍ اِلَّا كَانَتْ لَهٗ بِطَانَتَانِ بِطَانَةٌ تَاْمُرُهٗ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَحُضُّهٗ عَلَيْهِ ، وَبِطَانَةٌ تَاْمُرُهٗ بِالشَّرِّ وَتَحُضُّهٗ عَلَيْهِ ، وَالْمَعْصُوْمُ مَنْ عَصَمَ اللّٰهُ" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

٦٧٨ : حضرت ابو سعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس پیغمبر کو بھیجا اور ان کے بعد جس کو ان کا جانشین بنایا اس کے دو راز دار ساتھی ہوتے تھے۔ ایک راز دار

اس کو نیکی کا حکم دیتا اور اس پر اس کو آمادہ کرتا اور دوسرا راز دار اس کو برائی کا حکم دیتا اور اس پر آمادہ کرتا اور معصوم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ بچائے۔ (بخاری)

تشریح ❀ **ما بعث اللہ من نبی!** من یہاں عموم کی تاکید کے لئے آیا ہے۔ اسی من خلیفۃ کا من بھی کا نت یہ وجدت کا معنی دیتا ہے۔ **بطانتان......** **عطیہ!** بطانہ سے مراد راز دار یہاں داعی مراد ہے۔ یہ مصدر ہے اور اسم کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔ واحد اور مذکر اور ان کی فروعات پر بولا جاتا ہے (محبّ طبری) وہ راز دار اس کو عدل وانصاف کو قائم کرنے کے لئے شرعی طور پر مستحسن کاموں کا حکم دیتے ہیں۔ **وبطانۃ تامر بالشر علیہ!** کچھ راز دار برائی پر آمادہ کرتے ہیں۔ **والمعصوم من عصم اللہ!** شیخ اکمل الدین فرماتے ہیں کہ معصوم سے آپ ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے۔ جیسا روایت وارد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت فرمائی جس سے جن ساتھی مسلمان ہو گیا اب آپ ﷺ کو شر کی طرف دعوت دینے والا کوئی نہ رہا۔ صدیقی کہتا ہے کہ اگر عصمت سے مراد گناہ میں مبتلا ہونا محال ہونا ہے تو آپ ﷺ کی ذات مراد ہے اور اگر اس سے مراد مطلق گناہ سے حفاظت ہو تو پھر ہر وہ شخص مراد ہو سکتا ہے جو محفوظ رہے۔ خواہ ابتداً وساوس سے روک دیا جائے خواہ وہ شیطان اپنے کفر پر باقی ہو۔ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔ (۲) یا اس کے وسوسہ کا دل میں قائم نہ رہنا ہے۔ یہ بھی انہی کی طرح ہے جن سے مواخذہ نہیں جیسا اس ارشاد میں: **ان اللہ تجاوز لامتی ما حدثت بہ انفسھا لم تتکلم او تعمل!** (۳) وسوسہ متقاضی عمل سے اپنے نفس کو پھیر لیا۔ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا جو اگلی سطور میں ہے وہ دوسری صورت کے قریب ہے۔ ابن التینؒ کہتے ہیں یہ دونوں صورتیں مراد ہو سکتی ہیں کہ قرین و وزیر مراد ہو۔ (۲) وزیر اچھا و برا بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ کرمانیؒ کہتے ہیں نفس امارہ مراد ہے اور دوسرا نفس لوامہ کو خیر پر آمادہ کرنے والا ہو کیونکہ ان دونوں میں قوت ملکیہ اور حیوانیہ دونوں پائی جاتی ہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں تمام پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے اور یہ بھی درست ہے کہ بعض مراد ہوں نہ کہ دوسرے۔

تخریج : اخرجہ البخاری ٦٦١١ واحمد ٤/١١٣٤٢ والنسائی ٤٢١٣ وابن حبان ٦١٩٢ وابو یعلی ١٢٢٨ والبیھقی ١٠/١١١ واخرجہ فی الادب المفرد ٢٥٦ ضمن حدیث طویل۔ واخرجہ الترمذی ٢٣٦٩ وابن حبان ٦١٩١ بلفظ ما من نبی الا ولہ بطانتان بطانۃ تامرہ بالمعروف وتنھاہ عن المنکر وبطانۃ لا تالوہ خبالاً فمن وقی شرھا فقد وقی ومعنی لا تالوہ خبالاً ای لا تقصر فی افساد امرہ وھو اقتباس من قولہ تعالیٰ لا تتخذوا بطانۃ من دونکم لا یالونکم خبالاً واللہ تعالیٰ اعلم۔

الفرائد : ① اس میں حکام کو آمادہ کیا گیا کہ وہ رعایا کی نگہبانی کریں۔ ② وہی بچ سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ حفاظت کرے۔

٦٧٩ : وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : "اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِالْاَمِيْرِ خَيْرًا جَعَلَ لَهٗ وَزِيْرَ صِدْقٍ اِنْ نَّسِيَ ذَكَّرَهٗ وَاِنْ ذَكَرَ اَعَانَهٗ ، وَاِذَا اَرَادَ بِهٖ غَيْرَ ذٰلِكَ جَعَلَ لَهٗ وَزِيْرَ سُوْءٍ اِنْ نَّسِيَ لَمْ يُذَكِّرْهُ وَاِنْ ذَكَرَ لَمْ يُعِنْهُ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ بِاِسْنَادٍ جَيِّدٍ عَلٰى شَرْطِ مُسْلِمٍ۔

۶۷۹ : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی حاکم کے ساتھ

بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو راست باز وزیر عنایت فرماتے ہیں کہ اگر وہ بھول جاتا ہے تو وہ اس کو یاد دلاتا ہے اور اس کو نیک کام یاد ہوتا ہے تو اس کی مدد کرتا ہے اور جب کسی حاکم سے دوسری بات کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے برا وزیر مقرر فرما دیتے ہیں۔ اگر وہ بھول جائے تو اس کو یاد نہیں دلاتا اور اگر اس کو یاد ہوتا ہے تو اس کی مدد نہیں کرتا۔ ابوداؤد نے شرط مسلم پر عمدہ سند سے بیان کیا۔

تشریح ❁ **اذا اراد اللّٰہ!** کو ان الفاظ سے ذکر کیا **من ولی منکم عملاً فاراد اللّٰہ بہ خیرا!** (فتح الباری) خیراً! میں تنوین تعظیم کے لئے ہے۔ پس خاص و عام کو شامل ہے۔ جس کو یہ میسر وہ دارین کی بھلائیاں پانے والا ہے۔ خیر کی تفسیر جنت سے کی گئی ہے۔ **وزیر صدق!** صدق کی طرف اضافت اس وجہ سے ہے کیونکہ وہ دوستی کی بنیاد ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ قول و فعل اور ظاہر و باطن سب میں سچائی اختیار کرنے والا ہو۔ طیبی کہتے ہیں یہ اصل میں وزیر صادق پھر صفت میں مبالغہ کے لئے اس کے نفس صدق اور مزید خصوصیت کے لئے وزیر صدق کہہ دیا۔ وزیر سے مراد بوجھ اٹھانے والا۔ **ان نسی ذکرہ!** اگر کسی ضرورت کی چیز کو بھول گیا یا حکم شرعی سے ہٹ گیا یا مظلوم کا معاملہ تھا یا رعایا کی مصلحت کی بات تھی۔ تو اس کو یاد دلائے۔ اگر اس نے مان لیا تو رائے اور قول و فعل سے اس کی اعانت کرے۔ اس کے لئے ماوردی کی احکام السلطانیہ اور طرطوشی کی سراج الملوک ملاحظہ کریں۔

اذا اراد بہ غیر ذلک! خیر کے علاوہ شر ہی ہے۔ اشارہ سے اس کی تعبیر کر کے شر سے بہت زیادہ بچنے کی تاکید کر دی۔ اس کی شناعت کی وجہ سے اس کا نام بھی نہیں لیا اور اشارہ بعید سے خیر کی طرف اشارہ کہ وہ بہت بڑی چیز ہے اس کو حاصل کرنا چاہئے۔ وزیر سوء سے برا ساتھی ہے اگر وہ کوئی ضروری چیز چھوڑ جائے گا تو وہ اسے یاد نہ دلائے گا کیونکہ وہ خود قلبی نور سے محروم ہے جو خیر و شر میں امتیاز کرتی ہے اور اگر یاد دلائے گا تو اس کے کرنے میں اس کی معاونت نہ کرے گا بلکہ اس سے ہٹانے کی کوشش کرے گا کیونکہ اس کی طبع میں شرارت اور فعل میں برائی ہے۔

ایک اہم تنبیہ: ابن حجر کہتے ہیں کہ ابن صلاح کے ہاں جید و صحیح برابر ہیں۔ بلقینی کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جید کو صحیح سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ مگر ماہرین نے کہا کہ صحیح سے جید کی طرف اسی وقت اترتے ہیں جب اس میں کوئی کمی پائی جائے مثلاً حسن لذاتہٖ سے اوپر ہو مگر صحیح کے درجہ کو پہنچنے میں تردد ہو تو اس وقت جید یا قوی کا لفظ بول دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے نووی نے سند میں علیٰ شرط مسلم کہا ہے۔ یعنی اس کی سند کے رجال مسلم والے ہیں ورنہ صحیحین کی کوئی شرط نہیں نہ ان میں سے کسی ایک کی کوئی شرط ہے جو انہوں نے اپنی کتاب میں ذکر کی ہو۔ (شرح تقریب لسیوطی)

تخریج : صحیح الاسناد اخرجه ابو داود ۲۹۳۲ والنسائی ٤٢١٥ مختصرًا۔

الفرائد : ① حکام کو ایسے نائب بنانے چاہیں جو حسن سیرت و کردار سے مزین ہوں تا کہ ملک و رعایا میں خیر پھیلنے کا ذریعہ بنیں۔ ② برے وزراء بنانے سے سب کا بوجھ اسی پر ہوگا۔

۸۳ : بَابُ النَّهْيِ عَنْ تَوْلِيَةِ الْإِمَارَةِ وَالْقَضَاءِ وَغَيْرِهِمَا مِنَ الْوَلَايَاتِ لِمَنْ

سَالَهَا اَوْ حَرَصَ عَلَيْهَا فَعَرَضَ بِهَا

بَابٌ: کسی ایسے آدمی کو حکومت وقضاء کا عہدہ دینا ممنوع ہے جو اس کے حصول کے لئے حرص رکھتا ہو یا تعریض کرے

الامارة! بندوں پر حاکم بننا۔ القضاء! مثلاً سپاہی تھا' سالار لشکر' کسی عمل کا عامل وغیرہ۔ لمن سألها! متولی بنادیا گیا اگرچہ اس پر حریص نہ تھا۔ او حرص عليها! اگرچہ ظاہر میں مانگا تو نہیں یعنی اسے اس سے بچنے کی راہ معلوم ہو۔ فعرّض! اس حرص کی وجہ سے تعریض کردی۔ یہ صورت تمناو مدح حکومت میں شمار ہے۔

۶۸۰: عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : دَخَلْتُ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ اَنَا وَرَجُلَانِ مِنْ بَنِیْ عَمِّیْ فَقَالَ اَحَدُهُمَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمِّرْنَا عَلٰی بَعْضِ مَا وَلَّاكَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ' وَقَالَ الْاٰخَرُ مِثْلَ ذٰلِكَ ' فَقَالَ :اِنَّا وَاللّٰهِ لَا نُوَلِّیْ هٰذَا الْعَمَلَ اَحَدًا سَاَلَهٗ اَوْ اَحَدًا حَرَصَ عَلَیْهِ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۶۸۰: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور میرے دو چچا زاد بھائی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے جن علاقوں پر آپ کو والی بنایا ہے ان میں سے کسی پر ہمیں بھی حاکم بنادیں۔ دوسرے نے بھی اسی طرح کی بات کہی۔ پس آپؐ نے ارشاد فرمایا ہم اس کام کا والی کسی ایسے کو نہیں بناتے جو اس کا سوال کرے یا کسی ایسے کو جو اس کی حرص کرے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ و رجلان من بنی عمّی! اشعری لوگوں میں سے دو آدمی۔ ایک میری دائیں اور دوسرا میری بائیں جانب تھا۔ امرنا! ہمیں عامل بنادیں۔ مثل ذلك! اس نے بھی تقریباً پہلے والی بات کہی۔ فقال ! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور ان جیسے لوگوں کو منع کرنے کے لئے فرمایا۔ انا واللّٰہ لا نولی هذا العمل احداً ساله او احداً حرص عليه! ہم ان عہدوں پر حرص کرنے والوں کو ذمہ دار نہیں بناتے کیونکہ اس کا سوال ظاہر کرتا ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے فائدے کی ہمت نہیں رکھتا۔ وہ صرف اپنے نفسانی نفع کا خواستگار ہے۔ اس سے وہ دنیا کی کثرت چاہتا ہے اور اس سے لوگوں کا معاملہ بگڑ جائے گا۔ اور اس کے لئے بھی آخرت کی ہلاکت کا باعث ہوگا۔

تخریج : اخرجه البخاری ۷۱۴۹ ومسلم ۱۷۳۳۔

الفرائد : غیر مستحق عہدے والا جو خوشحالی اور نعمتیں عہدے کی وجہ سے پاتا ہے اس سے بڑی تنگدستی اور ضرر کا شکار ہوگا خواہ دنیا میں معزول کر کے بے نام کردیا جائے گا یا آخرت میں پکڑا جائے گا جو کہ بڑی ذلت ہے (اعاذنا اللہ منہا)

کتاب الأدب

۸۴ :بَابُ الْحَيَاءِ وَفَضْلِهِ وَالْحَثِّ عَلَى التَّخَلُّقِ بِهِ

باب: حیاء اور اس کی فضیلت اور اسے اپنانے کی ترغیب

ادب! جو چیز قول وفعل میں قابل تعریف ہو۔ ابن حجرؒ کہتے ہیں مکارم اخلاق کو اپنانے کا نام ادب ہے۔ بعض نے کہا قابل تحسین چیز کی اطلاع پانا بعض نے کہا بڑے کی تعظیم اور چھوٹے کے ساتھ نرمی کا نام ادب ہے۔ یہ مأدبة سے لیا گیا۔ وہ کھانے کی دعوت کو کہتے ہیں۔ اس کا یہ نام اس لئے ہے کہ اس کو اس کی طرف بلایا جاتا ہے۔ امام بخاری نے اس سلسلہ میں ایک اچھی تالیف فرمائی ہے۔ باب الحیاء! میں حیاء کی تعریف فضیلت اور اس کو اختیار کرنے پر آمادہ کرنا بیان ہوگا۔

۶۸۱ :عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَهُوَ يَعِظُ اَخَاهُ فِي الْحَيَآءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "دَعْهُ فَاِنَّ الْحَيَآءَ مِنَ الْاِيْمَانِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۶۸۱: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک انصاری شخص کے پاس سے ہوا جو اپنے بھائی کو حیاء کے متعلق نصیحت کر رہا تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کو چھوڑ دو! اس لئے کہ حیاء ایمان کا حصہ ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ **یعظ اخاہ فی الحیاء!** وہ اپنے بھائی کو حیاء کی ملازمت پر ہونے والے نقصان کی نصیحت کر رہا تھا۔ اس کی وجہ کے متعلق بخاری نے باب الادب میں کہا کہ وہ اس کو کہہ رہا تھا تو اتنا زیادہ حیاء کرتا ہے یہ تجھے نقصان دے گا۔ ابن حجر کہتے ہیں مجھے اس انصاری کا نام معلوم نہیں ہو سکا اور نہ ہی ان کے بھائی کا۔ دعہ! حیاء سے اس کو منع مت کرو اور حیاء کرنے دو۔ یہ لفظ بخاری کی روایت میں ہے مسلم میں نہیں **فان الحیاء من الایمان!** حیاء تو ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ جیسا روایت ابو ہریرہؓ میں ہے: **والحیاء شعبة من الایمان!** نووی کہتے ہیں اگرچہ یہ طبعی چیز ہے مگر اکتساب وتخلق سے دوسرے اعمال کی طرح حاصل ہو جاتا ہے لیکن قانون شریعت کے مطابق اس کا استعمال اکتساب نیت اور علم کا محتاج ہے۔ اس وجہ سے یہ ایمان کا شعبہ ہے اور اس وجہ سے بھی کہ یہ اعمال خیر پر ابھارنے اور معصیت سے روکنے کا ذریعہ ہے۔

تخریج : اخرجه مالك في موطئه ١٦٧٩ واحمد ٤٥٥٤/٢ والبخاري ٢٤ ومسلم ٣٦ وابو داود ٤٧٩٥ والترمذي ٢٦١٥ وابن ماجه ٥٨ وابن حبان ٦١٠ والخميدي ٦٢٥ والنسائي ٥٠٤٨ وابن منده في الايمان ١٧٤ وغيرهم من ائمة الحديث الشريف۔

الفرائد : حیاء ایک عمدہ عادت ہے جس کو اختیار کرنا چاہئے یہ کمال ایمان کی علامت ہے۔

۶۸۲ : وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "اَلْحَيَآءُ لَا يَاْتِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ : "اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ" اَوْ قَالَ : "اَلْحَيَآءُ كُلُّهُ خَيْرٌ"۔

۶۸۲: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حیاء خیر ہی لاتی ہے''۔ (بخاری و مسلم)

مسلم کی روایت میں ہے کہ حیاء ساری کی ساری خیر ہے یا فرمایا حیاء تمام کی تمام بھلائی ہے۔

تشریح ۞ الحیاء! یہ طلب حیاء کے معنی میں ہے۔ لا یاتی الابخیر! یہ ہمیشہ کی مخالفت اور معصیت کے قصد سے نور ایمان کی وجہ سے مانع ہے۔

واحدی کہتے ہیں استحیاء یہ حیاء سے ہے۔ استحیاء یعنی شرم کرنا قوت حیات کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ وہ عیب کے مواقع کو خوب جانتا ہے اور حیاء قوت حس اور اس کے لطف اور قوت حیات سے حاصل ہوتا ہے۔

فرق روایت: مسلم میں الحیاء خیر کلہ! اور الحیاء کلہ خیر! پہلی صورت میں وہ خیر کی تاکید اور دوسری صورت میں وہ حیاء کی تاکید ہے۔ نووی کہتے ہیں بعض لوگوں کو اشکال ہوا کہ کبھی حیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے رکنے کا باعث بنتا ہے اور بعض اوقات حقوق میں خلل کا سبب بن جاتا ہے۔ الجواب: ابن صلاح کہتے ہیں یہ حقیقی حیاء نہیں بلکہ یہ صورت حیاء ہے۔ اس کا عاجزی، بزدلی، ذلت ہے۔ بعض لوگ اسے حیاء کہتے ہیں جو کہ مجازی اطلاق ہے۔ حیاء کی حقیقت یہ ہے ایسا اخلاق ترک قبیح اور حق والے کے حق میں کوتاہی سے انسان کو روک دے۔

تخریج : اخرجه البخاری ٦١١٧ ومسلم ٣٧ وابو داود ٤٧٩٦۔

الفرائد : جو حیاء نہی عن المنکر سے مانع بنے وہ مذموم ہے یہ بزدلی اور غیر اللہ کا خوف ہے حیاء نہیں۔ حیاء وہ کیفیت ہے جس کی وجہ سے انسان گناہ سے باز رہے۔

۶۸۳ : وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : "اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اَوْ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَةً ، فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَآءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

"اَلْبِضْعُ" بِكَسْرِ الْبَاءِ وَيَجُوْزُ فَتْحُهَا وَهُوَ مِنَ الثَّلَاثَةِ اِلَى الْعَشَرَةِ۔ "وَالشُّعْبَةُ" : اَلْقِطْعَةُ وَالْخَصْلَةُ۔ "وَالْاِمَاطَةُ" : اَلْاِزَالَةُ۔ "وَالْاَذٰى" : مَا يُؤْذِيْ كَحَجَرٍ وَّشَوْكٍ وَّطِيْنٍ وَرَمَادٍ وَقَذَرٍ وَّنَحْوِ ذٰلِكَ۔

۶۸۳: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایمان کے ستر یا ساٹھ سے کچھ اوپر شعبے ہیں ان میں سب سے اعلیٰ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور سب سے کم راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا ہے اور حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے''۔ (بخاری و مسلم)

اَلْبِضْعُ: تین سے دس تک بولا جاتا ہے۔
اَلشُّعْبَۃُ: ٹکڑا' عادت۔
اَلْاِمَاطَۃُ: ازالہ۔
اَلْاَذٰی: جو تکلیف دے مثلاً کانٹا' پتھر' مٹی' راکھ' گندگی اور اسی طرح کی چیزیں۔

تشریح ۞ بضع وسبعون او بضع وستون شعبة! او یہ بقول بیہقی سہل راوی کا شک ہے۔ یہ شعبہ جات باب الدلالۃ کثرت طرق الخیرات میں گزرے ملاحظہ فرمالیں۔ فافضلها! فا تفصیلیہ ہے۔ افضل سے مراد اللہ کے ہاں ثواب میں بڑھ کر یا مرتبے میں بلند تر۔ قول لا الله الا الله! بقول قاضی عیاض اس سے شہادتین مراد ہیں۔ (۲) فقط یہی کلمہ بھی مراد ہو سکتا ہے کیونکہ یہ مفاد میں بڑھ کر اور شرف و مرتبے والا ہے اور نبوت کے بنانے کی حکمت یہی کلمہ ہے۔ ادناها! مرتبے میں کم یا ثواب میں کم۔ اماطه الاذی! اماطہ۔ دور کرنے کو کہتے ہیں اذیٰ سے مراد جو چیز گزرنے والوں کو ایذا دے خواہ وہ پتھر ہو یا کانٹا یا ہڈی وغیرہ کیونکہ راستے سے ہٹا دینے میں گزرنے والوں کو ضرر سے بچالینا ہے۔ الحیاء شعبة من الایمان! ایمان کی ایک خصلت ہے۔ ایمان کی شرعی تعریف یہ زبان سے اقرار اور ان چیزوں کی دلی تصدیق جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔ اس طرح کی روایات میں ایمان کا اطلاق اعمال پر کیا گیا ہے مطلب یہ ہے یہ کمال ایمان سے ہے کیونکہ طاعات سے ایمان یعنی تصدیق مکمل ہوتی ہے۔ پس ان طاعات کو لازم کرنا اور ان شعبہ ہائے ایمان کو ملانا یہ بھی من جملہ تصدیق سے ہے اور اس پر دلالت کرنے والے ہیں یہ اہل تصدیق کی عادات سے ہے۔ پس یہ ایمان شرعی' لغوی سے خارج نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار فرمایا کہ ان تمام شعبوں کا دارومدار توحید پر ہے۔ کوئی شعبہ بغیر توحید کے درست نہیں ہوتا۔ ان میں سب سے کم درجہ جس سے مسلمانوں کو ضرر پہنچتا ہے۔ وہ راستہ میں پڑا ہوا کنکر و کانٹا ہے۔ اس کا ہٹانا یہ ایمان کا شعبہ ہے۔ ان دونوں اطراف کے درمیان غلبہ ظن سے گنتی ممکن ہے۔ اصل تو حکم کی مراد چھوٹی سے چھوٹی صعوبت ہے۔ ان کو جاننا لازم نہیں اور ان سے ناواقفیت قادح نہیں کیونکہ اصول ایمان تو تحقیق سے معلوم و معروف ہے اور فی الجملہ اس عدد پر ایمان لازم ہے (کلام قاضی عیاض بواسطہ النووی) بضعه! تین سے دس تک۔ خلیل نے سات کہا۔ بعض نے دو سے دس تک کو کہا۔ شعبه! ٹکڑا اور خصلت۔ طین! کیچڑ وغیرہ۔ رماد! راکھ۔ قذر! جو پاک کو پلید کردے۔ پیشاب' پاخانہ' پاک چیز کی میل ایذاء کا باعث بنتی ہے۔ نحو ذلك! ان میں منحصر نہیں۔ تمام ایذاء کن اشیاء کو شامل ہے۔

تخریج : بخاری' مسلم۔

الفوائد : حیاء اس وقت تک قابل تعریف ہے جب تک ضعف پیدا نہ کرے۔ آپ ﷺ اس قدر حیاء دار تھے کہ ناپسندیدہ چیز سے آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر تغیر آجاتا تھا۔

۞ ۞ ۞

٦٨٤ : وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَشَدَّ حَیَآءً مِّنَ الْعَذْرَآءِ فِیْ خِدْرِھَا ، فَاِذَا رَاٰی شَیْئًا یَّكْرَھُہٗ عَرَفْنَاہُ فِیْ وَجْھِہٖ ، مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

قَالَ الْعُلَمَآءُ : حَقِیْقَۃُ الْحَیَآءِ خُلُقٌ یَّبْعَثُ عَلٰی تَرْكِ الْقَبِیْحِ وَیَمْنَعُ مِنَ التَّقْصِیْرِ فِیْ حَقِّ ذِی

الْحَقِّ وَرَوَيْنَا عَنْ اَبِى الْقَاسِمِ الْجُنَيْدِ رَحِمَهُ اللّٰهُ قَالَ الْحَيَاءُ رُؤْيَةُ الْاٰلَاءِ "اَىِ النِّعَمِ" وَرُؤْيَةُ التَّقْصِيْرِ فَيَتَوَلَّدُ بَيْنَهُمَا حَالَةٌ تُسَمّٰى حَيَاءً" وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

۶۸۴: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کنواری پردہ نشین لڑکی سے بڑھ کر حیاء دار تھے۔ اس لئے کہ جب کوئی ایسی چیز آپؐ دیکھتے جو ناپسند ہوتی تو ہم اس کے آثار آپؐ کے چہرہ مبارک سے پہچان لیتے۔ (بخاری و مسلم)

علماء نے فرمایا کہ حیاء ایک ایسی خصلت کو کہتے ہیں جو آدمی کو بری چیز کے ترک پر آمادہ کرے اور صاحب حق کے حق میں کوتاہی سے رکاوٹ بنے۔ ابوالقاسم جنید رحمہ اللہ سے ہم نے نقل کیا کہ حیاء اس حالت کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اپنے اوپر انعامات دیکھنے اور پھر ان میں اپنی کوتاہیوں پر نظر کرنے سے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

تشریح ۞ حیاء! یہ تمیز کی وجہ سے منصوب ہے۔ **العذراء**! باکرہ لڑکی۔ **فی خدرھا**! جب کہ وہ اپنے خاوند سے خلوت کرتی جس کو وہ پہلے سے نہیں پہچانتی۔ الگ پردہ میں ہونا مراد نہیں کیونکہ وہاں تو کوئی موجود ہی نہیں جس سے حیاء کرے (اس جدید دور میں باپردہ کنواری اور کھلے منہ پھرنے والی کنوریوں کے حیاء میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ اس حیاء کے مراد لینے میں بھی کوئی مانع نہیں) روایت کا فرق: بخاری کی روایت یہاں تک ہے۔ مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں: **فاذا رای شیئا یکرھه عرفناه فی وجهه**! جب کوئی معمولی ناپسندیدگی کی چیز پیش آتی تو ہم وہ کراہت آپ ﷺ کے چہرے سے معلوم کر لیتے۔

حیاء کی حقیقت: وہ عادت قبیح افعال، اقوال، اخلاق کے چھوڑنے پر آمادہ کرلے اور اس عادت والے کو حق والے کے حق میں کمی سے روک دے۔ یبعث کی نسبت خلق کی طرف مجازی ہے۔ حاصل یہ ہے ایسا مسئلہ جو نفس کو ادائیگی حقوق اور قطع تعلقی کے چھوڑنے پر آمادہ کرے۔

ابوالقاسم جنیدؒ فرماتے ہیں (یہ ابن محمد قواریری کے نام سے بھی معروف ہیں فقہ شافعی کے بڑے ائمہ سے ہیں یہ نہاوند کے رہنے والے تھے ان کی پیدائش عراق کی ہے بغداد میں ۲۹۷ھ میں ہفتہ کے دن وفات پائی) اللہ تعالیٰ کے انعامات کو دیکھنا اور پھر اپنی کوتاہی پر نظر ڈال کر دل میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کو حیاء کہتے ہیں (نووی)

تخریج: اخرجه البخاری ۳۵۶۲ و مسلم ۲۳۲۰ و ابن ماجه ۴۱۸۰۔

۸۵ :بَابُ حِفْظِ السِّرِّ

باب: بھید کی حفاظت

السر! چھپے ہوئے معاملات۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا﴾ [الاسراء:٣٤]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''تم وعدہ کو پورا کرو بے شک وعدے کے متعلق پوچھا جائے گا''۔(الاسراء)

مسئولا !یعنی اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔ یہ باب حذف سے ہے۔(۲) اسناد مجازی ہے۔(۳) **مسئولاً هو هل وفی به ام لا؟**! پس اس صورت میں یہ اس آیت کی طرح ہے: ﴿**اذا المؤودة سئلت بای ذنب قتلت**﴾! اس کے کرنے والے کو دلانے کے لئے پوچھا جائے گا۔ اس بات میں ذکر کی وجہ یہ ہے کہ اس کے چھپانے کی عادت لفظاً یا حالاً پائی جاتی ہے۔

٦٨٥ : وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "اِنَّ مِنْ اَشَدِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ الرَّجُلُ یُفْضِیْ اِلَی الْمَرْاَةِ وَتُفْضِیْ اِلَیْهِ ثُمَّ یَنْشُرُ سِرَّهَا" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۶۸۵: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ہاں مرتبہ میں بدتر وہ شخص ہوگا جو اپنی بیوی سے ملاپ کرے اور وہ اس سے ملاپ کرے پھر وہ مرد اس راز کو پھیلا دے''۔(یعنی دوستوں میں مزے سے بیان کرے)۔(مسلم)

تشریح ان من اشر الناس! یہ جملہ منزلة سے حال ہے۔ اصل میں صفت تھی مقدم ہونے کی وجہ سے حال کا اعراب دیا۔ یوم القیامة! یہ اشریت کا ظرف ہے۔ الرجل یفضی! الف جنس کا ہے۔ افضاء یہ جماع سے کنایہ ہے۔ ینشر سرّھا! مقدمات اور تفاصیل جماع دوسروں کے سامنے ذکر کر دے۔

مسئلۃ: حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے۔

تخریج : اخرجه مسلم ١٤٣٧ وابو داود ٤٨٧٠ وفی اسناده عمر بن حمزة العمری متکلم فیه۔

الفرائد : مرد و عورت کو اپنے باہمی قول و فعل کو ظاہر کرنا حرام ہے۔ البتہ جب عجز عن الطباع یا اعراض کا معاملہ پیش آئے تو فیصلہ کے لئے اظہار کیا جائے گا۔

٦٨٦ : وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ حِیْنَ تَاَیَّمَتْ بِنْتُهٗ حَفْصَةُ قَالَ لَقِیْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَعَرَضْتُ عَلَیْهِ حَفْصَةَ فَقُلْتُ: اِنْ شِئْتَ اَنْكَحْتُكَ حَفْصَةَ بِنْتَ عُمَرَ؟ قَالَ: سَاَنْظُرُ فِیْ اَمْرِیْ فَلَبِثْتُ لَیَالِیَ ثُمَّ لَقِیَنِیْ فَقَالَ: قَدْ بَدَا لِیْ اَنْ لَّا اَتَزَوَّجَ یَوْمِیْ هٰذَا فَلَقِیْتُ اَبَابَكْرٍ الصِّدِّیْقَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقُلْتُ : اِنْ شِئْتَ اَنْكَحْتُكَ حَفْصَةَ بِنْتَ عُمَرَ فَصَمَتَ اَبُوْبَكْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَلَمْ یَرْجِعْ اِلَیَّ شَیْئًا فَكُنْتُ عَلَیْهِ اَوْجَدَ مِنِّیْ عَلٰی عُثْمَانَ فَلَبِثْتُ لَیَالِیَ ثُمَّ خَطَبَهَا النَّبِیُّ ﷺ فَاَنْكَحْتُهَا اِیَّاهُ۔ فَلَقِیَنِیْ اَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ:

لَعَلَّكَ عَلَىَّ حِيْنَ عَرَضْتَ عَلَىَّ حَفْصَةَ فَلَمْ اَرْجِعْ اِلَيْكَ شَيْئًا؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ فَقَالَ فَاِنَّهٗ لَمْ يَمْنَعْنِىْ اَنْ اَرْجِعَ اِلَيْكَ فِيْمَا عَرَضْتَ عَلَىَّ اِلَّا اَنِّىْ كُنْتُ عَلِمْتُ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ ذَكَرَهَا فَلَمْ اَكُنْ لِاُفْشِىَ سِرَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَوْ تَرَكَهَا النَّبِىُّ ﷺ لَقَبِلْتُهَا" رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ۔

"تَاَيَّمَتْ" اَىْ صَارَتْ بِلَا زَوْجٍ وَّكَانَ زَوْجُهَا تُوُفِّىَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ "وَجَدْتَّ": غَضِبْتُ۔

۶۸۶: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب عمر کی صاحبزادی حفصہ بیوہ ہوگئیں تو عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ملا۔ پس میں نے ان کے سامنے حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا معاملہ پیش کیا۔ میں نے کہا اگر تم پسند کرو تو حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کا نکاح میں تم سے کر دیتا ہوں۔ عثمان نے کہا میں اپنے معاملہ میں غور کروں گا۔ پس میں چند راتیں رکا رہا پھر وہ مجھے ملے اور کہا کہ میرے سامنے یہی بات آئی ہے کہ میں ان دنوں میں شادی نہ کروں۔ پھر میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملا پس میں نے کہا اگر تم پسند کرو تو میں حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کا نکاح تم سے کر دیتا ہوں؟ اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے اور مجھے کوئی جواب نہ دیا پس میں عثمان رضی اللہ عنہ کی بہ نسبت ان پر زیادہ رنجیدہ ہوا۔ پس میں کچھ راتیں ٹھہرا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ نکاح کا پیغام بھیجا میں نے آپؐ سے نکاح کر دیا۔ اس کے بعد مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ ملے اور کہنے لگا شاید تم مجھ پر ناراض ہوتے ہو گے جبکہ تم نے نکاح حفصہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ مجھ پر پیش کیا تو میں نے تمہیں کوئی جواب نہ دیا؟ میں نے کہا جی ہاں۔ انہوں نے کہا مجھے اس میں جواب دینے سے اور کسی چیز نے نہیں روکا مگر صرف اس بات نے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نکاح کا ذکر فرمایا تھا اور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو افشاء کرنے والا نہ تھا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے نکاح کا ارادہ ترک فرما دیتے تو میں اس کو قبول کر لیتا۔ (بخاری)

تَاَيَّمَتْ: بیوہ ہونا۔ وَجَدْتَّ: تم ناراض ہوئے۔

تشریح ۞ حين تايمت بنته حفصة! حین یہ قال کا ظرف مقدم ہے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند کا نام خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ۔ ان کی وفات مدینہ میں ہوئی۔ یہ احد میں زخمی ہوئے۔ دارقطنی کا قول یہ ہے کہ انہوں نے طلاق دے دی تھی۔ یہی ابن النحوی کا قول ہے۔ اس قول کے مطابق روایت کا مطلب یہ ہوگا۔ انہوں نے ہجرت کے تیس ماہ بعد شادی کی اور پہلے قول کے مطابق انہوں نے بدر کے دو سال بعد شادی کی۔ خنیس کا سلسلہ نسب یہ تھا۔ بن حذافہ بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی قرشی سہمی یہ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں یہ سابقین فی الاسلام سے تھے۔ انہوں نے حبشہ کی طرف بھی ہجرت کی۔ لقيت عثمان بن عفان رضى الله عنه! میں عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی زوجہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ملا۔ فعرضت عليه حفصه! اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی بیٹی کے سلسلہ میں نیک لوگوں سے نکاح کی پیش کش کر دے۔ ان شئت انكحتك! ای بنت عمر قبولیت آمادہ کرتے ہوئے لائے۔ ای اقبل بنت عمر۔ سا نظر فی امری! میں اپنے معلوم میں غور کر لوں آیا ابھی شادی کروں یا موخر کروں۔ ملبثت ليالى! میں نے کئی راتیں انتظار کیا۔

اَللَّغَاتُ: لیالی ظرف منصوب ہے۔ بدالي! مجھے یہ ظاہر ہوا۔ یومي هذا! یوم سے مطلق زمانہ مراد ہے۔ اس سے تبتل کا وہم دور کرنا مقصود ہے۔ فصمت! انہوں نے قصداً خاموشی اختیار کی یا کوئی داعیہ تھا۔

فلم یرجع! یہ متعدی ہے جیسا اس آیت میں ﴿فان رجعك الله﴾! یعنی مجھے واپسی جواب نہ دیا نہ قبول سے نہ اعراض نہ تعریض نہ تصریح سے۔ فكنت اوجد عليه! میں ان پر زیادہ ناراض تھا۔ مني علي عثمان! عثمان کی بنسبت کیونکہ عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب تو دے دیا خواہ نفی میں دیا۔ مگر صدیق رضی اللہ عنہ نے تو بالکل چھوڑ دیا۔ فانكحتها اياه! یہ جملہ ہے جو عہد کی خلاف ورزی کے باب میں اس روایت کو ذکر کرنے کا باعث ہے۔ اور ابن عساکر نے مسند عمر میں بھی اسی لئے ذکر کیا (شرح بخاری لابن نحوی) فلقيني ابوبكر فقال لعلك وجدت علي حين عرضت! تکمیل نکاح کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھے ملے اور کہنے لگے شاید تم مجھ پر اس وقت سے ناراض ہو جب تم نے حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح مجھ پر پیش کیا۔ میں نے ہاں میں جواب دیا۔ لعل یہاں شفقت کے لئے ہے۔ وجد! ناراضگی کرنا۔ حين! یہ جملہ کی طرف مضاف اور خود ظرف ہے۔ نعم! کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں نے بھی بغیر چھپائے بات صاف کہہ دی۔ ذكرها! اس کے ساتھ نکاح کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ میں نے اس راز کو ظاہر کرنا پسند نہ کیا کیونکہ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور راز مجھے فرمائی تھی۔ ولو تركها! اگر آپ نکاح نہ فرماتے تو اس کو نکاح میں قبول کر لیتا۔

مَسْئَلَۃٌ: جس عورت سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا ارادہ ہو کسی دوسرے کو اسے پیغامِ نکاح دینا حرام ہے اور جس سے اعراض کر لیں تو اس سے نکاح حرام نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو افشاء کرنا حرام ہے۔ اس جملے کو مسند حمیدی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا۔ تایمت! بے خاوند ہونا۔ وجدت! وجد الضالہ گمشدہ کو پالانا' وجد علیہ ناراض ہونا (المصباح)

تخریج: اخرجه البخاری ۵۱۲۲۔

الفرائد: ① جہاں سے خیر ہی کی توقع ہو وہاں نکاح کے لئے پیشکش میں گناہ نہیں۔ ② راز کی حفاظت اس کو ضروری ہے جس کو ذمہ دار بنایا جائے۔

٦٨٧: وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: كُنَّ اَزْوَاجُ النَّبِيِّ ﷺ عِنْدَهٗ فَاَقْبَلَتْ فَاطِمَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا تَمْشِيْ مَا تُخْطِئُ مِشْيَتُهَا مِنْ مَشْيَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا ' فَلَمَّا رَاٰهَا رَحَّبَ بِهَا وَقَالَ: "مَرْحَبًا بِابْنَتِيْ ثُمَّ اَجْلَسَهَا عَنْ يَّمِيْنِهٖ اَوْ عَنْ شِمَالِهٖ ' ثُمَّ سَارَّهَا فَبَكَتْ بُكَآءً شَدِيْدًا ' فَلَمَّا رَاٰى جَزَعَهَا سَارَّهَا الثَّانِيَةَ فَضَحِكَتْ - فَقُلْتُ لَهَا: خَصَّكِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ بَيْنِ نِسَآئِهٖ بِالسِّرَارِ ثُمَّ اَنْتِ تَبْكِيْنَ؟ فَلَمَّا قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَاَلْتُهَا مَا قَالَ لَكِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَتْ مَا كُنْتُ لِاُفْشِيَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قُلْتُ: عَزَمْتُ عَلَيْكِ مِنَ الْحَقِّ لَمَا حَدَّثْتِنِيْ مَا قَالَ لَكِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ: اَمَّا الْاٰنَ فَنَعَمْ اَمَّا حِيْنَ سَارَّنِيْ فِي الْمَرَّةِ الْاُوْلٰى فَاَخْبَرَنِيْ اَنَّ جِبْرِيْلَ كَانَ يُعَارِضُهُ الْقُرْاٰنَ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ وَاَنَّهٗ عَارَضَهُ الْاٰنَ مَرَّتَيْنِ" وَاِنِّيْ

لَا اَرَی الْاَجَلَ اِلَّا قَدِ اقْتَرَبَ فَاتَّقِی اللّٰهَ وَاصْبِرِیْ فَاِنَّهٗ نِعْمَ السَّلَفُ اَنَا لَكِ" فَبَكَيْتُ بُكَائِیَ الَّذِیْ رَاَيْتِ، فَلَمَّا رَاٰی جَزَعِیْ سَارَّ فِی الثَّانِيَةِ فَقَالَ: "يَا فَاطِمَةُ اَمَا تَرْضَيْنَ اَنْ تَكُوْنِیْ سَيِّدَةَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَوْ سَيِّدَةَ نِسَآءِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ؟ فَضَحِكْتُ ضِحْكِیَ الَّذِیْ رَاَيْتِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَهٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ۔

۶۸۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم نبی اکرم ﷺ کی ازواج آپؐ کے پاس تھیں جبکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں۔ ان کی چال رسول اللہ ﷺ کی چال سے ذرہ بھر مختلف نہ تھی۔ جب ان کو آپؐ نے دیکھا تو خوش آمدید کہی اور فرمایا مَرْحَبًا بِابْنَتِیْ۔ پھر ان کو اپنے دائیں یا بائیں جانب بٹھالیا۔ پھر ان سے رازدارانہ باتیں کہیں پس وہ بہت روئیں۔ جب آپؐ نے ان کی گھبراہٹ دیکھی تو دوسری مرتبہ ان سے رازداری کی بات فرمائی تو وہ ہنس پڑیں۔ پھر میں نے ان کو کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں رازوں کے لئے اپنی بیویوں کے درمیان خاص کیا۔ پھر تم رودیں۔ پس جب رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے تو میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا۔ تم سے رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا؟ انہوں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے راز ظاہر کرنے والی نہیں ہوں۔ جب رسول اللہ ﷺ وفات پاگئے تو میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میں تمہیں اپنے حق کے حوالے سے قسم دیتی ہوں تم مجھے ضرور وہ بات بتلاؤ جو رسول اللہ ﷺ نے تمہیں کہی۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا اب میں بتلاتی ہوں۔ پھر پہلی مرتبہ جب حضورؐ نے مجھے رازداری کی بات فرمائی کہ مجھے یہ خبر دی کہ جبرائیل میرے ساتھ قرآن پاک ہر سال میں ایک یا دو مرتبہ دَور کرتے تھے اور انہوں نے اب دو مرتبہ کیا ہے اور میں نہیں خیال کرتا یہ کہ وقت مقررہ قریب آ گیا پس تو تقویٰ اختیار کرنا اور صبر کرنا۔ شان یہ ہے کہ میں تیرے لئے بہت اچھا پیش رو ہوں۔ پس میں رو پڑی جیسا کہ تم نے دیکھا۔ پھر جب آپؐ نے میری گھبراہٹ دیکھی تو مجھے دوسری مرتبہ راز درانہ بات فرمائی اور فرمایا اے فاطمہ! کیا تو راضی نہیں کہ تو مؤمنوں کی عورتوں کی سردار بنے یا اس امت کی عورتوں کی سردار بنے۔ پس میں ہنس پڑی جیسا تم نے میرا ہنسنا دیکھا۔ (بخاری و مسلم) یہ لفظ مسلم کے ہیں۔

اَلنَّحْو: کن ازواج النبی صلی اللّٰه علیه وسلم! یہ فعل فاعل اکلونی البراغیث! کے قبیل سے ہے۔ فاقبلت فاطمة رضی اللّٰه عنها تمشی! تمشی یہ جملہ حالیہ ہے جو فاعل سے حال ہے۔ ما تخطی ...... شیئاً! یہ حال متداخل ہے۔ (۲) اقبلت کے فاعل سے حال مترادف ہے۔ (۳) جملہ مستانفہ ہے اور چلنے کے انداز کو ظاہر کرنے کے لئے لایا گیا۔ مشئه! ایک انداز کا چلنا۔ شیئاً! مفعول مطلق یا مفعول بہ ہے۔ رجب ...... مرحبا با بنتی! جلدی مرحبا کہا' مرحبا یہ رحبت بك الدار! سے لیا گیا ہے۔ اس کا مطلب نزلت مکانا رحبا و اسعًا بها! ہے۔ تم وسیع جگہ میں اترے ہو۔ ثم اجلسها ...... او شماله! راوی کو دائیں یا بائیں جانب کی تعیین میں شک ہے۔ ثم سارها! ثم ظاہر کر رہا ہے کہ پہلے ملاطفت کی اور باتیں فرمائیں پھر سرگوشی فرمائی۔ جو اور کسی کو معلوم نہ ہوئی۔ فبکت بکاء شدیداً! کیونکہ سرگوشی میں سب سے بڑی مصیبت کی اطلاع تھی۔

صبت علی مصائب لو انها ☆ صبت علی الایام صلان لیالیا

فلما رأی جزعها! جزع الرجل اس وقت کہتے ہیں جب آدمی کی پشت کمر پر پڑے بوجھ سے عاجز آ جائے اور صبر کی طاقت نہ رہے (المصباح) **سارھا الثانیة!** یہ کسر کے بعد جبر ہے۔غم کے بعد دلجوئی فرمائی۔ **فقلت لھا!** آثار جزع کے متعلق سوال کیا۔ **ثم انت تبکینی!** تکرار اور تخصیص کا تقاضا ایسا تھا جس نے تمام مقتضیات بکاء سے ان کو مشغول کر دیا ورنہ اگر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوتا تو وہ ضرور اس سلسلہ میں ان کی معاونت کرتیں جیسے ام ایمن کے ہاں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے کی۔ **قام!** سے مراد اس مجلس سے اٹھ جانا ہے۔ **ما قال لك!** ان تمام باتوں کا پوچھنا یا فقط سبب بکاء کا پوچھنا مقصود تھا۔ **لا فشی!** یہ لام جحد ہے اور افشاء اظہار کو کہتے ہیں۔

اَلنَّجْوٰی :سرّہ! مفرد مضاف عموم کو ظاہر کرتا ہے یعنی کسی بھی راز کو۔

بمالی! با قسمیہ یا سببیہ۔ **عزمتِ علیك من الحق !** حق سے مراد یہ ہے۔ یہ امہات المؤمنین سے تھیں۔

عزمت علیك! یہ قسم سے استعارہ ہے۔ **لما حدثنی!** لام قسم کو ظاہر کرتی ہے اور ما مزید تاکید کے لئے ہے۔ **اما الان!** یہ محذوف کا ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے **ای سالتنی الان۔**

حین سارنی! ظرف مقدر کا منصوب ہے۔ **ای بکائی وقت سارته!** ہر عرب ظرف کے سلسلہ میں بہت وسعت دیتے ہیں جو اور اسم کے متعلق نہیں۔ **جبرئیل!** یہ سریانی لفظ ہے۔ اس کا معنی عبداللہ ہے۔ **عارضه الان مرتین!** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا دور ہر سال ایک مرتبہ ہوتا۔ دو مرتبہ ہونے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھ لیا۔ **اری الاجل!** میں گمان کرتا ہوں کہ عمر کا آخری زمانہ آن پہنچا۔ **اری!** یہاں اظن کے معنی میں ہے۔ **فاتقی اللّٰہ !** جب یہ موقعہ آئے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور نوحہ گریبان پھاڑنا' بال نوچنا وغیرہ تقدیر پر عدم رضا والے اعمال نہ کرنا۔ **واصبری!** اہتمام کے لئے صبر کو دوبارہ ذکر کیا کیونکہ اکتاہٹ کی وجہ سے طبع جزع کی طرف جھکتی ہے۔ **فانه نعم السلف انا لك!** یہ جملہ مستانفہ ہے جو ماقبل کے لئے بطور علت لایا گیا ہے یعنی یہ گھبراہٹ فراق کا نعم البدل ہے۔ **بکائی!** یہ رونا گناہ سے خالی تھا ورنہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور منع فرماتے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے رونے کو دیکھا۔ **اما ترضین!** اما مخاطب کو خبردار کرنے کے لئے لائے کیونکہ موقعہ کی بڑائی کا تقاضا یہ تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا صدمہ بڑا تھا تو صبر والوں کو اس پر اعظم تر ثواب ملنا چاہئے تو ان کو **افضل نساء هذه الامه!** بنا دیا گیا۔ ایک اور روایت میں اسی طرح وارد ہے۔ **فضحکت!** یہ ہنسی تکبر سے خالی تھی۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کو تقدیر کا فیصلہ سمجھ کر مان لیا۔ آنسو جاری ہوئے مگر بے صبری کے الفاظ جاری نہ ہوئے جیسا وفات ابراہیم علیہ السلام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا ما یرضٰی ربنا وانا بفراقك یا ابراهیم لمحزونون!** اور جب بشارت ملی تو غرور پیدا نہ ہوا کیونکہ بشارت پر ان کو کامل یقین تھا۔ گویا یہ اسی طرح کی حالت تھی جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا: **"انا اول من تنشق عنه الارض یوم القیامة ولا فخر"۔**

تخریج : بخاری باب علامات النبوت' مسلم باب الفضائل' نسائی فی الوفات' ابن ماجه فی الجنائز۔

الفرائد :① اس میں حضرت فاطمہؓ کی منقبت ظاہر ہوتی ہے ان کی آمد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی اور ان کا اکرام۔ ② حفاظت راز ضروری ہے۔ ③ موت کے بعد راز ظاہر کرنے میں حرج نہیں۔

٦٨٨ : وَعَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :اَتٰى عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَنَا اَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَسَلَّمَ عَلَيْنَا فَبَعَثَنِيْ فِيْ حَاجَتِهٖ فَابْطَاْتُ عَلٰى اُمِّيْ فَلَمَّا جِئْتُ قَالَتْ: مَا حَبَسَكَ؟ فَقُلْتُ :بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِحَاجَةٍ ' قَالَتْ مَا حَاجَتُهٗ؟ قُلْتُ :اِنَّهَا سِرٌّ – قَالَتْ :لَا تُخْبِرَنَّ بِسِرِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَحَدًا۔ قَالَ اَنَسٌ :وَاللّٰهِ لَوْ حَدَّثْتُ بِهٖ اَحَدًا لَحَدَّثْتُكَ بِهٖ يَا ثَابِتُ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَى الْبُخَارِيُّ بَعْضَهٗ مُخْتَصَرًا۔

٦٨٨ : حضرت ثابت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا پس آپ نے ہمیں سلام کیا اور پھر مجھے اپنے کسی کام بھیج دیا جس سے مجھے اپنی والدہ کے پاس جانے میں دیر لگی۔ جب میں والدہ کے پاس آیا تو اس نے کہا کہ تمہیں کس چیز نے روک دیا؟ میں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے اپنے کسی کام بھیجا۔ وہ کیا کام تھا؟ میں نے کہا وہ راز ہے۔ میری والدہ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے راز کی خبر ہرگز کسی کو نہ دینا۔ حضرت انس نے فرمایا اللہ کی قسم اگر میں وہ راز کسی کو بیان کرتا تو اے ثابت میں تمہیں بیان کرتا۔ (مسلم) بخاری نے اس کا کچھ حصہ مختصراً بیان کیا ہے۔

تشریح ۞ **وعن ثابت**! یہ ثابت بنانی تابعی ہیں کثیر الروایات ہیں۔ انس رضی اللہ عنہ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حالات گزرے۔ **اتی**! آنے کے معنی میں ہے۔ **وانا العب مع الغلمان**! علی سے جملہ حالیہ ہے۔ **غلمان**! جمع غلام۔ اس سے مراہق کے کھیلنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ **فسلم علینا**! یہ آپ ﷺ کا حسن اخلاق اور شفقت تھی۔ **فبعثنی**! مجھے بھیجا۔ (المصباح)

النحو : بعث فعل با کے ساتھ اور متعدی بنفسہ ہے اور فارابی نے اس کا معنی **اهبه و بعث به وجهه**! کیا ہے۔ **حاجة**! بڑا کام یا چھوٹا کام دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ **فابطات علی امی**! میں نے والدہ کے ہاں جانے میں دیر کی۔ **ما حبسك**؟! (ض) کس چیز نے تمہیں روکا۔ **حاجه**! کی جمع حاجات اور حوائج اصمعی کہتے ہیں اس کی جمع حاجات چاہئے۔ ابو عبید نے حوائج بھی درست قرار دیا ہے۔ **ما حاجته**! ضرورت کی تعیین کا سوال کیا۔ **سرّ**! جو چیز چھپائی جائے دوسرے پر ظاہر نہ کی جائے۔ **لا تخبرن**! الفاظ کا اضافہ زیادہ معنی کو چاہتا ہے۔ نہی کی تاکید ہے کہ ہرگز ظاہر نہ کرنا۔ **احداً**! سیاق نفی میں نکرہ عموم کا فائدہ دے رہا ہے۔ کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ **والله لو حدثت به**! ثابت سے کمال شفقت کو ظاہر کرتے ہوئے راز کی حفاظت کو سمجھاتے ہوئے فرمایا۔ یہ انس کی وفا عہد اور کمال امانت ہے۔

تخریج : اخرجه البخاری ٦٢٨٩ ومسلم ٢٤٨٢ واللفظ له۔

الفرائد : ① آپ کی تواضع کا عظیم نمونہ ہے کہ بچوں کو گزرتے سلام فرمایا۔ ② انس رضی اللہ عنہ کا آپ ﷺ کے راز کی حفاظت کرنا ظاہر ہوتا ہے۔

۸۶ :بَابُ الْوَفَآءِ بِالْعَهْدِ وَاِنْجَازِ الْوَعْدِ

بَاب: وعدہ وفا کرنا

الوفا! جب کسی بات کا عہد کرے تو اس کو پورا کرے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی :

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا﴾ [الاسراء:٣٤]

اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا:

''اورتم وعدے کو پورا کرو بے شک وعدے کے بارے میں پوچھا جائے گا''۔(الاسراء)

اوفوا بالعھد! جو لوگوں سے معاہدے کرتے اور معاملات جو لوگوں سے باندھتے ہو۔(۲) جو اللہ تعالیٰ نے تم سے تکلیفی وعدہ لا الٰہ کے ذریعہ لیا ہے۔ان العھد کان مسئولا! عہد کے متعلق باز پرس ہوگی۔(۲) عہد سے مقصود یہی ہوتا ہے کہ اس کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ﴾ [النحل:٩١]

اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا:

''اورتم وعدے کو پورا کرو جب تم وعدہ کرو''۔(النحل)

(۲) واوفوا بعھد اللّٰہ! جن تکالیف شرعیہ کا تم سے وعدہ لیا۔(۲) جو تم نے اس سے اقرار کے ذریعہ لازم کیا یعنی توحید اور فرائض عبودیت ان کو پورا کرو۔

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ [المائدة:١]

اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا:

''اے ایمان والو! تم اپنے وعدوں کو پورا کرو''۔(المائدہ)

(۳) یا یھا الذین امنوا اوفوا بالعقود! یہاں عقود سے عہد مراد ہیں اور تمام قرآنی معاہدے اس عموم عقود میں شامل ہیں۔

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾

[الصف:٢-٣]

اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا: ''اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ اللہ کے ہاں یہ ناراضگی کے لحاظ سے بہت بڑی بات ہے تم وہ بات کہو جو تم خود نہ کرو''۔(الصف)

(۴) یایھا الذین امنوا لم تقولون مالا تفعلون کبر مقتاً عند اللّٰہ! مقت سخت ناراضگی کو کہتے ہیں۔ یہ تمیز کی وجہ سے منصوب ہے اوراس کا فاعل جملہ ان تقولوا الخ! ہے۔ یہ اندازِ کلام خوب مبالغہ کو ظاہر کر رہا ہے۔ اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک جماعت نے کہا اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ افضل ومحبوب ترین اعمال کیا ہیں تو ہم ان کو اپنائیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ وہ محبوب ترین عمل جہاد ہے۔ جب وہ فرض کر دیا گیا تو بعض نے ناپسند کیا اور بعض یکسو ہو گئے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ (۲) اس وقت نازل ہوئی جب انہوں نے جہاد کو مانگا۔ جب آزمائے گئے تو پیٹھ پھیر گئے۔ (۳) منافقین کے متعلق اتری جو مؤمنین کی نصرت کا وعدہ کرتے مگر ایفاء نہ کرتے۔ غرض شانِ نزول جو بھی ہو۔ آیت میں وعدہ خلافی کرنے والے کے لئے سخت وعید ہے۔

٦٨٩ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : "اٰيَةُ الْمُنَافِقِ" ثَلَاثٌ: اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ، وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. زَادَ فِیْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ : "وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ"۔

٦٨٩ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں: (۱) جب بات کرے جھوٹ بولے۔ (۲) جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے۔ (۳) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے (بخاری و مسلم) مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں خواہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور خیال کرے کہ وہ مسلمان ہے۔

تشریح ✿ آیة! علامت ونشانی۔ المنافق! (۱) اس سے مراد وہ منافقین ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے۔ وہ ایمان کی بات کرتے مگر عمل سے تکذیب کرتے۔ نصرت دین کا عہد کر کے اس کی خلاف ورزی کرتے امانت دین کی خیانت کرتے۔ (۲) اگر کسی مؤمن میں یہ صفات ہوں تو وہ اس کے حق میں نفاق والا جس کے ساتھ وہ یہ معاملات برتتا ہے۔ البتہ اسلام کا نفاق نہ ہوگا جو باطنی کفر کو کہا جاتا ہے۔ خطابی کہتے ہیں نفاق عملی مراد ہے نہ کہ اعتقادی۔ برمادی کہتے نفاق کی دو قسمیں ہیں (۱) نفاق شرعی جس کا معنی باطن میں کفر ظاہر میں ایمان (۲) عرفی نفاق اس کا اندرون اور اس کے ظاہر کے خلاف ہو اور وہی یہاں مراد ہے (اللامع الفصیح علی الجامع الصحیح)

ثلاث! جنس کا ارادہ کر کے اس کو آیت کی خبر بنایا گیا ہے یعنی ان میں سے ہر ایک نشانی ہے یا تینوں کا مجموعہ نشانی ہے۔ اذا حدث کذب! کذب خلاف واقع کو کہتے ہیں۔

النّحو :: جملہ خبر یہ کو دوسری خبر کے طور پر لائے یا ماقبل کا بدل جبکہ وہ بات کرے۔ و اذا و عد اخلف! وعدہ خلافی تو کذب میں داخل ہے مگر جب یہ بالفعل ہو تو کذب میں داخل نہ تھی اس لئے الگ لائے۔ (۲) وعدہ خلافی کو الگ حقیقت قرار دیا جو تحدیث سے خارج تھی۔ جیسا شاعر نے کہا:

فان تفق الانام وانت منهم ☆ فان المسك بعض دم الغزال

یہ گویا خاص کا عطف عام پر ہوکی جنس سے ہے (برمادی) وعدے کو خلف کہنے کی وجہ اس کا پورا نہ ہونا پایا جانا ہے۔ و اذا

اوتمن خان! یعنی جب اس کو امین بنایا جائے۔ خیانت! خلافِ شرع تصرف کو کہا جاتا ہے۔ وجہ تخصیص یہ ہے ان تینوں کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نفاق کی بنیاد باطن کا ظاہر کے خلاف ہونا اس پر یہ تینوں مشتمل ہیں۔ فرق روایت: ان صام وصلی !ان وصلیہ ہے۔ اگر چہ وہ جواس کے پاس ہے۔ اس کو ثابت کرنے والا ہو کہ وہ مسلمان ہے مگر یہ منافقین کی خصلتیں ہیں۔

تخریج : اخرجه احمد ۳/۹۱٦۹ والبخاری ۳۳ ومسلم ۵۹ والترمذی ۲٦۳۱ والنسائی ۵۰۳٦ وابن حبان ۲۵۷ وابن منده فی الایمان ۵۲۷ والبیهقی ٦/۲۸۸۔

الفرائد : دین کا دارومدار تین چیزوں پر ہے: (۱) قول (۲) عمل (۳) نیت۔ آپ ﷺ نے قول کی خرابی کو کذب سے، فعل کی خرابی کو خیانت سے اور نیت کے بگاڑ کو عہد کی خلاف ورزی سے تعبیر فرمایا۔ اگر کرنے کا پختہ عزم ہو مگر کسی عارضہ سے نہ پہنچ سکے تو یہ وعدہ کی خلاف ورزی وغیرہ میں نہیں آتی۔

٦٩٠ :وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ :"اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا ، وَمَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا :اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ ، وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ ، وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

٦٩٠: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ چار باتیں جس میں ہونگی وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں کوئی ایک خصلت پائی جائے تو اس میں منافقت کی ایک خصلت ہوگی جب تک وہ اس کو ترک نہ کرے: (۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے (۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے (۴) اور جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ پر اتر آئے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ العاص !اگر چہ عاص سے ہو کسرہ پر اکتفاء سے یا کو حذف کر دیا۔ (۲) عیص سے تو اجوف ہے جیسا پہلے گزرا۔ اربع! یہ مبتداء اس کا مضاف الیہ محذوف ہے ای اربع خصال۔

النحو : خصله...... حتی یدعها! (۱) یہ مبتداء کی خبر ہے (۲) صفت ہے اور اذا اوتمن الخ! یہ خبر ہے (برباوی) دوسرا احتمال کمزور ہے۔ غدر! کسی انسان سے معاہدہ کر کے اس کی مخالفت کرنا۔ فجر! حق سے ہٹ کر باطل بات کہے۔ دیانت کا پردہ چاک کر دے۔ نووی کہتے ہیں پہلی اور اس روایت میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ ایک کبھی تو کئی چیزیں بن جاتی ہیں اور کبھی ایک ہی رہتی ہے۔ طیبی کہتے ہیں علامات کبھی ایک ایک کر کے گنی جاتی ہیں اور کبھی الگ الگ۔ زرکشی کہتے ہیں اس طرح کہنا چاہئے خاص عدد زائد و ناقص پر دلالت نہیں کرتا۔ صدیقی کہتا ہے مفہوم عدد حجت نہیں بعض نے حجت مانا ہے۔

تخریج : اخرجه احمد ۲/٦۷۸۲ والبخاری ۳٤ ومسلم ۵۸ والترمذی ۲٦۳۲ والنسائی ۲۰۳۵ وابن حبان ۲۵٤ وابن مندة فی الایمان ۵۲۲ وابو عوانة ۱/۲۰ والبیهقی ۹/۲۳۰۔

الفرائد : یہ خصال منافقین کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں یہ معنی نہیں کہ وہ منافق ہے۔ انہی خصائل کی مذمت کی تاکہ ان کو ترک کر دیا جائے۔

۶۹۱ : وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ : "لَوْ قَدْ جَآءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ أَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا" فَلَمْ يَجِيْءُ مَالُ الْبَحْرَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ، فَلَمَّا جَآءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ أَمَرَ أَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَنَادٰى : مَنْ كَانَ لَهُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عِدَةٌ أَوْ دَيْنٌ فَلْيَأْتِنَا۔ فَأَتَيْتُهُ وَقُلْتُ لَهُ : إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِيْ كَذَا وَكَذَا، فَحَثٰى لِيْ حَثْيَةً فَعَدَدْتُهَا فَإِذَا هِيَ خَمْسُ مِائَةٍ فَقَالَ لِيْ خُذْ مِثْلَيْهَا۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۶۹۱: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر بحرین کا مال آیا تو میں تجھے اس طرح اور اس طرح اور اس طرح دوں گا۔ بحرین کا مال نہ آیا یہاں تک کہ حضور ﷺ وفات پا گئے۔ جب بحرین کا مال آیا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حکم دے کر اعلان فرمایا جس کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وعدہ یا قرضہ ہو تو وہ ہمارے پاس آ جائے پس میں ان کی خدمت میں آیا اور میں نے ان سے کہا بے شک نبی اکرم ﷺ نے مجھے اس طرح اور اس طرح فرمایا۔ پھر انہوں نے مجھے دونوں ہاتھ بھر کر مال دیا جس کو میں نے شمار کیا تو وہ پانچ سو تھے پھر مجھے فرمایا کہ اس سے دوگنا اور لے لو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ لو! اگر تمنی کے لئے ہو تو جواب کی ضرورت نہیں اگر شرطیہ ہو قد جاء کا جملہ اس کے اور شرط کے درمیان فاصل ہوگا۔ **اعطیتك هکذا و هکذا و هکذا!** یہ تین دفعہ لینے کی کیفیت سے کنایہ ہے۔ بخاری کی روایت میں **فبسط یدیه ثلاث مرات!** کے لفظ وارد ہیں۔ **اعطیتك!** یہ لو کا جواب شرط ہے۔ باب فضل الزہد میں جابر کا آنا مذکور ہے مگر یہ آمد اس سے الگ ہے۔ وہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی آمد کے موقعہ پر ہے واللہ اعلم۔ وہ وہی موقعہ ہے جب عباس رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی کہ میں نے اپنا اور اپنے بھتیجوں کا فدیہ دیا تھا۔ تو آپ ﷺ نے ان کو لینے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ممکن ہے کہ وہ بحرین سے آنے والا کوئی اور مال ہو اور البحرین یہ اسماء منقولہ سے ہے اس لئے اس کو اس کا اعراب دیا جائے گا (تثنیہ نہ بنایا جائے گا) **فلم یجئی مال البحرین!** بحرین کے عامل علاء بن حضرمی تھے اور یہ مال جزیہ تھا۔ **حتی قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم!** یہاں حذف ہے اس پر کلام دلالت کر رہی ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہو گئے۔ **فلما جاء مال البحرین امر ابوبکر رضی اللہ فنادی!** جس کو حکم دیا تھا اس نے منادی کی۔ **من کان له عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عدة!** یہ وعد کے معنی میں ہے۔ او یہ نوع کو بیان کرنے کے لئے لائے۔ **فلیاتنا!** وہ مال حاصل کرنے کے لئے ہمارے ہاں آئے۔ **کذا و کذا!** یہ کنایہ کے لفظ ہیں۔ **فحثی لی حثیة!** یہ حثوۃ بھی آتا ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دینے میں جلدی کی اس کی چند وجوہ ہیں: (۱) ابوبکر رضی اللہ عنہ جابر رضی اللہ عنہ کی دینداری کو جانتے تھے وہ مال کی خاطر غلط بیانی نہیں کر سکتے اس لئے فوراً دے دیا۔ (۲) ممکن ہے دلائل و شواہد قائم کئے ہوں کیونکہ عامۃ المسلمین کے مال میں تصرف درست نہیں خواہ مطالبہ کرنے والا کتنا نیک ہو۔ حافظ نے پہلے احتمال کو ترجیح دی ہے۔ (۳) خود ان کو معلوم تھا۔ اپنے علم کی بنیاد پر حاکم دے سکتا ہے (فتح کتاب الشہادات) (۴) وہ وعدہ درحقیقت بیت المال کے مال پر تھے جس کی تقسیم رائے امام پر موقوف ہے۔

النحو: فاذا هي خمسمائة! ھی مبتدا خمس ما خبر ہے۔اذا مفاجات کے لئے ہے۔

تخریج: اخرجه البخاری ۲۲۹٦ و مسلم ۲۳۱٤۔

الفرائد: ① ابوبکر صدیقؓ نے جب خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تو آپ کے وعدوں کی وفاء کو بھی لازم سمجھا اور ان کو پورا کیا۔ ② ابوسفیانؓ نے بھی ہرقل کے سامنے نبوت کے خصائل میں وفا بالعہد کا ذکر کیا تو اس نے اس کو علامات نبوت سے قرار دیا۔

۸۷ :بَابُ الْمُحَافَظَةِ عَلٰى مَا اعْتَادَهُ مِنَ الْخَيْرِ

بَاب: جس کارِ خیر کی عادت ہو اس کی پابندی کرنا

المحافظه! بہت حفاظت۔اعتاده! عادت ہونا۔محافظہ میں مفاعلہ مبالغہ کے لئے ہے۔مغالبہ کے لئے نہیں ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ [الرعد:۱۱]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ نعمتوں والے معاملے کو تبدیل نہیں کرتے یہاں تک کہ وہ اس چیز کو تبدیل کر دیں جو ان کے دلوں میں ہے''۔(الرعد)

تشریح ❁ ما بقوم! سے مراد نعمت یا نقمت ہے۔ما بانفسھم! یعنی احوال جمیلہ یا قبیحہ حدیث قدسی میں وارد ہے۔ **وعزتي وارتفاعي فوق عرشي ما من اهل قرية ولا اهل بيت كانوا على ما كرهته من معصيتي ثم تحولوا عنها الى ما احببت لهم من طاعتي الا حولت بهم عما يكرهون من عذابي الى ما يحبون من رحمتي**''! مجھے اپنی عزت و بلندی کی قسم جو عرش پر ہے۔جو بستی والا اور گھر والا میری نافرمانی پر تھا جو مجھے ناپسند ہے' پھر انہوں نے اپنے کو میری طاعت کی طرف بدل لیا تو میں اس عذاب کو جسے وہ ناپسند کرتے ہیں' اپنی پسندیدہ رحمت سے بدل دیتا ہوں اور یہ بھی ہے کہ جب غیر متعبد جس کو طاعت غیر اللہ کی عادت ہے۔اس سے باز آجاتا ہے تو اس کو کثرت سے ثواب دیتے ہیں۔حدیث میں فرمایا: **فان الله لا يمل حتى تملوا**! اللہ ثواب دیتے نہیں تھکتے تم کرتے کرتے تھک جاؤ گے۔

وَقَالَ تَعَالٰى :

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا﴾ [النحل:۹۲]

''وَالْاَنْكَاثُ'' جَمْعُ نِكْثٍ وَّهُوَ الْغَزْلُ الْمَنْقُوْضُ''

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:''تم اس عورت کی طرح مت بنو جس نے اپنے سوت کو مضبوط کر لینے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا''۔

الْاَنْکَاثُ :جمع نِکْثٍ ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا دھاگہ۔

تشریح ۞ انکاث جمع نکث! ٹوٹے ہوئے دھاگے کے ٹکڑے۔ ولا تکونوا! قسم اور عہد توڑنے میں تم اس کی طرح مت بنو۔ نقضت! بگاڑ دیا۔ غزلھا! مصدر بمعنی مفعول ہے یعنی دھاگہ۔ من بعد قوۃ انکاثا! انکاث جمع نکث ٹکڑا (المصباح) جیسے حمل واحمال۔ٹوٹا ہوا دھاگہ۔ یہ مفعول مطلق ہے۔ یہ نقض عہد کی مثال ہے۔منقول ہے کہ مکہ میں ایک پاگل عورت ایسا کرتی تھی۔

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾

[الحدید:١٦]

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اور نہ وہ ان لوگوں کی طرح ہوں جن کو پہلے کتاب دی گئی پس ان پر مدت دراز ہوگئی جس سے ان کے دل سخت ہو گئے''۔(الحدید)

ولا تکونوا کالذین! یہ ان تخشع پر معطوف ہے۔من قبل! سے یہود ونصاریٰ وغیرہ۔الامد! ان کے اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان زمانہ طویل ہو گیا۔فقست قلوبھم! وہ دنیا کی طرف جھک گئے اور اللہ تعالیٰ کے مواعظ سے منہ موڑ لیا۔

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾ [الحدید:٢٧]

اللہ ذوالجلال والاکرام نے ارشاد فرمایا:

''انہوں نے حقِ رعایت نہ کی جیسا رعایت کرنے کا حق تھا''۔(الحدید)

فما رعوھا حق رعایتھا! کہ ان کو اسی طرح ادا کرتے جیسا اپنے اوپر لازم کر لیا اور اس کو قربت بھی خیال کیا۔

باب المحافظۃ علی السنۃ! میں ان دونوں آیات کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

۞ ۞ ۞

٦٩٢ :وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ' قَالَ :قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا عَبْدَ اللّٰهِ لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُوْمُ اللَّيْلَ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ! مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۶۹۲: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ تم فلاں شخص کی طرح نہ ہو جانا وہ رات کو قیام کرتا تھا پس اس نے رات کا قیام چھوڑ دیا۔(بخاری و مسلم)

تشریح ۞ فلان! کے متعلق نام معلوم نہیں ہو سکا۔محققین نے کہا جس کو مبہم رہنے دیا گیا اس کا نام تلاش نہ کرنا چاہئے۔ کوتاہی کرنے والوں کی پردہ پوشی چاہئے پھر نفرت دلانے کے لئے اچھے کام سے رکنے والے کی مثال دی۔ کان یقوم اللیل! وہ نماز تہجد پڑھا کرتا تھا۔فترت قیام اللیل! اس بات کو آپ نے ناپسند فرمایا کیونکہ اس سے طاعت کے امور سے بے پرواہی

کی اگر وہ دل کی زندگی چاہتا تو ایسا نہ کرتا۔

تخریج : اخرجه البخاری (۱۱۵۲) و مسلم (۱۸۵/۱۱۵۹) والنسائی (۱۷۶۲) وابن ماجه (۱۳۳۱)

الفرائد :① جس پہلے امام کی عادت ہو اس پر دوام اختیار کرنا چاہیے ۔② اللہ تعالیٰ کو دین کا وہ عمل پسند ہے جس پر مداومت ہو۔

۸۸ :بَابُ اِسْتِحْبَابِ طِيْبِ الْكَلَامِ وَطلاقة الْوَجْهِ عِنْدَ اللِّقَاءِ

بَابٌ: ملاقات کے وقت خوش کلامی اور خندہ پیشانی پسندیدہ ہے

طیب الكلام! نرمی اختیار کرنا اور درشتی کو چھوڑنا۔ طلاقة الوجه! شرح صدر سے چہرے کا کھلنا اور تبسم کرنا۔ شاعر نے اس سلسلہ میں خوب کہا

بشاشة وجه المرء خير من القرى ☆ فكيف بمن يقرى القرى وهو يضحك

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الحجر:۸۸]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اور تم اپنے بازوؤں کو مؤمنوں کے لئے جھکا دو''۔(الحجر)

واخفض جناحك! تواضع اختیار کرو اور پہلو کو نرم رکھو۔ للمؤمنين! کفار سے نہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: واغلظ عليهم! ان پر سختی برتیں۔

وَقَالَ تَعَالٰى :

﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾[آل عمران:۱۵۹]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اگر آپ ﷺ تندمزاج' سخت دل ہوتے تو آپؐ کے گرد سے (لوگ) منتشر ہو جاتے''۔(آل عمران)

ولو كنت فظا! بداخلاق۔ غليظ القلب! سخت دل۔ لا نفضوا من حولك! وہ تمہارے پاس سے بھاگ جاتے۔

٦٩٣ :وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :"اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

۶۹۳ : حضرت عدیؓ بن حاتم سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا آگ سے بچو خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعے سے ہی ہو۔ پس جو شخص یہ بھی نہ پائے تو وہ اچھی بات کے ذریعے سے بچے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ عدی بن حاتم رضی اللّٰہ عنه! ان کے حالات گزرے ملاحظہ فرمائیں۔ اتقوا النار! تم ایسی چیز بناؤ جو تمہیں آگ سے بچائے۔ ولو بشق تمرة! وہ بچنا خواہ نصف کھجور سے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان اللّٰہ لا یظلم مثقال ذرة وان تك حسنة یضاعفها! اور فرمایا فمن یعمل مثقال ذرة خیراً یرہ! اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت آیت ہے۔ جب کہ ان کے ہاں سائل آیا انہوں نے ایک انگور اس کو بطور صدقہ دیا۔ اس سائل نے اس کو حقیر قرار دیا تو انہوں نے فرمایا یہ کئی کے کئی مثاقیل کے برابر ہے۔ فمن لم یجد بکلمه طیبة! جو آگ سے بچنے والا صدقہ نہ پائے۔ خواہ معمولی ہو۔ تو وہ اچھی بات کہہ دے اس کی عمدگی اس صدقے کے قائم مقام ہو جائے گی۔

تخریج : اخرجه البخاری (٩٤) والترمذی (٢٧٢٣) والحاکم (٧٧١٦)

الفرائد : باب طرق الخیر میں گزر چکے۔

٦٩٤ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ : "وَالْکَلِمَةُ الطَّیِّبَةُ صَدَقَةٌ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَهُوَ بَعْضُ حَدِیْثٍ تَقَدَّمَ بِطُوْلِهٖ۔

۶۹۴: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھی بات صدقہ ہے (بخاری و مسلم)

اس طویل حدیث کا ایک حصہ روایت نمبر ۱۲۲ میں پہلے گزر چکا۔

والکلمة الطیبه! جیسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' مخاطب سے نرم گفتگو کرنا۔ صدقة! یہ خبر ہے۔ صدقہ اگر چہ عموماً مال میں سمجھا جاتا ہے' لیکن وہ مال کے علاوہ میں بھی ہے جیسے نرم بات۔ یہ طویل حدیث کا ایک حصہ ہے۔ طویل روایت باب بیان طرق الخیر میں گزر چکی۔

تخریج : اخرجه ابو داود (٤٨٣٩)

٦٩٥ : وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَیْئًا وَلَوْ ان تلقی اخاك بوجه طلیق" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۶۹۵: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بھلائی میں سے چھوٹی چیز کو بھی حقیر نہ سمجھو۔ خواہ اپنے بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات ہو۔ (مسلم)

تشریح ۞ المعروف! جو شرعاً اچھا قرار دیا جائے۔ ولو ان تلقی اخاك بوجه طلیق! اگر چہ ہو بھلا کام کھلے چہرے اور تبسم و بشاشت سے اپنے مسلمان بھائی کی ملاقات ہو کیونکہ ظاہر باطن کا عنوان ہے۔ اس کا اس طرح ملنا محبت کی علامت ہے اور اسی طرح تیرا اس کی ملاقات پر خوش ہونا۔ آپس میں محبت و چاہت یہ مسلمانوں میں مطلوب ہے۔

تخریج : مسلم۔

۸۹ :بَابُ اِسْتِحْبَابِ بَيَانِ الْكَلَامِ وَاِيْضَاحِه لِلْمُخَاطَبِ وَتَكْرِيْرِهٖ لِيُفْهَمَ اِذَا لَمْ يَفْهَم اِلَّا بِذٰلِكَ

بَابٌ: مخاطب کیلئے بات کی وضاحت اور تکرار تا کہ وہ بات سمجھ جائے، مستحب ہے

بیان الکلام! بات اس طرح ظاہر کرنا کہ مخاطب پر اس کا کوئی حرف مخفی نہ رہے۔ایضاحه! مراد کو ظاہر کرنے والے لفظ کو استعال کرنا اور مخاطب کے لئے نامانوس الفاظ سے گریز کرنا تا کہ سمجھنے میں سہولت رہے۔وتکریرہ! اس کے ظاہری الفاظ کو دہراتا اگر چہ بار بار لوٹانے سے ہو۔اصل مقصود پختگی ہے اگر موقعہ ہوتو تکرار مطلوب ہے اور یہ ایک مرتبہ یا زیادہ سے بھی حاصل ہوسکتا ہے تا کہ وہ سمجھ جائے جبکہ وہ اسی طرح سمجھنے والا ہو۔

٦٩٦ :عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ اَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتّٰى تُفْهَمَ عَنْهُ، وَاِذَا اَتٰى عَلٰى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلَاثًا" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۶۹۶: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب کوئی بات فرماتے تو آپ اُس کو تین دفعہ دوہراتے تا کہ اچھی طرح سمجھ آ جائے۔جب کسی قوم کے پاس تشریف لاتے تو تین مرتبہ سلام فرماتے۔(بخاری)

تشریح ۞ کلمه! لغوی معنی مراد ہے۔اعادھا ثلاثا! جبکہ اعادے کا موقعہ ہوتا خواہ مزید توجہ کے لئے یا مخاطبین کی کثرت کی وجہ سے یا اور کسی وجہ سے۔حتی تفهم عنه! تا کہ سمجھ لیا جائے۔حتی! یہاں تعلیلیہ ہے اگر غایت کے لئے ہوتا تو ثلاث سے مقید نہ ہوتا۔سلم علیهم ثلاثا! تین مرتبہ سلام فرماتے اس کی وجہ (۱) مجمع کی کثرت کی وجہ سے ابتدا پھر درمیان پھر آخر میں سلام فرماتے۔(۲) بعض کے نیند کی وجہ سے غفلت کے سبب۔(۳) کسی اور مصروفیت کی وجہ سے (۴) اجازت کے وقت جیسا خطابی نے کہا۔حدیث میں فرمایا: اذا استاذن احدکم ثلاثا فلم یوذن له فلیرجع! اگر چہ پہلے سلام سے اجازت مل جائے تو دوسرا سلام سنت نہیں۔برماوی نے کہا سب سے بہتر معنی یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کسی قوم کے پاس جاتے تو اجازت کے لئے سلام کرتے اور جب آپ ﷺ داخلے ہوتے تو داخلے کا سلام کرتے اور جب سلام کرتے تو الوداعی سلام کرتے تیسرا مسنون ہے۔ابن بطال کہتے ہیں سلام' کلام میں تکرار اس وقت ہوتا جبکہ سمجھ میں نہ آئے یا سلام سنا نہ جائے اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ سلام زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ اور وضاحت بھی اسی طرح۔

تخریج : اخرجه البخاری (۹٤) والترمذی (۲۷۲۳) والحاکم (٤/۷۷۱٦)

الفرائد : سمجھانے کے لئے کلام کو تین مرتبہ دہرانا مناسب ہے۔آپ تین مرتبہ اجازت طلب فرماتے اگر اجازت نہ ملتی تو واپس لوٹ جاتے۔(کذا قال ابن قیم)

٦٩٧ :وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ :كَانَ كَلَامُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَلَامًا فَصْلًا يَّفْهَمُهُ

كُلُّ مَنْ يَّسْمَعُهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ۔

۶۹۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو جدا جدا ہوتی تھی جس کو ہر سننے والا سمجھ لیتا۔ (ابوداوُد)

تشریح ۞ کلام! جو گفتگو آپ فرماتے۔ کلاما فصلا! واضح وظاہر (۲) حق و باطل میں فیصلہ اس آیت میں یہی معنی ہے۔ انه لقول فصل! فیصلہ کن۔ النہایہ اور پہلے قول کے لئے یہ جملہ مستانفہ مؤید ہے۔ یفهمه کل من یسمعه! سمجھنا ظاہر کرنے کے قریب تر ہے۔ مفرد کے ساتھ وصف کے بعد بھی یہ کلام کے لئے محل صفت میں ہے۔ (۲) محل حال میں ہو کیونکہ وہ وصف سے خاص ہو گیا ہے تو نکرہ اس کی صفت نہیں بن سکتا۔

تخریج : اخرجه البخاری (۱۲۱) و مسلم (٦٥) والنسائی (٤١٤٢) وابن ماجه (٣٩٤٢)

۹۰ :بَابُ اِصْغَآءِ الْجَلِيْسِ لِحَدِيْثِ جَلِيْسِهِ الَّذِىْ لَيْسَ بِحَرَامٍ وَ اسْتِنْصَاتِ الْعَالِمِ وَالْوَاعِظِ حَاضِرِىْ مَجْلِسِهٖ

بَاب: ہم مجلس کی بات پر توجہ دینا جب تک کہ وہ حرام نہ ہو اور حاضرین مجلس کو عالم وواعظ کا خاموش کرانا

اصغاء! سیر کا مائل ہونا' کان لگانا۔ لیس بحرام! جو مباح و مطلوب ہو۔ استنصات! خاموش کرانا۔ الوعظ! جس میں اللہ تعالیٰ کا خوف یا ثواب کی ترغیب دلائی گئی ہو۔

۶۹۸ : عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِىْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ : "اسْتَنْصِتِ النَّاسَ ثُمَّ قَالَ : "لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِىْ كُفَّارًا يَّضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۶۹۸: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ لوگوں کو خاموش کراؤ۔ پھر فرمایا کہ میرے بعد تم کفر کی طرف مت لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ (بخاری ومسلم)

تشریح ۞ جریر بن عبدالله بجلی رضی الله عنه! ان کے حالات باب من سن سنة حسنة! میں گزرے ملاحظہ فرمائیں۔ حجة الوداع! (جس میں آپ ﷺ نے امت کو الوداع کہا) استنصت الناس! لوگوں کو خاموش کرادو۔ ثم قال! یہ فا کی جگہ لائے یا بڑا مجمع تھا خاموش کرنے میں وقت لگتا۔ لا ترجعوا بعدی کفارا! میرے بعد کافروں کی طرح نہ بن جانا (۲) انعامات آخرت کی ناشکری کرنے والے نہ بن جانا جو کہ شکر کی متقاضی ہیں (۳) کفر جو ایمان کی ضد ہے وہ نہ

اختیار کر لینا۔ یضرب! رفع اور جزم دونوں کے ساتھ آتا ہے جیسا سابقہ توجیہات سے ثابت ہوتا ہے۔ **بعضکم رقاب بعض!** اس سے مقصود ان اسباب کو اختیار کرنے کی ممانعت ہے جو قطع رحمی' قتال' حسد' بغض اور غیبت وغیرہ کو جنم دینے والے ہوں اور جن باتوں سے روکا گیا ہے ان میں ان کا پڑنا مقدر تھا آج امت اس میں مبتلا ہے **لا معقب لحکمه۔**

تخریج : اخرجه البخاری (۱۲۱) و مسلم (۶۵) والنسائی (۴۱۴۲) وابن ماجه (۳۹۴۲)

الفرائد : ① متعلمین کو لازم ہے کہ وہ علماء کے سامنے خاموش ہوں کیونکہ علماء ورثۃ الانبیاء ہیں۔ ② مسلمانوں کو باہمی ایک دوسرے کو قتل سے خاص طور پر منع فرمایا۔

۹۱ : بَابُ الْوَعْظِ وَالْاِقْتِصَادُ فِيْهِ

باب : وعظ و نصیحت میں میانہ روی

الوعظ! اطاعت کا حکم دینے اور اس کی نصیحت کرنے کو کہا جاتا ہے۔ **الاقتصاد فیه!** اس میں میانہ روی اختیار کرنا کہ نہ تو اکتاہٹ میں ڈالنے والی تفصیل ہو اور نہ سمجھنے میں دقت پیدا کرنے والا اختصار ہو۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی :

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ [النحل:۱۲۵]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اپنے رب کے راستے کی طرف بلاتے رہو دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ''۔ (النحل)

اُدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ سے مراد اللہ تعالیٰ کا دین ہے جو کہ توحید اور اس کے اعمال ہیں۔

بالحکمة! یعنی قرآن۔ **والموعظة الحسنة!** (۱) نصائح قرآن (۲) بعض نے نرم بات جس میں سختی اور درشتی نہ ہو۔

۶۹۹ : وَعَنْ اَبِيْ وَآئِلٍ شَقِيْقِ ابْنِ سَلَمَةَ قَالَ: كَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُذَكِّرُنَا فِيْ كُلِّ خَمِيْسٍ مَرَّةً – فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ لَوَدِدْتُّ اَنَّكَ ذَكَّرْتَنَا كُلَّ يَوْمٍ فَقَالَ: اَمَا اِنَّهُ يَمْنَعُنِيْ مِنْ ذٰلِكَ اَنِّيْ اَكْرَهُ اَنْ اُمِلَّكُمْ وَاِنِّيْ اَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

"يَتَخَوَّلُنَا" : يَتَعَهَّدُنَا۔

۶۹۹ : حضرت ابووائل شقیق بن سلمہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیں ہر جمعرات کو نصیحتیں فرمایا کرتے تھے ان سے ایک شخص نے کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں ہر روز نصیحتیں فرمایا کریں تو اس پر انہوں نے فرمایا کہ خبردار مجھے اس بات سے یہ چیز مانع ہے کہ میں ناپسند کرتا ہوں کہ میں تمہیں اکتاہٹ میں

ڈالوں۔ میں وعظ ونصیحت میں تمہارا اسی طرح خیال کرتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکتاہٹ کے ڈر سے ہمارا خیال فرماتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

یَتَخَوَّلُنَا: ہمارا خیال رکھتے۔

تشریح ۞ شقیق بن سلمه ! یہ قبیلہ بنو اسد سے تعلق رکھتے ہیں کوفہ میں مقیم ہوئے یہ مخضرمین میں شمار ہوتے ہیں۔ بقول حافظؒ ان کی وفات ۶۴ ھ میں ہوئی۔ یذکرنا! ثواب وعذاب کا تذکرہ کر کے نصیحت فرماتے۔ رجل! اس کا نام معلوم نہیں۔ ابو عبدالرحمان! یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔ وددت! اس کا معنی واللہ میں پسند کرتا ہوں۔

اَلنَّحْوُ :: یہ قسم مقدر کا جواب ہے۔ انك تذکرنا کل یوم کیونکہ وعظ تذکیر کا نتیجہ اور پھل عمدہ ہے۔ اما انه یمنعنی! ان املکم باتاویل مفرد یمنع کا فاعل ہے۔ ای یمنعنی کراهة املالکم! کیونکہ نفوس پسندیدہ چیز کے تسلسل سے اکتا جاتے ہیں۔ اما حرف استفتاح ہے۔ انی اتخولکم بالموعظة! اتخول۔ رعایت کرنا۔ موعظہ مصدر میمی وعظ کرنا۔ یعنی میں وعظ میں تمہاری اسی طرح رعایت کرتا ہوں جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری رعایت فرماتے تھے۔ مخافة السامه علینا! مخافہ مفعول لہ بمعنی خوف۔ سامه! اکتاہٹ ومشقت میں پڑنا۔ علینا سامہ سے متعلق ہو۔ (۲) وصف یا حال محذوف یاشفقۃ محذوف سے متعلق ہو۔ یتخولنا! رعایت کرنا۔ درستی کرنا ابن حجر نے دوسرے معنی کی تصدیق کی یہ واؤ کی تشدید وتخفیف دونوں کے ساتھ آتا ہے۔ بعض نے خا کی بجائے حا نقل کی ہے۔ دیکھ بھال کرنے کے معنی میں آتا ہے۔

تخریج : اخرجه احمد (۲/۴۰۶۰) والبخاری (٦٨) و مسلم (۲۸۲۱) والترمذی (۲۸۵۵) وابن حبان (٢٥٢٤)

الفرائد : آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن تعلیم کا تذکرہ ہے کہ ضجر واکتاہٹ سے بچاتے تا کہ نشاط سے حاصل کر کے شوق سے عمل پیرا ہوں۔ تدریجی تعلیم میں مشقت کم اور پختگی زیادہ ہوتی ہے اسی طرح اضمیت میں میانہ روی دلوں کو زیادہ اکتاہٹ سے محفوظ کرنے والے اور دلوں میں زیادہ اثر کرنے والی ہے۔

❁ ❁ ❁

۷۰۰ : وَعَنْ اَبِی الْیُقْظَانِ عَمَّارِ ابْنِ یَاسِرٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ :سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ :"اِنَّ طُوْلَ صَلٰوةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهٖ مَئِنَّةٌ مِّنْ فِقْهِهٖ - فَاَطِیْلُوا الصَّلٰوةَ وَاَقْصِرُوْا الْخُطْبَةَ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

"مَئِنَّةٌ" بِمِیْمٍ مَّفْتُوْحَةٍ ثُمَّ هَمْزَةٍ مَّكْسُوْرَةٍ ثُمَّ نُوْنٍ مُّشَدَّدَةٍ :اَیْ عَلَامَةٌ دَالَّةٌ عَلٰی فِقْهِهٖ۔

۷۰۰ : حضرت ابوالیقظان عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ آدمی کا نماز کو لمبا کرنا اور خطبے کو مختصر کرنا اس کی سمجھ داری کی علامت ہے۔ پس تم نماز کو لمبا کرو اور خطبہ مختصر دو۔ (مسلم)

مَئِنَّۃ: علامت۔ ایسی علامت جو اس کی سمجھ داری پر دال ہو۔

تشریح ❁ ابی الیقظان عمار بن یاسر !ابوالیقظان کنیت ہے۔باپ بیٹا صحابی ہیں' سابق الاسلام مہاجر بدری ہیں۔ یہ بنومخزوم کے غلام تھے۔صفین میں علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شریک جنگ تھے۔۳۷ھ میں شہادت پائی۔ان کی روایات کی تعداد ۶۲ ہے۔نومتفق علیہ اور تین میں بخاری اور دو میں مسلم منفرد ہیں۔امام احمد نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:ائذنو اله مرحبا بالطیب المطیب! حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:اهتدوا بهدی عمار !مسند احمد میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت میں ہے:من عادی عماراً عاداه الله و من بغض عماراً ابغضه الله!اس روایت کی سند منقطع ہے۔ان کے حالات پہلے گزرے۔

طول صلاة الرجل! خطبہ کی نسبت طویل ہونی چاہئے'اذا صلی احدکم بالناس فلیخفف!(یہ جماعت کرانے والے سے متعلق ہے)پس دونوں میں تضاد نہیں۔مئنة من فقهه! کیونکہ فقیہ کو معلوم ہے کہ نماز مقصود اور خطبہ تمہید ہے تو وہ اہم تر کی طرف زیادہ توجہ دیتا ہے۔نماز عبودیت کا اظہار ہے اس کی طوالت عبودیت میں مبالغہ ہے اور خطبے کا مقصود تذکیر و نصیحت ہے۔ تو تھوڑا مقصود کی طرف رہنمائی کرنے والا کلام طویل اکتاہٹ میں ڈالنے والے کلام سے بہتر ہے۔فاطیلوا الخطبه! نماز کی بنسبت طویل کرو۔یہ راد نہیں کہ اس کو اتنا مختصر کرے کہ نہی میں مبتلا ہو۔

تخریج : مسلم' جامع صغیر میں اس روایت کے ساتھ اِن من البیان لسحراً کا اضافہ ہے۔احمد

الفرائد :وعظ قلیل مگر مقصد کو مفید وہ طویل و اکتاہٹ والے وعظ سے بہتر ہے۔نماز میں وہ طوالت مراد ہے جو سنت کے موافق ہو۔

❁ ❁ ❁

۷۰۱ :وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :"بَيْنَا اَنَا اُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِذَا عَطَسَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَقُلْتُ : يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَرَمَانِيَ الْقَوْمُ بِاَبْصَارِهِمْ! فَقُلْتُ : وَاثُكْلَ اُمِّيَاهُ مَا شَاْنُكُمْ تَنْظُرُوْنَ اِلَيَّ؟ فَجَعَلُوْا يَضْرِبُوْنَ بِاَيْدِيْهِمْ عَلٰى اَفْخَاذِهِمْ فَلَمَّا رَاَيْتُهُمْ يُصَمِّتُوْنَنِيْ لٰكِنِّيْ سَكَتُّ فَلَمَّا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَبِاَبِيْ هُوَ وَاُمِّيْ مَا رَاَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ اَحْسَنَ تَعْلِيْمًا مِنْهُ فَوَ اللّٰهِ مَا كَهَرَنِيْ وَلَا ضَرَبَنِيْ وَلَا شَتَمَنِيْ قَالَ :"اِنَّ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ لَا يَصْلُحُ فِيْهَا شَيْءٌ مِّنْ كَلَامِ النَّاسِ اِنَّمَا هِيَ التَّسْبِيْحُ وَالتَّكْبِيْرُ وَقِرَآءَةُ الْقُرْاٰنِ" اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ – قُلْتُ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ وَّقَدْ جَآءَ اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ وَاِنَّ مِنَّا رِجَالًا يَّاْتُوْنَ الْكُهَّانَ قَالَ :"فَلَا تَاْتِهِمْ" قُلْتُ :وَمِنَّا رِجَالٌ يَّتَطَيَّرُوْنَ؟ قَالَ :"ذَاكَ شَيْءٌ يَّجِدُوْنَهٗ فِيْ صُدُوْرِهِمْ فَلَا يَصُدَّنَّهُمْ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

"اَلثُّكْلُ" بِضَمِّ الثَّاءِ الْمُثَلَّثَةِ :اَلْمُصِيْبَةُ وَالْفَجِيْعَةُ – "مَا كَهَرَنِيْ" اَيْ مَا نَهَرَنِيْ۔

۷۰۱:حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا جب نمازیوں میں سے ایک شخص کو چھینک آئی پس میں نے یرحمک اللہ کہا۔پھر نمازیوں نے مجھے گھور کر دیکھا اس

پر میں نے کہا تمہاری مائیں تم کو گم پائیں۔تم مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہو؟ پس وہ اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر مارنے لگے۔پس جب میں نے ان کو دیکھا تو مجھے خاموش کرا رہے ہیں تو میں خاموش ہو گیا۔جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بہتر معلم نہ آپؐ سے پہلے دیکھا اور نہ ہی آپؐ کے بعد۔اللہ کی قسم نہ مجھے ڈانٹا اور نہ مجھے مارا اور نہ مجھے برا بھلا کہا۔بلکہ فرمایا بے شک یہ نماز ہے اس میں لوگوں کی کلام میں سے کوئی چیز مناسب نہیں۔بے شک وہ تسبیح و تقدیس اور قراءت قرآن کا نام ہے یا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا جاہلیت والا زمانہ قریب ہے اور اللہ نے مجھے اسلام دیا ہے اور ہم میں سے کچھ لوگ نجومیوں کے پاس جاتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے پاس مت جاؤ۔میں نے کہا ہم میں سے کچھ لوگ فال لیتے ہیں۔وہ ایسی چیز ہے جس کو وہ اپنے دلوں میں پاتے ہیں پس ہرگز وہ شگون ان کو ان کے کام سے نہ روکے۔(مسلم)

الثُّكْلُ: ناگہانی مصیبت۔

مَا كَهَرَنِيْ: مجھے ڈانٹا نہیں۔

تشریح ۞ **السلمی!** یہ عرب کے مشہور قبیلہ بنو سلیم کی طرف نسبت ہے۔ابن حجرؒ کہتے ہیں یہ صحابی ہیں انہوں نے مدینہ منورہ میں اقامت اختیار کی نووی نے کہا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱۳ روایات نقل کی ہیں جن میں مسلم منفرد ہیں اور ابوداؤد نسائی سے بھی نقل کی ہیں۔**بینا!** یہ الف کے ساتھ آیا کیونکہ مابعد کی طرف اضافت نہیں ہو سکی۔**انا اصلی!** یہ جملہ مستانفہ ہے۔**من القوم!** یہاں نمازی مراد ہیں۔**فقلت!** ان کی حمد کے بعد جواب کے طور پر کہا۔**یرحمك الله!** یہ لفظاً خبر ہے اور معنی کے لحاظ سے انشاء ہے۔**فرمانی القوم بابصارھم!** انکار کے طور پر لوگوں نے گھور کر دیکھا کیونکہ اس میں آدمی کو خطاب ہے جو کہ نماز کو باطل کرنے والا ہے۔یہ غصے سے گھورنا التفات ممنوعہ میں داخل نہیں۔**فقلت واثکل!** ثا پر ضمہ اور فتحہ دونوں آسکتے ہیں۔جیسے بُخل۔**امیاہ!** قرطبی کہتے ہیں یہ ثکل کا مضاف الیہ ہے اور دونوں مندوب ہیں جیسے کہتے ہیں **وا امیر المؤمنیناہ!** یہ اصل میں امی ہے اس پر الف نداء صوت کے لئے بڑھا دیا پھر ھا سکتہ اس پر لگائی جو وقف میں ثابت اور وصل میں حذف کر دی جاتی ہے (زہر الربا سیوطی) یعنی ہائے اس کا میرے لئے گم ہونا میں تو ہلاک ہو گیا۔

اَلنَّحْوُ: **ما شانکم تنظرون الی!** یہ ضمیر سے جملہ حالیہ ہے۔**بایدیھم علی افخاذھم!** با زائدہ ہے۔یہ فعل انکار میں شدت کو ظاہر کرنے کے لئے تھا۔ایک مرتبہ سے زائد نہ تھا پس مبطل صلاۃ نہیں عمل کثیر سے نماز باطل ہوتی ہے۔**یصمتوننی** **فلما رأیتھم وننی!** غصہ کے انداز سے میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں کیونکہ مجھے تو اپنی حرکت کا نتیجہ معلوم نہ تھا اور وہ اس کو شدت سے انکار کر رہے تھے۔**لکنی سکت!** ان کی بات مانتے ہوئے میں خاموش ہو گیا کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ علم رکھتے تھے اور میں اس کے مقتضیٰ سے ناواقف تھا۔**فلما صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم!** لما کا جواب قال **إن ھذہ الصلاۃ الخ!** ہے۔درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔**فبابی ھو وامی!** میرے ماں باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔(۲) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے ماں باپ قربان کرتا ہوں۔فا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی تحسین کے

لئے لائے۔ ما رایت معلماً الخ! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناواقفی کے عذر کے باوجود صحابہ کرام نے ممانعت میں مبالغہ کیا۔ اس لئے آپ کی تعلیم کی خوبی بتلائی۔ فو اللّٰہ ما کھرنی! اس کا معنی ڈانٹنا ہے (زہر الربا للسیوطی) بعض نے کہا کَھَرَ! ترش روئی سے ملنے کو کہتے ہیں۔ ولا ضربنی ولا تشمنی! موقعہ مدح میں اطناب مناسب ہے اس لئے صراحت کی۔ الصلاۃ! اس سے مراد نماز فرض و نفل سب ہی ہے۔ ھذہ کا مشار الیہ ما فی الذھن! ہے۔ کلام الناس! کلام سے لغوی معنی مراد ہے۔ ہر وہ لفظ جو بولا جائے خواہ موضوع ہو یا مہمل۔ جب اس کو بول دیں اور اس کے اپنے کان سن لیں تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دینا تخصیص کی وجہ سے کلام الناس سے مستثنیٰ رہے گا۔ واللہ اعلم۔ سیوطی کہتے ہیں نماز میں کلام کی حرمت اس امت کی خصوصیت ہے۔ ابن العربی کہتے ہیں شریعت بنی اسرائیل میں نماز میں کلام مباح تھا روزے میں اجازت نہ تھی ہماری شریعت میں اس کا عکس ہے۔ ابن بطالؒ جریج کے نماز میں والدہ کا جواب نہ دینے کو عیب قرار دیا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی شرع میں کلام مباح تھا۔ انما ھی! یہ ضمیر بعض نسخوں میں مذکر ہے بعض میں مونث ہے۔ ظاہر لفظ یا مفہوم کا لحاظ کیا گیا۔ التسبیح! اس سے اللہ تعالیٰ کو پاک قرار دینا جو اس کے لائق نہیں اور جو اس کے کمال ذاتی پر دلالت کرتی ہیں وہ کہنا۔ کسی روایت میں منقول نہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو نماز کے لوٹانے کا حکم فرمایا ہو کیونکہ ان کو معلوم نہیں تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ سے معمولی کلام واقع ہوا جو مبطل نہ تھا۔ زیادہ کلام نماز کو باطل کر دیتا ہے اگر ناواقفی کے عذر کی وجہ سے گناہ نہ ہوگا اور راوی کو شک ہے کہ یہ لفظ فرمائے التسبیح و التھلیل و الدعاء۔ بجاھلیۃ! کثرت جہالات کی وجہ سے اس کو زمانہ جاہلیت کہا جاتا ہے۔ یہ عذر انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ قد جاء اللّٰہ بالاسلام! زمانہ جاہلیت میں قریب ہونے کی وجہ سے مسائل معلوم نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزید سوالات پر ناراض نہ ہوں تاکہ ان میں اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم ہو جائے۔ یاتون الکھان! یہ کاہن کی جمع ہے۔ جو دل کی بات جاننے کا دعویٰ رکھتا ہو اور مستقبل کی خبر دیتا ہو خواہ جنات کی وجہ سے یا خیالات کی وجہ سے اس کو گمان گزرے کہ وہ علم غیب رکھتا ہے۔ عراف! اس کی نگاہ گمشدہ' مارق کے پہچاننے سے قاصر ہوتی ہے۔ قال فلا تاتھم! ان کے پاس جانے سے اس لئے روکا کہ یہ شریعت کے احکام کو لوگوں پر مشتبہ کر دیتے ہیں۔ خطابی کہتے ہیں ہر کاہن و عراف کے پاس جانے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ یتطیرون! طیرۃ شگون لینا۔

صرف یہ ایک مصدر ہے۔ جو فعلۃٌ! کے وزن پر آتا ہے خیرۃ۔! پرندہ چھوڑ کر سفر کی اچھائی برائی معلوم کرنا۔ قال ذلک شیء یجدونہ فی صدورھم! یہ شگون درحقیقت ان کے فاسد وہم کا نتیجہ ہے جس کو وہ اپنے افعال کی طرف لوٹاتے ہیں۔ فلا یصدھم! حالانکہ یہ چیز ان کے نفع و نقصان میں سے کسی چیز کے لئے رکاوٹ نہیں۔ یہ نفس میں شیطانی تزیین کی وجہ سے ہے۔ پھر یہ افعال سے اعتقاد میں جاگزین ہو جاتی ہے تاکہ غیر اللہ کو موثر مان لیا جائے۔ یہ بالاجماع کفر ہے۔

قول علماء ان کو شگون کے علماء سے منع کیا گویا اس کے سبب سے اس کی مراد سے وہ باز آ جائیں گے کیونکہ وہ ان کی قدرت و کسب میں ہے اور یہ چیز ان کے دلوں میں ضرورۃً پائی جاتی تھی اس لئے ان پر عتاب نہیں فرمایا۔ بہت سی احادیث صحیحہ طیرہ اور تطیرہ (شگون اور شگون لینے) کی ممانعت میں وارد ہیں اس سے مراد ان کے مقتضیٰ پر عمل کرنا ہے۔ فقط دل میں پایا جانے والا وسوسہ مراد نہیں' اس حدیث میں خط کھینچنے کی بھی نفی ہے۔ منا رجال یخطون قال کان نبی من الانبیاء یخط فمن وافق خطہ فذاك! اگر خط اس کے موافق ہوتا ہے تو کام ہو جاتا ہے۔ ورنہ نہیں اب اس کی موافقت مجہول ہونے کی وجہ

سے ممانعت ہی ثابت ہوگی۔ (واللہ اعلم)

تخریج : اخرجه مسلم (۵۳۷) و ابو داود (۹۳۰)

الفوائد : چھینک کا جواب یہ کلام ناس کی قسم سے ہے اس لئے نماز میں منع ہے۔ جاہل کو نرمی سے سمجھانا چاہئے۔ کاہنوں کے ہاں جانا منع ہے یہ گمراہ لوگ ہیں۔

۷۰۲ : وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَوْعِظَةً وَّجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ وَذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ ' وَذَكَرَ الْحَدِيْثَ وَقَدْ سَبَقَ بِكَمَالِهٖ فِيْ بَابِ الْاَمْرِ بِالْمُحَافَظَةِ عَلَى السُّنَّةِ وَذَكَرْنَا اَنَّ التِّرْمِذِيَّ قَالَ :اِنَّهٗ حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

۷۰۲ : حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا عمدہ وعظ فرمایا کہ جس سے دل ڈر گئے اور آنکھیں بہہ پڑیں اور حدیث کو انہوں نے ذکر کیا جو مکمل بَابُ الْاَمْرِ بِالْمُحَافَظَةِ عَلَى السُّنَّةِ نمبر ۱۵۷ میں گزری۔ ہم نے ذکر کیا کہ ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح ۞ عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ! ان کے حالات پہلے گزرے جہاں باب الامر بالمحافظة على السنة! میں اس روایت کی تشریح بھی گزری۔ موعظة! عظیم الشان وعظ۔ وجلت! ڈر جانا۔ القلوب! انسانی سمجھ کا مقام ہیں۔ ذرفت منها العيون! آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ بہترین وعظ وہ ہے۔ جامع بلیغ' نافع ہو۔

تخریج : باب في الأمر بالمحافظة على السنة وآدابها میں گزر چکی۔

۹۲ :بَابُ الْوَقَارِ وَالسَّكِيْنَةِ

بَابٌ : وقار وسکینہ

الوقار! یہ وقر کا مصدر ہے جیسے جمل جمالا۔ حوصلہ وحلم کو کہتے ہیں باب وعد سے یہ عظمت کے معنی میں آتا ہے (المصباح) السکینہ! رعب وحوصلہ یہ کاف کی تشدید کے ساتھ بھی آتا ہے۔ اس کا عطف وقار پر عطف عام علی الخاص کی جنس سے ہے۔ یہ اس کے عموم میں داخل ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾

[الفرقان: ٦٣]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب ان کو جاہلوں سے واسطہ پڑتا ہے تو وہ ان کو سلام

کہہ کر گزر جاتے ہیں۔(الفرقان)

ھو نا!ہون وہین سکون ووقار جس میں جبر وتکبر نہ ہو اور بیماروں کی چال بھی نہ ہو۔وہ مکروہ ہے۔

النحو : عباد الرحمان مبتداء اس کی خبر الذین سے ہے یا یہ صفت ہے اور خبر اولئك يجزون! ہے۔ اذا خاطبهم الجاهلون! جب ان سے اس انداز سے بات کرتے ہیں جو ناپسندیدہ ہے۔قالوا سلاما! وہ ایسی درست بات کہتے ہیں جس میں گناہ سے بچتے ہیں۔(۲) سلام تسلیم کے معنی میں ہے۔ہم تمہاری بات مانتے ہیں ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی خیر و شر نہیں جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿واذا سمعوا اللغوا اعرضوا عنه وقالوا لنا اعمالنا ولكم اعمالكم سلام عليكم لا نتبغي الجاهلين﴾!اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ ان کو سلام کہتے ہیں یعنی سلام متارکت اور روایت حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔

٧٠٣ :وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَت :مَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مُسْتَجْمِعًا قَطُّ ضَاحِكًا حَتّٰى تُرٰى مِنْهُ لَهَوَاتُهٗ اِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ"، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

"اَللَّهَوَاتُ" جَمْعُ لَهَاةٍ وَهِيَ اللَّحْمَةُ الَّتِيْ هِيَ فِيْ اَقْصٰى سَقْفِ الْفَمِ۔

۷۰۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی قہقہہ مار کر ہنستے نہیں دیکھا کہ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلق کا کوا نظر آئے۔ بے شک آپ تبسم فرماتے تھے۔(بخاری ومسلم)

اللَّهَوَاتُ :جمع لَهَاةٍ،حلق کا کوا۔گوشت کا وہ ٹکڑا جو انتہائی حلق میں ہوتا ہے۔

تشریح ۞ مستجمعًا! ہنسی میں مبالغہ کرنے والے کہ اس میں کوئی درجہ بھی نہ چھوٹنے پائے۔ ضاحکاً! یہ تمیز کی وجہ سے منصوب ہے اور اگر یہ مشتق ہو جیسے للّٰہ درہ فارسًا! مطلب یہ ہوگا ما رأيته مستجمعا من جهة الضحك بحيث يضحك ضحكا تاماً مقبلا لكلتيه على الضحك! میں نے آپ کو نہیں ہنسی کے لحاظ سے مبالغہ کرنے والا کہ آپ اس طرح ہنسے ہوں کہ اپنے منہ کی دو طرفوں (باچھوں) کو ہنسی میں استعمال کرنے والے ہوں۔

اہل لغت کا قول:تبسم یہ ہنسی کے مبادی سے ہے اور ضحک چہرہ اس طرح کھلنا کہ خوشی سے دانت ظاہر ہو جائیں۔اگر اس میں آواز ہو جو دور سے سنی جائے تو وہ قہقہہ کہلائے گا۔ورنہ ضحک اور اگر اس میں آواز نہ ہو تو تبسم کہلاتا ہے۔یہ آپ ﷺ کے عمومی طرزِ عمل کی بات ہے ورنہ تو کئی احادیث وارد ہیں جن میں آیا ہے:ضحك حتى بدت نواجذة! وہ کبھی کسی موقع کی بات ہے۔ اللهوات جمع لهاة !حلق کا کوا۔

تخریج : اخرجه البخاری (٤٨٢٨) و مسلم (١٦/٨٩٩) و ابو داود (٥٠٩٨)

الفرائد :اللہ تعالیٰ نے آپ کی طبع مبارک میں کیا لطافت پیدا فرما رکھی تھی کہ اکثر ہنسی آپ ﷺ کی تبسم کی صورت میں تھی ایسا نہ ہنستے تھے جس سے آپ ﷺ کے دانت اور داڑھیں ظاہر ہوں۔

۹۳ :بَابُ النَّدْبِ اِلٰى اِتْيَانِ الصَّلَاةِ وَ نَحْوِهِمَا مِنَ الْعِبَادَاتِ

بِالسَّكِينَةِ وَالْوِقَارِ

بَابٌ ۹۷: نماز وعلم اور دیگر عبادات کی طرف وقار وسکون سے آنا

الندب! یہ (ن) باب سے ہے بلانے کے معنی میں آتا ہے۔ انیان الصلاة! کا مطلب محل صلاۃ کی طرف آنا ہے۔ بالسکینه والوقار! اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نفس کو سکون میسر آتا ہے چنانچہ وہ خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت میں داخل ہوگا اور اس کے برعکس اگر وہ راستے میں دوڑا تو اس کی وجہ سے وہ مضطرب ہوگا۔ اور نماز میں کامل سکون سے محروم رہے گا یا سرے سے سکون سے محروم رہے گا۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ [الحج:٣٢]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص اللہ تعالیٰ کے ادب واحترام کے مقامات کی تعظیم کرتا ہے پس یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے"۔ (الحج)

فانها! یعنی شعائر کی تعظیم۔ من تقوى القلوب! دلوں کے تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔ (۲) یہ ان لوگوں کے اعمال سے ہے جو تقویٰ والے ہیں۔ آیت کے متعلق حرمات المسلمین میں گزری۔

٧٠٤ : وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : "إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا تَأْتُوْهَا وَأَنْتُمْ تَسْعَوْنَ وَأْتُوْهَا وَأَنْتُمْ تَمْشُوْنَ وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ :زَادَ مُسْلِمٌ فِيْ رِوَايَةٍ لَّهُ :فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا كَانَ يَعْمِدُ إِلَى الصَّلٰوةِ فَهُوَ فِيْ صَلٰوةٍ"۔

۷۰۴: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ جب نماز کھڑی ہو جائے تو تم اس کی طرف دوڑتے ہوئے مت آؤ بلکہ تم چلتے ہوئے آؤ اور تم پر سکون واطمینان لازم ہے پس جتنی نماز تم پالو اس کو پڑھ لو اور جو تم سے رہ جائے پس اسے پورا کرلو۔ (بخاری ومسلم)

مسلم نے اپنی روایت میں یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی نماز کا قصد کر لیتا ہے تو وہ نماز میں شمار ہوتا ہے۔

تشریح ۞ اذا اقيمت الصلاة! اقامت کے کلمات کہے جا رہے ہوں وغیرہ بلکہ بہتر یہ ہے کہ جب جماعت کے کھڑے ہونے کا خدشہ ہو۔ بعض نے یہاں نماز جمعہ مراد لی ہے۔ امام بخاری نے اس کو باب المشی الی الجمعة! میں ذکر کیا ہے۔ لیکن عموم مراد لینا زیادہ بہتر ہے الا یہ کہا جا سکتا ہے کہ غیر جمعہ کی نماز قیاس سے بخوبی سمجھ آ سکتی ہے۔ فلا تاتوها وانتم تسعون! تو بہت یہ ہے کہ تم دوڑتے ہوئے اس کی طرف مت جاؤ۔ یہ اس آیت ﴿اذا نودی للصلاة من يوم الجمعة﴾ کے خلاف نہیں کیونکہ جس سعی سے حدیث میں روکا جا رہا ہے وہ دوڑنے کے معنی میں ہے اور مناسب رفتار سے

جانے کا حکم ہے۔ بخاری کی روایت وارد ہے۔فامشوا الی الصلاۃ ولا تسرعوا (الحدیث)۔ تواصا وانتم تمشون! مستحب یہ ہے کہ تم ایسی چال سے چل کر آؤ جس میں وقار کے خلاف والی تیزی نہ ہو۔ جیسا کہ جملہ حالیہ کی قید اس بات کو پختہ کر رہی ہے۔ وعلیکم بالسکینۃ والوقار! ان کو رفع سے پڑھیں تو مبتدا موخر ہے۔ (۲) قرطبی کہتے ہیں سکینۃ والوقار اغراء کی وجہ سے منصوب ہیں مگر یہ سیاق کے خلاف ہے۔ البتہ ایک روایت میں بالسکینۃ وارد ہے۔ جو نصب کی تائید کرتا ہے۔ یہ وقار وسکون اس لئے طلب کیا گیا تا کہ قدم زیادہ ہو جائیں جو کثرت ثواب کا باعث ہیں پھر اس کا موقعہ اس وقت تک ہے جب تک جملہ میں تاخیر کی وجہ سے مقصر شمار نہ ہو۔ اس طرح کہ اس کو جمعہ فوت کرنے والے کہا جائے۔ اگر ایسی صورت ہو تو پھر جلدی کرنا واجب ہے۔ اس کو وضاحت کے لئے عطف سے ذکر کیا قرطبی کا یہی قول ہے۔ یہ دونوں مترادف ہیں مگر بظاہر ان میں فرق ہے۔ سکینہ! حرکات میں تاخیر اور فضول سے گریز کو کہتے ہیں اور وقار ہیئت سے متعلق ہے مثلاً نگاہ کا نیچا کرنا' آواز ہلکی رکھنا' اِدھر اُدھر توجہ نہ کرنا۔

النحو : اور تاسیس تاکید سے بہتر ہے اور عطف میں اصل تغایر ہے۔ بعض شارحین جامع صغیر نے کہا دونوں کو یہاں مرادف قرار دیں گے اور دونوں میں فرق اس وقت ہے جب دونوں باہمی جمع ہوں۔ جب الگ استعمال ہو تو ایک دوسرے سے مستغنی ہوگا جیسے فقیر و مسکین کے الفاظ۔ فما ادرکتم فصلوا! امام کے ساتھ جو نماز کا حصہ رہ جائے وہ بعد میں ادا کر لو۔ حافظ نے فا کو جواب مانتے ہوئے یہ جملہ مقدر مانا اذا فعلتم ما امرتم به من السکینة وترك الاسراع فما ادرکتم فصلوا! یہ کرمانی کے قول کے جملے سے بہتر ہے اذا بینت لکم ما هو اولٰی بکم فما ادرکتم فصلوا۔ وما فاتکم فاتموا! جو اس کے ساتھ رہ جائے اسے اکیلے پورا کر لو۔ ایک روایت میں فاقضوا! کے الفاظ ہیں ان میں منافات نہیں۔

دلیل شوافع: اتموا! سے شوافع نے استدلال کیا۔ امام کے ساتھ نماز کا جو حصہ پالیا وہ پہلا حصہ ہے اور بقیہ بقیہ ہے کیونکہ اتمام پچھلے حصے کا ہوتا ہے۔ (برماوی)

فاقضوا! والے الفاظ احناف کا مستدل ہیں قضاء ماسبق کی ہے۔

تخریج : بخاری و مسلم' وقار کا لفظ صراحۃً صرف بخاری میں آیا ہے۔ احمد

الفرائد: ① نماز میں دوڑ کر شامل ہونے کی ممانعت ہے۔ ② نماز کی طرف قصد کرنے والے کو نماز کے آداب کا پورے طریقے پر لحاظ کرنا چاہئے۔

٧٠٥ : وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهٗ دَفَعَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ عَرَفَةَ فَسَمِعَ النَّبِيَ وَرَآءَهٗ زَجْرًا شَدِيْدًا وَّضَرْبًا وَّصَوْتًا لِّلْاِبِلِ' فَاَشَارَ بِسَوْطِهٖ اِلَيْهِمْ وَقَالَ: "اَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ فَاِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِالْاِيْضَاعِ" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوٰى مُسْلِمٌ بَعْضَهٗ۔

"اَلْبِرُّ": اَلطَّاعَةُ۔ "وَالْاِيْضَاعُ" بِضَادٍ مُعْجَمَةٍ قَبْلَهَا يَآءٌ وَّهَمْزَةٌ مَكْسُوْرَةٌ وَهُوَ: اَلْاِسْرَاعُ۔

۷۰۵: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ عرفات کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آ رہے

تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ کی اپنے پیچھے آواز سنی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کوڑے سے ان کی طرف اشارہ فرما کر کہا کہ اے لوگو! سکون اختیار کرو نیکی تیزی میں نہیں۔ (بخاری)

مسلم نے کچھ حصہ روایت کیا۔

اَلْبِرُّ: نیکی۔

اَلْاِیْضَاعُ: تیزی

تشریح دفع مع النبی ﷺ! اس طرح روانہ ہونا کہ وہ مصاحب شمار ہوں اور اس قافلے کی طرف نسبت کی جائے۔ یوم عرفة! حدیث جابرؓ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مغرب کے بعد کی مزدلفہ کی واپسی کا موقعہ تھا۔ زجرا شدیداً وضربا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈانٹ اور ضرب کی آواز سنی۔ وصوتا لابل! اونٹوں کے بلبلانے کی آوازیں سنیں۔ رغت الناقة! اونٹنی کا آواز نکالنا (المصباح) فاشار بسوطه الیهم! تیزی چھوڑو۔ علیکم بالسکینه! تم پر سکون لازم ہے۔ علیکم اسم فعل بمعنی خذوا باسے متعدی بنایا گیا۔ فان البر لیس بالایضاع! ایضاع' تیزی۔ بلکہ خشوع وخضوع اور اسکی بارگاہ میں عاجزی سے حاصل ہوتی ہے جس پر کوئی حالت مخفی نہیں۔ تیزی بھی تزاحم' ایذاء کے وقت ممنوع ہے۔ ولا وضعوا خلالکم! کا معنی یہ ہے کہ منافقین تمہاری سواریوں میں اپنی سواریاں گھساتے ہیں تا کہ تمہارے درمیان دشمنی پیدا کریں۔

تخریج: اخرجه البخاری (۱۶۷۱) و مسلم (۱۲۸۲) والنسائی (۳۰۱۹)

۹۴ : بَابُ اِکْرَامِ الضَّیْفِ

بَابٌ: مہمان کا اکرام کرنا

الضیف! یہ مصدر ہے۔ ضاف ضیفا (ض) جب کسی کے ہاں مہمان بنے اور مطابقت بھی درست ہے۔ عرب کہتے ہیں ضیف' ضیفة' واضیاف' وضیفان 'د اضفته و ضیفته جب تم اس کو اپنے ہاں اتارو اور تم اس کی مہمانی کرو۔ ضیافت اسم ہے۔ بقول ثعلب ضفته! جب کسی کے ہاں مہمان بنے اور اضفته! جب وہ تیرے ہاں مہمان بنے اور تضیفنی فضیفته! اس نے مجھ سے مہمانی طلب کی میں نے اس کی مہمانی کی (المصباح)

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی :

﴿هَلْ اَتَاكَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرَاهِیْمَ الْمُكْرَمِیْنَ اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ فَرَاغَ اِلٰى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَیْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ﴾

[الذاریات: ٢٤]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''کیا ابراہیم کے معزز مہمانوں کی بات تمہارے پاس آئی؟ جب وہ ان کے پاس داخل ہوئے۔ پس انہوں نے سلام

کیا۔ابراہیمؑ نے جواب میں سلام کہا۔فرمایا اوپرے لوگ ہیں پھر وہ اپنے گھر کی طرف چلے گئے اور ایک موٹا بچھڑا لائے اور ان کے قریب کیا فرمایا تم کھاتے کیوں نہیں؟'' (الذاریات)

ضیف ابراھیم المکرمین! ضیف کا لفظ مفرد ہے۔ وصف جمع ہے کیونکہ وہ مصدر ہے۔ مکرمین اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز یا ابراہیم علیہ السلام کے ہاں معزز۔**اذا دخلوا علیہ!** یہ حدیث کا ظرف ہے یا اذکر محذوف کا۔ فعل ماضی کا ظرف نہیں کیونکہ خبر آنے اور دخول کے زمانے میں فرق ہے۔**سلاماً!** ہم آپ ﷺ کو سلام عرض کرتے ہیں۔**قال سلام!** آپ ﷺ نے کہا تم پر بھی سلام ہو۔ سلام کو مرفوع پڑھیں تا کہ **فحیوا باحسن منھا!** پر عمل ہو (تفصیل فی شرح الاذکار) **قوم منکرون!** تم لوگ انجان ہو۔**فراغ الی اھلہ!** آپ ﷺ خفیہ طور پر گھر گئے۔

مَسْئَلَۃ: مہمان کا احترام یہ ہے کہ ضیافت کو مخفی رکھے۔ **فجاء بعجل سمین!** ایک بھنا ہوا بچھڑا لائے جیسا فرمایا: **فجاء بعجل حنیذٍ۔ الا تاکلون!** عبارت میں تلطف کے لئے عرض کے انداز سے ذکر کیا گیا۔

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ قَالَ : يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ؟﴾ [ھود:۷۸]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اور ان کی قوم ان کے پاس تیزی سے دوڑتی ہوئی آئی اور اس سے پہلے وہ برے کام کرتے تھے۔آپؑ نے فرمایا اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ ہیں پس اللہ سے تم ڈرو اور میرے مہمانوں کے بارے میں مجھے رسوا نہ کرو۔کیا تم میں کوئی سمجھدار آدمی نہیں؟'' (ھود)

تشریح ۞ **جاءہ قومہ یھرعون الیہ!** لوط علیہ السلام کے پاس ان کی قوم تیزی سے آئی تا کہ ان کے مہمانوں سے اپنا مطلب پورا کریں۔**ومن قبل!** اس وقت سے پہلے۔ **کانوا یعملون السیئات!** قدیم زمانے سے ان کو لواطت کی عادت تھی۔**ھؤلاء بناتی!** ان سے نکاح کرلو اور میرے مہمانوں کو چھوڑ دو۔ وہ اس سے پہلے ان سے طلب کرتے تھے مگر آپ نہ مانتے تھے اس وقت مسلمہ اور کافر کا نکاح درست تھا۔ (۲) یا بنات سے مراد وہ عورتیں جو ان کے گھروں میں تھیں کیونکہ امت کی عورتیں پیغمبر کی بیٹیاں ہیں۔**ھن اطھر لکم!** وہ لواطت کی بجائے زیادہ پاکیزہ ہیں کیونکہ محل حدث ہیں۔**ولا تخزون فی ضیفی!** میرے مہمانوں کی شان کے سلسلہ میں مجھے رسوا مت کرو۔مہمان کی توہین خود میزبان کی توہین ہے۔

مَسْئَلَۃ: مہمان کا اہتمام کرنا چاہئے اور اس سے ایذاء کا ازالہ کرنا چاہئے۔ اگر چہ اس کی وجہ سے میزبان کو کچھ تکلیف اٹھانی پڑے۔**الیس منکم رجل رشید!** کیا تم میں کوئی سمجھدار نہیں جو میری بات کی حقیقت کو جانے۔

۷۰۶ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ : ''مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۷۰۶: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے بس اسے چاہئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اور جو آدمی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے پس اسکو صلہ رحمی کرنی چاہئے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے پس چاہئے کہ وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ یو من باللّٰہ! یعنی کامل ایمان والا۔ فلیکرم صیفہٗ! اکرام یہ ہے کہ بشاشت وجہ سے ملے۔ اس کی جلد مہمانی کرے۔ بذاتِ خود اس کی خدمت کرے۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی کی۔ "اکرم اضیافك فاعد لکل شاة مشویة"! ان کی طرف وحی کی گئی اکرام کرو۔ ابراہیم علیہ السلام نے بیل بھون دیا پھر اللہ تعالیٰ نے وحی کی اکرام کرو انہوں نے اونٹ بھون دیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر وحی کی اکرام کرو تو آپ حیران ہوئے اور سمجھ لیا کہ مہمانوں کا اکرام طعام کی کثرت میں نہیں بلکہ خود خدمت میں ہے پس اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی اب تم نے خدمت کی ہے (شرح مشارق لابن مالک) من کان یؤمن! اس کو دوبارہ لوٹایا تا کہ ظاہر ہو کہ ان کا جواب ہر سبب پر مستقل مرتب ہوتا ہے۔ (۲) اور یہ بھی احتمال ہے کہ مرتب علیہ تین امور کا مجموعہ ہے۔ پس مستقل لا کر یہ چیز دور کر دی۔ فلیصل رحمه! باب صلة الارحام! میں یہ بات گزری کہ صلہ رحمی مطلوب ہے اور اس کی بعض چیزیں تو واجب اور بعض مستحب ہیں۔ امر تو یہاں سب کو شامل ہے تو یہ حقیقت و مجاز کو جمع کرنا ہے جو ان کے جمع کو جائز مانتے ہیں یا عموم مجاز مراد ہو تو اس وقت مطلق طلب میں دونوں نوعین شامل ہیں۔ الیوم الآخر! اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔ اس کے اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس دن کے بعد اور دن نہیں اور اس کو تینوں بار ذکر اس لئے کیا گیا کیونکہ وہ مجازات کی گھڑی ہے۔ اس کا تذکرہ عمل خیر کی کثرت کا باعث بنے گا اور دوسرے اعمال سے روک کا سبب ہوگا۔ گویا ان خصال کو ترک کرنے والا گویا آخرت پر اللہ تعالیٰ پر ایمان ہی نہیں رکھتا۔ فلیقل خیرا! امر بالمعروف ہو یا نہی عن المنکر یا کوئی اچھی بات کہے۔

تخریج: اخرجه حق الحار والوصية به کے تحت گزر چکی۔

الفرائد: باب حق الجار ۳۱۴ میں گزری

۷۰۷: وَعَنْ اَبِیْ شُرَيْحٍ خُوَيْلِدِ ابْنِ عَمْرٍو الْخُزَاعِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: "مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ جَائِزَتَهٗ" قَالُوْا: وَمَا جَائِزَتُهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: "يَوْمُهٗ وَلَيْلَتُهٗ وَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ فَمَا كَانَ وَرَآءَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِیْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ: "لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ: اَنْ يُّقِيْمَ عِنْدَ اَخِيْهِ حَتّٰى يُؤْثِمَهٗ قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يُؤْثِمُهٗ؟ قَالَ: "يُقِيْمُ عِنْدَهٗ وَلَا شَیْءَ لَهٗ يَقْرِيْهِ بِهٖ"۔

۷۰۷: حضرت ابو شریح خویلد ابن عمرو خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو پس چاہئے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اور اس کا

جائزہ اس کو دے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جائزہ کیا ہے؟ فرمایا ایک دن اور رات اور تین دن اس کی مہمانی جو اس کے بعد ہے وہ صدقہ ہے۔ (بخاری ومسلم) مسلم کی روایت میں یہ ہے کہ کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے ہاں اتنا ٹھہر کر اسے گنہگار کرے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ کیسے اس کو گنہگار کرے؟ فرمایا اس کے پاس ٹھہرے اور کوئی چیز بھی اس کے پاس نہ رہے کہ اس کے ساتھ اس کی مہمانی کر سکے۔

تشریح ۞ **ابی شریح خویلد!** خویلد یہ خالد بن عمرو (الخزاعی) الکعبی العدوی حلیف ہونے کے لحاظ سے ہیں۔ بعض نے کہا ان کا نام عبدالرحمان بن عمرو بعض نے ہانی اور بعض نے کعب کہا ہے۔ فتح مکہ میں حاضر تھے۔ بنی کعب کا ایک جھنڈا ان کے ہاتھ تھا۔ ایک جماعت نے ان سے روایت لی ہے۔ بیس احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں بخاری ومسلم نے تین روایات نقل کی ہیں۔ دو متفق علیہ اور ایک میں بخاری منفرد ہیں ان سے نافع بن جبیر اور مقبری نے بھی روایت لی ہے۔ مدینہ منورہ میں ۶۸ھ میں وفات پائی۔ **فلیکرم ضیفه جائزته!** یہ بدل الاشتمال ہے جب منصوب ای **فلیکرم جائزة ضیفه۔ ما جائزته؟!** جائزہ سے مراد ایک دن رات کی مہمانی ہے۔ بخاری کے الفاظ رقاق اور ادب میں مختلف ہیں مگر مرفوع محذوف پر دلالت کرتا ہے۔ **والضیافة ثلاثة ایام!** اس کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا جائزہ اسی سے ہے اس سے زائد ہے۔ دمامینی جائزہ کو تین سے زائد مانتے ہیں۔ **وما کان وراء ذلك!** تین دن سے اضافہ وہ صدقہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے۔ جائزتہ خود ثلاثہ میں شامل ہے۔ علماء نے فرمایا اصل مقصد یہ ہے کہ پہلے دن رات میں مہمان کے اکرام میں مبالغہ کرے۔ بقیہ دو دنوں میں معمول کے مطابق خدمت کرے۔ **حتی یؤثمه!** گناہ گار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ مقیم ہو اور اس کے ہاں مہمانی کے لئے کچھ نہ ہو۔ اس کو قرضہ لینے کی ضرورت پڑے گی۔ وہ جھوٹ اور وعدے کی خلاف ورزی میں مبتلا ہوگا۔ جیسا حدیث میں آیا یا **رسول اللّٰه ما اکثر ما تستعیذ بهٖ من المغرم فقال ان الرجل اذا غرم وعد فاخلف وحدث فکذب۔!** جب آدمی مقروض ہو جاتا ہے تو وعدے کی خلاف ورزی کرتا اور باتوں میں جھوٹ بولتا ہے۔

تخریج: بخاری فی الادب' ابو دائود فی الاطعمه' ترمذی فی البر' نسائی فی الرقاق' ابن ماجه فی الادب (اطراف مزی)

الفرائد: ایک دن رات مہمان کو خوب اکرام کرے۔ تین سے زائد مہمانی صدقہ ہے۔ مہمان کو بھی تین دن رات سے زیادہ اقامت اختیار نہ کرنی چاہئے تاکہ میزبان تنگی میں مبتلا نہ ہو۔

۹۵: بَابُ اسْتِحْبَابِ التَّبْشِیْرِ وَالتَّھْنِئَةِ بِالْخَیْرِ

بَاب: بھلائی پر مبارکباد وخوشخبری مستحب ہے

التبشر! ایسی خبر دینا جو مخبر کو خوش کر دے۔ تبشیر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جس کو خوشخبری دی گئی ہے اس کے چہرے پر اس سے سرور و خوشی ظاہر ہوتی ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی :

﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ﴾ [الزمر:۱۶،۱۷]
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
''پس تم میرے ان بندوں کو خوشخبری دے دو جو بات کو سن کر اس میں سب سے بہتر کی پیروی کرے''۔(الزمر)
فبشر عباد! اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے ان بندوں کو خوشخبری دے دیں جو میرے ساتھ نسبت عبودیت رکھتے ہیں۔ القول! سے قرآن مجید مراد ہیں۔فیتبعون احسنة! اتباع احسن سے مراد مثلاً قرض خواہ کا تنگ دست کو چھوڑ دے' نصف مہر جس کے واپس کرنے میں اختیار ملا یہ تمام عورت کو دے دے۔لطیفہ: مبشر بہ کو حذف کیا تا کہ عموم کا فائدہ ہو اور وہ اپنی تمام راہوں پر پیش قدمی کرے۔فضل اللہ تو سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔

وَقَالَ تَعَالٰی :
﴿يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ﴾ [التوبة:۲۱]
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
''ان کا رب اپنی طرف سے رحمت' رضامندی اور ایسے باغات کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لئے ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہوں''۔(توبہ)
یبشرھم ربھم! لطافت تعبیر کے کیا کہنے۔سابقہ عنایات والا رب ان کو خوشخبری دے رہا ہے۔یہاں تک کہ ان کو اپنی اس رحمت تک پہنچا دیا جو اس کے علم میں طے ہو چکی۔برحمة منه! وہ رحمت اسی کی طرف سے ملنے والی ہے۔قاعدہ یہ ہے کہ عظیم کی طرف سے ملنے والی بھی عظیم ہوگی۔ورضوان! اور یہ رضامندی ہار کے دو کناروں کو ملانے والی گرہ کی طرح ہے۔اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا: ''ورضوان من اللہ اکبر''! تو نماز کے ہاروں کے درمیان اس موتی کو رکھ دیا۔جنات! اس کی تنوین رحمت کی طرح ہے۔لھم فیھا نعیم مقیم! مقام صفت میں یہ جملہ اسمیہ لائے۔دونوں ظروف میں سے ایک خبر مقدم ہے جو اہتمام کو ظاہر کر رہی ہے اور دوسرا ظرف محل حال میں ہے۔

وَقَالَ تَعَالٰی :
﴿وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ [فصلت:۳۰]
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
''تمہیں اس جنت کی خوشخبری ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا''۔(فصلت)
وابشروا! قیامت کے دن خاص مؤمنین کو یہ خوشخبری دی جائے گی۔کنتم توعدون! یعنی انبیاء علیہم السلام کی زبانی۔

وَقَالَ تَعَالٰی :
﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ﴾ [الصافات:۱۰۱]
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
''پس ہم نے ان کو حلم والے لڑکے کی خوشخبری دی''۔(الصافات)

جمہور مفسرین حلیم سے اسماعیل علیہ السلام مراد لیتے ہیں' بعض نے اسحاق کہا ہے۔

وَقَالَ تَعَالٰی:

﴿وَلَقَدْ جَآءَ تْ رُسُلُنَا اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی﴾ [هود:٦٩]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''تمہارے قاصد ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری لائے''۔(ھود)

رسلنا! اس سے ملائکہ اللہ مراد ہیں۔ بالبشریٰ! اس سے بیٹے کی خوشخبری مراد ہے۔ اس وجہ سے اس کے لئے آیت اے میں ھا ضمیر استعمال کی گئی ہے۔ یا قوم لوط کی ہلاکت کی بشارت۔

وَقَالَ تَعَالٰی:

﴿وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْب﴾ [هود:٧١]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اور ان کی بیوی کھڑی تھی پس وہ ہنس پڑی۔ پس ہم نے اس کو اسحاق کی خوشخبری دی اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی''۔(ہود)

امراته! ابراہیم کی زوجہ محترمہ سارہ سلام اللہ علیہا۔ قائمة! پردے کے پچھلی جانب یا مہمانوں کی خدمت کیلئے (جبکہ فرشتے ہونے کی اطلاع مل گئی) فضحکت! وہ اس معاملے کی خوشخبری سے ہنس دیں۔ (۲) تعجب سے ہنسیں اور کہنے لگیں ہم اپنے مہمانوں کی خود مہمان داری کرتے ہیں اور وہ کھانے کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ (۳) ابراہیم کے خوف زدہ ہونے پر متعجب ہو کر ہنسیں کہ اپنے خدم وحشم میں ہوتے ہوئے خوف چہ معنی دارد جب کہ ان کی تعداد بھی بہت قلیل ہے۔ (۴) ضحکت حیض آنے کے معنی میں ہے' یہ حیض کے دس معنی میں سے ہے۔ (۱) **طمس** (۲) **طمث** (۳) **اعصار** (۴) **اکبار** (۵) **ضحك** (۶) **دراس** (۷) **عراك** (۸) **حیض** (۹) **نفاس** (۱۰) **فراك**۔

قال اللّٰه تعالٰی

﴿**فنادته الملائكة وهو قائم یصلی فی المحراب**﴾ (آل عمران:٣٩)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''پس اس کو فرشتوں نے آواز دی جبکہ وہ حجرے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تمہیں یحییٰ کی خوشخبری دیتے ہیں''۔(آل عمران)

فنادته۔ ہ! سے زکریا علیہ السلام مراد ہیں۔ **ھو قائم!** یہ نادیٰ کے مفعول سے حال ہے اور ظرف **یصلی** کے فاعل سے حال ہے۔ **محراب!** نماز کے مقام کو محراب سے اس لئے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ وہ شیطان سے لڑائی کا مورچہ ہے۔ **ان اللّٰه!** قائلین کو مضمر مانیں تو ان اور بلا اضمار یہ اَنَّ۔ **یبشرك بیحیٰی!** یہ صورت میں مضارع ہے عجمی زبان کا منقول ہو کر آیا ہے۔

وَقَالَ تَعَالٰی:

﴿اِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ﴾ [آل عمران:۳۹]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے مریم بے شک اللہ تمہیں اپنے ایک کلمے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام مسیح ہے۔''

(آل عمران)

اذ کر! فعل کا یہ مفعول ہے۔ کلمه! عیسیٰ علیہ السلام کو کلمہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ ''کن'' سے بنائے گئے۔ کسی مذکر کا واسطہ نہ تھا۔ منه! عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت وشان کی طرف اشارہ ہے۔

اَلْاٰيَةَ، وَالْاٰيَاتُ فِي الْبَابِ كَثِيْرَةٌ مَّعْلُوْمَةٌ۔

اس باب میں آیتیں بہت اور معروف ہیں۔

وَاَمَّا الْاَحَادِيْثُ فَكَثِيْرَةٌ جِدًّا وَهِيَ مَشْهُوْرَةٌ فِي الصَّحِيْحِ مِنْهَا:

اور جہاں تک احادیث کا تعلق ہے وہ بھی بہت اور مشہور ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

۷۰۸ :عَنْ اَبِيْ اِبْرَاهِيْمَ وَيُقَالُ اَبُوْ مُحَمَّدٍ وَّيُقَالُ اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ اَوْفٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ :بَشَّرَ خَدِيْجَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ، لَا صَخَبَ فِيْهِ وَلَا نَصَبَ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

''الْقَصَبُ'' هُنَا :اللُّؤْلُؤُ وَالْمُجَوَّفُ۔ ''وَالصَّخَبُ'' :الصِّيَاحُ وَاللَّغَطُ۔ ''وَالنَّصَبُ'' :التَّعَبُ۔

۷۰۸ :حضرت ابوابراہیم اور بعض نے کہا ابومحمد اور بعض نے کہا ابومعاویہ عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں خالی موتیوں والے گھر کی خوشخبری دی کہ جس میں نہ شور ہوگا اور نہ تکان۔ (بخاری ومسلم)

الْقَصَبُ : سوراخ دار موتی۔

الصَّخَبُ :شوروغوغا۔

النَّصَبُ :تھکاوٹ۔

تشریح ۞ عبدالله بن ابی اوفی رضی الله عنهما! ان کی کنیت میں اختلاف ہے بعض نے ابوابراہیم، بعض نے ابو محمد اور بعض نے ابومعاویہ کہی ہے۔ نووی نے باب الصبر میں ابوابراہیم پر اکتفاء کیا ہے۔ ان کے حالات باب الصبر میں گزرے۔ باپ بیٹا صحابی ہیں۔ ببیت! عظیم الشان گھر' اس لئے کہ مسلم کی روایت میں قصر کا لفظ وارد ہے۔ من قصب! (۱) حال بن سکتا ہے (۲) نکرہ کی صفت بھی بن سکتا ہے۔ قصب! صاحب نہایہ کہتے ہیں جو موتی لمبائی لئے ہوئے اندر سے خالی ہو۔ طبرانی کی روایت کے مطابق وہ قصب جس پر موتی اور یاقوت پروئے گئے ہوں۔ لا صخب فيه و لا نصب! صخب شوروغل (س) نصب تھکاوٹ۔ جنت دار التکلیف نہیں بلکہ دار التشریف ہے۔

النَّحْوُ: ولا نصب! میں لاحول ولاقوۃ کی طرح وجوہ خمسہ جاری ہوسکتی ہیں۔

تخریج : بخاری فی فضل خدیجہ' مسلم فی الفضائل' نسائی فی المناقب۔

الفرائد: حضرت خدیجہؓ کی تمام ازواج پر فضیلت اور رب العالمین کی طرف سے جنت کی بشارت جیسا روایت بخاری ۳۸۲۰ میں موجود ہے۔ یہ آپ ﷺ کی وہ زوجہ محترمہ ہیں جن سے آپ ﷺ کی تمام اولاد سوائے ابراہیم سلام اللہ علیہ السلام کے سواء ہوئی۔

٭٭٭

۷۰۹: وَعَنْ اَبِیْ مُوسٰی الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ تَوَضَّاَ فِیْ بَیْتِہٖ ثُمَّ خَرَجَ فَقَالَ: لَاَلْزَمَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ وَلَاَ کُوْنَنَّ مَعَہٗ یَوْمِیْ ھٰذَا ' فَجَآءَ الْمَسْجِدَ فَسَاَلَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ فَقَالُوْا: وَجَّہَ ھٰھُنَا ' قَالَ فَخَرَجْتُ عَلٰی اَثَرِہٖ اَسْاَلُ عَنْہُ حَتّٰی دَخَلَ بِئْرَ اَرِیْسٍ فَجَلَسْتُ عِنْدَ الْبَابِ حَتّٰی قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ حَاجَتَہٗ وَتَوَضَّاَ فَقُمْتُ اِلَیْہِ فَاِذَا ھُوَ قَدْ جَلَسَ عَلٰی بِئْرِ اَرِیْسٍ وَتَوَسَّطَ قُفَّھَا وَکَشَفَ عَنْ سَاقَیْہِ وَدَلَّاھُمَا فِی الْبِئْرِ ' فَسَلَّمْتُ عَلَیْہِ ثُمَّ انْصَرَفْتُ فَجَلَسْتُ عِنْدَ الْبَابِ فَقُلْتُ: لَاَکُوْنَنَّ بَوَّابَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ الْیَوْمَ فَجَآءَ اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَدَفَعَ الْبَابَ فَقُلْتُ: مَنْ ھٰذَا؟ فَقَالَ: اَبُوْبَکْرٍ فَقُلْتُ: عَلٰی رِسْلِکَ ' ثُمَّ ذَھَبْتُ فَقُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذَا اَبُوْبَکْرٍ یَسْتَاْذِنُ فَقَالَ: "اِئْذَنْ لَہٗ وَبَشِّرْہُ بِالْجَنَّۃِ فَاَقْبَلْتُ حَتّٰی قُلْتُ لِاَبِیْ بَکْرٍ: اُدْخُلْ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ یُبَشِّرُکَ بِالْجَنَّۃِ ' فَدَخَلَ اَبُوْبَکْرٍ حَتّٰی جَلَسَ عَنْ یَمِیْنِ النَّبِیِّ ﷺ مَعَہٗ فِی الْقُفِّ وَدَلّٰی رِجْلَیْہِ فِی الْبِئْرِ کَمَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَکَشَفَ عَنْ سَاقَیْہِ ' ثُمَّ رَجَعْتُ وَجَلَسْتُ وَقَدْ تَرَکْتُ اَخِیْ یَتَوَضَّاُ وَیَلْحَقُنِیْ فَقُلْتُ: اِنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِفُلَانٍ یُرِیْدُ اَخَاہُ۔ خَیْرًا یَّاْتِ بِہٖ ' فَاِذَا اِنْسَانٌ یُّحَرِّکُ الْبَابَ فَقُلْتُ: مَنْ ھٰذَا؟ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَقُلْتُ عَلٰی رِسْلِکَ ' ثُمَّ جِئْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَسَلَّمْتُ عَلَیْہِ وَقُلْتُ: ھٰذَا عُمَرُ یَسْتَاْذِنُ؟ فَقَالَ: "اِئْذَنْ لَہٗ وَبَشِّرْہُ بِالْجَنَّۃِ" فَجِئْتُ عُمَرَ فَقُلْتُ: اَذِنَ وَیُبَشِّرُکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِالْجَنَّۃِ فَدَخَلَ فَجَلَسَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِی الْقُفِّ عَنْ یَّسَارِہٖ وَدَلّٰی رِجْلَیْہِ فِی الْبِئْرِ ' ثُمَّ رَجَعْتُ فَجَلَسْتُ فَقُلْتُ: اِنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِفُلَانٍ خَیْرًا یَعْنِیْ اَخَاہُ یَاْتِ بِہٖ ' فَجَآءَ اِنْسَانٌ فَحَرَّکَ الْبَابَ فَقُلْتُ: مَنْ ھٰذَا؟ فَقَالَ: عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ ' فَقُلْتُ: عَلٰی رِسْلِکَ ' وَجِئْتُ النَّبِیَّ ﷺ فَاَخْبَرْتُہٗ فَقَالَ: "اِئْذَنْ لَہٗ وَبَشِّرْہُ بِالْجَنَّۃِ مَعَ بَلْوٰی تُصِیْبُہٗ" فَجِئْتُ فَقُلْتُ: اُدْخُلْ وَیُبَشِّرُکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِالْجَنَّۃِ مَعَ بَلْوٰی تُصِیْبُکَ ' فَدَخَلَ فَوَجَدَ الْقُفَّ قَدْ مُلِیَٔ فَجَلَسَ وِجَاھَھُمْ مِنَ الشِّقِّ الْاٰخَرِ قَالَ سَعِیْدُ بْنُ الْمُسَیِّبِ فَاَوَّلْتُھَا قُبُوْرَھُمْ" مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَزَادَ فِیْ رِوَایَۃٍ: "وَاَمَرَنِیْ

رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِحِفْظِ الْبَابِ۔ وَفِيْهَا اَنَّ عُثْمَانَ حِيْنَ بَشَّرَهٗ حَمِدَ اللّٰهَ تَعَالٰى ثُمَّ قَالَ : اَللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔

قَوْلُهٗ "وَجَّهَ" بِفَتْحِ الْوَاوِ وَتَشْدِيْدِ الْجِيْمِ: اَیْ تَوَجَّهَ ' وَقَوْلُهٗ "بِئْرِ اَرِيْسٍ" هُوَ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ وَكَسْرِ الرَّآءِ وَبَعْدَهَا يَآءٌ مُثَنَّاةٌ مِنْ تَحْتُ سَاكِنَةٌ ثُمَّ سِيْنٌ مُّهْمَلَةٌ وَّهُوَ مَصْرُوْفٌ وَّمِنْهُمْ مَّنْ مَّنَعَ صَرْفَهٗ۔ "وَالْقُفُّ" بِضَمِّ الْقَافِ وَتَشْدِيْدِ الْفَآءِ : وَهُوَ الْمَبْنِىُّ حَوْلَ الْبِئْرِ قَوْلُهٗ: "عَلٰى رِسْلِكَ" بِكَسْرِ الرَّآءِ عَلَى الْمَشْهُوْرِ وَقِيْلَ بِفَتْحِهَا اَیْ اُرْفُقْ۔

۷۰۹: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک دن اپنے گھر سے وضو کر کے نکلے اور یہ کہا کہ ضرور بضرور میں آج رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہوں گا اور آج کا سارا دن میں آپؐ کے ساتھ رہوں گا۔ چنانچہ وہ مسجد میں آئے اور آنحضرت ﷺ کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا یہاں سے آپؐ تشریف لے گئے۔ ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ میں آپؐ کے پیچھے آپؐ کے بارے میں پوچھتا ہوا نکلا یہاں تک کہ آپؐ بیئر اریس کے اندر داخل ہوئے۔ میں دروازے کے پاس بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے قضائے حاجت سے فارغ ہو کر وضو کیا پھر میں اٹھ کر آپؐ کی طرف گیا۔ تو میں نے دیکھا کہ آپؐ بئر اریس پر بیٹھے ہیں اور اس کی منڈیر کو درمیان میں کر لیا اور اپنی پنڈلیوں سے کپڑے کو ہٹا کر کنویں میں لٹکایا ہوا ہے۔ میں نے آپؐ کو سلام کیا پھر میں واپس لوٹا اور دروازے کے پاس آ بیٹھا اور میں نے دل میں کہا کہ آج ضرور رسول اللہ ﷺ کا دربان بنوں گا۔ اسی دوران ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا میں نے کہا کون ہیں؟ انہوں نے کہا ابوبکر۔ میں نے کہا ٹھہر جائیے۔ پھر میں حضور ﷺ کی خدمت میں گیا اور کہا یا رسول اللہ۔ یہ ابوبکر آنے کی اجازت مانگتے ہیں آپؐ نے فرمایا۔ ان کو اجازت دو اور جنت کی خوشخبری دے دو۔ میں نے واپس لوٹ کر ابوبکر کو کہا اور داخل ہو جاؤ رسول اللہ ﷺ تمہیں جنت کی خوشخبری دیتے ہیں۔ پس ابوبکر داخل ہوئے یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ کے دائیں جانب منڈیر پر بیٹھ گئے اور کنویں کے اندر اسی طرح پاؤں کو لٹکایا۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا اور اپنی پنڈلیوں کو بھی ننگا کر دیا۔ پھر میں لوٹ گیا اور دروازے پر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنے بھائی کو وضو کرتے چھوڑا تھا کہ وہ مجھے آ ملے گا۔ پس میں نے دل میں کہا کہ اگر فلاں کے ساتھ مراد میرا اپنا بھائی تھا بھلائی کا ارادہ اللہ نے کیا ہوگا تو اس کو لے آئے گا اسی لمحے ایک انسان دروازے کو حرکت دینے لگا۔ میں نے کہا یہ کون ہے؟ پس اس نے کہا عمر بن خطاب۔ میں نے کہا ٹھہر جائیے۔ پھر میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یہ عمر اجازت مانگ رہے ہیں۔ پس آپؐ نے فرمایا اس کو اجازت دے دو اور جنت کی خوشخبری دے دو۔ پس میں عمر کے پاس آیا اور کہا حضور ﷺ اجازت دیتے ہیں اور تم کو جنت کی خوشخبری دیتے ہیں۔ پس وہ داخل ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس منڈیر پر بائیں جانب بیٹھ گئے اور اپنے دونوں پاؤں کو کنویں میں لٹکا لیا پھر میں لوٹ کر بیٹھ گیا اور دل میں میں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے فلاں کے ساتھ یعنی میرے بھائی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہوگا تو اس کو لے آئے گا تو اسی لمحہ ایک انسان نے آ کر دروازے کو حرکت دی۔ پس

میں نے کہا یہ کون ہے؟ تو اس نے کہا عثمان ابن عفان۔ میں نے کہا ٹھہر جائیے۔ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا اور آپؐ کو اس کی اطلاع دی۔ پس آپؐ نے فرمایا ان کو اجازت دو اور جنت کی خوشخبری دے دو۔ ایک آزمائش کے ساتھ جوان کو پہنچے گی۔ پس میں آیا اور میں نے کہا تم داخل ہو جاؤ اور تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت کی خوشخبری دیتے ہیں۔ اس ابتلاء کے ساتھ جو تمہیں پیش آئے گا۔ پس وہ داخل ہوئے اور منڈیر کو پُر پایا۔ پھر وہ ان کے سامنے دوسری جانب بیٹھ گئے۔ سعید ابن میسب رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے اس کی تاویل ان کی قبروں سے کی۔ (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خود مجھے دروازے کی دربانی کا حکم دیا اور اس روایت میں یہ بھی ہے کہ عثمان کو جب خوشخبری دی تو انہوں نے اللہ کی حمد کی اور پھر کہا کہ اللہ ہی اس قابل ہے کہ اس سے مدد طلب کی جائے۔

وَجَّهَ: متوجہ ہوئے۔

بِئْرِ اَرِيْسٍ: یہ اریس کا لفظ بعض منصرف اور بعض غیر منصرف پڑھتے ہیں یہ مدینہ منورہ کے ایک کنواں کا نام ہے۔

اَلْقُفُّ: کنویں کے اردگرد کی دیوار۔ عَلٰى رِسْلِكَ: ذرا رکو۔

تشریح ۞ **ابو موسٰی اشعری رضی اللّٰہ عنه**! ان کے حالات باب الاخلاص میں گزرے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ **انه توضا فی بیته**! نماز کے لئے (۲) طہارت دائمہ کے لئے۔ **لا کونن معه یومی هذا**! یعنی میں دن کا کچھ حصہ چھوڑ کر بعض پر اکتفاء نہ کروں گا۔ **وجه**! آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس تشریف لے گئے ہیں۔ **فخرجت علی اثرہ**! میں جلدی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔

اَلنَّحْوُ: **اسأل منه**! خرج کے فاعل سے حال ہو تو مترادف بنے گا۔ (۲) ظرف سے حال ہو تو متداخل بنے گا۔ **دخل بئر اریس**! وہ احاطہ جس میں بئر اریس واقعہ تھا۔ **حتی قضی رسول اللّٰہ حاجته**! حتی یہاں الی ان کے معنی میں ہے۔ حاجتہ سے مراد انسانی حاجت یعنی پیشاب' پاخانہ ہے۔ **فقمت الیه**! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گیا۔

اَلنَّحْوُ : **فاذا هو قد جلس علی بئر اریس**! اذا مفاجات کے لئے ہے۔ ہو مبتدا جملہ اس کی خبر ہے۔ **توسط وقیها**: بلند زمین' کنوئیں کے گرد اگرد دیوار اس کی جمع قفاف ہے۔ **و کشف عن ساقیه**! اس کی تصغیر سویقہ آتی ہے' پنڈلی۔ (المصباح) **دلا هما فی البئو**! پنڈلیاں کنوئیں میں لٹکا رکھی تھیں۔ **فسلمت علیه**! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپؐ نے میرے سلام کا جواب دیا پھر میں واپس لوٹا۔ **لا کونن بوابا للنبی صلی اللّٰہ علیه وسلم الیوم**! بعض روایات بخاری میں **لم یامرنی بذلك**! اور بعض میں **یاابا موسٰی املك علی الباب**! اور ترمذی کی روایت بھی اس کے قریب قریب ہے۔ طبرانی کی بعض روایات میں بلال کا تذکرہ وہم ہے کیونکہ روایت کا مدار ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پر ہے۔ پس جن روایات میں بواب کی نفی ہے اس کا مقصد ہمیشہ کے دربان کی نفی ہے اور جہاں ثبوت ہے تو وہ کبھی کبھی کا معاملہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں حکم دیا تو وہ پیشاب واستنجاء کے وقت تک تھا۔ بعد والے وقت میں انہوں نے خود اختیاری طور پر دربانی کا کام ذمہ کر لیا آپ ﷺ نے منع نہ فرمایا۔ **فجاء ابوبکر رضی اللّٰہ عنه**! ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ کسی کے اطلاع دینے سے جان لیا یا اتفاقی طور پر وہ معلوم کرتے کرتے ادھر نکل آئے۔ **فقال ابوبکر**! اس سے ثابت ہوا کہ جب دربان اجازت

لینے والے کا نام پوچھے تو اسے ذاتی پہچان کے لئے نام بتلانا چاہئے۔ علی رسلك! تم اپنی جگہ رک جاؤ۔ ثم ذهبت! پس میں ٹھہر کر گیا۔ هذا ابوبكر يستاذن! (۱) جملہ مستانفہ (۲) جملہ حالیہ (۳) دوسری خبر ہے۔ رسول الله صلى الله عليه وسلم يبشرك بالجنة! اس میں ادب کو اختیار کرنے کا بہترین بدلہ مذکور ہے۔ بخاری کی روایت میں فحمد الله! کے الفاظ منقول ہیں۔ فدخل ابوبکر! پس ابوبکر رضی اللہ عنہ داخل ہو کر چلتے چلتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب بیٹھ گئے کیونکہ وہ سب سے افضل جانب ہے۔ معه في القف! (۱) معہ یہ جلس کی ضمیر سے محل حال میں ہے۔ اسی طرف فی القف (۲) ایک ظرف لغو بھی بن سکتا ہے۔ دلی رجليه...... ساقيه! انہوں نے کنوئیں میں اسی طرح پاؤں لٹکائے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لٹکائے تھے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آرام دہ مجلس میں تشریف رہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو عین ممکن تھا کہ آپ ﷺ اس بیٹھک کو ترک فرما دیتے۔ ان کے اس عمل کا اثر یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ تشریف فرما رہے۔ ثم! شاید یہ اس لئے لائے کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کافی دیر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بات چیت اور کیفیت کو ملاحظہ فرماتے رہے اور فا کے معنی میں بھی مجازاً لیا جا سکتا ہے۔ تركت اخي! یہ ابورہم اور بردہ بعض نے محمد نام لیا ہے۔ ان میں مشہور ابو بردہ ہیں جن کا نام عامر ہے۔ بفلان! یہ کنایہ کا لفظ ہے جو بھائی کے لئے استعمال کیا۔ يأت به! تاکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خلوت کے وقت حاضر ہو شاید اس کو بھی جنت کی خوشخبری مل جائے جیسے پہلے آنے والے کو ملی۔ فاذا انسان يحرك الباب! تاکہ اجازت داخلہ حاصل کر لے۔ یہ اجازت کے لئے حسن ادب ہے۔ ابن التین نے کہا شاید یہ اجازت سے پہلے کی بات ہے۔ حافظ کہتے ہیں یہ اجازت حاصل کرنے والے نے اجازت کے وقت کیا۔ ابن التین کی بات درست نہیں کیونکہ بخاری کی دوسری روایت میں "فجاء رجل فاستاذن"! کے الفاظ ہیں یہ ویسے دھکیلنے والا نہ تھا کہ وہ بلا اجازت داخل ہو جائے۔ عمر بن الخطاب اگر اجازت حاصل کرنے والے کے متعلق ابہام ہو تو نام بتلا کر اس کا ازالہ ضروری ہے۔ علی رسلك! تم اپنی جگہ اپنی حالت پر برقرار رہو۔ ثم جئت! تعبیر میں تفنن کے لئے لائے۔ هذا عمر! مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں معلوم و معروف ہونے کی وجہ سے فقط نام پر اکتفاء ہے اور دوسرا ان کا ساتھی صدیق پہلے موجود ہے۔ بشره بالجنة! (۱) یہ بات سرور کی کیفیت کے جلد حصول کے لئے ہے ورنہ بشارت تو تاخیر سے بھی میسر ہو رہی تھی۔ (۲) اس سے معلوم ہوا کہ ایک کی خبر مقبول ہے۔ (۳) یقین پر قدرت کے باوجود ظن پر عمل کرنا درست ہے۔ فجئت عمر! ضمیر کی بجائے نام کا تذکرہ استلذاذ محبت سے ہوا۔ اذن! یہ معروف ہے میں اجازت داخل دیتا ہوں۔ يبشرك! تعبیر کو تفنن کی خاطر بدل دیا اور صدیق رضی اللہ عنہ کے بلند مقام کی طرف اشارہ بھی کر دیا کیونکہ جملہ اسمیہ کی تعبیر دوام و استمرار اور مضارع تجدد و حدوث پر۔ واللہ اعلم۔ في القف عن يساره! بائیں جانب بیٹھ گئے۔ دلی رجليه! یہ تفنن فی التعبیر کے لئے ہے۔ پاؤں کا لٹکانا، پنڈلیاں لٹکانے کو لازم و ملزوم ہے۔ میں پھر لوٹ آیا اور اپنے بھائی کے بارے میں تمنا کر رہا تھا۔ ایک انسان نے دروازے کو اجازت کے لئے حرکت دی۔ وجئت النبي صلى الله عليه وسلم اخبرته! (۱) یہاں عاطف کو بدل دیا۔ پہلے دونوں مواقع میں ثم اور یہاں واؤ۔ (۲) وہاں فعل جئت صرف ذکر کیا جو کہ حضرت کے معنی میں ہے اور یہاں مفعول کے ساتھ لائے جو کہ اتیت کے معنی میں ہے (۳) پہلے دو مواقع میں واقعہ کی تفصیل ذکر کی اور تیسرے موقعہ پر اجمال سے کام لیا۔ یہ لطائف بلاغت اور تفنن تعبیر ہے۔ فقال ائذن له! بخاری کی روایت میں "فسكت هنيهة ثم قال ائذن له!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرا خاموشی کے بعد فرمایا ان کو داخلہ کی اجازت دے دو۔ مع بلوی! یہ بلیہ اور بلاء کی طرح مصدر ہے (المصباح)۔ فجلس وجاھھم! وجاھھم کو تجاھھم پڑھنا بھی درست ہے یعنی ان کے سامنے والی جگہ پر۔ بخاری میں ہے کہ وامرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحفظ الباب! کے الفاظ ہیں۔ من الشق الآخر! منڈیر کے مقابل حصہ۔ بخاری کی روایت میں سعید بن المسیب کا یہ قول بھی مذکور ہے کہ فاولتھا قبورھم! میں نے اس کی تعبیر نکالی کہ ان کی قبور اس طرح ہوں گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بیداری کے معاملات کی بھی تعبیر ہوتی ہے اور اسی بات کا نام فراست ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ صاحبین کی قبور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گی اور عثمان جنت البقیع میں اکیلے ہوں گے۔ بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ فاولت ذلك انتباذ قبره من قبورھم! میں نے تعبیر کی کہ ان کی قبر الگ ہوگی۔ ایک روایت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے الفاظ واللہ المستعان بھی منقول ہیں۔ بئر اریس! یہ قباء کے قریب واقع تھا۔ اسی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی انگلی سے گری تھی۔ بعض نے اس کو منصرف اور دوسروں نے غیر منصرف مانا ہے۔ علی رسلك! نہایہ میں راء کا فتحہ لکھ کر ارفق بنفسك! اپنے آپ کو سکون دو۔ معنی کیا ہے اور مطالع میں راء کا کسرہ ہے اس کا معنی آہستہ اور باوقار رہ۔

تخریج : بخاری فی الفضائل و الفتن' مسلم فی الفضائل' نسائی فی المناقب۔

الفرائد : ① صحابہ کرام آپ ﷺ کے احوال و آثار کا کس قدر شدید اہتمام کرنے والے تھے۔ ② ابوبکرؓ و عثمانؓ کی بسست اور بوموسیٰ اشعری کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ ③ معجزہ نبوت جس کا معاملہ زمانہ عثمانؓ میں پیش آیا کا تذکرہ ہے۔ ④ ان تینوں حضرات کے بعد نبوت پر قائم رہنے کا ثبوت ہے۔

٧١٠ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا قُعُوْدًا حَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَمَعَنَا اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فِیْ نَفَرٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ بَیْنِ اَظْهُرِنَا فَاَبْطَاَ عَلَیْنَا وَخَشِیْنَا اَنْ یُّقْتَطَعَ دُوْنَنَا وَفَزِعْنَا فَقُمْنَا فَكُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَخَرَجْتُ اَبْتَغِیْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰی اَتَیْتُ حَائِطًا لِّلْاَنْصَارِ لِبَنِی النَّجَّارِ فَدُرْتُ بِهٖ هَلْ اَجِدُ لَهٗ بَابًا؟ فَلَمْ اَجِدْ فَاِذَا رَبِیْعٌ یَّدْخُلُ فِیْ جَوْفِ حَائِطٍ مِّنْ بِئْرٍ خَارِجَةٍ وَّالرَّبِیْعُ الْجَدْوَلُ الصَّغِیْرُ ' فَاحْتَفَزْتُ فَدَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: اَبُوْهُرَیْرَةَ؟" فَقُلْتُ نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ' قَالَ :"مَا شَاْنُكَ؟" قُلْتُ : كُنْتَ بَیْنَ اَظْهُرِنَا فَقُمْتُ فَاَبْطَاْتَ عَلَیْنَا فَخَشِیْنَا اَنْ تُقْتَطَعَ دُوْنَنَا فَفَزِعْنَا فَكُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَاَتَیْتُ هٰذَا الْحَائِطَ فَاحْتَفَزْتُ كَمَا یَحْتَفِزُ الثَّعْلَبُ وَهٰٓؤُلَآءِ النَّاسِ مِنْ وَّرَآئِیْ۔ فَقَالَ : "یَا اَبَا هُرَیْرَةَ"، وَاَعْطَانِیْ نَعْلَیْهِ فَقَالَ: "اذْهَبْ بِنَعْلَیَّ هَاتَیْنِ فَمَنْ لَّقِیْتَ مِنْ وَّرَآءِ هٰذَا الْحَائِطِ یَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُسْتَیْقِنًا بِهَا قَلْبُهٗ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ"، وَذَكَرَ الْحَدِیْثَ بِطُوْلِهٖ ' رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

"الرَّبِیْعُ" النَّهْرُ الصَّغِیْرُ وَهُوَ الْجَدْوَلُ۔ 'بِفَتْحِ الْجِیْمِ" كَمَا فَسَّرَهٗ فِی الْحَدِیْثِ۔ وَقَوْلُهٗ

"احْتَفَزْتُ" رُوِیَ بِالرَّاءِ وَبِالزَّايِ وَمَعْنَاهُ بِالزَّايِ تَضَامَمْتُ وَتَصَاغَرْتُ حَتّٰی اَمْكَنَنِی الدُّخُولُ۔

۱۷:۰ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ کے اردگرد بیٹھے تھے اور اس جماعت میں ہمارے ساتھ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان سے اٹھ گئے اور پھر آپؐ نے بہت دیر فرمائی۔ ہمیں خطرہ ہوا کہ ہماری غیر موجودگی میں کہیں آپؐ کو قتل نہ کر دیا گیا ہو اور ہم گھبرا گئے۔ پھر ہم اٹھے اور میں پہلا گھبرانے والا تھا۔ پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے کے لئے نکلا یہاں تک کہ میں بنی نجار کے ایک چار دیواری کے پاس آیا۔ میں اس کے اردگرد گھوما تا کہ اس کا کوئی دروازہ مل جائے لیکن میں نے نہ پایا۔ پھر اچانک میری نظر ایک نالی پر پڑی۔ جو احاطے کے درمیان میں بیرونی کنویں سے جاتی تھی۔ ربیع چھوٹی نالی کو کہتے ہیں۔ میں نے سکڑ کر یعنی سمٹ سمٹا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا۔ آپؐ نے فرمایا: ابوہریرہ؟ تو میں نے عرض کی جی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو آپؐ نے فرمایا کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا آپؐ ہمارے درمیان تھے پھر آپؐ اُٹھ کر چلے آئے پھر آپؐ نے واپسی میں بہت دیر کر دی۔ پس ہمیں خطرہ ہوا کہ ہماری غیر موجودگی میں آپؐ کو قتل نہ کر دیا ہو۔ پس ہم گھبرائے اور ان گھبرانے والوں میں میں سب سے پہلا تھا۔ پس میں اس احاطے کے پاس آیا اور میں اس طرح سمٹا جس طرح لومڑی سمٹتی ہے اور یہ لوگ میرے پیچھے آ رہے ہیں۔ پس آپؐ نے فرمایا: اے ابوہریرہ! پھر آپؐ نے مجھے نعلین مبارک عنایت فرمائے اور فرمایا کہ ان کو لے جاؤ اور جو تمہیں اس دیوار کے پیچھے سے اس حال میں ملے کہ وہ دل کے یقین کے ساتھ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی گواہی دیتا ہو۔ اس کو جنت کی خوشخبری دے دو اور حدیث کو طوالت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (رواہ مسلم)

الرَّبِيعُ: چھوٹی نہر یا نالی جیسا حدیث میں اس کی تفصیل گزری ہے۔

احْتَفَزْتُ: میں سکڑا یہاں تک کہ داخلہ ممکن ہو گیا۔

تشریح ۞ باب الرجاء میں یہ روایت گزر چکی ہے۔ **قعودا!** یہ قاعد کی جمع ہے جس کا معنی بیٹھنا۔ **قعدنا حوله!** حوله اور حوالیہ دونوں کا معنی "گرد" ہے۔ اس کا لام مکسور نہ ہوگا۔ **معنا!** یہ مصاحبت کے لئے ہے۔ اے بیٹھنے والو ہم من جملہ میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما تھے۔ ان دو کی تخصیص کی وجہ بقیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ان کی افضلیت وعظمت ہے۔ **فی نفر!** معنا اور فی نفر یہ محل حال میں ہیں متداخل مانیں یا مترادف۔ (۲) ظرف لغو بھی بن سکتے ہیں۔ نفر کا لفظ تین سے دس یا سات پر بولا جاتا ہے۔ **من بین اظهرنا!** نووی کہتے ہیں یہ بین **اظهر کم!** اور **ظهریکم!** اور **ظهرانیکم!** استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی ہمارے درمیان ہے۔ **فابطا علینا و خشینا ان یقتطع دوننا!** یعنی دشمن کی طرف سے پریشانی پہنچ جائے۔ یا قید یا کوئی اور صورت پیش آ گئی ہو۔ **من فزع!** قاضی کہتے ہیں فزع گھبراہٹ کو کہتے ہیں۔ کسی چیز کے لئے ڈرنا۔ (۲) اہتمام کرنا (۳) عنایت وتوجہ کرنا۔ یہاں تینوں ہی درست ہو سکتے ہیں۔ جیسا عبارت سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ کے رک جانے کی وجہ سے ہمیں خطرہ ہوا کہ ہمارے بے خبری میں آپ ﷺ کو کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔ میں پہلا گھبرانے والا تھا۔ **فخرجت ابتغی!** تلاش کرنے نکلا اور چلتے چلتے **حتی اتیت حائطا!** ایک احاطہ کے پاس پہنچا۔ اس کو حائط کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے کسی حصہ پر چھت نہیں ہوتی۔ **الانصار!** یہ اوس وخزرج کی اولاد کے لئے علم بن گیا۔ بنی نجار یہ اسی کا بدل ہے۔ **هل اجدله**

بابا! دروازہ معلوم کرنے کے لئے ارد گرد گھوما۔ فلم اجد! مگر جلدی میں دروازہ نہ ملا۔ فاذا ربیع! ربیع کی جمع اربعاء جیسے نبی و انبیاء چھوٹی پانی کی نالی۔ یدخل فی جوف حائط! نسبت مجازی اس کے ذریعہ سے پانی داخل ہوتا تھا۔ من بئر خارجة! بقول ابن صلاح یہ خارجہ بئر کی صفت ہے۔ ابو موسیٰ اصبہانی نے کہا اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) ایک مذکورہ بالا (۲) بئر پر تنوین اور خارجہ ضمیر حائط کی طرف مضاف ہو (۳) بئر کی اضافت خارجہ کی طرف ہو اور وہ اسم علم ہو۔ نووی نے پہلی کو ترجیح دی اور اکثر نے تیسری وجہ کو۔ وہ باغات کے نام کنوؤں سے رکھتے تھے جیسے بئر اریس بئر بضاعہ بئر حاء۔ حالانکہ یہ سب باغات ہیں۔ نوافق کہتے ہیں اس تمام سے یا بعض سے ہم موافقت نہیں کرتے۔ احتفار! سکڑنا۔ بعض نے راء سے نقل کیا مگر وہ موقعہ سے زیادہ موافقت نہیں رکھتا۔ فقال ابو هريرة؟! کیا تم ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہو؟ میں نے نعم سے جواب دیا۔ شان! یہ عظمت والے کاموں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ظهر انينا! یہ تثنیہ کا صیغہ ہے۔ هؤلا الناس! جن کے درمیان آپ ﷺ تشریف فرما تھے۔ (۲) وہ اور دیگر جن کو واقعہ کی اطلاع ملی الف لام عہد یا جنس کا ہے۔ و اعطانی نعليه! گزشتہ قال کے فاعل سے جملہ حالیہ ہے۔ فقال! یہ پہلے کی تکریر کے لئے آیا ہے کیونکہ قول و مقولے میں کافی فاصلہ ہو گیا جیسا قرآن مجید میں وارد ہے۔ ﴿فلما جاء هم ما عرفوا اكفروا به﴾! آیت میں بقول محمد بن یزید لما تکدیر بہ ہے۔ اس آیت میں بھی اسی طرح ہے: ﴿ايعدكم انكم اذا متم و كنتم ترابا وعظاماً انكم مخرجون﴾! انکم دوسرا اعادہ اول ہے۔ فمن لقيت! مرد و عورت سب کے لئے عام ہے۔ يشهد ان لا اله الا الله! یہ شہادتین سے کنایہ ہے اور حقیقتاً یشہد کے فاعل سے حال ہے۔ اصل قید سے منافقین نکل گئے۔

حاصل روایت یہ ہے عمر رضی اللہ عنہ نے اسی پر بھروسہ کر کے ترک عمل کا خطرہ ظاہر کیا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موافقت فرمائی اور باب کے مقصد کے یہ خلاف نہیں اس سلسلہ میں آپ ﷺ کا گواہی دینا اس کے مطلوب ہونے کی علامت ہے اور کسی وجہ سے مبشر بہ کو چھوڑ دینا کسی امر کی وجہ سے ہے اس سے یہ فعل دوسروں کی طرف متعدی نہ ہو سکے گا۔

تخریج : اخرجه مسلم (۳۱)

الفرائد : ① صحابہ کرام کو آپ ﷺ کی سلامتی کا کس قدر احساس تھا۔ ② سچے دل سے لا الہ الا اللہ پڑھنے والے کو جنت کی خوشخبری دی گئی۔ ③ علامت خبر کو پختہ کرتی ہے اس سے آپ ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نعل مبارک عنایت فرمایا۔

۷۱۱ : وَعَنِ ابْنِ شُمَاسَةَ قَالَ : حَضَرْنَا عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ فِي سِيَاقَةِ الْمَوْتِ فَبَكٰى طَوِيْلًا وَحَوَّلَ وَجْهَهُ اِلَى الْجِدَارِ فَجَعَلَ ابْنُهُ يَقُوْلُ : يَا اَبَتَاهُ اَمَا بَشَّرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِكَذَا؟ اَمَا بَشَّرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِكَذَا؟ فَاَقْبَلَ بِوَجْهِهِ فَقَالَ اِنَّ اَفْضَلَ مَا نُعِدُّ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، اِنِّيْ قَدْ كُنْتُ عَلٰى اَطْبَاقٍ ثَلَاثٍ : لَقَدْ رَاَيْتُنِيْ وَمَا اَحَدٌ اَشَدَّ بُغْضًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنِّيْ وَلَا اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَكُوْنَ قَدِ اسْتَمْكَنْتُ مِنْهُ فَقَتَلْتُهُ فَلَوْ مِتُّ عَلٰى تِلْكَ الْحَالِ لَكُنْتُ مِنْ اَهْلِ النَّارِ — فَلَمَّا جَعَلَ اللّٰهُ الْاِسْلَامَ فِيْ قَلْبِيْ

اَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ : ابْسُطْ يَمِينَكَ فَلِأُبَايِعْكَ ، فَبَسَطَ يَمِينَهُ فَقَبَضْتُ يَدِيْ فَقَالَ : "مَالَكَ يَا عَمْرُو؟" قُلْتُ :اَرَدْتُّ اَنْ اَشْتَرِطَ قَالَ :تَشْتَرِطُ مَاذَا؟ "قُلْتُ :اَنْ يَّغْفِرَلِيْ ، قَالَ : "اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَاَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَاَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَمَا كَانَ اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَا اَجَلَّ فِيْ عَيْنِيْ مِنْهُ ، وَمَا كُنْتُ اُطِيْقُ اَنْ اَمْلَاءَ عَيْنِيْ مِنْهُ اِجْلَالًا لَّهُ – وَلَوْ سُئِلْتُ اَنْ اَصِفَهُ مَا اَطَقْتُ لِاَنِّيْ لَمْ اَكُنْ اَمْلَأُ عَيْنِيْ مِنْهُ وَلَوْ مُتُّ عَلٰى تِلْكَ الْحَالِ لَرَجَوْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ ، ثُمَّ وَلِيْنَا اَشْيَاءَ مَا اَدْرِيْ مَا حَالِيْ فِيْهَا؟ فَاِذَا اَنَا مُتُّ فَلَا تَصْحَبْنِيْ نَائِحَةٌ وَّلَا نَارٌ ، فَاِذَا دَفَنْتُمُوْنِيْ فَشُنُّوْا عَلَيَّ التُّرَابَ شَنًّا ، ثُمَّ اَقِيْمُوْا حَوْلَ قَبْرِيْ قَدْرَ مَا تُنْحَرُ جَزُوْرٌ وَّيُقْسَمُ لَحْمُهَا حَتّٰى اَسْتَاْنِسَ بِكُمْ وَاَنْظُرَ مَاذَا اُرَاجِعُ بِهٖ رُسُلَ رَبِّيْ ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

قَوْلُهُ "شُنُّوْا" رُوِيَ بِالشِّيْنِ الْمُعْجَمَةِ وَبِالْمُهْمَلَةِ :اَيْ صُبُّوْهُ قَلِيْلًا قَلِيْلًا ، وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ۔

۷۱۱: حضرت ابن شماسہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس ایسے وقت میں حاضر ہوئے جب وہ قریب المرگ تھے۔ پس وہ کافی دیر تک روتے رہے اور اپنا چہرہ دیوار کی طرف کر لیا۔ اس پر ان کا بیٹا کہنے لگا اے ابا جان! کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ نے اس اس طرح کی خوشخبری نہیں دی؟ کیا ہمیں رسول اللہ ﷺ نے یہ یہ خوشخبری نہیں دی؟ اس پر وہ متوجہ ہو کر فرمانے لگے۔ بیشک سب سے افضل چیز جس کو ہم شمار کرتے ہیں وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی گواہی ہے۔ مجھ پر تین حالتیں گزری ہیں: (۱) میں نے اپنے آپ کو اس حال میں پایا کہ مجھ سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے کوئی بغض رکھنے والا نہ تھا۔ اور مجھے سب سے زیادہ محبوب یہ بات تھی کہ میں آپ پر قابو پا کر آپ کو قتل کر ڈالوں۔ اگر میں اس حالت میں مر جاتا تو میں جہنم میں جاتا۔ (۲) پھر جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو میرے دل میں ڈال دیا تو میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ آپ اپنا دایاں ہاتھ پھیلائیں تاکہ میں آپ کی بیعت کروں۔ پس آپ نے اپنا دایاں ہاتھ پھیلا دیا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ اس پر آپ نے فرمایا اے عمرو تمہیں کیا ہوا؟ میں نے کہا میں شرط لگانا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تو کیا شرط لگانا چاہتا ہے۔ میں نے کہا یہ کہ مجھے بخش دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام ماقبل کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت اپنے ماقبل کے تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور حج اپنے ماقبل کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے زیادہ مجھے کوئی محبوب نہ تھا اور نہ ہی آپ سے بڑھ کر عظمت والا میری نگاہ میں اور کوئی تھا اور آپ کے رعب کی وجہ سے میں آپ کو نظر بھر کر نہ دیکھ سکتا تھا اور اگر مجھ سے آپ کے حلیہ مبارک بیان کرنے کو کہا جائے تو میں اس کی ہمت نہیں رکھتا کیونکہ میں نے آپ کو نظر بھر کر کبھی دیکھا ہی نہیں اگر اس حالت میں میری موت آ جاتی تو مجھے اُمید تھی کہ میں جنت میں جاتا پھر ہم بعض چیزوں پر نگران بنائے گئے مجھے معلوم نہیں کہ میرا حال ان میں کیا ہوگا۔ پس جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے جنازے کے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی عورت نہ ہو اور نہ ہی آگ

ہو۔ پھر جب تم دفن کر چکو اور مجھ پر تھوڑی تھوڑی کر کے مٹی ڈالنا۔ پھر میری قبر پر اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت بانٹا جاتا ہے تا کہ میں تم سے انس حاصل کروں اور دیکھ لوں کہ اپنے رب کے بھیجے ہوئے قاصدوں کو میں کیا دیتا ہوں۔ (مسلم)

شُنُّوْا: تھوڑی تھوڑی کر کے مٹی ڈالو۔

تشریح ابی شمامه رضی اللّٰه عنه! ان کا نام عبدالرحمان بن شمامہ ہے۔ بعض نے کہا ان کا نام ابوعبداللہ المہر ی ہے۔ سیاق الموت! حضور موت کا وقت۔ یبکی طویلا! بہت دیر تک رونا۔

النحو: جملہ دوسری خبر ہے۔ (۲) ضمیر مستقر سے حال ہے۔ بکذا! خوشخبری سے کنایہ ہے۔ ما نعد! جس کو ذخیرہ بناتے یا معادہ کے لئے شمار کرتے۔ ثلاثة اطباق! جمع طبق احوال۔ طبق کا ظاہر لفظ مذکر ہونے کی وجہ سے ثلاثۃ مونث لائے۔ اگر معنی کا لحاظ کیا جائے تو مونث لانا زیادہ فصیح ہوتا ہے مثلاً کہتے ہیں حال حسنة۔ ولقد رایتنی! فاعل ومفعول متحد ہیں اور مفعول ثانی محذوف ہے۔ وما احدٌ اشد! یہ ما کی خبر اور بغضاً یہ تمیز کی وجہ سے منصوب ہے۔ استمکنت! قابو پانا' باب استفعال مبالغہ کے لئے لائے۔

النحو: فقتلته! یہ جملہ ما کی خبر پر معطوف ہے حرف نفی کا اعادہ بتلاتا ہے کہ نفی ہر ایک کی طرف متوجہ ہے۔ مجموعہ کی طرف نہیں۔ فلو مت! یہ میم کے ضمہ و کسرہ دونوں سے درست ہے (ن' س) دونوں بابوں سے ہے۔ علی تلك الحال لكنت من اهل النار! جو ابدالاباد جہنم میں رہیں گے۔ تلك! اسم اشارہ بعید اس کے انتہائی قبیح ہونے کی طرف اشارے کیلئے لائے اور اس لئے بھی تا کہ اللہ تعالیٰ کے اس عظیم احسان پر زیادہ سے زیادہ شکریہ ادا کریں جس نے ان کو بدترین حالت اور سب سے بڑے عیب (کفر) سے بچایا۔ اس حالت پر دوسری حالت کو بطور عطف لائے۔ فلما جعل اللّٰه الاسلام فی قلبی! جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو میرے دل میں محبوب بنا دیا۔ اتیت النبی صلی اللّٰه علیه وسلم! حدیبیہ کے بعد کی بات ہے۔

النحو: فلا بایعك! لام تعلیلیہ اور اس کے بعد والا فعل ان مضمرہ کی وجہ سے منصوب ہے اور کسرہ اور سکون بھی جائز ہے جبکہ لام امر تسلیم کریں۔ جیسا اس ارشاد نبوی میں "قوموا فلا صل لكم! اس بیعت سے دخول اسلام اور نصرت اسلام کی بیعت مراد ہے۔ فبسط یمینه فقبضت یدی! یدی کا دال مکسور یعنی اپنا دایاں ہاتھ کیونکہ اسی سے بیعت کی جاتی ہے۔ یدی پر اکتفاء تا کہ تکرار سے حفاظت ہو۔

مالك؟! یہ مبتداء و خبر ہے۔ بماذا؟! با زائدہ بھی ہو سکتی ہے (۲) ممکن ہے کہ یشترط سے یحتاط کا معنی متضمن ہونے کے لئے با لائے۔ ان یغفرلی! فاعل معلوم و متعین ہونے کی وجہ سے مجہول کے صیغہ سے لائے اور مطلوب کو عموم کے لئے حذف کیا۔ ما کان قبلها! جو اسلام ہجرت کے درمیان پیش آئیں۔ ما کان قبله! اس سے صغائر مراد ہیں اور وہ جو حقوق اللہ سے متعلق ہوں۔ کبائر توبہ سے معاف ہوتے ہیں اور مظالم اہل حق یا فضل الٰہی سے معاف ہوں گے۔ باب کے لئے روایت کا یہ حصہ شاید ہے۔ مقام کی دلالت سے یہاں کلام محذوف ہے۔ فا سلمت وبایعت۔ احب الی من رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم! کیونکہ ایمان اسی سے مکمل ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لا یومن احدکم حتی اکون احب الیه من اهله و نفسه والناس اجمعین"۔ ولا اجل فی عینی منه! یہ جلال سے ہے جو کہ عظمت وہیبت

کے معنی میں ہے۔ان املاء عینی منه! منه یہ املاء کے متعلق ہے۔اجلالاً له! یہ ماقبل کی علت ہے۔میرا چہرے انور کو آنکھ بھر کر نہ دیکھ سکنا یہ جلال نبوت کی وجہ سے تھا۔ولو سئلت ان اصفه ما اطقت! اگر مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلقی عادات کا سوال کیا جائے تو گہری نگاہ نہ ڈال سکنے کی وجہ سے میں ان کو بیان نہیں کر سکتا اور ان کو بیان کرنے کے لئے گہری نگاہ چاہئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں تو رعب وجلال نبوت بھی ٹکٹکی باندھ کر آپ ﷺ کی طرف دیکھنے سے مانع تھا۔ علی تلك الحالة! اشارہ بعید لا کر اس حالت کی عظمت بیان کر رہے ہیں۔لرجوت ان اکون! اس سے معلوم ہوا کہ عارفین خواہ کتنی عبادت اور اعمال صالحہ کر لیں تب بھی خشیت ان کے قلب سے دور نہیں ہوتی۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿والذین یؤتون ما اتوا وقلوبهم وجلة﴾! اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان اعمال صالحہ کی طرف نہیں جھکتا اور یہ تو اسے قطعی یقین ہے کہ یہ اہل جنت کے اعمال سے ہے اور وہ اہل جنت سے مگر اس نے اپنے دل پر اعتماد کیا اور اپنے بدن اور عقل سے اپنے مولیٰ کی طرف اس امید سے متوجہ ہوا کہ وہ اس کو اپنے دوستوں کی لڑی میں پرو دیں گے۔ما ادری ما حالی فیها! یہ مزید تواضع کے لئے ہے ورنہ وہ علماء صحابہ میں سے ہیں صحابہ کرام تمام عادل ہیں۔نائحة! اوصاف شمار کرنے کے ساتھ اپنی آواز کو رونے میں بلند کرے مثلاً یا جبلاہ وغیرہ کہے وہ زبان نبوت سے ملعونہ ہے۔اس کا ساتھ جانا مناسب نہیں اور نوحہ بھی حرام ہے۔ولا نار! تا کہ نجات کے لئے اچھا شگون ہو۔میت کے ساتھ آگ کا لے جانا مکروہ ہے جیسا روایت میں وارد ہے۔بعض نے کہا اس کی کراہیت کی وجہ یہ ہے کہ یہ جاہلیت کے نشانات میں سے ہے۔ابن حبیب مالکی کہتے ہیں بطور تفاول مکروہ ہے۔اگر اس کے لئے اور کوئی داعیہ شدت بدبو یا تعفن کا پایا جائے اور اس کی تیزی اٹھانے والوں کو پراگندہ نہ کرے مگر وہ جو منہ سے بدبو آتی ہے اس میں کراہیت نہیں۔فسنوا علی التراب سنا! قبر پر مٹی ڈالی جائے مگر اس پر بیٹھا نہ جائے۔جزور! نر و مادہ اونٹ اس کی جمع جزہے جیسے رسول سے رسل جمع الجمع الجزائر ہے۔حتی استانس لکم! حتیٰ کئی کے معنی میں ہے۔اراجع به رسل ربی! یعنی قبر کی پوچھ گچھ۔روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فتنہ قبر اور سوال ملائکہ برحق ہے۔دفن کے بعد استغفار ودعا کے لئے تھوڑا سا رکنا مستحب ہے۔میت (روح میت) قبر کے گرد ننتی ہے۔یہ مسلک شوافع ہے۔

تخریج : اخرجه احمد (٦/١٧٧٩٢) و مسلم (١٢١) و ابو عوانة (١/٧) والبیهقی (٩٨/٩)

الفرائد :① قریب المرگ آدمی کو باری تعالیٰ کے متعلق خوب حسن ظن ہونا چاہئے۔② نوحہ تو حرام ہے آگ کا نہ لے جانا بطور نیک گمان کے ہے۔③ دفن کے بعد استغفار کے لئے قبر کے پاس ٹھہرنا چاہئے تا کہ سوال جواب میں سہولت ہو۔

٩٦: بَابُ وَدَاعِ الصَّاحِبِ وَوَصِيَّتِهِ عِنْدَ فِرَاقِهِ لِسَفَرٍ وَغَيْرِهِ وَالدُّعَاءِ لَهُ وَطَلَبَ الدُّعَاءِ مِنْهُ

بَابٌ: دوست کو الوداع کرنا اور سفر کیلئے جدائی کے وقت اس کیلئے دعا کرنا اور اس سے دعا کروانا

وداع! الوداع کہنا۔ الصاحب! مصدر ہے فاعل کی طرف مضاف ہے اور مفعول محذوف ہے ② اس کا عکس بھی درست ہے ای موادعة الشخص الصاحب۔ و وصیته عند فراقه! جو نیکی وتقویٰ کی وہ وصیت کرے۔ لسفرہ! یہ فراقه! سے متعلق ہے۔ وغیرہ سے مراد ملاقات کا نہ ہونا یا موت کا آجانا۔ والدعاء له و طلب الدعاء منه! دعا کا لام اور من سے مقید کرنے کا تعلق تمام متعاطفات سے ہوگا۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی :

﴿وَوَصّٰى بِهَا اِبْرَاهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ :يَا بَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ، اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ؟ قَالُوْا :نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ آبَائِكَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾

[البقرة:۱۳۲، ۱۳۳]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"اور وصیت کی اس بات کی ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوبؑ نے بھی۔ اے میرے بیٹو! بیشک اللہ نے تمہارے لئے دین کو چن لیا پس ہرگز تمہیں موت نہ آئے مگر اسلام ہی کی حالت میں۔ کیا تم اس وقت موجود تھے جبکہ یعقوبؑ کو موت آ پہنچی اور جس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں کو کہا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا ہم آپ اور آپکے باپ دادا ابراہیم اسماعیل واسحٰقؑ کے ایک ہی معبود کی عبادت کریں گے اور ہم اسی ہی کے تابعدار ہیں"۔

ووصی بها! ھا سے ملت یا کلمہ اخلاص مراد ہے۔ ویعقوب! یعنی یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں کو وصیت کی ② اور اس کا عطف ابراہیم پر بھی ہوسکتا ہے اور مفعول محذوف ہو یعنی یعقوب نے اپنے اپنے بیٹوں کو وصیت کی۔ سفاقسی کہتے ہیں یہ پہلے قول سے زیادہ ظاہر ہے۔ یا بنی! قول کو مضمر مانیں گے۔ ② وصی کا معمول بنائیں ① یہ قول کا مقولہ بنے اور یعقوب پر رفع پڑھیں اور ابراہیم پر عطف ہو۔ ② یعقوب کو مبتداء اور خبر محذوف یا بنی مقولہ بنے گا۔ یہ قرأت سبعہ کے مطابق ہے۔ قرأت شاذہ کے مطابق وصی کے مفعول پر عطف ہو اور یا بنی صرف ابراہیم کا قول بنے۔ الدین! سے مراد اسلام ہے۔ فلا تموتن! تم اسلام پر مداومت اختیار کرو اور موت کا سامنا بھی اسی حالت میں ہونا چاہئے۔ ام کنتم شهداء! یہ ام منقطعہ ہے جو کہ بل کے معنی میں ہے اور ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے یعنی تم موجود نہ تھے۔ یہ یہود کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یعقوب نے مرتے دم یہودیت کی وصیت کی۔ اذ حضر یعقوب الموت! یہ اذ کا ظرف شہداء کے متعلق ہے۔ اس مقام پر کلام تام ہو گیا۔ پھر اذ قال سے نیا کلام شروع ہوا گویا اس طرح کہا اذکر اذ قال ذلك الوقت! تا کہ یہود اس کا دعویٰ نہ کر سکیں۔ ② قالوا نعبد! کے متعلق ہے ③ پہلے اذ سے بدل ہے (سفاقسی) ما تعبدون! معبود کی صفات کے متعلق سوال کیا گیا۔ الهاً واحداً! یہ الهاً! کا بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہے (سفاقسی) ④ حال ہے جس سے مقصود وصف ہے۔ اسم ذات کے ساتھ تمہید کے طور پر لائے (زمخشری) اختصاص کی وجہ سے نصب مردود ہے کیونکہ منصوبات نکرہ ہوتے ہیں سفاقسی نے کہا اس سے اختصاص معنوی مراد ہے نہ کہ صناعی۔ آباء میں اسماعیل علیہ السلام کو تغلیباً شامل کیا ہے۔ چچا کو مجازاً اب کہتے ہیں۔ ونحن له مسلمون! ① یہ نعبد کے مفعول سے حال ہے ② نعبد پر معطوف ہے۔ زمخشری اس کو جائز کہتے ہیں سفاقسی اس کی تردید کرتے ہیں کیونکہ یہ متلازم کلام میں آتا ہے اور یہ دو مستقل کلام ہیں۔ زمخشری کی مراد اعتراض بیانی ہے نہ کہ نحوی۔

٧١٢: وَاَمَّا الْاَحَادِيْثُ فَمِنْهَا حَدِيْثُ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ الَّذِيْ سَبَقَ فِيْ بَابِ اِكْرَامِ اَهْلِ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْنَا خَطِيْبًا فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَوَعَظَ وَذَكَّرَ ثُمَّ قَالَ: "اَمَّا بَعْدُ، اَلَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ يُوْشِكُ اَنْ يَّاْتِيَ رَسُوْلُ رَبِّيْ فَاُجِيْبَ وَاَنَا تَارِكٌ فِيْكُمْ ثَقَلَيْنِ اَوَّلُهُمَا: كِتَابُ اللّٰهِ فِيْهِ الْهُدٰى وَالنُّوْرُ، فَخُذُوْا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوْا بِهٖ" فَحَثَّ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ وَرَغَّبَ فِيْهِ- ثُمَّ قَالَ: "وَاَهْلُ بَيْتِيْ" اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ – وَقَدْ سَبَقَ بِطُوْلِهٖ۔

۷۱۲: احادیث میں سے ایک روایت وہ ہے جو حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی مسند سے باب اکرام اہل بیت رسول اللہ ﷺ کے باب میں گزری۔ حضرت زید کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے پس اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور وعظ ونصیحت فرمائی۔ پھر فرمایا امابعد! خبردار! اے لوگو بے شک میں ایک انسان ہوں۔ قریب ہے کہ اللہ کا قاصد میرے پاس آئے اور میں اس کا پیغام قبول کر لوں۔ میں تمہارے اندر دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ان میں پہلی کتاب اللہ ہے اس میں ہدایت ونور ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے تھامو! اور آپ ﷺ نے کتاب اللہ پر عمل کے لئے اُبھارا اور رغبت دلائی۔ پھر فرمایا دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں تمہیں ان کے سلسلہ میں اللہ یاد دلاتا ہوں (کہ ان پر کوئی زیادتی نہ کرے)۔ (مسلم)

یہ روایت طوالت کے ساتھ گزری۔

تشریح ۞ قام فینا رسول الله صلی الله علیه وسلم خطیباً! معلوم ہوا کہ خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہئے۔ فحمد الله واثنی علیه! اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی۔ وعظ وذکر! ① یہ عطف عام علی الخاص کی قسم ہو ② عطف ردیف ہے۔ الا! انتباہ مخاطبین کے لایا گیا۔ اے لوگو! میری بات سننے کے لئے خبردار ہو جاؤ۔ وہ عظیم الشان بات ہے۔ انما انا بشر! اس

کا عطف ذلک پر ہے۔ یوشك! قریب آنا۔ رسول ربی! دنیا سے عالم بقاء کی طرف منتقل ہونے کا پیغام آجائے اور دنیا و آخرت میں اختیار دیا جائے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ دنیا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم منتقل ہونے پر ترجیح نہیں دے سکتے (یہ اختیار تکریم وعظمت کے طور پر ہے) فاجیب! ماقبل پر عطف کی صورت میں منصوب ہے۔ ② مبتداء مضمر کی خبر ہو۔ ثقلین! ان کو عظمت کی وجہ سے ثقلین کہا۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿انا سنلقی علیك قولا ثقیلاً﴾۔ واولهما کتاب الله! یعنی قرآن۔ فیه الهدی! اس میں اور ہدی للمتقین میں کوئی منافات نہیں کیونکہ جو حدیث میں ہے وہ باب تجرید سے ہے۔ جیسا اس آیت میں: ﴿لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة﴾! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی خود اسوۂ حسنہ ہے لیکن مبالغہ کے لئے اسوہ کو لایا گیا۔ ② ہدی للمتقین بتاویل وصف ہے۔ ② مضاف مقدر ہے ③ مصدر مبالغہ لائے کیونکہ وہ ہدایت پر مشتمل ہے۔ گویا وہ بعینہٖ ہے۔ والنور! یعنی جہالت وضلالت کے اندھیروں کیلئے روشنی ہے۔ فخذوا بکتاب الله! ضمیر کی بجائے اظہار شرف مضاف الیہ کی وجہ سے ہے۔ واستمسکوا به! ① یہ ماقبل کے معنی میں ہو ② پہلے جملے سے لینا اور حاصل کرنا مراد ہو اور دوسرے جملے سے دوام اور عدم انفکاک مراد ہو۔ فحث علی کتاب الله! کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھام لینے پر آمادہ کیا۔ رغب فیه! اس کے ثواب اور انجام میں جو درجات ملیں گے ان کا ذکر فرمایا۔ واهل بیتی! یعنی ثقلین میں دوسرا میرے اہل بیت ہیں۔ اذکر کم الله فی اهل بیتی! یعنی ان سے محبت کرنا' ان کی مدد کرنا' ان کی محبت ومودت کو مضبوطی سے تھامے رکھنا' صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ارقبوا محمداً صلی الله علیه وسلم فی اهل بیته''! اس کی تشریح پہلے گزری۔

تخریج : باب فی اکرام اهل بیت رسول الله ﷺ میں گزر چکی۔

۷۱۳ : وَعَنْ اَبِیْ سُلَیْمَانَ مَالِكِ ابْنِ الْحُوَیْرِثِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : اَتَیْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ مُّتَقَارِبُوْنَ فَاَقَمْنَا عِنْدَهٗ عِشْرِیْنَ لَیْلَةً ' وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَحِیْمًا رَفِیْقًا ' فَظَنَّ اَنَّا قَدِ اشْتَقْنَا اَهْلَنَا فَسَاَلَنَا عَمَّنْ تَرَکْنَا مِنْ اَهْلِنَا ' فَاَخْبَرْنَاهُ ' فَقَالَ : "ارْجِعُوْا اِلٰی اَهْلِیْکُمْ فَاَقِیْمُوْا فِیْهِمْ وَعَلِّمُوْهُمْ وَمُرُوْهُمْ وَصَلُّوْا صَلٰوةَ کَذَا فِیْ حِیْنِ کَذَا وَصَلٰوةَ کَذَا فِیْ حِیْنِ کَذَا ' فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْیُؤَذِّنْ لَکُمْ اَحَدُکُمْ وَلْیَؤُمَّکُمْ اَکْبَرُکُمْ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ - زَادَ الْبُخَارِیُّ فِیْ رِوَایَةٍ لَّهٗ "وَصَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ"۔

قَوْلُهٗ : "رَحِیْمًا رَفِیْقًا" رُوِیَ بِفَآءٍ وَّقَافٍ ' وَّرُوِیَ بِقَافَیْنِ۔

۷۱۳: حضرت ابوسلیمان مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم ایک جیسی عمر والے نوجوان تھے۔ پس ہم نے آپؐ کے ہاں بیس راتیں گزاریں۔ آپؐ بڑے مہربان اور نرم دل تھے۔ پس آپؐ نے خیال کیا کہ ہم اپنے گھر والوں کے مشتاق ہو گئے ہیں۔ اس لئے آپؐ نے ہم سے پیچھے چھوڑے ہوئے اہل وعیال کے متعلق دریافت فرمایا۔ پس ہم نے آپؐ کو اطلاع دی۔ آپؐ نے فرمایا تم اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ جاؤ اور انہیں میں قیام کرو اور ان کو تعلیم دو اور انہیں اچھی باتوں کا حکم دو اور فلاں فلاں نماز

وقت میں پڑھو اور فلاں نماز فلاں وقت میں پڑھو۔ جب نماز کا وقت آئے تو ایک تم میں سے اذان دے اور تم میں سے بڑا نماز پڑھائے۔ (بخاری و مسلم) بخاری نے اپنی روایت میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ تم اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا۔

رَفِیْقًا کا لفظ (فاء کے ساتھ) اور رَقِیْقًا کا لفظ (دو قافوں کے ساتھ) بھی منقول ہے دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔

تشریح ۞ **عن ابی سلیمان مالك بن الحویرث رضی اللّٰه عنه!** بعض نے حارث اور شعبہ نے ابن حویرثہ بن اشیم، ابن اثیر کہتے ہیں ان کے نسب میں لیث تک اختلاف ہے۔ اس سے آگے اختلاف نہیں۔ لیث بن بکر بن عبد مناف بن کنانہ۔ یہ بصرہ کے رہنے والے ہیں۔ اپنی قوم کے جوانوں کے ساتھ آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز سکھلائی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پندرہ روایات نقل کی ہیں۔ دو متفق علیہ ہیں۔ ایک میں بخاری منفرد ہے۔ ان کی وفات ۹۴ھ میں بصرہ میں ہوئی۔ **اتینا النبی صلی اللّٰه علیه وسلم!** تاکہ احکام دین حاصل کریں۔ **نحن شببة!** یہ شاب کی جمع جیسے کاتب وکتبہ۔ **متقاربون!** یہ ماقبل کی صفت ہے۔ ② دوسری خبر ہے۔ **فاقمنا عنده عشرین لیلة!** ہم بیس روز تعلیم حاصل کرتے رہے۔ **وکان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم رحیماً و رفیقاً!** یہ اقمنا کے فاعل سے محل حال میں ہے ② اس کے مرتبہ میں ہے ③ اضافت سے قبل اس کا معمول ہے۔ اس کی مثل یہ آیت ہے: ﴿وکان اللّٰه غفورا رحیمًا﴾! استمرار کے لئے ہے۔ **فظن انا قد اشتقنا!** شوق مصدر ہے شاق شوقاً (نصر) مضاعف سے یہ متعدی بن جاتا ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ **اهلنا!** کا نصب نزع خافض کی وجہ سے ہے۔ **من اهلنا!** یہ محل حال میں موصول کا بیان ہے۔ **فقال ارجعوا...... وعلموهم: ارجعوا!** پر عطف ہے۔ واو سے عطف لوٹنے کے بعد امتثال امر کے حصول کے لئے ہے۔ ② یا اس کے بعد **وسروهم !** گویا یہ **ماذا نعلمهم!** کا جواب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو طاعات سکھاؤ۔ امر تعلیم کو لازم کرنے والا ہے۔ **صلاة کذا!** سے پانچ نمازیں مراد ہیں۔ **من حین کذا!** وقت نماز سے کنایہ ہے۔ **صلاة کذا!** تفنن تعبیر کے لئے مختلف لائے۔ **فلیوذن !** لام امر کا ساکن ہونا جائز ہے۔ اصل مکسور ہوتا ہے۔ ایک اذان دے کیونکہ اس سے اصل مقصد وقت کے آنے کی اطلاع ہے جو کہ ایک سے حاصل ہو جائے گی۔ **ولیومکم!** برماوی کہتے ہیں میم کا فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں۔ **اکبرکم!** بڑی عمر والا جب کہ دین کے احکام جاننے میں سب برابر ہوں اور آپ ﷺ کے ہاں مدت قیام بھی ایک ہو۔

تخریج : اخرجه احمد (۵/۱۵۶۰۱) والبخاری (۶۲۸) و مسلم (۶۷۴) و ابو داود (۵۸۹) والترمذی (۲۰۵) والنسائی (۶۳۳) وابن ماجه (۹۷۹)

الفوائد : ہجرت اور طلب علم کیلئے سفر بڑی فضیلت کا باعث ہے۔ مسافر کے لئے اذان و جماعت دونوں مشروع ہیں۔ سفر کرنے والے کو نصیحت کرنا مستحب ہے کیونکہ اس میں اسکے دنیا و دین و آخرت کا نفع ہے۔

۷۱۴ : وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : اسْتَاْذَنْتُ النَّبِیَّ ﷺ فِی الْعُمْرَةِ فَاَذِنَ وَقَالَ : "لَا تَنْسَنَا یَا اُخَیَّ مِنْ دُعَائِكَ" فَقَالَ کَلِمَةً مَّا یَسُرُّنِیْ اَنَّ لِیْ بِهَا الدُّنْیَا – وَ فِیْ رِوَایَةٍ

قَالَ : "اَشْرِكْنَا يَا اُخَيَّ فِيْ دُعَآئِكَ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ ، وَقَالَ : حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

۷۱۴: حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے عمرہ کی اجازت طلب کی۔ پس آپؐ نے مجھے اجازت دے کر فرمایا کہ اے ہمارے چھوٹے بھائی اپنی دعاؤں میں ہمیں نہ بھولنا۔ یہ آپؐ نے ایک ایسا کلمہ فرمایا جس پر مجھے اتنی خوشی ہے اگر اس کے بدلے میں مجھے ساری دنیا مل جائے تو اتنی خوشی نہیں اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: اے میرے چھوٹے بھائی، ہمیں اپنی دعاؤں میں شریک رکھنا۔ (ابوداؤد، ترمذی) اور اس نے کہا حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح ۞ استاذنت! میں نے عمرہ کی اجازت طلب کی۔ اس میں مزید پاس ادب ہے کہ ہر نیکی کا کام دریافت و اجازت سے کیا جا رہا ہے۔ **لا تنسنا!** اس میں ایک آپ ﷺ کی اور متبعین کی طرف ضمیر لوٹتی ہے۔ ② صرف آپ ﷺ کی ذات مراد ہو جو کہ سب سے اشرف و اعلیٰ ہے۔ **فقال كلمة!** اس سے مراد **لا تنسنا يا اخى من دعائك!** یہ ارشاد مراد ہے۔ **ما يسرنى ان لى بها الدنيا!** بادلیت کے لئے (دنیا تحقیر کی وجہ سے) عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں اس طرح خسیس ہے کہ تمام دنیا بھی اس قول کے بدلے میں لینے کو تیار نہیں۔ اس سے عمر رضی اللہ عنہ کے مقام کی بلندی ظاہر ہوتی ہے اور ان کا مستجاب الدعوات ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے: **اشركنا يا اخى فى دعائك!** اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اشرف تمام مسلمانوں کو اپنے حق میں دعا کیلئے کہہ سکتا ہے اور انبیاء علیہم السلام بھی دوسروں کی دعاؤں کے محتاج ہیں مختار کل نہیں۔

تخریج : اخرجه احمد (٢/٤٥٢٤) والترمذى (٣٤٤٢) والنسائى (٥٠٦) وابن ماجه (٢٨٢٦) وابن حبان (٢٦٩٣) و ابو داود (٢٦٠٠) والبيهقى (١٧٣/٩)

الفرائد : باب ۴۵۶۱ زیارۃ اہل الخیر میں گزری ۳۷۹

۷۱۵ : وَعَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ يَقُوْلُ لِلرَّجُلِ اِذَا اَرَادَ سَفَرًا : اُدْنُ مِنِّيْ حَتّٰى اُوَدِّعَكَ كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوَدِّعُنَا فَيَقُوْلُ : اَسْتَوْدِعُ اللّٰهُ دِيْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ ، رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ : حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

۷۱۵: حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر اس آدمی سے جو سفر کا ارادہ کرتا، فرماتے۔ میرے قریب آؤ تاکہ میں تمہیں الوداع کہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ ہمیں الوداع فرمایا کرتے تھے۔ پھر فرماتے میں تیرے دین، تیری امانت اور تیرے عمل کے اختتام کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔ اَسْتَوْدِعُ اللّٰهُ دِيْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ۔ (ترمذی)

حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح ۞ سالم بن عبداللہ! یہ جلیل القدر تابعی ہیں۔ ان کی کنیت ابو عمر ہے بعض نے ابو عبداللہ بتلائی ہے۔ یہ مدینہ

کے فقہاء سبعہ سے تھے۔ یہ عابد، ثقہ اور پختہ کبار تابعین سے تھے۔ اذا اراد سفرا! یعنی اس کے لباس اور دیگر معاملات سے سفر کا ارادہ ظاہر ہوتا۔ ادن منی! تو میرے قریب آ۔ یو دعنا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بلند اور اونچے مرتبے کے باوجود الوداع کرتے۔ استودع اللہ دینك! میں تمہارے دین سمیت تمہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ دین کا تذکرہ اس لئے کیا کہ یہ اہم ترین ہے اور سفر کی صعوبتوں میں تساہل کا قوی امکان ہے اور مسافر کے لئے اسی وجہ سے عبادات میں رخصت دی گئی۔ و امانتك! جن تکالیف شرعیہ کے تم امین ہو۔ ② امانت سے حقوق انسانی مراد ہوں۔ و خواتیم عملك! یہ بطور اہتمام ذکر فرمایا کیونکہ اسی پر مدار ہے۔

مسئلہ: مسافر کو الوداع کہنا چاہئے۔

تخریج: اخرجہ احمد

الفرائد: سفر میں مشیت و پیرشانی ہے تو اس میں استودع اللہ کہہ کر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی گئی ہے۔ حفظ امانت اور اجتناب عن الخیانت کی دعا دی تا کہ دینی نقصان سے سالم لوٹ کر آئے

❁ ❁ ❁

۷۱۶ :وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ الْخَطْمِيِّ الصَّحَابِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَرَادَ اَنْ يُّوَدِّعَ الْجَيْشَ يَقُوْلُ اسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكُمْ ، وَاَمَانَتَكُمْ ، وَخَوَاتِيْمَ اَعْمَالِكُمْ" حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَغَيْرُهُ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ۔

۷۱۶: حضرت عبداللہ بن یزید خطمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی لشکر کو الوداع کرنے کا ارادہ فرماتے تو اس کو فرماتے: اسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكُمْ وَاَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيْمَ اَعْمَالِكُمْ "میں تمہارے دین، تمہاری امانت اور تمہارے عمل کا انجام اللہ کے حوالے کرتا ہوں"۔

حدیث صحیح ہے۔

تشریح ❁ عبداللہ بن یزید الخطمی الصحابی رضی اللہ عنہ! ان کے حالات گزرے چکے ملاحظہ کر لیں۔ الجیش! جہاد کے لئے جانے والی جماعت۔ استودع اللہ دینکم و امانتکم! پہلے دونوں مصدر ہیں اس لئے مفرد لائے۔ جیسے کہتے اَمن و امانۃ! اصل میں یہ مفرد مذکر ہے اور آخری خواتیم کو جمع لائے تا کہ اسی طرف اشارہ ہو کہ موت کے اعمال صالحہ کی کثرت ہونی چاہئے تا کہ خاتمہ شاندار ہو واللہ اعلم۔

تخریج: اخرجہ ابو داود (۲۶۰۱) وابن السنی (۵۰٤)

الفرائد: امام کو چاہئے کہ وہ خود لشکروں کو روانہ کرے اور ان کے لئے دعا کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت پر مشقت اور مجاہدین کے لئے خصوصی دعا کا ثبوت ملتا ہے۔

❁ ❁ ❁

۷۱۷ :وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ

اُرِیْدُ سَفَرًا فَزَوِّدْنِیْ ، فَقَالَ : "زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰی" قَالَ : زِدْنِیْ قَالَ : "وَغَفَرَ ذَنْبَكَ" قَالَ : زِدْنِیْ ، قَالَ : "وَیَسَّرَ لَكَ الْخَیْرَ حَیْثُمَا كُنْتَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ : حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

۷۱۷: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگا۔ یارسول اللہ میں سفر کرنا چاہتا ہوں۔ آپؐ مجھے زادِراہ دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تمہیں تقویٰ کا زادِراہ دے۔ اُس نے عرض کیا میرے لئے کچھ اضافہ فرمادیجئے۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تیرے گناہ کو بخشے۔ اس نے کہا اور اضافہ فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تیرے لئے خیر کو آسان فرمادے جہاں بھی تو ہو۔ (ترمذی) کہا حدیث حسن ہے۔

تشریح ۞ ارید سفراً فزودنی ! اس کا عطف مقدر پر بھی ہوسکتا ہے۔ ای فائذن لی و زودنی ! جیسا کہ گزشتہ باب کی روایت سے معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اجازت تو پہلے حاصل کرلی پھر طلب دعا کے لئے حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے انداز سے معلوم کرلیا کہ وہ دعا چاہتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زودك اللّٰه التقویٰ ! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿تزودوا فان خیر الزاد التقویٰ﴾ ! یہ وہ زادِراہ جس سے ناشکری کی گھاٹی بھی طے ہوجاتی ہے اور یوم مشہود کی حاضری کا سرمایہ بھی میسر ہوجاتا ہے۔ قال زدنی ! اس نے عرض کیا کچھ اضافہ فرمائیں تو فرمایا۔ غفر ذنبك ! جو گناہ تجھ سے گزشتہ زمانہ میں ہوچکے۔ قال زدنی قال ویسرلك الخیر ! اللہ تمہیں دنیوی اور دینی خیر سے نوازے۔ حیثما کنت ! تو جس جگہ بھی ہو۔

تخریج : اخرجه الترمذی (۳۴۴۴) والحاکم (۲/۲۴۷۷) والبزار (۳۲۰۱)

الفرائد : مسافر کے لئے مستحب ہے۔ جو سفر کرے اس صالحین سے دعا منگوانی چاہئے۔ یہ دعا دنیا میں زاد اور زجر آخرت میں زیادتی اجر کا باعث ہو

۹۷ : بَابُ الْاِسْتِخَارَةِ وَالْمُشَاوَرَةِ

باب : استخارہ اور مشورہ

استخارہ ! دونوں میں زیادہ بہتر کو طلب کرنا اور اسی سے توفیق چاہنا۔ المشاورۃ ! کسی کام کا ارادہ کرتے وقت دوسرے سے مشورہ طلب کرنا۔ دوسرے کی دلیل قرآن مجید میں ہونے کی وجہ سے ذکر کردی اور پہلا بھی ضمناً اس میں شامل ہے۔ ارشاد فرمایا: ﴿وشاورھم فی الامر﴾ ! یعنی جس میں مشورہ مناسب ہو۔ یہ مشورہ صحابہ کرام کے قلوب میں تسلی کے لئے تھا۔

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی :

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ﴾ [آل عمران:۱۵۹]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور ان سے معاملات میں مشورہ کریں"۔ (آل عمران)

الامر ! سے وہی معاملات مراد ہیں جن میں مشورہ کیا جاسکتا تھا۔ وحی کے معاملات تو طے شدہ ہیں۔ ان میں مشورے کی چنداں

حاجت نہیں۔

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ [الشوریٰ:۳۸]

اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ان کے معاملات اپنے درمیان مشورے سے ہے''۔ (الشوریٰ)

شوریٰ اسم مصدر ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ معاملات میں باہمی مشورہ کرتے ہیں۔ مشورہ کو مقام مدح میں ذکر کر کے اس کا پسندیدہ ہونا ظاہر فرمایا۔

اَیْ یَتَشَاوَرُوْنَ بَيْنَهُمْ فِيْهِ۔

یعنی وہ آپس میں مشورہ کرتے ہیں۔

۷۱۸ : وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ فِی الْاُمُوْرِ كُلِّهَا كَالسُّوْرَةِ مِنَ الْقُرْآنِ : يَقُوْلُ : ''اِذَا هَمَّ اَحَدُكُمْ بِالْاَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيْضَةِ ، ثُمَّ لْيَقُلْ! اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ ، وَاسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ ، وَاَسْاَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ ، فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ ، وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ ، وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ : اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّیْ فِیْ دِيْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ'' اَوْ قَالَ : عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ فَاقْدُرْهُ لِیْ وَيَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِيْهِ – وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِيْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ'' اَوْ قَالَ : ''عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ ، وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ ، وَاقْدُرْ لِیَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ، ثُمَّ رَضِّنِیْ بِهٖ'' قَالَ : وَيُسَمِّیْ حَاجَتَهٗ ، رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

۷۱۸: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں تمام معاملات میں استخارہ کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ فرماتے جب تم میں سے کوئی آدمی کسی کام کا ارادہ کرے تو دو رکعت نماز فرض کے علاوہ ادا کرے۔ پھر کہے اے اللہ میں آپ سے بھلائی کا طالب ہوں۔ آپ کے علم کے سبب اور آپ سے قدرت طلب کرتا ہوں آپ کی قدرت کے ذریعے اور آپ سے آپ کا بڑا فضل مانگتا ہوں۔ اس لئے کہ آپ قدرت رکھتے ہیں میں قدرت نہیں رکھتا اور آپ جانتے ہیں میں نہیں جانتا اور آپ پوشیدہ باتوں کو خوب جاننے والے ہیں۔ اے اللہ اگر آپ جانتے ہیں کہ یہ کام زیادہ بہتر ہے میرے لئے دین اور دنیا کا اعتبار سے اور میرے معاملے کے انجام کے اعتبار سے یا یوں کہا میرے معاملے کے جلدی کے اعتبار سے یا اس کے مقررہ وقت کے اعتبار سے اس کو میرے لئے مقدر فرما اور آسان فرما۔ پھر اس میں برکت فرما میرے لئے اور اگر آپ جانتے ہیں کہ یہ کام میرے لئے دین اور دنیا کے اعتبار سے برا ہے اور معاملے کے انجام کے اعتبار سے یا فرمایا یا میرے کام کی جلدی اور مقررہ وقت کے لحاظ سے۔ پس اس کو مجھ سے پھیر دے اور مجھے اس سے پھیر دے اور میرے لئے بھلائی کو مقدر فرما جہاں ہوں۔ پھر مجھے اس پر راضی کر

لے پھر فرمایا کہ اپنی حاجت کا نام لے۔ (بخاری)

تشریح ❁ **استخارة!** خیر کا طلب کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ اس میں نماز و دعا کا طریقہ بتلاتے۔ **فی الامور!** جن میں وہ اقدام کا ارادہ ظاہر کرتے وہ امور جو کہ مباح ہوتے۔ **کلھا !** یہ محل حال میں ہے ④ **یعلمنا** کے مفعول کی صفت ہے۔ **کالسورة من القرآن!** اس کی تعلیم اسی اہتمام سے ہوتی جیسے سورت کی تعلیم دی جاتی۔ اس سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مجھے یہ بات پختہ طور پر یاد ہے۔ جیسا مشبہ بہ۔ **بالامر!** جس کام کا کرنا یا چھوڑنا جائز ہو۔ **فلیرکع رکعتین!** وہ دو رکعت پڑھے یہ سب سے کم مقدار ہے۔ **من غیر الفریضه!** شوافع رحمہم اللہ کے ہاں سنن رواتب اور فرائض میں بھی نیت کرنے سے یہ مقصد حاصل ہو جائے گا۔ مگر احناف حدیث کے صریح الفاظ کی وجہ سے نوافل میں اس کی نیت کو درست قرار دیتے ہیں۔ فرائض میں نیت سے ثواب استخارہ حاصل ہونے کے متعلق خود علماء شوافع میں اختلاف ہے۔ **ثم لیقل!** یعنی جب نماز سے فارغ ہو تو قبلہ رو ہو کر حمد و صلاۃ کے بعد ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کرے۔ حمد و صلاۃ اور ہاتھ اٹھانا دعا کی سنن ہیں۔ **اللھم انی استخیرك بعلمك!** اے اللہ میں آپ ﷺ سے دونوں کاموں میں جو زیادہ بھلائی والا ہے۔ اس کے لئے میرے سینے کو کھول دے کیونکہ آپ امور کی کیفیت اور جزئیات کی حقیقت سے باخبر ہیں اور دونوں میں سے بہتر کی بہتری عالم الغیب ہی جانتا ہے اور وہ آپ ہی ہیں۔ باسیبہ یا قسم استعطافی کے لئے ہوسکتا ہے اور یہ دونوں احتمال **واستقدرك بقدرتك!** میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یعنی میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ دونوں معاملات میں سے زیادہ بہتر کو میرے مقدر میں کر دے۔ مگر فتح الدلہ میں دونوں با استعانت کے لئے قرار دیئے گئے ہیں جیسا اس آیت میں ﴿بسم اللّٰه مجراها﴾! مگر یہ تکلف آیت اس سے مختلف ہے فتدبر۔ **فانك تقدر!** ہر ممکن پر قدرت رکھتے ہیں جس سے آپ کا ارادہ متعلق ہو۔ یہ جملہ ماقبل کی علت ہے۔ **ولا اقدر وتعلم ولا اعلم!** آپ تو ہر کل و جز کو جانتے اور مجھے بس اسی کا علم ہے جو آپ نے سکھایا ہے۔ **وانت علام الغیوب!** آپ کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں مخلوق میں کسی کو کسی چیز کا پورا علم نہیں۔ سوائے اس کے کہ جس کی جزئیات کا علم آپ نے سکھلا دیا۔ علم کو مقدم کر کے عموم کی طرف اشارہ کیا اور دوسری بات یہ ہے کہ قدرت کو مقدم کیا کیونکہ وہ اس فعل کے زیادہ مناسب اور لائق ہے جو کہ دونوں امور میں سے خیر کے فعل پر ایک حد تک قدرت دینا ہے۔ وانت علام الغیوب کے جملہ کے لئے مؤخر کیا اور وانت القادر علی کل شئی کو ترک کر دیا اور قدرت دینے کے سوال کو اس پر مرتب فرمایا۔ **اللھم ان کنت تعلم ان ھذا الامر!** جس کا میں نے قصد کیا۔ **خیر لی فی دینی و معاشی!** تا کہ اس سے میرے دین و دنیا میں نقص نہ ہو۔ **وعاقبة امری او عاجل امری و آجله!** دین اور معاش کو شامل کرنے کے لئے جملے کو طویل کیا۔ نووی کہتے ہیں کہ او شک راوی کے لئے ہے اس لئے دونوں باتوں کو جمع کرے تا کہ جو کلمہ وارد ہوا ہے اس کا ذکر ثابت ہو جائے۔ البتہ دو مرتبہ دہرانے کی ضرورت نہیں۔ **فاقدره لی!** قاضی عیاض کہتے ہیں دال کا ضمہ و کسرہ دونوں جائز ہیں۔ یعنی اس کا میرے حق میں فیصلہ فرما اور میرے لئے مہیا فرما۔ **ویسره لی !** عطف تفسیری ہے یا اخص کا عطف ہے۔ بعض اوقات مقدر کرنا کبھی مشقت سے ہوتا ہے۔ **ثم بارك لی فیه!** جب یہ حاصل ہو جائے تو اس میں اضافہ فرما اور تمام قواطع سے اس کو محفوظ کر دے۔ **ثم!** اس لئے لائے اس کے حاصل ہونے میں کسی قدر تاخیر ہوتی ہے۔ **وان کنت تعلم ان ھذا الامر شر لی فی دینی و معاشی و عاقبة امری او قال عاجل امری و آجله فاصرفه عنی واصرفنی عنه!** مبالغہ اور تاکید کے لئے صراحت سے ذکر کیا کیونکہ جب وہ

چیز تم سے ہٹا دی جائے گی تو تو خود اس سے ہٹ گیا۔ ② اور پیروی کے طور پر ہو کہ اصرفہ عنی کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اس کی قدرت ہی نہ دے اصرفنی عنہ کا مطلب' میرے باطن کی مشغولیت اس سے ہٹا دے۔ ابن حجر ہیثمی کہتے ہیں (ایضاح) یہاں ایک نقطہ یاد رکھو کہ خیر کے بعد تمام متعاطفات اپنے باب پر ہیں اور شر کے بعد جتنے متعاطفات ہیں وہ او کے معنی میں ہیں کیونکہ اصل مطلوب سہولت ہے۔ پس ضروری ہے تمام مذکورہ احوال دنیا اور دین کے لحاظ سے خیر ہوں اور جس کا پھیرنا مطلب ہے اس کے بعض احوال کا شر ہونا کافی ہے اور واؤ کو اپنے احوال پر رکھنے میں یہ وہم رہے گا کہ ان کا پھیرنا مطلوب نہیں مگر جب کہ اسکے تمام احوال شر ہوں حالانکہ یہ مراد نہیں ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے مگر یہ بات خود قابل توجہ ہے فتدبر' (شرح اذکار میں ملاحظہ کریں) **واقدر لی الخیر!** یعنی میرے لئے وہ بھلائی مقدر کر دے جس میں تیری طرف سے ثواب اور اس کے کرنے والے کو تیری رضامندی حاصل ہو۔ **حیث کان!** اور اس کے کرنے کو میرے مقدر میں فرما دے جس مکان و زمان میں وہ حاصل ہو۔ **ویسرہ لی!** کو چھوڑنے میں حکمت یہ ہے کہ خیر عام ہے اور اس کے حصول میں عموماً مشقت و تعب یا ہمیشہ مشقت ہوتی ہے۔ بخلاف ان کے جو گزریں وہ خاص ہیں اور اکثر اس میں مشقت نہیں۔ **ثم رضنی بہ !** تاکہ میں آپ کے انعامات میں سے کسی چیز کو حقیر نہ قرار دوں اور نہ تیری مخلوق میں سے کسی سے حسد کروں تاکہ قابل تعریف لوگوں اور خوش ہونے والے لوگوں کی لڑی میں پرو دیا جاؤں' تیرے اس ارشاد کا مصداق بن جاؤں: ﴿رضی اللّٰہ عنہم ورضوا عنہ﴾! نسائی کی روایت میں **ثم ارضنی بقضائك!** کے الفاظ ہیں۔ **ویسمی حاجتہ!** اس کا فلیقل پر عطف ہے کیونکہ یہ امر کے معنی میں اس کے فاعل سے حال ہے۔ **ای فیلقل ذلك مسمیا حاجتہ!** اور کہے اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ میرا فلاں کام اس وقت میں مثلاً۔

تخریج : بخاری ابواب صلاۃ اللیل والدعوات ' ابوداؤد فی الصلاۃ' ترمذی فی الصلاۃ' نسائی فی النکاح والتقوت فی الیوم واللیلۃ (اطراف)

الفوائد : جس بات پر استخارہ کے بعد اتفاق ہو جائے وہ کرے (کذا قال ابن عبدالسلام)

۹۸ :بَابُ اسْتِحْبَابِ الذَّهَابِ اِلَى الْعِيْدِ وَعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ وَالْحَجِّ وَالْغَزْوِ وَالْجَنَازَةِ وَنَحْوِهَا مِنْ طَرِيْقٍ وَّالرُّجُوْعِ مِنْ طَرِيْقٍ آخَرَ لِتَكْثِيْرِ مَوَاضِعِ الْعِبَادَةِ

بَاب: عید' عیادتِ مریض' حج' غزوہ وغیرہ کے لئے ایک راستے سے جانا اور دُوسرے سے لوٹنا تاکہ عبادت کے مواقع زیادہ ہوں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات کی طرف جاتے ہوئے ضب کے راستے سے گزرے اور واپسی میں مازمین کی راہ سے لوٹے۔ **ونحوھا!** سے جمعہ کی طرف اور جماعت کے لئے جانا۔ **من طریق آخر!** آخر یہ تاکید ہے ورنہ تو موصوف کا نکرہ آنا ماقبل سے مغایرت کے لئے کافی ہے۔ **لتکثیر مواضع العبادۃ!** یہ راستے کے مختلف ہونے کی علت ہے اور عید کے سلسلے میں راستہ تبدیل کرنے کے متعلق ایک قول یہ ہے۔

۷۱۹ : وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدٍ خَالَفَ الطَّرِيْقَ ' رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

قَوْلُهُ "خَالَفَ الطَّرِيْقِ" : وَيَعْنِيْ ذَهَبَ فِي الطَّرِيْقِ ' وَرَجَعَ فِيْ طَرِيْقٍ اٰخَرَ۔

۷۱۹: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب عید کا دن ہوتا (تو عید گاہ تشریف لے جاتے وقت) راستہ بدلتے۔(بخاری)

خَالَفَ الطَّرِيْقَ : ایک راستے سے جاتے اور دوسرے راستے سے لوٹتے۔

تشریح ۞ خالف الطريق ! یعنی ایک راہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے اور دوسرے سے واپس تشریف لاتے۔ فتح الدلہ میں لکھا ہے کہ جانے کے وقت طویل راستہ اختیار کرے اس طرح کہ جماعت فوت نہ ہو۔ واپسی پر چھوٹا ہو کیونکہ کسی قربت کا قصد نہیں۔ رجوع کے متعلق اختلاف ہے۔ جانے کے لئے طویل تو کثرت ثواب کی خاطر ہے اور واپسی پر چھوٹا راستہ کیونکہ اس میں ثواب نہیں یا ثواب ہے مگر تھوڑا یا دونوں راستے گواہ بن جائیں یا دو راستوں کے لوگوں کو برکت حاصل ہو یا آپ کی برکت عام ہو یا اللہ تعالیٰ کے ذکر کو پھیلایا جائے یا فقراء فریقین کو فائدہ ہو یا جانے کے وقت صدقہ کی چیز ختم ہو گئی۔ اقارب کی قبور کی زیارت ہو جائے یا منافقین جلیں یا منافقین سے محتاط ہو جائیں یا حالت میں تبدیلی کا گمان لیا کہ مغفرت و رضا ملی یا رحمت کی خشیت کی وجہ سے یہ رمل اور اضطباع کی وجہ سے مستحب بتلایا گیا۔

تخریج : اخرجه البخاری (۹۸۶)

الفرائد : راستہ بدلنے سے مقصود تکثیر اجر ہے (رافعی)۔ ہر راستہ کل گواہی دے۔

۷۲۰ : وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَخْرُجُ مِنْ طَرِيْقِ الشَّجَرَةِ وَيَدْخُلُ مِنْ طَرِيْقِ الْمُعَرَّسِ وَاِذَا دَخَلَ مَكَّةَ دَخَلَ مِنَ الثَّنِيَّةِ الْعُلْيَا وَيَخْرُجُ مِنَ الثَّنِيَّةِ السُّفْلٰى ' مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۷۲۰: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طریق شجرہ سے نکلتے اور طریق معرس سے داخل ہوتے اور جب مکہ میں داخل ہوتے تو ثنیہ علیا کی طرف سے داخل ہو کر ثنیہ سفلیٰ کی طرف سے نکلتے۔(بخاری و مسلم)

کان يخرج ! یعنی مدینہ منورہ سے۔ **من طريق الشجرة** ! یعنی مسجد ذوالحلیفہ سے۔ **من طريق المعرس** ! مسجد معرس والا راستہ۔ **اذا داخل مكه**...... **من الثنية العليا** ! وادی حجون ثانی سے۔ **يخرج من الثنية السفلى** ! ثنیہ یہ دو پہاڑوں میں تنگ راستہ۔ اس کا نام شبیکہ ہے۔ داخلے کے لئے دو راستوں کے استعمال کی حکمتیں اوپر ذکر ہوئیں اور بلند مقام سے داخل ہونے کا مقصد بلند مقام والی جگہ کا قصد ہونے کی وجہ سے ہے اور نکلنا اس کے برعکس ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے

لئے اس طرح دعا فرمائی تھی۔ فاجعل افئدة من الناس تهوى اليهم! یعنی بلندیوں پر جھکیں۔ کذا قال ابن عباس ذکرہ السہیلی۔

تخریج : اخرجه البخاری (۱۵۷۵) و مسلم (۱۲۵۷) و ابو داود (۱۸٦۸)

الفرائد : جوشخص آثارنبوی کو متبرک تعام کے طور پر اختیار کرے وہ نصیبہ ور ہے۔ وہ آثار نبوت کو بہت زیادہ جاننے والے تھے۔

۹۹ : بَابُ اسْتِحْبَابِ تَقْدِيْمِ الْيَمِيْنِ فِیْ كُلِّ مَا هُوَ مِنْ بَابِ التَّكْرِيْمِ

بَاب : ہر معزز کام میں دائیں ہاتھ کو مقدم رکھنا

كَالْوُضُوْءِ وَالْغُسْلِ وَالتَّيَمُّمِ وَلُبْسِ الثَّوْبِ وَالنَّعْلِ وَالْخُفِّ وَالسَّرَاوِيْلِ وَدُخُوْلِ الْمَسْجِدِ' وَالسِّوَاكِ وَالْاِكْتِحَالِ وَتَقْلِيْمِ الْاَظْفَارِ ' وَقَصِّ الشَّارِبِ ' وَنَتْفِ الْاِبِطِ وَحَلْقِ الرَّاْسِ وَالسَّلَامِ مِنَ الصَّلٰوةِ وَالْاَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالْمُصَافَحَةِ وَاسْتِلَامِ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ ' وَالْخُرُوْجِ مِنَ الْخَلَاءِ الْاَسْوَدِ ' وَالْخُرُوْجِ مِنَ الْخَلَاءِ وَالْاَخْذِ ' وَالْاِعْطَآءِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِمَّا هُوَ فِیْ مَعْنَاهُ – وَيُسْتَحَبُّ تَقْدِيْمُ الْيُسَارِ فِیْ ضِدِّ ذٰلِكَ : كَالْاِمْتِخَاطِ وَالْبُصَاقِ عَنِ الْيُسَارِ وَدُخُوْلِ الْخَلَاءِ وَالْخُرُوْجِ مِنَ الْمَسْجِدِ وَخَلْعِ الْخُفِّ وَالنَّعْلِ وَالسَّرَاوِيْلِ وَالثَّوْبِ وَالْاِسْتِنْجَآءِ وَفِعْلِ الْمُسْتَقْذَرَاتِ وَاَشْبَاهُ ذٰلِكَ–

مثلاً وضوء' غسل' تیمم' کپڑا' جوتا' موزہ' شلوار پہننے اور مسجد میں داخل ہونے' مسواک کرنے' سرمہ لگانے' ناخن کاٹنے' مونچھیں کاٹنے' بغل کے بال اکھاڑنے' سر کے بال منڈوانے اور اس طرح نماز میں سلام پھیرنے' کھانے اور پینے میں' مصافحہ کرنا' استلام حجر اسود کو بوسہ دینے' بیت الخلاء سے نکلنے' کسی سے کوئی چیز لینے اور کسی کو کوئی چیز دینے وغیرہ جو اس طرح کے کام ہیں ان میں دائیں طرف کو مقدم کرے اور ان کے برعکس کاموں میں بائیں کو مقدم رکھے مثلاً تھوکنے' ناک صاف کرنے' بیت الخلاء میں داخل ہونے' مسجد سے نکلنے' موزہ اور جوتا اُتارنے' شلوار اور کپڑا اُتارنے اور استنجا کرنا اور اسی طرح کی گندگی والے افعال کرنے میں بائیں کو مقدم کرنا مستحب ہے۔

کالوضوء! وضو کرتے ہوئے دائیں ہاتھ' دائیں پاؤں کو مقدم کریں گے۔ پیشانی' رخسار' دونوں کان' دونوں ہاتھوں و پاؤں میں دایاں مقدم ہوگا۔ والغسل! دائیں جانب بلکہ اس میں اگلی جانب اور بائیں جانب کا پچھلا حصہ' البتہ غسل میت میں سامنے کی جانب پھر بائیں بھی اسی طرح۔ پھر اسے بائیں جانب پھیرے اور پچھلی جانب دھوئے پھر اسے دائیں جانب پھیرے اور بائیں جانب دھوئے اور زندہ کا غسل اس سے مختلف ہوا کیونکہ بیک وقت دونوں دائیں جانبوں کا دھونا میت کے لئے مشکل ہے اور زندہ کے لئے آسان ہے۔ والتیمم! اس کا حکم وضو جیسا ہے۔ ولبس الثوب! اس کی دائیں آستین اپنا ہاتھ بائیں سے پہلے داخل کرے۔ والنعل والخف والسراویل! آدمی دائیں ہاتھ' پاؤں کو بائیں سے پہلے داخل کرے۔

سراویل بعض نے اس کو جمع کہا جس کا واحد نہیں۔ بعض نے کہا یہ سراولۃ کی جمع ہے۔ **ودخول المسجد!** جوتے بایاں پاؤں پہلے نکالے اور اس کو جوتے کے اوپر رکھے پھر دایاں نکالے اور مسجد میں اس کو پہلے رکھے پھر بایاں۔ **والسواك!** منہ کی دائیں جانب سے ابتداء کرے اور مسواک دائیں ہاتھ میں تھامے۔ **والاکتحال!** تین مرتبہ دائیں جانب پھر بائیں جانب تین بار (ابن حجر ہیثمی فی الاحداد) **وتقليم الاظفار وقص الشارب!** شارب کو شارب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ پانی پیتے وقت یہ پانی میں جالگتی ہے۔ **وحلق الراس!** ظاہر سے حج کے علاوہ کو بھی شامل ہے۔ دائیں جانب سے ابتداء مسنون ہے۔ **والسلام من الصلاة والأكل!** دائیں ہاتھ سے کھائے بعض نے راعی البر کی وجہ سے اس کو واجب کہا ہے۔ **واشرب !** کسی بھی پینے والی چیز کو استعمال کرنا۔ دائیں ہاتھ میں پکڑ کر پیے یا اس میں سے ایک گھونٹ لے۔ **والمصافحة و الستلام الحجر الاسود!** استلام سے بعض نے تو سلام مراد لیا ہے جبکہ دوسروں نے حجر اسود کو بوسہ دینا۔ **والخروج من الخلاء!** خلاء یا فضاء میں جہاں قضائے حاجت کرنا چاہتا ہو۔ خواہ خلا ہو یا فضاء میں ہو۔ **والاخذ والعطاء!** مستحب یہ ہے کہ لینا' دینا' دائیں ہاتھ سے ہو۔ اگرچہ اس میں کراہت واہانت نہیں ہے۔ **في معناه!** جو اسی طرح کی مکرم چیزیں ہیں۔ **تقديم اليسرىٰ فى ضد ذلك!** کیونکہ وہ اہانت اور گندگی کے مقامات ہیں مثلاً ناک صاف کرنا' تھوکنا' بزق (ن) (المصباح) **علي اليسار !** یہ محذوف سے متعلق حال ہے۔ **اى كائنين من جهته!** اگر اس کے بائیں طرف کوئی محترم مقام یا کوئی شخص ہو تو سامنے تھوکے۔ **دخول الخلاء!** قضائے حاجت کے لئے۔ **والخروج من المسجد!** بایاں پاؤں نکالے اور اس کو جوتے کی پشت پر رکھے پھر دایاں' پہلے اس کو پہنے پھر بایاں پہنے۔ **خلع الخف...... الثوب!** کیونکہ عضو پر کپڑا رہنا کراہت ہے اور کرامت کا دایاں حقدار ہے اور بایاں اس سے کم درجہ ہے۔ **والاستنجاء!** خواہ پتھر سے ہو یا پانی سے۔ **وفعل المستقذرات!** جیسے بدن سے میل کا ازالہ بائیں سے ہو۔ **اشباه ذلك!** گھر میں داخلہ اس میں بعض نے دایاں بعض نے بایاں اول راجح ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَیَقُوْلُ :هَآؤُمُ اقْرَءُ وْا کِتَابِیَهْ﴾ [الحاقة : ۱۹] **الْاٰيَاتُ** –

رب ذوالجلال والاکرام نے ارشاد فرمایا:

''پھر وہ جو دائیں ہاتھ میں کتاب دیا جائے گا (سبحان اللہ) پس وہ کہے گا کہ آ ؤ اور میرا نامہ عمل پڑھو''۔ (الحاقہ)

فاما من اوتی کتابه بیمینه! من میں تمام مؤمن داخل ہیں۔ خواہ گناہ گار ہوں۔ مگر عاصی کے آگ سے نکلنے کے بعد ہوگا (ابن عطیہ) تمام مکرمات دائیں سے حاصل ہوں گی۔ **فیقول هاؤ م اقرء وا کتابیه!** ایک مرد کے لئے ھاء دو مردوں اور عورتوں کے لئے **هاؤ ما!** جمع مردوں کے لئے۔ **هاؤم!** جمع عورتوں **هاؤن!** اور ایک عورت کے لئے ھاء۔ اس کا معنی **خذوا!** یعنی لو۔ یہاں بعض نے ھاؤم کو اور دوسروں نے اقراءوا کو۔ بقیہ آیات کے موضوع کا باب سے تعلق نہیں بس کتاب کے یمین میں ملنے کی وجہ سے اس باب میں ذکر کر دی گئیں۔

وَقَالَ تَعَالٰى :

﴿فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ مَا اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ' وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَا اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ﴾

[الواقعہ:۸-۹]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

دائیں ہاتھ والے کیا خوب ہیں دائیں ہاتھ والے اور بائیں ہاتھ والے کیا برے ہیں بائیں ہاتھ والے''۔(الواقعہ)

اصحاب میمنہ! وہ لوگ ہیں عرش کے دائیں جانب ہوں گے ② آدم علیہ السلام کی اولاد کو جب پشت سے نکالا تو وہ ان کے دائیں جانب تھے ③ جن کو دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال ملے گا ④ بلند مراتب والے لوگ ⑤ اصحاب الیمین۔ **ما اصحاب المیمنه!** کتنے خوش نصیب ہیں اور کتنا عظیم الشان بدلہ پائیں گے۔ **واصحاب المشئمة!** میمنہ کے معانی کے بالمقابل صفات جن میں پائی جائیں گی۔ **ما اصحاب المشأمه!** وہ کس قدر بدنصیب اور کس قدر سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

۷۲۱ : وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعْجِبُهُ التَّيَمُّنُ فِيْ شَانِهٖ كُلِّهٖ: فِيْ طُهُوْرِهٖ، وَتَرَجُّلِهٖ، وَتَنَعُّلِهٖ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۷۲۱: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :کو دائیں جانب اپنے کاموں میں پسند تھی۔(جیسے) وضو کرنے میں، کنگھی کرنے میں اور جوتے پہننے میں۔(بخاری ومسلم)

تشریح ۞ **یعجبه الیمین!** دائیں ہاتھ کا استعمال پسند تھا۔ **فی شانه کله!** قابل اہتمام موقعہ پر کل یہ شان کا بدل ہے۔ **فی طهوره!** یہ کل سے بدل البعض ہے۔ **طهور!** پاکیزگی کے لئے پانی کا استعمال کرنا۔''طہور'' پانی جس سے طہارت حاصل کی جاتی ہے پس اس صورت میں مضاف مقدر ہے۔ یہاں دائیں کی فضیلت بیان کرنا مطلوب ہے۔ **ترجله!** بالوں کو کنگھی کرتے ہوئے۔ **وتنعله!** جوتے میں پاؤں داخل کرتے ہوئے جتنی چیزیں روایت میں تکریم کی قسم سے ہیں ان میں اور انہی جیسی چیزوں میں دائیں کو اختیار کرنا مستحب ہے اور ان کے برعکس دوسری چیزوں میں بائیں کا استعمال ہوگا۔

تخریج : اخرجه احمد (۹/۲۵۶۰۲) والبخاری (۱۶۸) و مسلم(۶۲۸) و ابو داود (۴۱۴۰) والترمذی (۶۰۸) وابن ماجه (۴۰۱) وابن حبان (۵۴۵۶)

الفرائد : روایات میں مذکورہ مقامات میں دائیں طرف سے ابتداء مستحب ہے۔ بیت الخلاء، خروج مسجد وغیرہ کے لئے بائیں کو مقدم کیا جائے اس سے دائیں کی بائیں پر کرتریم مقصود ہے۔

۷۲۲ :وَعَنْهَا قَالَتْ : كَانَ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لِطُهُوْرِهٖ وَطَعَامِهٖ وَكَانَتِ الْيُسْرٰى لِخَلَآئِهٖ وَمَا كَانَ مِنْ اَذًى حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ، رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَغَيْرُهٗ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ۔

۷۲۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کہا دایاں ہاتھ وضو اور کھانے کے لئے اور بایاں ہاتھ بیت الخلاء کے لئے اور جو بھی اسی طرح کے گندگی والے کام ہیں۔(ابوداؤد حدیث صحیح ہے)

النحو :ید! کی تانیث مجازی ہے۔ **لطهوره!** طا پر ضمہ ہے۔ حذف مضاف کی صورت میں طا پر فتحہ آئے گا۔ **طعامه!** کھانا،

تناول کرنا۔ کانت یدہ الیسری لخلائه! استنجاء پتھروں کو پکڑنے اور بول و براز کے ازالہ کے لئے استعمال فرماتے اور اسی طرح کے دوسرے ایذاء والے کام مثلاً تھوک' رینٹھ وغیرہ اور جوں وغیرہ کا دور کرنا۔

الفرائد : کھانے پینے میں اس کا استعمال اس کی فضیلت کو ظاہر کرتا ہے۔

٧٢٣ : وَعَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُنَّ فِيْ غُسْلِ ابْنَتِهٖ زَيْنَبَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا : "ابْدَاْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهَا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۷۲۳ : حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی بیٹی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غسل کے سلسلے میں ہمیں فرمایا کہ اس کی ابتداء دائیں طرف سے کرنا اور اعضاء وضو سے کرنا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ ام عطیه! ان کا نام نسیبة! ہے۔ بعض نے مکبرہ قرار دیا۔ ان کے والد کا نام کعب بعض نے حارث بتلایا۔ یہ مدینہ منورہ میں مقیم تھیں پھر بصرہ میں سکونت اختیار کی۔ یہ میتات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں غسل دیا کرتی تھی۔ ان کے ساتھ نسب میں ام عمارہ نسیبہ بنت کعب الانصار یہ رضی اللہ عنہا بھی شریک ہیں۔ ام عمارہ کی کوئی روایت صحیحین میں نہیں۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس روایات نقل کی ہیں۔ جن میں سے ۹ بخاری و مسلم میں ہیں۔ سات متفق علیہ ہیں اور ایک میں بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں۔ سنن اربعہ نے ان سے روایات لی ہیں۔ محمد و حفصہ سیرین کی اولاد اور عبدالملک بن عمیر نے روایت لی ہے۔ بخاری کی ایک روایت سے وہم ہوتا تھا کہ نسیبہ ام عطیہ نہیں مگر بخاری نے اس کی وضاحت کر کے وہم کو دور کر دیا کہ وہی ہیں۔ ابنته زینب! بعض نے ام کلثوم کہا۔ ابدأن !ام عطیہ رضی اللہ عنہا اور دیگر جو عورتیں غسل میں معاون تھیں ان کو خطاب فرمایا۔ یہ امر استحبابی ہے۔ بمیامنها! جمع میمنہ اس سے معلوم ہوا کہ غسل میت کی ابتداء بھی دائیں جانب سے ہونی چاہئے جیسا کہ زندہ کے غسل کی ہوتی ہے۔ و مواضع الوضوء منها! کیونکہ اعضاء وضو دوسرے اعضاء سے زیادہ شرف والے ہیں۔

تخریج : اخرجه البخاری (١٦٧) و مسلم (٤٢/٩٣٩) وابن حبان (٣٠٣٢) وابو داود (٣١٤٦)

الفرائد : میت کو غسل دیتے ہوئے دائیں کو ترجیح دی جائے گی۔ عورتوں کے نہ ہونے کی صورت مرد غسل دے سکتا ہے۔

٧٢٤ : وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : "اِذَا انْتَعَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَاْ بِالْيُمْنٰى وَاِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَاْ بِالشِّمَالِ ، لِتَكُنِ الْيُمْنٰى اَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ ، وَاٰخِرَهُمَا تُنْزَعُ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۷۲۴ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو دائیں طرف سے پہل کرے اور جب وہ اُتارے تو بائیں طرف سے ابتداء کرے تا کہ دایاں پاؤں جوتا پہننے کے وقت پہلا ہو اور جوتا اتارتے وقت آخری ہو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ اذا انتعل احدکم! جب تم میں سے کوئی جوتا پہننے کا ارادہ کرے۔ موزے کا بھی یہی حکم ہے۔ فلیبداء

بالیمین! دایاں پاؤں عظمت کی وجہ سے پہلے رکھتا ہے۔ واذا نزع! جب اتارنے لگے۔ فلیبداء بالشمال! کیونکہ جوتے کا پاؤں میں رہنا تقاضہ ادب ہے۔ پس دایاں بقاء کا مستحق ہے۔ لتکن الیمنی اولھما تنعل و آخرھما تنزع: اولھما! نصب کی صورت میں تنعل کا ظرف ہو کر تکون کی خبر ہے اور آخر تنزع کا ظرف ہے۔ یہاں خبر کا خبر اور ظرف کا ظرف عطف درست ہے۔ لتکن کا جملہ ماقبل کی تاکید ہے یا اجمال ہے۔

تخریج : اخرجه مالك (۱۷۰۱) واحمد (۳/۷۳۵۳) والبخاری (۵۸۵۶) و مسلم (۲۰۹۷) و ابو داود (۴۱۳۹) والترمذی (۱۷۷۹) وابن حبان (۵۴۵۵) والبیھقی (۲/۴۳۲)

الفرائد : دائیں طرف سے ابتداء تمام اعمال میں مشروع ہے اس کا درجہ استحباب کا ہے۔ دائیں کو پہننے میں مقدم اور اتارنے میں مؤخر کیا جائے کیونکہ وہ افضل ہے۔

۷۲۵ : وَعَنْ حَفْصَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَجْعَلُ يَمِيْنَهٗ لِطَعَامِهٖ وَشَرَابِهٖ وَثِيَابِهٖ ، وَيَجْعَلُ يَسَارَهٗ لِمَا سِوٰى ذٰلِكَ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَغَيْرُهٗ۔

۷۲۵ : حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں کو کھانے پینے اور کپڑے پہننے کے لئے استعمال فرماتے اور بائیں کو ان کے علاوہ کاموں کے لئے استعمال فرماتے۔ (ابوداؤ د' ترمذی)

تشریح حفصة رضی الله عنه! صحابیات میں چونکہ اس نام کی اور کوئی عورت نہیں اس لئے وضاحت کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ ان کی والدہ کا نام زینب بنت مظعون ہے جو کہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں۔ جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد تھے۔ حفصہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ رضی اللہ عنہ دونوں حقیقی بہن بھائی ہیں۔ یہ مہاجرات سے تھیں' پہلے خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ یہ بدری صحابی تھے۔ مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ ۲ھ میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بعد ان سے نکاح کیا۔ ان کو ایک طلاق دے دی پھر جبرائیل علیہ السلام کے کہنے پر رجوع فرمایا۔ انہوں نے کہا یہ قیام کرنے والی' روزہ رکھنے والی اور جنت میں آپ کی زوجہ ہے ۴۱ھ میں جب حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی ان کی وفات ہوئی۔ (اسد الغابہ) یجعل یمینه لطعامه! یعنی اس سے آپ منہ تک کھانے اور پینے کی چیز پہنچاتے تھے۔ وثیابہ! اپنا دایاں ہاتھ قمیص میں داخل فرماتے' اسی طرح شلوار میں دائیں ٹانگ داخل فرماتے پھر بائیں۔ ویجعل الیسریٰ لما سوی ذلك! یعنی وہ کام جن میں تکریم نہ ہو۔ گزشتہ روایت کے قریب قریب مفہوم ہے۔

تخریج : ابوداؤد' ترمذی' احمد کے حوالہ سے جامع صغیر نے ذرا الفاظ کے اختلاف سے روایت نقل کی۔

الفرائد : دائیں ہاتھ کو گندگی کے مقامات میں استعمال نہ کیا جائے گا اس میں بائیں سے مدد لی جائے گی۔

۷۲۶ : وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : "اِذَا لَبِسْتُمْ وَاِذَا تَوَضَّاْتُمْ فَابْدَءُوْا بِاَيَامِنِكُمْ ، حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ۔

۷۲۶: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کپڑا پہنو اور وضو کرو تو اپنی دائیں جانب سے ابتداء کرو۔
(ابوداؤد ترمذی صحیح اسناد کے ساتھ) حدیث صحیح ہے۔

تشریح ❁ اذا البستم! جب تم پہننے کا ارادہ کرو اور وضو کے اعمال کا ارادہ کرو۔ فابدءُ وا بایامنکم! یہ ایمن کی جمع ہے۔ جو ایسر کے برعکس ہے۔ دائیں بازو کو قمیص میں داخل کیا جائے گا اور اسی طرح ہاتھ پاؤں دھوتے ہوئے دائیں کو مقدم کریں گے۔ تمام اعمال وضو مراد نہیں۔

تخریج: اخرجه احمد (٣/٨٦٦٠) و ابو داود (٤١٤١) وابن حبان (١٠٩٠) وابن خزيمة (١٧٦) وابن ماجه (٤٠٢)

الفرائد: اس میں دائیں سے ابتداء کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ دایاں افضل ہے۔

❁ ❁ ❁

٧٢٧: وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَتٰى مِنًى فَاَتَى الْجَمْرَةَ فَرَمَاهَا، ثُمَّ اَتٰى مَنْزِلَهُ بِمِنًى وَّنَحَرَ ثُمَّ قَالَ لِلْحَلَّاقِ: "خُذْ" وَاَشَارَ اِلٰى جَانِبِهِ الْاَيْمَنِ، ثُمَّ الْاَيْسَرِ، ثُمَّ جَعَلَ يُعْطِيْهِ النَّاسَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَ فِيْ رِوَايَةٍ: "لَمَّا رَمَى الْجَمْرَةَ، وَنَحَرَ نُسُكَهُ وَحَلَقَ، نَاوَلَ الْحَلَّاقَ شِقَّهُ الْاَيْمَنَ فَحَلَقَهُ، ثُمَّ دَعَا اَبَا طَلْحَةَ الْاَنْصَارِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاَعْطَاهُ اِيَّاهُ ثُمَّ نَاوَلَهُ الشِّقَّ الْاَيْسَرَ فَقَالَ: "اِحْلِقْ" فَحَلَقَهُ فَاَعْطَاهُ اَبَا طَلْحَةَ فَقَالَ: "اقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ"۔

۷۲۷: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب منیٰ میں تشریف لائے اور پھر جمرہ کے پاس آ کر اس کو کنکریاں ماریں۔ پھر منیٰ میں اپنے مقام پر واپس تشریف لائے اور قربانی کی پھر سر مونڈنے والے کو کہا لو اور اپنی دائیں جانب اشارہ کیا پھر بائیں جانب پھر وہ بال آپؐ لوگوں کو دینے لگے۔ (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب آپؐ نے جمرہ کی رمی کر لی تو اپنی قربانی ذبح کر دی اور بال منڈوانے لگے تو مونڈنے والے کو سر کی دائیں جانب اس کی طرف کی پس اس نے مونڈ دیا۔ پھر ابوطلحہ انصاری کو بلایا اور وہ بال ان کو دے دیئے۔ پھر بائیں جانب اس کی طرف کی اور کہا کہ مونڈو۔ پس اس نے مونڈا وہ بھی آپؐ نے ابوطلحہ کو دے دیئے اور فرمایا کہ اس کو لوگوں میں تقسیم کر دو۔

تشریح ❁ اتی منی! مقام صرف میں آئے۔ منیٰ کا ذکر کر دیا مقام کی تعیین کی ضرورت نہ تھی۔ فاتی الجمرة! یہ جمرہ عقبہ ہے۔ منیٰ پہنچنے کے فوراً بعد کی بات ہے۔ اتی منزله بمنی! یہ مسجد خیف اور مذبح معروف کے درمیان تھا۔ عرفہ کی جانب دائیں چڑھائی کی طرف۔ للحلاق! ان کا نام معمر بن عبداللہ عدوی تھا۔ بعض نے خراس بن امیہ کلبی بتلایا۔ خذ! سر کو مونڈنے کے لئے لو۔ واشار الی جانبه الایمن! اور سر کی دائیں جانب اشارہ کیا۔ جمہور کا یہی قول ہے۔ بعض نے کہا مونڈنے والے کا دایاں اور وہ سر کا بایاں بنتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا قول یہی ہے۔ ثم الایسر ثم جعل یعطیه الناس! وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطلحہ کو دیا۔ یہاں نسبت مجازی ہے۔ اس میں بعض تقسیم کر دو تا کہ برکت والی چیز ان میں باقی رہے۔ اس حج

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار اشارہ فرمایا کہ وقت اجل قریب پہنچ چکا ہے۔ جیسے فرمایا: "**لعلکم لا تلقونی بعد عامکم ھذا**"! نیز تریسٹھ اونٹ ذبح کرنے پر اکتفاء فرمایا۔ میں نے بھی ایک بال کی زیارت کی ہے جو بعد میں چوری کی وجہ سے گم ہوگیا۔

روایت کا فرق: **نحر نمسکه**! اس سے مراد وہ قربانیاں ہیں جو آپ ﷺ ساتھ لائے تھے۔ **و حلق**! نحر کے بعد حلق کرایا۔ **ابو طلحه انصاری**! ان کا نام زید بن سہل ہے۔ یہ ام سلیم کے خاوند ہیں۔ **و اعطاہ ایاہ**! کیونکہ ان کو مزید خصوصیت میسر تھی اور ان کے گھر والوں سب سے محبت تھی جو انصاری میں سے اور کسی کے ساتھ اس انداز کی نہ تھی اسی وجہ سے آپ ﷺ نے ان کو اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی تدفین کا حکم فرمایا حالانکہ ان کے خاوند عثمان رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ ان کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ انہوں نے آپ کی لحد کھودی اور کچی اینٹوں سے لحد کو بند کیا۔ **ثم**! ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو عنایت کرنے کے بعد۔ **فقال احلق**! بائیں جانب کے متعلق حلاق کو حکم دیا کہ وہ مونڈے اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو دیئے تا کہ لوگوں میں تقسیم کر دیں۔ مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے درمیان تقسیم کئے جانے والے بال دائیں جانب والے تھے اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو بائیں جانب والے عنایت فرمائے۔ ممکن ہے کہ دنیا تقسیم کے لئے ہو۔ اصل اختلاف تو دائیں بائیں جانب کا ہے۔ پہلی روایت میں ہے کہ انہوں نے دائیں کی طرح بائیں جانب والے بھی تقسیم کر دیئے اور دوسری روایت میں ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کو دے دیئے واللہ اعلم۔

ایک توجیہ: اگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کی بات کو دیکھا جائے تو دونوں روایات میں کوئی اختلاف نہیں۔ حلاق کی دائیں جانب آپ ﷺ کی بائیں تھی وہ لوگوں میں تقسیم کروا دیئے اور حلاق کی بائیں جانب آپ ﷺ کی دائیں جانب تھی وہ ابوطلحہ کو عنایت فرما دیئے (واللہ اعلم) مترجم۔

تخریج: اخرجه البخاری (۱۷۰) و مسلم (۱۳۰۵) و ابو داود (۱۹۸۱) والترمذی (۹۱۲)

الفوائد: حلق میں بھی دائیں طرف سے ابتداء کی جائے گی۔ آدمی کے بال پاک ہیں۔ مواسات کے لئے مساوات ضروری نہیں۔ آپ کے بال مبارک سے تبرک درست ہے۔

کتاب ادب الطعام

۱۰۰: بَابُ التَّسْمِيَةِ فِي أَوَّلِهِ وَالْحَمْدِ فِي آخِرِهِ

باب: کھانے کے آغاز میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ کہنا

الطعام! سے یہاں وہ مراد ہے جو مشروبات سے نہ ہو۔ ورنہ طعام کا لغوی معنی جس کو نگلا جائے (المصباح)

باب التسمیہ فی اوّلہ

یعنی جب کھانا کھائے یا کوئی چیز پئے تو ابتداء میں تسمیہ اور انتہاء میں الحمد للہ کہے۔

۷۲۸: عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِي سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: "سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۷۲۸: حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم رب ذوالجلال والاکرام کا نام لو۔ اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ❁ سم اللہ! اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ اس میں سب سے پہلے افضل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ حافظ کہتے ہیں کسی روایت میں بسم اللہ کی صراحت نہیں۔ و کل بیمینک! یہ باب تکریم سے ہے وجوب کا اختلاف آئے گا۔ و کل ممایلیک! جبکہ کھانا ایک ہی قسم کا ہو۔ اگر کھانا کئی قسم کا ہو مختلف جوانب سے استعمال جائز ہے۔

تخریج: اخرجه احمد (۲۶۱۴۸/۱۰) وابو داود (۳۷۶۷) والترمذی (۱۸۵۸) والنسائی (۱۰۱۱۲/۶) وابن حبان (۵۲۱۴) والطیالسی (۱۵۶۶) والحاکم (۴/۷۰۸۷) والبیهقی (۲۷۶/۷)

الفوائد: کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ کا حکم دیا گیا ہے اگر درمیان میں کہے تو اس طرح کہے بسم اللہ اولہ واخرہ۔ آخری لقمہ کے وقت بھی یاد آ جائے تو بسم اللہ پڑھے۔

۷۲۹: وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: "إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَإِنْ نَسِيَ أَنْ يَذْكُرَ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي أَوَّلِهِ فَلْيَقُلْ: بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهُ وَاٰخِرَهُ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَقَالَ: حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

۷۲۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایک کھانا کھانے لگے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کا نام لینا شروع میں بھول جائے تو وہ اس طرح کہے: بِسْمِ اللّٰهِ

اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ کہ میں اللہ کے نام پر اس کی ابتداء اور انتہا کرتا ہوں۔ (ابوداؤد' ترمذی) اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح ۞ اذا اکل احدکم! جب تم میں سے کوئی کھانا شروع کرے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اس کے آخر میں کہے بسم اللّٰہ علی اوّلہ و آخرہٖ۔! بعض شارحین نے علٰی کو زائد کہا ہے۔ فلیذکر اسم اللّٰہ تعالٰی! تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے۔ ظاہر حدیث اس کو بھی شامل ہے کہ جب بھی کھانے کا ارادہ کرے یہ کہے جیسا اس ارشاد میں تنسون انفسکم! تم اپنے نفوس کو اس نیکی سے بھلاتے ہو جس کا دوسروں کو حکم کرتے ہو۔ فان نسی ! یہ نسیان ممکن ہے عمد کے مقابلہ مین ہو۔ جان بوجھ کر چھوڑنے والا دوران میں نہ کہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ بھی کہہ لے۔ نسائی کے مقید کرنے کا کوئی معنی نہیں کیونکہ یہ تو غالب صورت کا ذکر ہے۔ مؤمن کی شان یہ نہیں کہ وہ قصداً اللہ تعالٰی کا نام چھوڑے اور ترک کا احتمال بھی ہے جیسا اس ارشاد میں "وتنسون انفسکم"! تم اپنے نفوس کو اس نیکی سے دور رکھتے ہو۔ جس کا دوسروں کو حکم کرتے ہو۔ پس سب کو شامل ہوا۔ وان یذکر اسم اللّٰہ تعالٰی فی اوّلہ فلیقل بسم اللّٰہ اوّلہ و آخرہ! ابتداء میں مستحب ہے کہ اس طرح کہے۔ مراد یہ ہے کہ تمام اجزاء کو شامل ہو۔ اولہ و آخرہ یہ منصوب بنزع خافض ہیں۔ ابن رسلان نے فراغ کے بعد مراد لیا اور دیگر علماء نے دوران میں کہنے کو ترجیح دی ہے۔

تخریج : اخرجه احمد (۱۴۷۳۵/۵) و مسلم (۲۰۱۸) و ابو داود (۳۷۶۵) وابن ماجه (۳۸۸۷)

الفرائد : کھانے کے درمیان میں یاد آئے تو بسم اللہ اولہ واخرہ کہے۔

۷۳۰ : وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : "اِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَيْتَهٗ فَذَكَرَ اللّٰهَ تَعَالٰى عِنْدَ دُخُوْلِهٖ وَعِنْدَ طَعَامِهٖ قَالَ الشَّيْطَانُ لِاَصْحَابِهٖ : لَا مَبِيْتَ لَكُمْ وَلَا عَشَآءَ ، وَاِذَا دَخَلَ فَلَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ تَعَالٰى عِنْدَ دُخُوْلِهٖ قَالَ الشَّيْطَانُ اَدْرَكْتُمُ الْمَبِيْتَ ، وَاِذَا لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ تَعَالٰى ، عِنْدَ طَعَامِهٖ قَالَ : اَدْرَكْتُمُ الْمَبِيْتَ وَالْعَشَآءَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

۷۳۰ : حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: جب کوئی آدمی اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو داخل ہونے اور کھانا کھانے کے وقت بھی یاد کر لیتا ہے تو شیطان اپنے دوستوں سے کہتا ہے کہ نہ تمہارے لئے رات کا قیام ہے نہ ہی رات کا کھانا اور جب داخل ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتا تو شیطان کہتا ہے کہ تمہیں رات کا قیام مل گیا جب کھانا کھانے کے وقت بھی اللہ کا نام نہیں لیتا تو وہ کہتا ہے کہ تم نے رات کا قیام اور کھانا دونوں پا لئے۔ (مسلم)

تشریح ۞ اذا دخل الرجل! آدمی افضل ہے باقی عورت کا بھی یہی حکم ہے۔ بیتہٗ! مکان۔ خواہ خیمہ ہو۔ مراد شام کے وقت داخلہ ہے۔ اس کی دلیل المبیت! اور العشاء! کے الفاظ ہیں کیونکہ پہلے اوقات کے لئے تو الغداء اور الفطور آتے ہیں۔ فذکر اللّٰہ تعالٰی ! یعنی بسم اللہ کہا۔ عند دخولہ اس سے مراد ارادہ دخول ہے۔ قال الشیطان! شیطان اپنے چیلوں کو اطلاع دیتے ہوئے کہتا ہے۔ لا مبیت لکم ولا عشاء! ممکن ہے کہ یہ شیطان کی طرف سے گھر والوں اور داخل ہونے

والے کے متعلق بددعا ہو۔ خدا کرے تمہیں نہ رات کا رہنا نصیب ہو اور نہ شام کا کھانا ملے' مگر کفار کی بددعا کے متعلق فرمانِ الٰہی ہے ﴿وما دعاء الکافرین الا فی ضلال﴾۔ **ادرکتم المبیت!** اس کا اطلاق ظاہر کرتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر چھوڑ دیا جائے تو شیطان کو رات گزارنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ خواہ داخلے کے وقت یا بعد میں بھی نہ کہے ورنہ تو بسم اللہ پر قیاس کرتے ہوئے ان کو کھانے میسر آنے کی کوئی صورت نہیں۔ **عند طعامه!** کھانے کے وقت بھی اس نے چھوڑ دیا۔ **قال ادرکتم المبیت والعشاء!** مبیت' رات گزارنے کی جگہ یا مصدر امی ہو یعنی مکان۔

تخریج : مسلم فی الاطعمه' ابو دائود' ترمذی' نسائی عن ابی جریج عن ابن الزبیر عن جابر۔

الفرائد : گھر میں داخل ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر مستحب ہے' اسی طرح کھانے کے وقت بھی کیونکہ اس سے برکت ہوتی ہے اور شیطان بھاگ جاتا ہے۔

---

۷۳۱ : وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كُنَّا اِذَا حَضَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ طَعَامًا لَمْ نَضَعْ اَيْدِيَنَا حَتّٰى يَبْدَاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَيَضَعَ يَدَهُ ' وَاِنَّا حَضَرْنَا مَعَهُ مَرَّةً طَعَامًا فَجَآءَتْ جَارِيَةٌ كَاَنَّهَا تُدْفَعُ فَذَهَبَتْ لِتَضَعَ يَدَهَا فِي الطَّعَامِ ' فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِهَا ' ثُمَّ جَآءَ اَعْرَابِيٌّ كَاَنَّمَا يُدْفَعُ ' فَاَخَذَ بِيَدِهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "اِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ اَنْ لَّا يُذْكَرَ اسْمُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ ' وَاِنَّهُ جَآءَ بِهٰذِهِ الْجَارِيَةِ لِيَسْتَحِلَّ بِهَا فَاَخَذْتُ بِيَدِهَا ' فَجَآءَ بِهٰذَا الْاَعْرَابِيِّ لِيَسْتَحِلَّ بِهِ فَاَخَذْتُ بِيَدِهِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ اِنَّ يَدَهُ فِيْ يَدِيْ مَعَ يَدَيْهِمَا " ثُمَّ ذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاَكَلَ ' رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۷۳۱ : حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی کھانے میں حاضر ہوتے تو کھانے میں ہم اُس وقت تک ہاتھ نہیں ڈالتے تھے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء نہ فرماتے اور ہاتھ نہ رکھتے۔ ہم ایک مرتبہ آپؐ کے ساتھ ایک کھانے میں شامل ہوئے۔ ایک لڑکی اِس تیزی سے آئی گویا اُس کو دھکیلا جا رہا ہے۔ وہ کھانے کے اندر اپنا ہاتھ ڈالنے لگی تو رسول اللہؐ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا پھر ایک دیہاتی اس تیزی سے آیا گویا اُس کو دھکیلا جا رہا ہے آپؐ نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ بے شک شیطان اس کھانے کو حلال سمجھتا ہے جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے۔ وہ اس لڑکی کو لایا تا کہ اس کھانے کو اپنے لئے حلال کرے تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا پھر وہ اس دیہاتی کو لایا تو میں نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بے شک شیطان کا ہاتھ بھی ان دونوں کے ہاتھوں کے ساتھ میرے ہاتھ میں آیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا نام لیا اور کھانا تناول فرمایا۔ (مسلم)

تشریح ۞ **طعامًا!** تھوڑے' زیادہ' معمولی' عمدہ سب کو شامل ہے۔ **لم نضع ایدینا!** ہم اس کو کھانا شروع نہ کرتے۔ **حتی یبداء رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم فیضع یده!** یہ ادب اور برکت کے لئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لا

تقدموا بين يدى الله و رسوله﴾! عموم روایت سب کو شامل ہے۔ **وانا حضرنا**! اس کا کنا پر عطف ہے۔ **فجاء ت جارية**! جاریہ سے لونڈی مراد ہو سکتی ہے۔ خواہ نو عمر ہو یا بڑھیا۔ اور جوان سال آزاد عوت بھی ہو سکتی ہے۔ **كانها تدفع**! تیزی سے آنے کی وجہ سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کو پیچھے سے دھکیلا جا رہا ہے۔ **فذهبت**! اس کا جاءت پر عطف ہے۔ **لتضع يدها فى الطعام**! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کو شروع فرمانے سے پہلے۔ **فاخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم بيدها**! تا کہ اس کو کھانے سے دور رکھا جائے تا کہ اس کے ہاتھ کے ذریعہ شیطان کھانے تک نہ پہنچ سکے۔ **ثم جاء اعرابى**! جنگل کا رہنے والا۔ **كانما يدفع فاخذه بيده**! یہ تفنن تعبیر کے لئے اس طرح لائے۔ شیطان پر الف لام جنس کا بھی ہو سکتا ہے۔ تمام شیاطین کو شامل ہے اور عہد کا ہو تو ابلیس مراد ہے وہ ان کا بڑا ہے۔ پہلا قول زیادہ مناسب ہے۔ شیطان' شاط بمعنی احترق یا شطن جو بعد کے معنی میں ہے وہ خیر سے دور ہے۔ **يستحل الطعام**! تا کہ وہ کھانے کو اپنے لئے حلال کر لے اور اس پر قابو پا لے۔ **ان لا يذكر اسم الله تعالىٰ عليه**! یہ اس کے اپنے لئے حلال کرنے کی علت ہے اور اس سے پہلے حرف جر محذوف ہے۔ **وانه جاء بهذه الجارية**...... **فاخذت بيدها**! اس کے ارادے سے باز کرتے ہوئے میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ **ناخذت بيده**: میں نے اس کے ہاتھ کو بھی اسی غرض سے پکڑا ہے۔ **والذى نفسى بيده**! ید سے قدرت مراد ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ سننے والے کے سامنے تاکید کے لئے قسم مستحب ہے۔ **ان يده**! یعنی شیطان کا ہاتھ۔ **مع يديهما**! تثنیہ کی ضمیر جاریہ اور اعرابی کی طرف راجع ہے۔ تثنیہ والی روایت زیادہ درست ہے۔ مفرد کی ضمیر والی روایت کی تاویل یہ ہے کہ پہلے کے ہاتھ کو بیان کر دیا' بعد والے ہاتھ کے پکڑنے کے یہ منافی نہیں' فتدبر۔ **ثم ذكر اسم الله تعالىٰ واكل**! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھی اور کھانا تناول فرمایا۔ واؤ عطف اس بات کو شامل ہے کہ پہلے بسم اللہ پڑھی پھر کھانا کھایا نہ کہ اس کا عکس۔

تخريج : اخرجه مسلم (٢٠١٧) و ابو داود (٣٧٦٦)

الفرائد : قوم میں سے بڑے کو کھانے کی ابتداء کرنے چاہئے۔ شیطان اپنے لئے وہ کھانا حلال سمجھتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ آپ ﷺ کے معجزے کا تذکرہ ہے۔ تمام کھانے والوں کو بسم اللہ پڑھنی چاہئے کسی ایک کی بسم اللہ کافی نہیں۔

٧٣٢ : وَعَنْ اُمَيَّةَ بْنِ مَخْشِيِّ الصَّحَابِيِّ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسًا وَرَجُلٌ يَاْكُلُ فَلَمْ يُسَمِّ اللّٰهَ حَتّٰى لَمْ يَبْقَ مِنْ طَعَامِهٖ اِلَّا لُقْمَةٌ فَلَمَّا رَفَعَهَا اِلٰى فِيْهِ قَالَ : بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ قَالَ: "مَا زَالَ الشَّيْطَانُ يَاْكُلُ مَعَهٗ ' فَلَمَّا ذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ اسْتَقَاءَ مَا فِىْ بَطْنِهٖ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنِّسَائِىُّ۔

٧٣٢ : حضرت امیہ بن مخشی صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی کھانا کھا رہا تھا۔ پس اس نے اللہ تعالیٰ کا نام اس وقت تک نہ لیا یہاں تک کہ اس کا کھانے کا صرف ایک لقمہ رہ گیا تو اس نے جب وہ لقمہ اپنے منہ کی طرف اٹھایا تو اس نے کہا: بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ اس پر نبی اکرم ﷺ مسکرائے اور

فرمایا۔شیطان اس کے ساتھ کھاتا رہا۔جب اس نے اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا جو کچھ پیٹ میں تھا وہ سب کچھ اس نے قے کر دیا۔(ابوداؤد' نسائی)

تخریج : اخرجه ابو داود (٣٧٦٨) والحاكم (٤/٧٠٨٩)

٧٣٣ : وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَاْكُلُ طَعَامًا فِيْ سِتَّةٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ فَجَآءَ اَعْرَابِيٌّ فَاَكَلَهٗ بِلُقْمَتَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "اَمَا اِنَّهٗ لَوْ سَمّٰى لَكَفَاكُمْ" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ' وَقَالَ : حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

۷۳۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چھ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ کھانا تناول فرمار ہے تھے ایک دیہاتی آیا اور سارے کھانے کے دو لقمے کئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار! اگر وہ اللہ تعالیٰ کا نام لیتا تو وہ کھانا تم سب کے لئے کافی ہو جاتا (ترمذی) کہا حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح ۞ في ستة اصحابه! فی مع کے معنی میں ہے۔چھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ کھانا تناول فرمار ہے تھے۔فجاء اعرابی! جبکہ آپ ﷺ کھانا تناول فرما چکے تھے اور بقیہ حضرات ابھی کھا رہے تھے تو اعرابی نے بقیہ تمام کھانا دو لقموں میں چٹ کر دیا۔انه !ضمیر اعرابی کی طرف لوٹتی ہے یا ضمیر شان ہے۔لو سمی لكفاكم! تو اس سمیت یہ تمہیں کافی ہو جاتا کہ اس میں برکت ڈال دی جاتی لیکن اس کے بسم اللہ ترک کرنے کی وجہ سے برکت ختم ہوگئی یہاں تک کہ دو لقموں میں ختم ہو گیا۔

تخریج : اخرجه الترمذی (١٨٥٨) وابن ماجه (٣٢٦٤) وابن حبان (٥٢١٤)

الفوائد :۔کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ برکت کا باعث اور شیطان کو روکنے کا ذریعہ ہے۔بسم اللہ زور سے پڑھے تا کہ دوسرے بھی خبردار ہو جائیں۔تمام مشروبات و ماکولات میں بسم اللہ کا یہی حکم ہے۔

٧٣٤ : وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا رَفَعَ مَآئِدَتَهٗ قَالَ : "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَّلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۷۳۴: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ کا دسترخوان اٹھایا جاتا تو آپؐ یہ دعا فرماتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا ...... تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔اس حال میں کہ وہ زیادہ پاکیزہ اور بابرکت ہے نہ اس سے کفایت کی گئی ہے اور نہ ہی یہ آخری کھانا ہے اور اے ہمارے رب اس سے بے نیازی بھی نہیں ہو سکتی۔(بخاری)

تشریح ۞ الحمد لله حمداً كثيراً! یہ مفعول مطلق ہے۔طيباً! ایسی جو ریاء' سمعہ' کی سے پاک ہو۔مباركاً فيه! یہ اسم مفعول ہے فیہ اس کا نائب فاعل ہے۔برکت اضافے' بڑھوتری کو کہتے ہیں۔غير مكفي! یا ی مشدد سے ہے۔آخر میں ہمزہ نہیں۔ولا مستغنى عنه! یہ بھی اسم مفعول ہے۔ہ کی ضمیر کا مرجع طعام ہے (المطالع) حربی کہتے ہیں الفکی! وہ برتن جس کو ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے الٹ دیا جائے جیسا کہا غیر مستغنی عنہ یا نہ ہونے کی وجہ سے الٹ دیا جائے۔خطابی کہتے

ہیں اس تمام دعا میں ضمیر کا مرجع باری تعالیٰ کی ذات گرامی ہے۔ اب غیر مکفی کا معنی یہ ہے کہ وہ کھانا کھلاتا ہے۔ اس کو کھانا کھلایا نہیں جاتا۔ گویا اس کو کفایۃ سے لیا گیا ہے۔ اس حدیث کی تفسیر میں اسی طرف دوسرے شارحین گئے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی مددگار اور پشتی بان سے بے نیاز ہے۔ ① ربنا! یہ اختصاص کی وجہ سے منصوب ہے۔ ② مدح کی وجہ سے ③ منادی مضاف ہونے کی وجہ سے گویا اس طرح یاربنا اسمع حمدنا و دعاء نا! جنہوں نے مرفوع قرار دیا۔ انہوں نے الگ جملہ قرار دے کر خبر بنایا ای انت ربنا! اس کو بدلیت کی وجہ سے مجرور پڑھ سکتے ہیں ای للّٰہ ربنا۔ ابن اثیر نے نہایہ میں کہا یہ کلام حمد کی طرف بھی لوٹ سکتا ہے۔ ای حمداً کثیراً غیر مکفی و لا مستغنی عن هذا الحمد! کہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار تعریفیں ہوں جن کے بغیر چارہ وکفایت نہیں (النہایہ) نووی)

تخرو! دوسری روایات میں دعا اس طرح بھی آئی ہے۔ الحمد للّٰہ الذی کفانا و آوانا غیر مکفی و لا مکفور۔

تخریج : اخرجه احمد (٨/٢٢٣٦٤) والبخاری (٥٤٥٨) و ابو داود (٣٨٤٩) والترمذی (٣٤٥٦)

الفرائد : بقول ابن بطالؒ کھانے کے بعد حمد پر تو اتفاق ہے مگر کوئی الفاظ متعین نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا'' لئن شکر لازیدلکم '' یہ رازق کا شکریہ ہے۔

❁ ❁ ❁

٧٣٥ : وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "مَنْ اَكَلَ طَعَامًا فَقَالَ : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنِيْ هٰذَا وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّيْ وَّلَا قُوَّةٍ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ ، وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

٧٣٥: حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جس نے کھانا کھا کر یہ کہا : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنِيْ هٰذَا وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّيْ وَّلَا قُوَّةَ (تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے یہ کھلایا اور مجھے میری طاقت وقوت کے بغیر رزق عنایت فرمایا) اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں (ابوداؤد) ترمذی۔ حدیث حسن ہے۔

تشریح ۞ من اکل طعاما! عموم تو ظاہر ہے کہ طعام اس کو بھی شامل ہے جو بطور دوائی کے لیا جائے۔ اگرچہ اس سے حنث تو نہ ہوگا کیونکہ وہ عرفاً وہ کھانا شمار نہیں ہوتا۔ فقال الحمدللّٰہ! فا سے معلوم ہوتا ہے کہ فراغت کے بعد اس نے کہا۔ رزقنیه کا اطعمنی! پر عطف عام علی الخاص کی قسم سے ہے۔ غیر حول منی! یعنی بلا حیلہ۔ ولا قوة! اس سے طعام کے حصول کی راہ کی طرف اشارہ کیا۔ طاقتور اپنی قوت سے حاصل کرتا ہے اور کمزور اس کے لئے مختلف ذرائع استعمال کرتا ہے۔ اس سے اس طرف اشارہ کیا کہ اس کا حصول محض فضل سے ہے اس میں دوسرے کا کوئی دخل نہیں۔ غفر له! فعل مجہول ہے۔ ما تقدم من ذنبه! ظاہر سے تمام گناہ معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اس سے مراد حقوق انسانی کے علاوہ صغیرہ گناہ مراد ہیں۔ جامع صغیر کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جس نے کپڑا پہن کر یہ کہا الحمدللّٰہ الذی کسانی هذا ورزقنیه من غیر حول منی ولا قوة غفر اللّٰہ له ما تقدم من ذنبه وما تاخر! (احمد)

تخریج : اخرجه الترمذی (٣٤٥٨) والحاکم (٤/٧٤٠٩) وابن ماجه (٣٢٨٥) واخرجه ابو داود (٤٠٢٣)

الفرائد: جس نے کھانے کے بعد اس انداز سے حمد کی اس کے گناہ صغیرہ بھی بخش دیئے گئے۔ زاد المعاد ۲/ ۴۳۵ میں ان حمد کے کلمات کو ملاحظہ فرمائیں۔

۱۰۱: بَابُ لَا يَعِيْبُ الطَّعَامَ وَاسْتِحْبَابِ مَدْحِهٖ

باب: کھانے کے عیب نہ نکالے بلکہ تعریف کرے

یا یعیب الطعام! یعنی مستحب یہ ہے کہ کھانے کے عیب نہ چنے۔ استحباب مدحه! اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے میں اگرچہ برائی تو نہیں کی مگر چاہئے کہ صانع حقیقی کے احسان یاد کرے تاکہ کھانا کھلانے والے کا دل نہ ٹوٹے اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ بھی ہو جائے۔

٧٣٦: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: مَا عَابَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَعَامًا قَطُّ: اِنِ اشْتَهَاهُ اَكَلَهٗ وَاِنْ كَرِهَهٗ تَرَكَهٗ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۷۳۶: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کھانے کو عیب نہیں لگایا۔ اگر پسند ہوا تو کھالیا اور اگر ناپسند ہوتو چھوڑ دیا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ طعامًا قط! کسی بھی زمانے میں، کیونکہ عیب جوئی رعونت اور خوشحالی سے ہوتی ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ گوہ کے متعلق فرمایا: انی اعافه! کہ مجھے اس سے طبعی نفرت ہے۔ کھانے کی مذمت نہیں۔ ان کرهه! اگر طبعی طور پر ناپسند ہوتا تو بلا مذمت چھوڑ دیتے۔

تخریج: اخرجه البخاری (٣٥٦٣) و مسلم (٢٠٦٤) و ابو داود (٣٧٦٣) والترمذی (٢٠٣١) وابن ماجه (٣٢٥٩) وابن حبان (٦٤٣٦)

الفرائد: اس میں آپ ﷺ کے اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ساتھ حسن ادب کا تذکرہ ہے۔ ہر وہ چیز جس کے کھانے کی اجازت ہے اس کے استعمال میں عیب نہیں۔

٧٣٧: وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاَلَ اَهْلَهُ الْاُدُمَ فَقَالُوْا: مَا عِنْدَنَا اِلَّا خَلٌّ، فَدَعَا بِهٖ، فَجَعَلَ يَاْكُلُ وَ يَقُوْلُ: "نِعْمَ الْاُدُمُ الْخَلُّ، نِعْمَ الْاُدُمُ الْخَلُّ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۷۳۷: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر والوں سے سالن طلب فرمایا تو انہوں نے کہا کہ سوا سرکہ کے ہمارے پاس کچھ بھی نہیں تو آپؐ نے سرکہ ہی طلب فرمایا آپؐ اس کو کھاتے جاتے اور فرماتے جاتے: "نِعْمَ الْاُدُمُ الْخَلُّ نِعْمَ الْاُدُمُ الْخَلُّ" سرکہ تو بہت اچھا کھانا ہے۔ (مسلم)

تشریح ۞ الادم! جمع ادام بروزن کتاب۔ جس کو بطور سالن استعمال کیا جائے خواہ وہ مائع ہو یا جامد (المصباح) اس کو

ساکن کرنا بھی جائز ہے ادم! جیسے قفل واقفال آپ ﷺ کے سوال کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ کے گھر والوں نے روٹی بھیجی مگر سالن ساتھ نہ تھا۔ فقالوا ما عندنا الا الخل! یہ مستثنیٰ مفرغ ہے۔ ہمارے پاس کوئی سالن نہیں مگر صرف سرکہ ہے۔ فدعا به! آپ ﷺ نے اس کو منگوایا۔ فجعل یاکل ویقول نعم الادم الخل! روایت باب کے دوسرے حصہ کی دلیل ہے۔ نووی کہتے ہیں کھانے میں میانہ روی اختیار کرنی چاہیے۔ لذیذ کھانوں سے نفس کو روکنا چاہئے۔ کذا قال القاضی۔ مطلب یہ ہے سرکہ وغیرہ کو بطور سالن استعمال کرو اور اسی طرح کی اشیاء جن کی مشقت کم ہے اور شہوات میں ایک دوسرے سے مقابلہ مت کرو۔ یہ خطابی کا قول ہے۔ مگر زیادہ درست بات یہ ہے کہ سرکہ کی تعریف ہے۔ البتہ میانہ روی تو دوسرے دلائل سے ثابت ہے (نووی) ابن رسلان کہتا ہے کہ یہ بہتر قول تو کیا ہوتا ظاہر بھی نہیں کیونکہ پہلے میں شہوت کی ملاوٹ ہے اور دوسرے میں نعمت کی تحقیر ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کھانے کی نہ مذمت فرماتے نہ تعریف مگر اس کو نظیر بنانا قابل توجہ ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدح نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو مدح میلان نفس سے پیدا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعریف ان کے دلوں کو رکھنے کے لئے فرمائی۔ واللہ اعلم۔

تخریج: اخرجه احمد (۵/۱٤۲۲۹) و مسلم (۲۰۵۲) وابو داود (۳۸۲۱) والترمذی (۱۸۳۹) وابن ماجه (۳۳۱۷)

الفرائد: کھانے میں معمولی چیز پر اکتفاء کرنا چاہیے زیادہ لذت والی چیزوں کے پیچھے نہ پڑے۔ ایسی چیزیں سرکہ وغیرہ آسانی سے میسر آتی ہیں۔ اس میں سرکہ کی تعریف کی گئی ہے۔

۱۰۲: بَابُ مَا يَقُوْلُهُ مَنْ حَضَرَ الطَّعَامَ وَهُوَ صَائِمٌ اِذَا لَمْ يُفْطِرْ

بَاب: روزہ دار کے سامنے کھانا آئے اور وہ روزہ افطار نہ کرے تو کیا کہے؟

فرمان علماء فلیصل! کا معنی دعا کردے اور فلیطعم! کھانا کھالے۔

اذا لم یفطر! جب عذر سے افطار کیا تو واجب روزے کی قضا واجب ہے اگرچہ اس میں وسعت ہے۔ البتہ اس کا افطار کرنا حرام ہے اور افطار مستحب ہے تو افطار مستحب اگر مہمان کو گراں گزرے یا میزبان پر گراں ہو تو تب بھی مستحب ہے ورنہ جائز نہیں۔

۷۳۸: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: "اِذَا دُعِیَ اَحَدُكُمْ فَلْيُجِبْ! فَاِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ، وَاِنْ كَانَ مُفْطِرًا فَلْيُطْعِمْ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

قَالَ الْعُلَمَآءُ: مَعْنٰى "فَلْيُصَلِّ" فَلْيَدْعُ – وَمَعْنٰى "فَلْيَطْعَمْ" فَلْيَاْكُلْ۔

۷۳۸: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو دعوت دی جائے تو وہ اس کو قبول کرے۔ اگر وہ روزہ دار ہے تو پھر وہ دعا کرے اور اگر وہ روزہ سے نہ ہو تو وہ افطار کرے۔ (مسلم)

علماء نے فرمایا کہ فَلْيُصَلِّ کا معنی دعا کرنا اور فَلْيَطْعَمْ کا معنی ہے: چاہئے کہ کھالے۔

تشریح ۞ **فليجب!** واجب ہے اگر دعوت ولیمہ کا پہلا دن ہو اور دیگر اعذار ساقطہ بھی نہ ہوں ورنہ ولیمہ نکاح کا تیسرا دن ہو۔ **فان كان صائما فليصل!** تو اہل منزل کے لئے دعا کرنا مستحب ہے۔ **وان كان مفطراً فليطعم!** بظاہر تو امر وجوب کو ظاہر کرتا ہے۔ نووی اسی کے قائل ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ کھانا واجب نہیں نہ ولیمہ نکاح میں نہ دیگر۔ بعض نے **فليصل!** کا معنی مکان میں نفلی نماز ادا کرنا ہے۔

تخریج : اخرجه مسلم (۱۴۳۱)

الفرائد : دعوت دی جائے تو قبول کرنی چاہئے جیسے خواہ روزے سے ہو۔ وہاں جائے خواہ روزہ افطار کرے یا نہ کرے اہل ولیمہ کے لئے دعا کرے یا نوافل پڑھے اس سے مقصود حاصل ہوا کہ اس کی حاضری سے ان کو فائدہ دعا مل گیا۔

۱۰۳ : بَابُ مَا يَقُوْلُهُ مَنْ دُعِيَ إِلَى طَعَامٍ فَتَبِعَهُ غَيْرُهُ

بَاب : جب مدعو کے ساتھ اور آدمی (بن بلائے) چلا جائے تو وہ کیا کہے؟

یہ بات ظاہر ہے کہ کھانا پر کوئی قید و پابندی نہیں اسی طرح جس کو مشورہ وغیرہ کے لئے بلایا گویا دوسرا اس کے ساتھ چلا یا تو آئندہ والا راستہ اپنائے۔

۷۳۹ : عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْبَدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : دَعَا رَجُلٌ النَّبِیَّ ﷺ لِطَعَامٍ صَنَعَهٗ لَهٗ خَامِسَ خَمْسَةٍ فَتَبِعَهُمْ رَجُلٌ – فَلَمَّا بَلَغَ الْبَابَ قَالَ لَهُ النَّبِیُّ ﷺ : "اِنَّ هٰذَا تَبِعَنَا : فَاِنْ شِئْتَ اَنْ تَاْذَنَ ، وَاِنْ شِئْتَ رَجَعَ" قَالَ : بَلْ اٰذَنُ لَهٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۷۳۹: حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے آپ ﷺ کو کھانے کی دعوت دی جس میں چار آدمی آپؐ کے علاوہ تھے۔ پھر ایک آدمی ان کے پیچھے ہولیا۔ جب دروازے پر پہنچے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ آدمی ہمارے ساتھ چلا آیا اگر تم چاہو تو اس کو اجازت دو اور اگر چاہو تو وہ لوٹ جائے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں اس کو اجازت دیتا ہوں۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ **ابی مسعود!** ان کا نام عقبہ بن عمرو انصاری بدری رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ مقام بدر کے ساکنین سے تھے۔ ورنہ بدر میں یہ موجود نہ تھے۔ **دعا رجل!** اس کا نام ابوشعیب تھا۔ **لطعام صنعه!** انہوں نے اپنے غلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ **خامس خمسة!** کہ پانچ کی تعداد پوری ہوتی تھی۔ **فلما بلغ !** وہ آدمی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر پہنچے یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مکان والا دروازے پر پہنچے۔ دوسرا معنی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ **قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم...... ان شئت رجع!** یہ بات اس روایت کے خلاف نہیں جس میں آیا ہے کہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے انس رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے لیا کیونکہ یہ روایت تو اس پر محمول ہے کہ آپ ﷺ کو گھر والے کی مقررہ تعداد اوراضافے پر رضامندی کا علم نہ تھا اور خیاط والی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی رضامندی معلوم تھی اس لئے انس رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا۔ اذنت! یہ متکلم کا صیغہ ہے۔

تخریج : اخرجه مسلم (١٤٣١)

الفرائد : قصاب کی مزدوری جائز ہے۔ صحابہ کرامؓ تبرک کے لئے آپ ﷺ کے چہرہ پر نگاہ دیر تک ڈالے رکھتے تھے بعض حیاء کی وجہ سے نہ ڈال سکتے تھے۔ طفیلی کے لئے صاحب دعوت کو اجازت دینے اور مسترد کرنے کا اختیار ہے۔ یہاں آپ ﷺ نے صاحب دعوت کی دلجوئی اور باقی کو یہ ادب سکھانے کے لئے کیا۔

۱۰۴: بَابُ الْاَكْلِ مِمَّا يَلِيْهِ وَوَعْظِهِ وَتَاْدِيْبِهِ مَنْ يُسِيْءُ اَكْلَهُ

بَابٌ: اپنے سامنے سے کھانا اور نامناسب انداز سے کھانے والے کو تادیب و نصیحت

مما يليه او كله! یہ دونوں ضمائر کھانے کی طرف لوٹتی ہیں جو الاکل سے سمجھ آ رہا ہے۔

٧٤٠ : عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِىْ سَلَمَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : كُنْتُ غُلَامًا فِىْ حِجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَكَانَتْ يَدِىْ تَطِيْشُ فِى الصَّحْفَةِ فَقَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ : "يَا غُلَامُ سَمِّ اللّٰهَ، وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

قَوْلُهُ : "تَطِيْشُ" بِكَسْرِ الطَّآءِ وَبَعْدَهَا يَآءٌ مُثَنَّاةٌ مِنْ تَحْتُ مَعْنَاهُ : تَتَحَرَّكُ وَتَمْتَدُّ اِلَى نَوَاحِى الصَّحْفَةِ۔

۷۴۰ : حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ کی پرورش میں بچہ تھا اور میرا ہاتھ پیالے میں گھومتا۔ مجھے رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا: اے لڑکے اللہ کا نام لو۔ اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔ (بخاری و مسلم)

تَطِيْشُ :پیالے کی اطراف میں حرکت کرنا یعنی برتن کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک گھومنا۔

تشریح ۞ غلاما! کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی والدہ سے جب نکاح کیا تو ان کی عمر چھ سال تھی۔ فی حجر! نگرانی۔ یدی! ایک ہاتھ۔ سم اللّٰہ تعالٰی! کھانے کے شروع میں اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ وکل بیمینك وكل مما يليك! اگر کھانا ایک قسم ہو تو پھر سامنے سے کھانا چاہئے ورنہ دوسرے ساتھی کے سامنے سے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ شاید یہ بائیں سے کھاتے ہوں یا کبھی ایک سے کبھی دوسرے سے۔ تطیش فی الصحفه! پیالے کی اطراف میں میرا ہاتھ گردش کرتا دراز ہوتا۔ روایت باب التسمیه علی الطعام! میں گزری۔

تخریج : بخاری و مسلم۔

۷۴۱ : وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا اَكَلَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِمَالِهٖ فَقَالَ : "كُلْ بِيَمِيْنِكَ" قَالَ : لَا اَسْتَطِيْعُ قَالَ: "لَا اسْتَطَعْتَ مَا مَنَعَهٗ اِلَّا الْكِبْرُ! فَمَا رَفَعَهَا اِلٰى فِيْهِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۷۴۱ : حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہؐ کے پاس بائیں ہاتھ سے کھایا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا تم اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ! اس نے جواباً کہا میں طاقت نہیں رکھتا۔ آپؐ نے کہا پھر خدا کرے طاقت نہ رکھے! اس کو تکبر نے آپؐ کا حکم ماننے سے روکا چنانچہ پھر وہ اپنے ہاتھ کو منہ کی طرف کبھی نہ اٹھا سکا۔ (مسلم)

تشریح ۞ فقال! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد الی الافضل فرمایا۔ کل بیمینك! امر استحباب کے لئے ہے۔ قال! اس آدمی نے خلاف واقع بات کہی۔ لا استطیع قال! حق کی اطاعت سے اس کو عناد و تکبر نے روکا۔ لا استطعت! تمہیں طاقت نہ رہے۔ ما منعه الا الكبر! یہ جملہ مستانفہ ہے۔ جس میں اس کے جواب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا کا مقتضیٰ مذکور ہے۔ چنانچہ فوراً دعا قبول ہوئی اور اس کا ہاتھ منہ کی طرف نہ اٹھا۔

تخریج ۞ مسلم فی الاشربہ۔

الفرائد : (جہاں بھی الفرائد تحریر نہیں وہ حدیث بعینہٖ قبل ازیں گزر چکی اس وجہ سے قاری کو تکرار کی کوفت سے بچانے کی خاطر کئی مقامات پر الفرائد تحریر نہیں کئے گئے)۔ (شمس الدینؒ)

۱۰۵ : بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْقِرَانِ بَيْنَ تَمْرَتَيْنِ وَنَحْوِهِمَا اِذَا اَكَلَ جَمَاعَةٌ اِلَّا بِاِذْنِ رُفْقَتِهٖ

بَابٌ : اجتماعی کھانے میں دوسروں کی رضامندی کے بغیر دو کھجوروں وغیرہ کو ملا کر کھانا منع ہے

القران! دو کھجوروں کو ملا کر کھانا جبکہ ایک ایک کی عادت ہو۔ الا باذن رفقته! اگر شرکاء ملا کر کھانے میں رضامند ہوں تو کراہت کے باوجود جائز ہے کیونکہ ترجیح بلا مرجح ہے ورنہ حرام ہے۔

ابن بطال کہتے ہیں جمہور کے ہاں یہ نہی تادب کے طور پر ہے تحریم کے طور پر نہیں۔ جیسا اہل ظاہر نے کہا کیونکہ جو کھانا رضامندی سے سب کے کھانے کے لئے رکھا جاتا ہے۔ بخل اس میں مقصود نہیں ہوتا کیونکہ یہ تو ظاہر ہے لوگ کھانے میں مختلف ہیں۔ جب لوگ حد سے بڑھ کر ایک دوسرے پر ترجیح دینے لگیں تو نامناسب ہے۔ قابل تعریف نہیں مگر حرام نہیں (فتح الباری)

۷۴۲ :عَنْ جَبَلَةَ بْنِ سُحَيْمٍ قَالَ :اَصَابَنَا عَامُ سَنَةٍ مَعَ ابْنِ الزُّبَيْرِ ، فَرُزِقْنَا تَمْرًا ، وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَنَحْنُ نَاْكُلُ فَيَقُوْلُ :لَا تُقَارِنُوْا فَاِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الْقِرَانِ ، ثُمَّ يَقُوْلُ "اِلَّا اَنْ يَّسْتَاْذِنَ الرَّجُلُ اَخَاهُ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

۷۴۲ :حضرت جبلہ بن سحیم کہتے ہیں کہ ہم ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے زمانہ میں قحط سالی کا شکار ہو گئے ۔ پھر ہمیں چند کھجوریں ملیں ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہمارے پاس سے گزر رہے تھے اور کھجوریں کھا رہے تھے ۔ پس آپؓ فرمانے لگے دو دو کھجوریں ملا کر مت کھاؤ ۔ نبی اکرمؐ نے اس سے منع فرمایا پھر فرمایا اگر آدمی اپنے ساتھی کو اسکی اجازت دے دے تو پھر درست ہے ۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ جبله بن سحیم! یہ تابعین کے درمیانہ درجہ سے تعلق رکھتے ہیں کوفہ کے رہنے والے ہیں ۔ وفات ۱۲۵ھ میں ہوئی ۔ اصحاب ستہ نے ان سے روایت لی ہے ۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے ۔ بعض اہل عراق کے ساتھ ہم مدینہ میں تھے ہمیں بھوک نے آ لیا یہاں سے مراد مکہ مکرمہ ہے ۔ عام سنة! قحط سالی ۔ ارض سنهاء اصابتها السنة وهی الجدب (المنصباح)! خشک سالی طویل ہو جاتی ہے ۔ اس لئے یہ لفظ طویل زمانے کے لئے بولا جاتا ہے ۔ ابن الزبير! یعنی خلافت ابن زبیر رضی اللہ عنہما ۔ فرزقنا تمراً! اس میں احتمال ہے کہ اس کے علاوہ خوراک ختم ہو چکی تھی ۔ ⑦ اتفاقاً ان کے ہاں اتنی میسر تھی ۔ لا تقارنوا! بخاری کی روایت لا تقرنوا! فعل میں مبالغہ کے لئے مفاعلہ لایا گیا ۔ دو ملا کر کھانے والا کام بالکل نہ کرنا ۔ نهی عن الاقران! اصل لفظ قران ہے ۔ الا ان يستاذن الرجل اخاه! یہ مقولہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہو تو مدرج فی الحدیث ہے اور اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ضمیر راجع ہو تو مستثنیٰ مرفوع ہوگا ۔ ابن حجر نے تفصیل سے بحث کی ہے ۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے غیر مرفوع نقل کرنے سے اس کا مرفوع نہ ہونا لازم نہیں ۔

تخریج : بخاری و مسلم فی الاطعمه' فی بخاری فی المظالم والشرکه' ابو دائود' ترمذی ' نسائی فی الولیمه' ابن ماجه فی الاطعمه' ترمذی ۔

الفوائد: دو کو ملا کر کھانے کی ممانعت اس لئے ہے کہ اس ساتھیوں کے حق کی غبن ہے ۔ لقمہ بڑا ہے ہونے کی وجہ سے ان کو ادب سکھایا گیا ۔

۱۰۶ :بَابُ مَا يَقُوْلُهُ وَيَفْعَلُهُ مَنْ يَّاْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ

بَاب : جو کھا کر سیر نہ ہوتا ہو وہ کیا کہے اور کیا کرے؟

۷۴۳ :عَنْ وَحْشِيِّ بْنِ حَرْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالُوْا :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَاْكُلُ وَلَا نَشْبَعُ؟ قَالَ :"فَلَعَلَّكُمْ تَفْتَرِقُوْنَ" قَالُوْا :نَعَمْ – قَالَ :"فَاجْتَمِعُوْا عَلٰى

طَعَامِكُمْ، وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ يُبَارِكْ لَكُمْ فِيهِ" رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ۔

۷۴۳: حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم کھا کر سیر نہیں ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تم الگ الگ کھاتے ہو گے؟ انہوں نے عرض کی جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کھانا مل کر کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ اللہ تعالیٰ برکت عنایت فرمائیں گے۔ (ابوداؤد)

وحشی بن حرب! حبشی رضی اللہ عنہ ان کی کنیت ابوسمہ ہے۔ نووی کہتے ہیں یہ اہل مکہ کے سیاہ لوگوں سے ہیں۔ ان کو حبشی کہا جاتا ہے۔ یہ طعیمہ بن عدی کے مولیٰ تھے۔ بعض نے جبیر بن مطعم بن نوفل بن عبدمناف کے موالی میں لکھا ہے۔ انہی نے احد کے دن حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور یہی ہیں جو مسیلمۃ الکذاب کے قاتلین میں سے ایک تھے۔ وہ کہا کرتے تھے میں نے زمانہ جاہلیت میں لوگوں میں بہترین آدمی کو قتل کیا اور اپنے اسلام لانے کے بعد لوگوں میں بدترین انسان کو مارا ہے۔ یہ صحابی ہیں۔ حمص میں اقامت اختیار کی اور وہیں وفات پائی۔ ان سے بخاری، ابوداؤد، ابن ماجہ نے روایت نقل کی۔ ان سے چار احادیث مروی ہیں۔ بعض نے آٹھ کہی ہیں۔ بخاری نے ایک روایت قتل حمزہ کے سلسلہ میں ان سے نقل کی ہیں۔ نووی کہتے ہیں انہوں نے دمشق میں سکونت اختیار کی مگر پہلا قول صحیح ہے۔

النحو: انا ناکل و لا نشبع! دوسرے جملے کا عطف، خبر والے جملے پر ہے اور دوسرے جملے کو حال والا اعراب بھی دے سکتے ہیں۔

فلعلکم! یہاں استفہام کے لئے ہے۔ جیسا اس آیت میں ﴿ وما یدریك لعله یزکی ﴾! یہ استفہام حقیقی نہیں بلکہ تنبیہ کے لئے ہے اور سیر نہ ہونے کی علت کی طرف اشارہ کرنا بھی مقصود ہے۔ تفترقون! تم متفرق کھاتے ہو گے۔ قال فاجتمعوا علی طعامکم! کیونکہ اجتماع میں برکت ہے۔ اسی وجہ سے جماعت مشروع کی گئی۔ واذکروا اسم اللہ! برکت تب ہو گی جب مل کر کھاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کا نام لو گے۔

تخریج: اخرجه احمد (٥/٦٠٧٨) و ابو داود (٣٧٦٤) وابن ماجه (٣٢٦٨) وابن حبان (٥٢٢٤)

الفرائد: اجتماعی طور پر بسم اللہ کہہ کر کھانے میں برکت پڑ جاتی ہے یہ مسلمانوں میں ربط و محبت کا ذریعہ۔ انفرادی طور پر کھانا مباح ہے مگر اس میں وہ برکت کہاں۔

۱۰۷: بَابُ الْأَمْرِ بِالْأَكْلِ مِنْ جَانِبِ الْقَصْعَةِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْأَكْلِ مِنْ وَسَطِهَا فِيهِ قَوْلُهُ ﷺ: "وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

باب: پیالے کی ایک طرف سے کھانا اور درمیان سے کھانے کی ممانعت اس باب

میں ایک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کُلْ مِمَّا یَلِیْكَ بخاری ومسلم کی روایت ۷۴۰ گزری ہے

وسط! اس چیز کو کہتے ہیں جو جہات سے اس چیز کو دوسروں سے الگ کر دے۔ کہتے ہیں صربت وسط راسه (المصباح)! یہ لفظ فاعل' مفعول' مبتداء سب کچھ بن سکتا ہے اگر درمیان والاحرف ساکن ہوتو درمیان کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں جلست وسط القوم! میں قوم کے درمیان بیٹھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عمر بن ابی سلمہ کی روایت میں ہے۔مما یلیك! درمیان کو چھوڑ کر جو تمہارے ساتھ کے قریب ہو اس کو چھوڑ کر۔

۷۴۴ :وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ :"اَلْبَرَكَةُ تَنْزِلُ وَسَطَ الطَّعَامِ، فَكُلُوْا مِنْ حَافَتَيْهِ وَلَا تَاْكُلُوْا مِنْ وَسَطِهِ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ ، وَالتِّرْمِذِيُّ ، وَقَالَ :حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

۷۴۴: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا برکت کھانے کے درمیان میں اُترتی ہے پس تم اس کے دونوں کناروں سے کھاؤ۔ درمیان سے مت کھاؤ۔ (ابوداؤد' ترمذی)
حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح ۞ حافتیه ولا تاكلوا من وسطه۔ البركة! یعنی وہ برکت جو اللہ تعالیٰ نے اس کھانے میں رکھی ہے۔ تنزل وسط الطعام! تھالی وغیرہ کے درمیان سے نہ کھائے جبکہ کھانا جما ہوا ہو مثلاً ثرید' چاول وغیرہ یا مائع ہو جیسے شوربہ۔ بقول غزالی روٹی کے درمیان سے نہ کھائے بلکہ گولائی سے کھائے۔ جب روٹی کم رہ جائے تو اس کو توڑے۔ فكلوا من حافتيه! اطراف وجوانب۔ حافة! ہر چیز کی جانب یہ اجواف ہے واؤ کو الف سے بدلا ہے۔ یہ تثنیہ مراد نہیں بلکہ تمام اطراف مراد ہیں۔ ولا تاكلوا من وسطه! یہ ممانعت تحریم کے لئے نہیں بلکہ تنزیہ کے لئے ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہی تحریم کے لئے ہے جبکہ اس کو پہلے اس بات کا علم ہو۔

تخریج : اخرجه احمد (۱/۲۴۳۹) وابو داود (۳۷۷۲) والترمذی (۱۸۰۵) وابن ماجه (۳۲۷۷) وابن حبان (۵۲۴۵) الحاکم (۴/۷۱۱۸) والحمیدی (۵۲۹) والبیهقی (۶۳۲)

الفوائد : کھانے کے درمیان سے کھانا ممنوع ہے۔ روٹی کو بھی درمیان سے نہ کھایا جائے ایک جانب سے۔ اگر روٹی کم مقدار میں ہو تو روٹی کے ٹکڑے کر لیے جائیں۔

۷۴۵ :وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :كَانَ لِلنَّبِيِّ ﷺ قَصْعَةٌ يُقَالُ لَهَا الْغَرَّاءُ يَحْمِلُهَا اَرْبَعَةُ رِجَالٍ ، فَلَمَّا اَضْحَوْا وَسَجَدُوْا الضُّحٰى اُتِيَ بِتِلْكَ الْقَصْعَةِ ، يَعْنِيْ وَقَدْ ثُرِدَ

فِيهَا ، فَالْتَفُّوْا عَلَيْهَا ، فَلَمَّا كَثُرُوْا جَثَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ، فَقَالَ اَعْرَابِيٌّ مَا هٰذِهِ الْجِلْسَةُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَنِيْ عَبْدًا كَرِيمًا وَّلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا عَنِيْدًا" ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :كُلُوْا مِنْ حَوَالَيْهَا وَدَعُوْا ذِرْوَتَهَا يُبَارَكْ فِيْهَا" رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ بِاِسْنَادٍ جَيِّدٍ۔

"ذِرْوَتُهَا" اَعْلَاهَا :بِكَسْرِ الذَّالِ وَضَمِّهَا۔

۷۴۵: حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیالہ تھا جس کا نام الغراء تھا۔اس کو چار آدمی اٹھا سکتے تھے۔جب چاشت کا وقت ہوتا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم چاشت کی نماز پڑھ لیتے تو وہ پیالہ لایا جاتا۔اس میں ثرید بنایا گیا ہوتا تھا۔پس لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے جب کبھی لوگ زیادہ ہو جاتے تو آپ گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے۔ایک دن ایک دیہاتی نے کہا یہ بیٹھنا کیسا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے مہربان بندہ بنایا ہے۔مجھے جبار و سرکش نہیں بنایا۔پھر فرمایا تم اس کے اطراف سے کھاؤ اور اس کی چوٹی کو چھوڑ دو۔اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈال دیں گے۔(ابوداؤد)

عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا۔

ذِرْوَتُهَا :اس کی چوٹی۔

تشریح ۞ عبداللہ بن بُسر المازنی رضی اللہ عنہ: یہ قب؟ قبلتین کی طرف نماز پڑھنے والے لوگوں میں سے ہیں حالات گزرے۔باب المجاہدہ میں ملاحظہ فرمائیں۔قصعه! اس کی جمع قصع جیسے بدرہ و بدر۔الغراء! یہ اغر کی مونث ہے۔غرہ سے نکلا ہے۔اس کا معنی پیشانی کی سفیدی و روشنی۔غرۃ کا معنی نفیس و مرغوب بھی آتا ہے۔اس نام کی وجہ اس کی رغبت و نفاست ہے یا اس میں سمانے والی چیز وافر ہے۔بقول منذری اس کو غرا سفیدی کی وجہ سے کہتے ہیں جو الیہ اور چربی کے سبب ہو یا اون کی وجہ سے جو سفیدی ہو یا دودھ کی وجہ سے جو سفیدی ہو۔یحملها اربعة رجال! ممکن ہے اس کے چار حلقے ہوں جن کے ذریعے اطراف سے اٹھایا جاتا ہو۔امام احمد نے انہی ابن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی۔للنبی ﷺ جفنة لها اربع حلق! اور ممکن ہے کہ اس کے لئے بھی حلقے ہوں اور جو احمد والی روایت میں جس جفنہ کا ذکر ہے وہ غراء سے الگ ہو۔فلما اضحوا! جب چاشت کا وقت آیا۔وسجدوا الضحی! جب چاشت کی نماز ادا کر چکتے۔انتی بتلك القصعة وقد ثرد فيها! اس میں ثرید بنایا گیا ہوتا (ثرید گوشت کے شوربہ میں روٹی کے ٹکڑے بھگونا) جثا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ﷺ اپنے قدموں کے بل بیٹھ جاتے۔مجلس کی تنگی کی وجہ سے اس طرح بیٹھنا مستحب ہے۔نیز اس میں عاجزی کا اظہار ہے۔عبداً کریماً! ایسا بندہ جس کو نبوت کا شرف بخشا۔جباراً عنیدا! زبردست ظالم نہیں بنایا۔جبر دوسرے کو اپنی بات پر مجبور کرنا۔عنید! وہ باغی جو حق کو مسترد کر دے اور جانتا بھی ہو کہ یہ حق ہے۔کلوا من حوالیها! موالی یعنی جوانب۔جیسا ابن ماجہ میں وارد ہے۔دعوا ذروتها! چوٹی چھوڑ دو۔ذال کا کسرہ و ضمہ دونوں درست ہیں (المصباح)

تخریج : اخرجه ابو داود (۳۷۷۳) وابن ماجه (۳۲۶۳) والبیهقی (۲۸۳/۷)

۱۰۸ :بَابُ كَرَاهَةِ الْاَكْلِ مُتَّكِئًا

بَاب: ٹیک لگا کر کھانا مکروہ ہے

المتکی! کسی چیز سے ٹیک لگانا جس سے ایک طرف کو جھکاؤ ہو۔

٧٤٦ :عَنْ اَبِىْ جُحَيْفَةَ وَهْبِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :"لَا اٰكُلُ مُتَّكِئًا" رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ۔

قَالَ الْخَطَّابِىُّ :"اَلْمُتَّكِئُ ههُنَا :هُوَ الْجَالِسُ مُعْتَمِدًا عَلٰى وِطَآءٍ تَحْتَهٗ قَالَ :وَاَرَادَ اَنَّهٗ لَا يَقْعُدُ عَلَى الْوِطَآءِ وَالْوَسَآئِدِ كَفِعْلِ مَنْ يُّرِيْدُ الْاِكْثَارَ مِنَ الطَّعَامِ ، بَلْ يَقْعُدُ مُسْتَوْفِزًا لَا مُسْتَوْطِئًا ، وَيَاْكُلُ بُلْغَةً هٰذَا كَلَامُ الْخَطَّابِىِّ وَاَشَارَ غَيْرُهٗ اِلٰى اَنَّ الْمُتَّكِئَ: هُوَ الْمَآئِلُ عَلٰى جَنْبِهٖ ، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

۷۴۶: حضرت ابو جحیفہ وہب بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔ (بخاری)

امام خطابیؒ نے فرمایا اَلْمُتَّكِئُ سے مراد وہ شخص ہے جو نیچے بچھائے ہوئے گدے پر ٹیک لگا کر بیٹھے۔ مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ یا گدا لگا کر نہ بیٹھتے جس طرح زیادہ کھانے والے بیٹھتے ہیں۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سکڑ کر بیٹھتے۔ گدے پر ٹیک لگا کر نہ بیٹھے اور بقدر ضرورت کھاتے۔ یہ خطابی رحمہ اللہ نے فرمایا۔

دیگر علماء نے فرمایا: اَلْمُتَّكِئَ کا معنی پہلو کی طرف جھکنا ہے۔ واللہ اعلم

تشریح ۞ ابی جحیفہ! ان کا نام وہب بن عبداللہ سوائی ہے یہ سواء بن عامر بن صعصعہ کی طرف نسبت ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اس وقت یہ قریب البلوغ تھے۔ ان کو علی رضی اللہ عنہ نے بیت المال کا نگران بنایا تھا۔ لا اکل نتکئا! بقول خطابی یہاں متکی سے مراد ٹیک لگا کر بیٹھنا ہے۔ وطاء' والوسائد! کا فرق یہ ہے وطاء' قالین' دری وغیرہ' وسائد تکیہ۔ یہ ٹیک لگا کر کھانا ان لوگوں کا طرز عمل ہے جو پہلے کھانے والے ہیں۔ مستو فزًا! جو غیر مطمئن ہو کر بیٹھے جیسے اٹھنے کے لئے تیار ہو۔ بلغه! جو کفایت کرے اور جس سے گزارا نہ ہو جائے دیگر علماء نے متکی کا معنی پہلو پر مائل ہونے والا کیا ہے اور اس کو متکبر لوگوں کا طرز عمل بنایا اور اس لئے بھی کہ اس سے کھانا پیٹ میں درست نہیں اترتا۔

تخریج : اخرجه احمد (۶/۱۸۷۷۹) والبخاری (۵۳۹۸) و ابو داود (۳۷۶۹) والترمذی (۱۸۳۰) وابن ماجه (۳۲۶۲) والحمیدی (۸۹۱) والدارمی (۲/۱۰۶) وابن حبان (۵۲۴۰) و ابو یعلی (۸۸۸) والبیهقی (۷/۴۹)

الفرائد : ٹیک لگا کر کھانا مکروہ ہے جس نے اس طرح کیا اس سے ہدایات نبوی کی مخالفت کی۔

٧٤٧ :وَعَنْ اَنَسٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جَالِسًا مُقْعِيًا يَاْكُلُ تَمْرًا ، رَوَاهُ

مُسْلِمٌ۔ "الْمُقْعِیُ" : هُوَ الَّذِیْ یُلْصِقُ اَلْیَتَیْهِ بِالْاَرْضِ وَیَنْصِبُ سَاقَیْهِ۔

۷۴۷: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دونوں زانو کھڑے ہو کر کھجوریں تناول کرتے ہوئے دیکھا۔ (مسلم) الْمُقْعِیُ : سرین کو زمین کے ساتھ ملا کر دونوں زانوں کو کھڑا رکھنا۔

تشریح ❁ مقعیا یاکل تمرا! ترمذی نے شمائل میں وھو مقع من الجوع! کے لفظ بڑھائے ہیں۔ لا اقعاء۔ الیتین! کو زمین ملا کر اور گھٹنوں کو کھڑا کر کے بیٹھنا۔ (المصباح) جوہری نے کہا اس سے مراد احتباء ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی عادت شریفہ تھی۔ نماز میں یہ ممنوع ہے کیونکہ اس میں تشبیہ بالکلاب لازم آتی ہے اور کھانے میں سکڑ کر کھانا بقدر ضرورت کھانے کو ظاہر کرنے کی صورت ہے اور غلاموں کی حالت کے قریب ہے جو کہ تواضع کی علامت ہے۔

تخریج : اخرجه مسلم (٢٠٤٤) و ابو داود (٣٧٧١)

الفرائد : جو جلدی میں ہو اس کے کھانے کی کیفیت بتلائی گئی ہے۔ آپ ﷺ جس قدر کھاتے جس سے بھوک کا ازالہ ہو جائے تاکہ دینی امور انجام دے سکیں۔

۱۰۹: بَابُ اسْتِحْبَابِ الْاَكْلِ بِثَلَاثَةِ اَصَابِعَ وَاسْتِحْبَابُ لَعْقِ الْاَصَابِعِ ، وَكَرَاهَةِ مَسْحِهَا قَبْلَ لَعْقِهَا وَاسْتِحْبَابِ لَعْقِ الْقَصْعَةِ وَاَخْذِ اللُّقْمَةِ الَّتِیْ تَسْقُطُ مِنْهُ وَاَكْلِهَا وَجَوَازِ مَسْحِهَا بَعْدَ اللَّعْقِ بِالسَّاعِدِ وَالْقَدَمِ وَغَیْرِهِمَا

بَاب: تین انگلیوں سے کھانا اور انگلیاں چاٹنا مستحب ہے اور چاٹنے سے پہلے پونچھنا مکروہ ہے گرے ہوئے لقمے کو صاف کر کے کھانا اور انگلیاں چاٹنے کے بعد کلائی وقدم پر ملنا

کھانے کی برکت کو پانے کے لئے کھانے کے آخر میں انگلیاں چاٹنی چاہئیں۔ کھانے کے دوران ان کا چاٹنا مناسب نہیں کیونکہ اس کے تھوک کا اثر انگلی پر ہوگا جو اس کھانے میں مل جائے گا جو دوسروں کے لئے ایذاء کا باعث ہوگا۔ وکراھیة مسحھا! ممکن ہے کہ بابرکت کھانا وہی ہو جو انگلیوں سے چمٹا ہے۔ لعق القصعة! انگلی کے ذریعہ پیالے میں جو کھانا چمٹ گیا ہو اس کو چاٹنا۔ یہ کسر نفسی اور تواضع کے قریب تر ہے۔ اخذ اللقمة! جب تک نجس نہ ہو اور ان کا صاف کرنا ناممکن نہ ہو اگر ناممکن ہو پاک کرنے کا طریقہ حیوان کو کھلانا۔ شیطان کے لئے اس کو نہ چھوڑے۔ اگر صفائی ممکن ہو تو ستھرا کر کے کھالے۔ جواز مسحھا! چاٹنے کے بعد پونچھنے کا جواز خواہ دوسرے ہاتھ پر یا پاؤں پر تری مل لے یا کپڑے وغیرہ سے صاف کر لے۔

۷۴۸ :عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :"اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلَا يَمْسَحْ اَصَابِعَهٗ حَتّٰى يَلْعَقَهَا اَوْ يُلْعِقَهَا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۷۴۸:حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے وہ اپنی انگلیاں اس وقت تک نہ پونچھے یہاں تک کہ ان کو چاٹ لے۔(بخاری ومسلم)

تشریح ۞ اذا اکل احدکم! جب کہ انگلیوں کے ساتھ کھانے کی رطوبت لگی ہو۔فلا یمسح! تو مستحب یہ ہے کہ رومال وغیرہ سے ہاتھ کو نہ پونچھے۔حتی یلعقھا! جب تک چاٹ نہ لے یہ حصولِ برکت میں حرص کی وجہ سے ہے۔او یلحقھا! یا بیٹے' شاگرد' مرید کو چٹادے۔جو اس کو ناپسند نہ کرتا ہو۔بقول خطابی بعض لوگوں نے انگلیاں چاٹنے کو ناپسند کیا درحقیقت مالداری نے ان کی عقول کو خراب کر دیا۔انگلیوں میں بقول ابن حجر سب سے درمیانی پھر قریب والی آخر میں انگوٹھا۔اس کا راز یہ ہے کہ درمیانی انگلی سب سے پہلے کھانے میں ملوث ہوئی ہے۔(فتح الباری)

تخریج : اخرجه البخاری (٥٤٥٦) و مسلم (٢٠٣١) وابن ماجه (٣٢٦٩) واحمد (١/١٩٢٤)

الفرائد : پونچھنے سے پہلے ہاتھ چاٹ لیا جائے۔جو انگلیاں چاٹنے کو برا خیال کرتے ہیں ان کی عقل خراب ہے(خطابی) کھانے کے بعد ہاتھوں کو صاف کرنا مستحب ہے۔

۷۴۹ :وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَاْكُلُ بِثَلَاثِ اَصَابِعَ فَاِذَا فَرَغَ لَعِقَهَا ' رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۷۴۹:حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ تین انگلیوں سے کھانا تناول فرما رہے تھے جب آپؐ فارغ ہوئے تو ان انگلیوں کو چاٹ لیا۔(مسلم)

تشریح ۞ یاکل بثلاث اصابع! تین انگلیوں سے کھانا مستحب ہے۔چوتھی اور پانچویں کو بلا ضرورت ساتھ نہ ملائے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات چار انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے اور دو انگلیوں سے تناول نہ فرماتے بلکہ ایک مرسل روایت میں ہے:ان الشیطان یاکل بھما! اور ابن شہاب کی مرسل روایت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اکل یخمس! کا مطلب ہے کہ کبھی کبھی ضرورت ہوتی تو پانچویں انگلی کو شامل فرمائے۔جیسے کسی نرم مائع چیز کا استعمال ہو' بعض اوقات کا عمل ہے عادت مبارکہ تین انگلیوں سے کھانے کی تھی۔ایک انگلی جو متکبرین کا فعل ہے۔اس میں آدمی کھانے کی لذت سے بھی محروم رہتا ہے اور دو انگلیوں سے کھانا شیطان کا فعل ہے اور طاق عدد کے خلاف جس کی رعایت میں برکت ہے اور پانچ سے کھانے کی رگ پر کھانے کا ہجوم ہوگا۔بعض اوقات اچانک موت کا باعث بن جاتا ہے۔فاذا فرغ لعقھا! جب کھانے سے فراغت پالیتے تو انگلیوں کو تنظیف میں مبالغہ کے لئے چاٹ لیتے۔

تخریج : مسلم فی الاطعمه' ابو داوٗد' ترمذی فی السمائل' نسائی فی الولیمه۔

الفرائد : آپ ﷺ کے معمول کا بیان ہے کہ تین انگلیوں کو کھانے کے لئے استعمال فرماتے۔کھانے سے فارغ ہو کر

انگلیاں چاٹنے کا تذکرہ ہے۔

۷۵۰ :وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَ بِلَعْقِ الْاَصَابِعِ وَالصَّحْفَةِ ' وَقَالَ: "اِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِيْ اَيِّ طَعَامِكُمُ الْبَرَكَةُ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۷۵۰: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں اور پیالے کو چاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا: تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے کون سے کھانے میں برکت ہے۔ (مسلم)

امر بلعق الاصابع و الصحفة! آپ ﷺ نے یہاں حکم فرمایا گزشتہ روایات میں عمل کا تذکرہ تھا۔ چاٹنے سے پہلے پونچھنے کی ممانعت خود چاٹنے کا حکم ثابت کرتی ہے۔

النحو: **قال انکم لا تدرون فی ای طعامکم البرکة!** ان کی صورت میں جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔ لام تعلیل کو مقدر ماننے میں جملہ تعلیلیہ ہے۔ طعام سے جزء طعام مراد ہے کہ کھاتے ہوئے یا برتن و انگلی کے ساتھ چمٹے میں سے کسی میں برکت ہے یا گرے ہوئے لقمہ میں اور اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ کس غذا سے تم کو تقویت ملے گی اور طاعت کی توفیق حاصل ہوگی اور اس کی دوسری علت بھی بنائی درست ہے۔ کذا قال ابن حجرؒ والقاضیؒ کہ یہ اس لئے فرمایا تا کہ پیالے میں باقی ماندہ کھانے اور گرے ہوئے لقمے کے سلسلے میں مسلمان سستی نہ برتے۔ ابن دقیق فرماتے ہیں چاٹنے سے پہلے پونچھنا مزید تلویث کا باعث ہے اور فضول بھی ہے کیونکہ چاٹ لینا ہی اس سے مستغنی کرنے والا ہے۔

تخریج: اخرجه احمد (۵/۱٤٩٤۳) و مسلم (۲۰۳۳/) والترمذی (۱۸۰۲) وابن ماجه (۳۲۷۹) وابن حبان (۵۲۵۳) وابن ابی شیبة (۲۹۷/۸)

الفرائد: کھانے کی برکت مکمل طور پر اس وقت حاصل ہوگی جب انگلیاں چاٹ لی جائیں۔ برتن کا چاٹنا اور صاف کرنا بھی مسنون ہے۔

۷۵۱ :وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :"اِذَا وَقَعَتْ لُقْمَةُ اَحَدِكُمْ فَلْيَاْخُذْهَا فَلْيُمِطْ مَا كَانَ بِهَا مِنْ اَذًى وَلْيَاْكُلْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ ' وَلَا يَمْسَحْ يَدَهٗ بِالْمِنْدِيْلِ حَتّٰى يَلْعَقَ اَصَابِعَهٗ فَاِنَّهٗ لَا يَدْرِيْ فِيْ اَيِّ طَعَامِهِ الْبَرَكَةُ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۷۵۱: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو اسے اٹھالے اور اس کے ساتھ جو تکلیف دہ چیز لگ گئی اُسے دور کر کے اِسے کھالے اور اسے شیطان کیلئے پڑا نہ رہنے دے اور اپنے ہاتھ رومال سے نہ پونچھے جب تک کہ اپنی انگلیوں کو چاٹ نہ لے۔ اس لئے کہ اس کو معلوم نہیں کہ اس کے کونسے کھانے میں برکت ہے۔ (مسلم)

وقعت لقمة! لقمہ جو ایک مرتبہ نگلا جائے۔ **فلیاخذھا فلیمط!** استحباب یہ ہے کہ اس سے لے لے اور اس سے مٹی وغیرہ کو

دور کر دے۔ ماطۂ اماطہ (ابوعبیدہ) اصمعی اماطہ صرف آتا ہے ازالہ کرنا۔ ما کان بھا من اذی! من بیانیہ ازالہ ابہام کے لئے ہے۔ ایذاء سے غبار وغیرہ مراد ہے۔ ولیاکلھا! حصول برکت کی حرص کرتے ہوئے۔ شیطان کی مخالفت اور نفس میں تواضع پیدا کرنے کے لئے کھالے۔ ولا یدعھا للشیطان...... بالمندیل! مندیل یہ ندل سے نکلا ہے۔ منتقل کرنا یا ندل' میل کچیل کہتے ہیں تندلت بالمندیل۔ جوہری نے کہا تمندلت بھی درست ہے۔ حتی یلعق اصابعہ! یہ اغلب کا لحاظ کرتے ہوئے فرمایا کیونکہ آدمی عموماً خود ہی چاٹتا ہے۔

تخریج : مسلم فی الاطعمہ' ابن ماجہ فی الاطعمہ بغیر ذلر اللحق۔

الفرائد : گرنے والے لقمہ کو صاف کر کے کھالیا جائے۔ شیاطین بھی کھاتے پیتے ہیں۔ رومال سے ہاتھ صاف کیے جا سکتے ہیں مگر چاٹنے کے بعد مسنون ہے۔ تھوڑے کھانے کے سلسلے میں بھی سستی نہ کرنی چاہئے۔

٧٥٢ : وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : "اِنَّ الشَّيْطَانَ يَحْضُرُ اَحَدَكُمْ عِنْدَ كُلِّ شَيْءٍ مِّنْ شَاْنِهٖ ، حَتّٰى يَحْضُرَهٗ عِنْدَ طَعَامِهٖ فَاِذَا سَقَطَتْ لُقْمَةُ اَحَدِكُمْ فَلْيَاْخُذْهَا فَلْيُمِطْ مَا كَانَ بِهَا مِنْ اَذًى ثُمَّ لِيَاْكُلْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ ، فَاِذَا فَرَغَ فَلْيَلْعَقْ لِلشَّيْطَانِ ، فَاِذَا فَرَغَ فَلْيَلْعَقْ اَصَابِعَهٗ ، فَاِنَّهٗ لَا يَدْرِيْ فِيْ اَيِّ طَعَامِهِ الْبَرَكَةُ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۷۵۲: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان تم میں سے ہر ایک کام کے وقت حاضر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ کھانے کے موقعہ پر بھی حاضر ہوتا ہے جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے پس وہ اس کو اٹھا کر اس کے ساتھ لگنے والے غبار وغیرہ کو دور کرے پھر اس کو کھالے اور اس کو شیطان کے لئے نہ چھوڑے اور جب کھانے سے فارغ ہو پس وہ اپنی انگلیاں چاٹ لے۔ اس لئے کہ اسے معلوم نہیں کہ اس کے کونسے کھانے میں برکت ہے۔ (مسلم)

الشیطان! الف جنس یا عہد کا ہے۔ کوئی شیطان یا خود ابلیس لعین۔ یحضر احد کم! اس سے خبردار کیا کہ تمام اوقات میں بچنے کے لئے پورے طور پر تیار رہنا چاہئے کسی بھی وقت اس کی ملمع سازی میں گرفتار نہ ہو۔ حتی یحضرہ عنہ طعامہ! تاکہ کھانے سے پہلے اسے ذکر الٰہی سے غافل کر کے اسے اپنے لئے حلال کر لے اور اس کے ہاتھ کو ہلا کر لقمہ گرا دے تاکہ وہ لقمہ اس کا بن جائے۔

النحو : فاذا سقطت لقمہ احدکم فلیاخذھا فلیمط! پہلا فا تفریع کے لئے دوسرا جواب شرط کے لئے تیسرا عطف کے لئے۔ ثم لیاکلھا! ثم اس لئے لائے کیونکہ کھانے اور گرنے میں فاصلہ ہے۔ ولا یدعھا للشیطان فاذا فرغ! یعنی جب کھانے سے فارغ ہو۔ فلیلعق اصابعہ! یکے بعد دیگر جیسا طبرانی کے حوالہ سے گزرا۔ فانہ لا یدری......! تاکہ حصول برکت میں کوئی اپنی طرف سے کمزوری نہ رہ جائے اور انسان اسی کا مکلف ہے۔

تخریج : اخرجہ مسلم (۲۰۳۳/۱۳۵)

الفرائد : شیطان سے احتیاط کرنے کا حکم ہے۔ شیطان انسانی اعمال میں شرکت کی کوشش کرتا ہے اس کی تزین سے دھوکا نہ کھاتے۔

٧٥٣ : وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَكَلَ طَعَامًا لَعِقَ اَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ وَقَالَ : "اِذَا سَقَطَتْ لُقْمَةُ اَحَدِكُمْ فَلْيَاْخُذْهَا وَلْيُمِطْ عَنْهَا الْاَذٰى وَلْيَاْكُلْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ" وَاَمَرَنَا اَنْ نَّسْلُتَ الْقَصْعَةَ وَقَالَ : "اِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِیْ اَیِّ طَعَامِكُمُ الْبَرَكَةُ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۷۵۳: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی کھانا تناول فرماتے تو اپنی تینوں انگلیاں چاٹ لیتے اور فرماتے جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر پڑے تو وہ اس کو اٹھا لے اور اس سے لگنے والی ایذا کو دور کر لے اور کھا لے اور اس کو شیطان کے لئے پڑا نہ رہنے دے اور ہمیں حکم فرمایا کہ ہم برتن کو چاٹ لیا کریں اور فرمایا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے کونسے کھانے میں برکت ہے۔ (مسلم)

تشریح ۞ لعق اصابعه الثلاث! جیسا کہ آپ ﷺ کا غالب معمول تین انگلیوں سے کھانے کا تھا جب کوئی پتلی (مائع) چیز استعمال فرماتے تو پانچوں انگلیوں کو استعمال فرماتے پس ان کو چاٹ لیتے۔ فلیمط عنها الاذی! تا کہ نفس اس کی طرف متوجہ ہو۔ ولیا کلها و لا یدعها للشیطان و امرنا امرنا! اس کا عطف کان اور اس کے معمول پر ہے۔ ان نسلت! پونچھنا۔ یہ سلت الدم سے لیا گیا ہے۔

النحو :انکم لا تدرون! یہ جملہ مستانفہ بیانیہ امر کی علت ہے۔

تخریج : اخرجه احمد (٤/١٢٨١٥) و مسلم (٢٠٣٤) والترمذی (١٨٠٣) وابو داود (٣٨٤٥) وابن حبان (٥٢٤٩) والدارمی (٢/٩٦) والنسائی (٤/٦٧٦٥)

الفرائد :برتن میں بقایا کھانے کو صاف کر لینا چاہئے۔ شیطان کی شراکت سے محتاط رہے۔

٧٥٤ : وَعَنْ سَعِيْدِ ابْنِ الْحَارِثِ اَنَّهُ سَاَلَ جَابِرًا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ الْوُضُوْءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ، فَقَالَ : لَا، قَدْ كُنَّا زَمَنَ النَّبِیِّ ﷺ لَا نَجِدُ مِثْلَ ذٰلِكَ الطَّعَامِ اِلَّا قَلِيْلًا، فَاِذَا نَحْنُ وَجَدْنَاهُ لَمْ يَكُنْ لَّنَا مَنَادِيْلُ اِلَّا اَكُفُّنَا وَسَوَاعِدُنَا وَاَقْدَامُنَا، ثُمَّ نُصَلِّیْ وَلَا نَتَوَضَّاُ" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

۷۵۴: حضرت سعید بن حارث سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے آگ سے پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو کا مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے کہا وضو نہیں ٹوٹتا۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس جیسے کھانے بہت کم پاتے تھے جب ہم پاتے تو ہمارے پاس رومال نہ تھے بس ہتھیلیاں کلائیاں اور اپنے قدم (ان سے ہم ہاتھ پونچھ لیتے) پھر ہم نماز ادا کرتے اور وضو نہ کرتے تھے۔ (بخاری)

تشریح ❁ سعید بن الحارث رضی اللّٰه عنه! ان کے حالات پہلے مذکور ہو چکے۔انه سأل جابرا! اس سے پہلے قال مقدر ہے یعنی کہ اس آدمی نے جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آگ سے پکی چیز کھا لینے پر وضو ہے مثلاً روٹی وغیرہ۔فقال لا! وضو نہیں۔پھر اس کے لئے حوالہ دیا۔لا نجد مثل ذلك! کیونکہ ہم حظوظ نفس سے اعراض کرنے والے اور حقوق نفس کو ادا کرنے والے تھے۔نحن وجدناه! جا لیتے۔لم یکن لنا منادیل الا اکفنا! تو ہم ہاتھ صاف کرنے کے لئے رومال نہ رکھتے تھے۔بس ہتھیلیاں کلائیاں اور قدم پر کھانے کی تری مل لیتے تھے۔کف یہ مؤنث ہے۔بعض نا قابل لوگوں نے اس کو مذکر شمار کیا مگر درست نہیں۔اس کی جمع قلت اکف! بروزن افلس اور جمع کثرت کفوف مثل فلوس آتی ہے۔ہتھیلی انگلیوں سمیت ہو تو کف کہلاتی ہے۔اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ بدن سے ایذاء کے روکنے کا ذریعہ ہے۔سواعد جمع ساعد کہنی اور ہتھیلی کے درمیان کا حصہ۔اس کو ساعد کہنے کی وجہ یہ ہے کہ کام ومحنت میں یہ ہتھیلی کی مددگار ہے۔الاقدام جمع قدم یہ مونث مشہور ہے۔بقیہ دو بھی مونث ہی ہیں (المصباح) ثم نصلی ولا نتوضاء! یہ مماست النار سے وضو والی روایات کی ناسخ ہے۔

تخریج : اخرجه البخاری (٥٤٥٧)

الفرائد :اس سے معلوم ہوتا ہے دعوت دین کے پھیلانے میں مشغولیت کی وجہ سے صحابہ کرامؓ شدید تنگ دستی میں مبتلا تھے۔

۱۱۰ :بَابُ تَكْثِيرِ الْاَيْدِيْ عَلَى الطَّعَامِ

بَاب: کھانے پر ہاتھوں کا اضافہ

احادیث باب سے اس چیز کا مطلوب ہونا معلوم ہوتا ہے۔

٧٥٥ : عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :"طَعَامُ الِاثْنَيْنِ كَافِي الثَّلَاثَةِ ، وَطَعَامُ الثَّلَاثَةِ كَافِي الْاَرْبَعَةِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۷۵۵ :حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو آدمیوں کا کھانا تین کے لئے کافی ہے اور تین آدمیوں کا کھانا چار کے لئے کافی ہے۔(بخاری ومسلم)

تشریح ❁ طعام الاثنین کافی الثلاثة......!ابن مہلب کہتے ہیں اس روایت کا مقصد مکارم اخلاق پر آمادگی اور کفایت پر قناعت ہے۔اس کا معنی یہ نہیں کہ اتنی تعداد سے ہمدردی کی جائے زیادہ سے نہیں۔یعنی مناسب یہ ہے کہ دو تیسرے اور تین چوتھے کو شامل کر لیں۔طبرانی کی روایت میں اس کی علت بتلائی گئی ہے۔"کلوا جمیعًا ولا تفرقوا طعام الواحد یکفی الاثنین"!اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ کھانے میں کفایت کا ایک سبب اجتماعیت ہے اور جتنی اجتماعیت ہوگی برکت بڑھے گی۔ابن منذر کہتے ہیں اکٹھا کھانا مستحب ہے ورنہ اکیلے کھاتے۔

تخریج : اخرجه مالك (١٧٢٦) والبخاری (٥٣٩٢) و مسلم (٢٠٥٨)

الفرائد :جب مواسات حاصل ہو جائے تو اس سے برکت میسر آ جاتی ہے۔اپنے پاس جو چیز کو اس کو حقیر جان کر پیش کرنے

میں کوتاہی نہ کرنی چاہئے بعض اوقات قلیل کھانا ہی کافی ہوجاتا ہے کہ سدرمق کا کام دے جاتا ہے۔

۷۵٦ : وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : "طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الِاثْنَيْنِ ، وَطَعَامُ الِاثْنَيْنِ يَكْفِي الْاَرْبَعَةِ ، وَطَعَامُ الْاَرْبَعَةِ يَكْفِي الثَّمَانِيَةَ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۷۵٦ : حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ایک کا کھانا دو کے لئے کافی ہے اور دو کا کھانا چار کے لئے کافی ہے اور چار کا کھانا آٹھ کیلئے کافی ہے۔(مسلم)

یکفی الاثنین و طعام الاثنین یکفی الاربعة طعام الاربعة یکفی الثمانیه! پہلی روایات کو سامنے رکھ کر یہ مفہوم ہے کہ امت کو مکارم اخلاق اور کفایت کو اپنانا چاہئے۔ طبرانی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس میں یہ اضافہ نقل کیا فاجتمعوا علیه ولا تفرقوا!(جامع صغیر) مل کر کھاؤ نہ کہ الگ الگ۔

تخریج : اخرجه احمد (۵/۱۵۱۰٦) و مسلم (۲۰۵۹) والترمذی (۱۸۲۰) والدارمی (۲/۱۰۰) وابن ماجه (۳۲۵٤) وابن حبان (۵۲۳۷) وابن ابی شیبة (۸/۳۲۲)

الفوائد : جماعت کے ساتھ کھانے میں برکت ہے مکارم اخلاق کا تقاضا یہی ہے۔

۱۱۱ : بَابُ اٰدَابِ الشُّرْبِ وَاسْتِحْبَابِ التَّنَفُّسِ ثَلَاثًا خَارِجَ الْاِنَاءِ وَكَرَاهَةِ التَّنَفُّسِ فِي الْاِنَاءِ وَاسْتِحْبَابِ اِدَارَةِ الْاِنَاءِ عَلَى الْاَيْمَنِ فَالْاَيْمَنِ بَعْدَ الْمُبْتَدِئِ

بَابٌ : پینے کے آداب برتن سے باہر تین مرتبہ سانس لینا مستحب ہے اور برتن میں سانس لینا مکروہ ہے اور برتن دائیں سے شروع کر کے دائیں ہی طرف بڑھاتے جانا

الشرب! پینا' مائع چیز کو پیٹ میں انڈیلنا۔ التنفس ثلاثا! جمہور کے ہاں تین سانس مستحب ہے۔ اثرم کہتے ہیں سانسوں کی تعداد جواز پر دلالت کرتی ہے۔ امام مالک نے ایک سانس سے پینے کے جواز کو ثابت کیا بلکہ ابن ابی شیبہ نے سعید بن میسب سے جواز نقل کیا ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا برتن کے اندر سانس لینے کی ممانعت ہے اگر برتن میں سانس نہ لے تو پانی ایک سانس سے پینا بھی درست ہے۔ حدیث ابوقتادہ میں ایک سانس سے پانی پینا مرفوعاً ثابت ہے (حاکم) اس کا مطلب سابقہ تفصیل کے مطابق ہے۔ خارج الاناء! منہ سے جدا کر کے سانس لے۔ و کراهة التنفس فیه! تاکہ کہیں بلغم جیسی چیز نکل کر

مشروب کو گندا نہ کر دے۔ ② برتن میں بد بو نہ پھیل جائے۔ الایمن فالایمن بعد المبتدیء! بعد المبتدی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد تیامن کو نہ دیکھا جائے گا اور یہ پہلے گزرا کہ اہل فضل کو مقدم کرنا چاہئے پھر ایمن۔ واللہ اعلم۔

۷۵۷ :عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ یَتَنَفَّسُ فِی الشَّرَابِ ثَلَاثًا ، مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ - یَعْنِیْ یَتَنَفَّسُ خَارِجَ الْاِنَاءِ۔

۷۵۷: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پینے کے دوران تین مرتبہ سانس لیتے۔

(بخاری و مسلم)

یعنی برتن سے باہر سانس لیتے۔

تشریح ۞ کان یتنفس فی الشراب ثلاث! یتنفس کا مطلب برتن سے باہر سانس لیتے۔ بخاری نے الشربہ میں اس کو اس طرح نقل کیا "کان انس یتنفس فی الاناء مرتین او ثلاثا"! اور انس رضی اللہ عنہ نے یہ خیال کیا کہ تین مرتبہ سانس لیتے۔ نسائی کہتے ہیں کہ قتادہ نے کہا اس حدیث میں خطاء ہے (اطراف مزی) یتنفس خارج الاناء اس تعارض کو دور کرنے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں: ① جس روایت میں سانس لینے کی ممانعت ہے اس سے مراد برتن میں سانس لینا ہے۔ ② جن روایات میں سانس لینے کا تذکرہ ہے پانی پینے کی حالت و کیفیت ذکر کی گئی ہے پانی پینے کے دوران یک بارگی پانی منہ میں نہ انڈیلے بلکہ تین مرحلوں میں منہ میں ڈالے بقول قرطبی کہ بعض نے اس کو نہی کے متعارض کہا تو پھر یہ فقط بیان جواز کے لئے ہوئی اور نہی تنزیہ کے لئے نہ کہ تحریم کے لئے۔ بعض نے کہا یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے کیونکہ آپ ﷺ کی کسی چیز میں بد بو نہ تھی۔

تخریج : اخرجه احمد (٤/١٢١١٩٤) والبخاری (٥٦٣١) و مسلم (٢٠٢٨) والترمذی (١٨٩١) و ابو داود (٣٧٢٧) وابن ماجه (٣٤١٦) وابن حبان (٥٣٢٩) والبیهقی (٢٨٤/٧)

الفرائد :اس میں آپ کے پینے کی سنت ذکر کی گئی ہے کہ برتن سے باہر سانس لیتے تھے۔ یہ کمال ادب ہے۔

۷۵۸ : وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : لَا تَشْرَبُوْا وَاحِدًا کَشُرْبِ الْبَعِیْرِ وَلٰکِنِ اشْرَبُوْا مَثْنٰی وَثُلَاثَ ، وَسَمُّوْا اِذَا اَنْتُمْ شَرِبْتُمْ" رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ : حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

۷۵۸: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک ہی سانس میں اونٹ کی طرح پانی مت پیو بلکہ دو اور تین سانس سے پیو اور جب تم پینے لگو تو اللہ تعالیٰ کا نام لو اور جب برتن بڑھاؤ تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرو۔ (ترمذی)

یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح ۞ واحدا! یہ شربا مصدر محذوف کی صفت ہے اور ایک بار کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی سانس بھی نہ لو۔

کشرب البعیر !اونٹ کی طرح کیونکہ وہ پینے کے دوران سانس نہیں لیتا۔ اشربوا مثنیٰ !دوسانسوں میں پیو۔ وثلاث! تین سانسوں میں اس قسم کی روایات کا مطلب برتن سے منہ ہٹا کر سانس لینا ہے اور جہاں اس کی ممانعت ہے اس سے مراد برتن کے اندر سانس نکالنا۔ یہ ایک مرتبہ پینے کی ممانعت نہی تنزیہ ہے (فتح الباری)

النحو: ان انتم شربتم !ان شرطیہ ہے۔ ضمیر منفصل فعل شرط کا فاعل ہے۔

واحمد وان انتم رفعتم !اس جملہ شرطیہ کا بھی سابقہ جملے والا حال ہے یعنی اگر تم نے دو یا تین مرتبہ منہ ہٹایا تو الحمد للہ کہو۔

حرف شرط کو دوبارہ تفنن تعبیر کے لئے لائے۔

تخریج : ترمذی نے اس کو حسن غریب کہا ہے۔ مصنف سے حسن کا لفظ سہواً لکھا گیا ہے (کذا قال الحافظ فی الفتح)

الفرائد :اونٹ کی طرح پینے کی ممانعت فرمائی۔ دو یا تین مراحل میں پیئے اور ہر مرتبہ بسم اللہ کے ساتھ ابتداء کرے

۷۵۹ :وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهٰی اَنْ یُّتَنَفَّسَ فِی الْاِنَآءِ، مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ، یَعْنِیْ یَتَنَفَّسَ فِیْ نَفْسِ الْاِنَآءِ۔

۷۵۹: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا۔ (بخاری ومسلم)

یعنی پیتے وقت اسی برتن میں سانس لینا۔

تشریح ✿ نهی ان یتنفس فی الاناء! مہلب کہتے ہیں کہ پینے میں بھی سانس لینے کی ممانعت اس طرح ہے۔ جس طرح کھانے اور پینے کی چیز کو پھونک مارنا جبکہ اس میں تھوک کی چھینٹیں پڑنے کا احتمال ہو جاتا اور پینے والا اس کو ناپسند کرتا ہے اور عام لوگوں کی عادت ہے کہ ان چھینٹوں کو برا خیال کرتے ہیں۔ بقول حافظ اس میں کوئی فرق نہیں کہ آدمی اکیلا ہو یا کسی کے ساتھ ہو کیونکہ اس پر اطمینان نہیں کہ کوئی چیز بچ جائے یا خود برتن سے نفرت پیدا ہو جائے وغیرہ۔ ابن العربی کہتے ہیں کہ یہ بات مکارم اخلاق سے ہے۔ لیکن یہ بات حرام ہے کہ اپنے بھائی کو وہ چیز دے جس کو خود گندا قرار دیتا ہو۔ اگر اپنے طور پر ایسا کیا تو دوسرا شامل ہو تو اسے بتلا دے اگر وہ نہ بتلائے تو یہ دھوکا ہے اور وہ حرام ہے۔

قرطبی کہتے ہیں برتن میں سانس لینے کی ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ تھوک سے مشروب گندا نہ ہو یا پانی میں بدبو نہ پڑ جائے اور جب برتن سانس نہ لے تو ایک ہی مرحلہ میں تمام پانی پی سکتا ہے۔ بعض نے اس کو ممنوع قرار دیا کیونکہ یہ شیطان کا طریقہ ہے۔

تخریج : اخرجه احمد (۸/۲۲۷۱۰) و عبد الرزاق (۱۹۵۸٤) والبخاری (۱۵۳) و مسلم (۲٦۷) والترمذی (۱۸۸۹) والنسائی (٤۷) وابن حبان (۵۲۲۸) وابن ابی شیبة (۸) والبیهقی (۵)

الفرائد : یہ نظافت میں مبالغہ کرتے ہوئے ادب سکھایا گیا ہے یہ پینے والے کو تنبیہ کی قسم سے ہے۔ پانی میں پھونک مارنا ممنوع ہے۔

۷٦۰ :وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اُتِیَ بِلَبَنٍ قَدْ شِیْبَ بِمَآءٍ وَّعَنْ یَمِیْنِهٖ اَعْرَابِیٌّ وَّعَنْ یَّسَارِهٖ اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ، فَشَرِبَ ، ثُمَّ اَعْطَی الْاَعْرَابِیَّ وَقَالَ :"الْاَیْمَنَ فَالْاَیْمَنَ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ ۔

قَوْلُهٗ "شِیْبَ" :اَیْ خُلِطَ۔

۷٦۰ : حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دودھ لایا گیا جس میں پانی ملایا گیا تھا۔ آپؐ کے دائیں جانب ایک دیہاتی تھا اور بائیں طرف ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ پس آپؐ نے پیا پھر دیہاتی کو دے دیا اور فرمایا دایاں اور پھر دایاں۔ (بخاری ومسلم)

شِیْبَ :ملایا گیا۔

تشریح ۞ اتی !اتی مجہول ہے۔ قد شیب بماءٍ! ① وہ حلیب تھا اس کی حرارت کو برودت میں بدلنے کے لئے پانی ملایا۔ ② زیادہ کرنے کے لئے ملایا گیا۔ دوسری روایت میں واضح قصد ہے کہ حلیب میں پانی ملایا گیا تھا۔ ومن یسارہ ابوبکر رضی اللّٰہ عنہ! یہ جملہ اوتی سے حال ہے۔ ایک روایت ہے بائیں جانب ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سامنے عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ فضلہ! پینے کے بعد جو بچ گیا۔ قال الایمن فالایمن! دوسری روایت میں وارد ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا جب ان کو یہ خطرہ ہوا کہ آپ اس بدو کو دے دیں گے۔ اعط ابابکر! دوسری روایت میں انہوں نے کہا ھذا ابو بکر! خطابی کہتے ہیں عرب جاہلیت کے بادشاہوں میں دائیں جانب سے پلانے کا رواج تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ کو خطرہ ہوا کہ اعرابی کو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مقدم کر دیا جائے گا۔ پس انہوں نے خبردار کیا کیونکہ ان کو یہ احتمال تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مقدم کر دیں گے پھر یہ طریقہ قرار پائے گا کہ افضل کو ایمن پر مقدم کیا جائے گا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے واضح فرمایا کہ دایاں پھر دایاں اصل طریقہ ہے اور وہی برقرار رہے گا۔ اگرچہ بائیں طرف افضل ہی کیوں نہ ہو۔ یہ مؤخر کرنا اس کے رتبے میں کمی کا باعث نہیں اور اس کی وجہ دائیں جانب کا بائیں جانب سے افضل ہونا ہے۔ ① ایمن کا مرفوع ہونا مبتدا کی بناء پر جائز ہے جبکہ اس کی خبر کو حذف مانیں ای الایمن احق فالایمن! ② مبتداء محذوف کی خبر بنائیں ای المقدم الایمن! ③ محذوف فعل کا فاعل بھی بن سکتا ہے ای یقدم الایمن! اگر فعل محذوف قدموا مان لیں تو منصوب ہوگا ای قدموا الایمن او اعطوا الایمن۔

ابن حجر کہتے ہیں ایمن کو مکرر لانے سے لازم آتا ہے کہ سنت طریقہ دائیں اور پھر دائیں کو دینا ہے اور عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پہلے پیا مگر عمر رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ترجیح دینے والے تھے۔ دودھ میں پانی ملانا اپنے پینے کے لئے درست ہے مگر فروخت کے لئے ایسا کرنا دھوکا اور ملاوٹ ہے جو کہ حرام ہے۔

تخریج : اخرجه مالك فی موطه (۱۷۲۳) واحمد (۴/۱۲۱۲۲) والبخاری (۲۵۷۱) و مسلم (۲۰۲۹) و ابو داود (۳۷۲٦) والترمذی (۱۸۹۳) وابن ماجه (۳۴۲۵) وابن حبان (۵۳۳۳) والبیهقی (۲۸۵/۷)

اَلْفَوَائِد: جومجلس میں پہلے وہ پہلے کسی بڑے سردار کے آنے سے اسے مجلس سے نہ رکھا جائے۔ حقدار کو اس کی چیز دینی چاہئے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا البتہ امام مجلس میں کسی کو جگہ سے اٹھنے کے لئے کہ تو اس کی اطاعت کرنی چاہئے۔ خدام کے گھر جا کر ان کے یوں کھانا کھایا جاسکتا ہے۔

۷۶۱ : وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَ مِنْهُ وَعَنْ يَّمِيْنِهٖ غُلَامٌ وَّعَنْ يَّسَارِهٖ اَشْيَاخٌ فَقَالَ لِلْغُلَامِ "اَتَاْذَنُ لِيْ اَنْ اُعْطِيَ هٰٓؤُلَآءِ؟" فَقَالَ الْغُلَامُ :لَا وَاللّٰهِ ' لَا اُوْثِرُ بِنَصِيْبِيْ مِنْكَ اَحَدًا' فَتَلَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ يَدِهٖ ' مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

قَوْلُهٗ "تَلَّهٗ" اَيْ وَضَعَهٗ ' هٰذَا الْغُلَامُ هُوَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا۔

۷۶۱: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مشروب لایا گیا جس میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا اور آپؐ کے دائیں طرف ایک لڑکا تھا اور بائیں طرف شیوخ و معمر لوگ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکے کو فرمایا کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں ان کو دے دوں۔ پس اس لڑکے نے کہا نہیں اللہ کی قسم! میں آپ کی طرف سے ملنے والے حصے پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ (بخاری و مسلم) تَلَّهٗ :رکھ دیا۔

یہ لڑکے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے۔

فشرب منه!اس سے کچھ نوش فرمایا۔ **اشیاخ**!زیادہ عمر والے۔ **ان اعطی ھؤلاء**!ابن جوزی کہتے ہیں آپ ﷺ نے اعرابی سے تو اجازت طلب نہ فرمائی مگر لڑکے سے اجازت چاہی کیونکہ بدو شریعت سے ناواقف تھا۔ تالیف قلب کے لئے اجازت طلب فرمائی۔ لڑکا مسائل شریعت سے واقف تھا۔ نوویؒ کہتے ہیں لڑکے سے اجازت اس لئے طلب کی تاکہ حکم کی وضاحت ہو جائے۔ بائیں طرف لڑکے کے دیگر رشتہ دار تھے۔ دائیں طرف والا لڑکا آپ ﷺ کا چچازاد تھا تاکہ کسی کو ترجیح کا خیال نہ رہے۔ آپ ﷺ نے واضح کر دیا۔ دایاں پھر دایاں اور بعض سنن کی روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ باری تو تیری ہے لیکن اگر تو پسند کرے تو خالد کو ترجیح دو۔ احمد کی روایت میں ہے کہ اگر تم اپنے چچا کو ترجیح دے تو تمہاری مرضی ہے۔ معمر کو عرب عم سے تعبیر کرتے ہیں۔ شاید ان کی عمر عباس رضی اللہ عنہما جتنی تھی۔ اگرچہ ایک قرابت کے لحاظ سے وہ ہمجولیوں سے تھے کہ وہ ابن خالہ بنتے تھے اور خالد کی قیادت وسیادت کے باوجود وہ اسلام میں تاخیر سے داخل ہوئے اسی وجہ سے ان کے لئے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اجازت طلب کی۔ بخلاف ابوبکر رضی اللہ عنہ وہ اسلام میں سب سے پہلے داخل ہونے والوں میں سے تھے۔ ان کی اسلام میں سبقت ان تمام افعال پر اطمینان کی متقاضی تھی جو آپ ﷺ کی طرف سے ہوں اور کسی بھی چیز سے کوئی متاثر نہ ہونے کو چاہتی تھی۔ ابن حجرؒ کہتے ہیں اگر ابن عباس رضی اللہ عنہما اجازت دے دیتے تو آپ ﷺ ضرور ان کو دے دیتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے مواقع پر ایثار سے کام لینا چاہئے۔ البتہ یہ بات مشکل ہے کیونکہ قرابت کی وجہ سے ترجیح

کا ناپسند و مکروہ ہونا مشہور ہے (فتح الباری) میں نے کتاب فضل زمزم میں اس کا جواب لکھا ہے۔ **فقال الغلام لا!** یعنی **لا اوثر به!** میں اپنے سے ان کو ترجیح نہیں دیتا۔ **بنصیبی منك احداً!** میں آپ ﷺ کی طرف سے ملنے والے عطیے پر کسی قریبی اور نہ کسی شیخ کو ترجیح دیتا ہوں کیونکہ یہ تو آپ ﷺ کا جھوٹا ہے۔ **تله!** آپ ﷺ نے اس کو تھما دیا بقول خطابی اس کا اصل معنی تل یعنی ٹیلے پر رکھنا ہے۔ پھر عام رکھنے کے لئے استعمال ہونے لگا بعض نے اس کو تلتل بمعنی زور، سختی سے ماخوذ مانا ہے۔ جیسا فرمایا: **وتله للجبین** ! ان کو گرا کر ان کو جبین کو زمین سے لگا دیا۔ مگر پہلی تفسیر بہتر ہے۔ بعض نے خطابی کی سختی والی قید کو توڑ دیا (فتح الباری) غلام سے ابن التین اور ابن حجر کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہما مراد ہیں (فتح الباری) مگر ابن بطال نے بیان کیا کہ وہ فضل بن عباس رضی اللہ عنہما تھے۔

تخریج : اخرجه احمد (٤/١١٦٤٢) والبخاری (٥٦٢٥) و مسلم (٢٠٢٣) و ابو داود (٣٧٢٠) والترمذی (١٨٩٠) و عبدالرزاق (١٩٥٩٩) وابن حبان (٥٣١٧) والبیهقی (٧/٢٨٥)

۱۱۲ :بَابُ كَرَاهَةِ الشُّرْبِ مِنْ فَمِ الْقِرْبَةِ وَنَحْوِهَا وَبَيَانُ اَنَّهُ كَرَاهَةُ تَنْزِيْهٍ لَا كَرَاهَةُ تَحْرِيْمٍ

بَاب: مشک وغیرہ کو مُنہ لگا کر پینا مکروہ تنزیہی ہے تحریمی نہیں

٧٦٢ : عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ اخْتِنَاثِ الْاَسْقِيَةِ يَعْنِيْ اَنْ تُكْسَرَ اَفْوَاهُهَا وَيُشْرَبَ مِنْهَا، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۷۶۲: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشک کے مُنہ کو موڑ کر اس سے پانی پینے کو منع فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ **اختناث الاسقية!** یہ خناث سے لیا گیا ہے جس کا معنی کپڑے کی تہیں۔ یعنی کپڑا خوب لپیٹ دو۔ **الاسقيه!** جمع سقاء چمڑے کی چھوٹی یا بڑی مشک۔ بعض نے کہا بڑی کو قربہ اور چھوٹی کو سقاء کہتے ہیں۔ **تكسر!** دہرا کرنا۔ **اختناث** کا معنی مشک کے منہ کو دہرا کر کے تسمہ بندھے ہوئے مشک سے پانی پینا۔ یہ بقول خطابی زہری کا قول ہے۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں وارد ہے کہ **شرب رجل من سقاء فانساب فی بطنه حیان فنهی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم!** اسماعیلی نے بھی اسی طرح تخریج کی ہے۔ **الافواة!** جمع فم اس کی اصل و تصغیر فویہ و اخواہ ہے میم زائد لگی ہے۔ میم آخر میں کبھی اضافت کی صورت میں بھی لاتے ہیں جیسا **یصبح ظمآن وفی البحر فمه۔**

تخریج : اخرجه البخاری (٢٤٦٣) و مسلم (١٦٠٩) واحمد (٣/٧٧٠٦) وابو داود (٣٦٣٤) والترمذی (١٣٥٣) وابن ماجه (٢٣٣٥) وابن حبان (٥١٥) والبیهقی (٦)

الفرائد : مشکیزہ کو منہ لگا کر پینے کی نہی تنزیہی یا تحریمی ہے اس میں مواقع کے لحاظ سے اختلاف ہے تا کہ مشکیزہ سے کوئی کیڑہ

مکوڑہ اندر نہ چلا جائے۔

٧٦٣ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ یُّشْرَبَ مِنْ فِی السِّقَآءِ اَوِ الْقِرْبَةِ ، مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۷۶۳: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے چھوٹی مشک یا بڑی مشک کے ساتھ منہ لگا کر پینے سے منع فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح السقاء و القربه! یہ لفظ میں سفیان راوی کو شک ہے۔ عبدالجبار کی روایت میں فی السقاء! کا لفظ ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں من فم القربه! ہے۔ (فتح الباری)

تخریج: اخرجه احمد (١٠/٢٧٥١٨) والحمیدی (٣٥٤) والترمذی (١٨٩٩) وابن ماجه (٣٤٢٣) والطبرانی (٨/٢٥)

الفرائد : یہ نہی کراہت کے لئے تا کہ ایذاء سے مؤمن محفوظ رہے۔

٧٦٤ : وَعَنْ اُمِّ ثَابِتٍ كَبْشَةَ بِنْتِ ثَابِتٍ اُخْتِ حَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَتْ : دَخَلَ عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَشَرِبَ مِنْ فِیْ قِرْبَةٍ مُّعَلَّقَةٍ قَآئِمًا فَقُمْتُ اِلٰی فِیْهَا فَقَطَعْتُهٗ ، رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ :حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ – وَاِنَّمَا قَطَعْتُهَا لِتَحْفَظَ مَوْضِعَ فَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ، وَتَتَبَرَّكَ بِهٖ وَتَصُوْنَهٗ عَنِ الْاِبْتِذَالِ – وَهٰذَا الْحَدِیْثُ مَحْمُوْلٌ عَلٰی بَیَانِ الْجَوَازِ وَالْحَدِیْثَانِ السَّابِقَانِ لِبَیَانِ الْاَفْضَلِ وَالْاَكْمَلِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

۷۶۴: ام ثابت کبشہ بن ثابت ہمشیرہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لٹکی ہوئی مشک سے کھڑے ہو کر پانی پیا۔ پھر میں اٹھی اور مشک کے اس منہ کو کاٹ لیا (تبرک کے طور پر)...... (ترمذی) حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت ام ثابت نے اس کو اس لئے کاٹا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے لگنے والی جگہ محفوظ رہے اور اس سے برکت حاصل کریں اور ہر وقت استعمال سے اس کو محفوظ کرلیں۔ یہ حدیث بین جواز کو ثابت کرتی ہے۔ اور پہلی دونوں حدیثیں افضلیت اور کمال کو بیان کرتی ہیں۔ (واللہ اعلم)

تشریح ام ثابت کبشه! بقول ابن اثیر ان کو کبیشہ بھی کہا جاتا ہے یہ برصاء کے لقب سے معروف ہیں۔ یہ ثابت انصاریہ کی بیٹی ہیں جو حسان بن ثابت کی ہمشیرہ تھیں۔ عنہا! اس لئے کہا تا کہ ثابت کے صحابی ہونے کا وہم ختم ہو جائے۔ ثابت ان کے باپ ہیں۔ ام ثابت سے ایک حدیث مروی ہے۔ جس کو ابن جوزی نے ذکر کیا ہے۔ یہ حسان کی بہن اور عبدالرحمان بن ابی عمرہ کی جدہ ہیں۔ شارح نے اس پر یقین کرتے ہوئے کہا کہ وہی کبیشہ انصاریہ ہیں جو کہ قبیلہ بنی مالک بن نجار سے تھیں۔ فشرب من فی قربة معلقة قائمًا! اس عبارت کو اس لئے لائے تا کہ بتلائیں کہ کھڑے ہونے اور منہ لگا کر

پینے کی ممانعت تحریمی نہیں بلکہ تنزیہ ہے یا وہاں بیٹھ کر پینا ممکن نہ تھا یعنی مجبوراً پیا۔ فقمت الی فیھا فقطعته! میں مشک کے منہ کا قصد کر کے اٹھی اور اس کو کاٹ لیا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک رکھنے کی جگہ کو محفوظ کرلوں تاکہ اس کو اور کسی کے صرف میں نہ لایا جائے اور اس کو بطور برکت بھی رکھ لوں۔

تخریج : اخرجه مالك (۱۷۱۸) واحمد (٤/۱۱٦٥٤) والترمذی (۱۸۹٤) وابن حبان (۵۳۲٦) والحاکم (٤/۷۲۰۸) والدارمی (۲۱۲۱) وابن ابی شیبة (۸/۲۲۰)

الفرائد : ① مشک بلند ہو تو اس سے مُنہ لگا کر پینا جائز ہے۔ کھڑے ہو کر پینا سبیل وغیرہ سے جائز ہے۔ ② یہ پینا اباحت و جواز ثابت کرنے کے لئے ہے۔

۱۱۳ : بَابُ كَرَاهَةِ النَّفْخِ فِي الشَّرَابِ

بَاب : پانی میں پھونک مارنا مکروہ ہے

تاکہ مشروب تھوک کی چھینٹوں سے گندا نہ ہو جائے۔

۷٦٥ : عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهٰی عَنِ النَّفْخِ فِی الشَّرَابِ، فَقَالَ رَجُلٌ : اَلْقَذَاةُ اَرَاهَا فِی الْاِنَاءِ؟ فَقَالَ : "اَهْرِقْهَا" قَالَ اِنِّیْ لَا اَرْوٰی مِنْ نَّفَسٍ وَّاحِدٍ قَالَ : "فَاَبِنِ الْقَدَحَ اِذًا عَنْ فِیْكَ" رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ – وَقَالَ : حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

۷٦٥ : حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پینے والی چیز میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۔ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! اگر میں برتن میں کوئی تنکا دیکھوں تو؟ اس پر آپ نے فرمایا اس کو انڈیل دو۔ اس نے عرض کیا میں ایک سانس سے سیراب نہیں ہوتا تو آپ نے فرمایا پھر پیالے کو اپنے منہ سے (ایک دو سانس کے بعد ہٹا لو)...... (ترمذی)

حدیث حسن صحیح ہے۔

نھی عن النفخ فی الشراب! یہ نہی تنزیہی ہے۔ القذاۃ! آنکھ یا پانی میں پڑنے والی چیز کو کہتے ہیں۔

النحو : القذاۃ! مبتداء اراھا خبر ہے۔ ② اریٰ محذوف فعل کا مفعول ہے اور اراھا اس کی تفسیر ہے۔ اھرقھا! اس کو بہا دو۔ لا اروی عن تنفس! شدت پیاس کی وجہ سے سانس لوں تو سیرابی نہیں ہوتی۔ فابن! پھر دور کر دو۔ القدح اذا عن فیك! اور پھر سانس لو تا کہ سانس سے کوئی چیز برتن میں نہ گر جائے اور اس کو گندا کر دے۔

تخریج : اخرجه الترمذی (۱۸۹۵) و ابو داود (۳۷۲۸) واحمد (۱/۱۹۰۷) والحمیدی (۵۲۵) والدارمی (۲۱۳٤) وابن ابی شیبة (۸) وابن ماجه (۳٤۲۹) و ابو یعلی (۲٤۰۲) والبیهقی (۷/۲۸٤) فی شعب الایمان (۲۰۰٤)

الفرائد: ① پانی میں پھونک مارنا اور سانس لینا منع ہے۔ ② ایک سانس میں پانی پینا جائز ہے۔ ③ تنکے کو بہا دینا مناسب ہے۔

۷٦٦ : وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى اَنْ يُّتَنَفَّسَ فِي الْاِنَاءِ اَوْ يُنْفَخَ فِيْهِ – رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ – وَقَالَ :حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

۷۶۶: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں سانس لینے یا پھونک مارنے سے منع فرمایا۔ (ترمذی)

حدیث حسن صحیح ہے۔

ینتفس! معروف و مجہول پڑھا جا سکتا ہے۔ **فی الاناء او ینفخ فیه**! گندے ہونے کے خطرے سے۔

تخریج : اخرجه احمد (۱/۱۸۳۸) والبخاری (۱٦۳۷) و مسلم (۲۰۲۷) والترمذی (۱۸۸۹) والنسائی (۲۹٦٤) وابن ماجه (۳٤۲۲) وابن حبان (۳۸۳۸) وابو یعلی (۲٤۰٦) والبیهقی (۵/۱٤۷)

الفرائد : ① برتن میں پھونک مارنے اور سانس لینے کی ممانعت ہے تاکہ اس سے ضرر حاصل نہ ہو۔ ② یہ اجتماعی صحت کے قوانین سے ہے کہ برتن میں پھونک مارنے والا ایذا کا شکار ہو جاتا ہے۔

۱۴ : بَابُ بَيَانِ جَوَازِ الشُّرْبِ قَائِمًا وَبَيَانِ اَنَّ الْاَكْمَلَ وَالْاَفْضَلَ الشُّرْبُ قَاعِدًا

باب : کھڑے ہو کر پینا جائز ہے مگر بیٹھ کر پینا افضل ہے

فِيْهِ حَدِيْثُ كَبْشَةَ السَّابِقُ

اس میں ایک روایت نمبر ۷۶۴ کبشہ والی گزری۔

جواز الشرب! یعنی حرام نہیں کراہیت کا حامل ہے۔ افضل بیٹھ کر پینا جبکہ موقعہ ہو۔

۷٦۷ : وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَقَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ مِنْ زَمْزَمَ فَشَرِبَ وَهُوَ قَائِمٌ – مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۷۶۷: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زمزم پلایا تو آپؐ نے کھڑے ہونے کی حالت میں پیا۔ (بخاری و مسلم)

زمزم! زمزم کا پانی ① زمزم نام ہے مضاف محذوف ہے۔ ② خود پانی کا نام زمزم ہے۔ **وهو قائم**! یہ جواز کو بیان کرنے کے لئے۔ ③ بیٹھنا مشکل تھا۔ وضاحت کے لئے (**در القلائد فیما یتعلق من الفوائد لصدیقی**)! کو ملاحظہ کریں۔

تخریج : اخرجه البخاری (۵٦۱۹) واحمد (۱/۵۸۳) والترمذی (۲۱۰) وابو داود (۳۷۱۸) وابن حبان

(۱۰۵۷) والبیهقی (۱/۷۵) والنسائی (۱۳۰)

الفرائد :ضرورت کے وقت کھڑے ہو کر پینا درست ہے۔

۷۶۸ : وَعَنِ النَّزَّالِ بْنِ سَبْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : اَتٰى عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بَابَ الرَّحَبَةِ فَشَرِبَ قَائِمًا وَّقَالَ :اِنِّيْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَعَلَ كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ فَعَلْتُ، رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۷۶۸: حضرت نزال بن سبرہ سے روایت ہے کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باب رحبہ پر پانی کے پاس آئے اور کھڑے ہو کر پانی پیا پھر فرمایا: بعض لوگ کھڑے ہو کر پانی پینے کو ناپسند کرتے ہیں بے شک میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کرتے دیکھا جیسے تم نے دیکھا۔ (بخاری)

نزال بن سبرہ! ہلالی کوفی رحمۃ اللہ کبار تابعین سے ہیں۔ بعض نے کہا یہ صحابی ہیں۔ بخاری میں نزال کی صرف یہی روایت ہے۔ الرحبہ! رحبہ المسجد سے لیا گیا وسعت کے معنی میں ہے۔ صحن' آنگن وغیرہ اس سے رحبۃ کوفہ مراد ہے۔ ابن حجر نے اس کو صحیح کہا ہے۔ فشرب قائمًا! اپنے چہرہ' سر اور دونوں پاؤں دھونے کے بعد۔ رایت! آنکھوں سے دیکھنا مراد ہے۔ کما رایتمونی فعلت! سے بقول حافظ کھڑے ہو کر پینا مراد ہے اور علی رضی اللہ عنہ یہ قول اس کا ثبوت ہے۔ ان اشرب قائمًا فقد رایت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یشرب قائمًا۔ وان اشرب قاعداً فقد رایتہ یشرب قاعداً۔

تخریج : اخرجه البخاری (۵۶۱۹)

الفرائد :① عالم کا فرض ہے کہ جب لوگ کسی جائز سے گریز کر رہے ہوں وہ اس کی وضاحت کرے۔② جب کسی جائز کے حرام جاننے کا خطرہ ہو تو فوراً امام کو مطلع کرے تاکہ اس کو واضح کر دیا جائے۔

۷۶۹ : وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنَّا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ نَاْكُلُ وَنَحْنُ نَمْشِيْ وَنَشْرَبُ وَنَحْنُ قِيَامٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ :حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

۷۶۹: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چلتے چلتے کھا لیتے اور کھڑے کھڑے پانی پی لیتے۔ (ترمذی)

حدیث حسن صحیح ہے۔

عهد! زمانہ۔

النحو :نمشی! یہ ناکل کے فاعل سے حال ہے۔ یہ عدم حرمت پر محمول ہے۔ ممانعت والی روایات تنزیہ پر محمول کی جائیں گی۔ قیام! یہ قائم کی جمع ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فاذکروا اللّٰہ قیاماً وقعوداً﴾! شرب واکل اور ذکر میں یہ حالت شاذ حالت پر محمول ہے۔ اکثر کھانے پینے کا فعل بیٹھ کر ثابت ہے۔

تخریج : اخرجه احمد (۲/۵۸۷۹) والترمذی (۱۸۸۷) وابن ماجه (۱۳۰۱) وابن حبان (۵۳۲۲) وابن ابی

شیبة (٨) والدارمی (١٢٠/٢)

الفرائد :① اگر خاص ضرورت پیش آجائے تو چلتے ہوئے کھانا اور کھڑے ہوکر کھانا درست ہے (یہ ضرورت قانون نہیں جیسا آج کل لوگ شادیوں میں قصداً بلا ضرورت کرتے ہیں)۔

٧٧٠ : وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَشْرَبُ قَائِمًا وَّقَاعِدًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ : حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

٧٧٠: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کھڑے اور بیٹھے دونوں طرح پانی پیتے دیکھا۔ (ترمذی)

حدیث حسن صحیح ہے۔

عمرو بن شعیب! یہ شعیب محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص ہیں۔ **عن ابیه عن جده!** کا مطلب اپنے والد کے جد یعنی عمرو بن العاص (مگر شعیب کے دادا مراد ہوں تو عبداللہ مراد ہیں وہ بھی صحابی ہیں فتدبر) **یشرب قائمًا!** جمہور کے ہاں یہ بیان جواز کے لئے ہے۔ ② بیٹھنے کا موقعہ نہ تھا۔ **قاعدًا!** یہ اکثر و اکمل و افضل ہے۔

تخریج : اخرجه الترمذی (١٨٩٠) وابن ماجه (٣٣٠١)

الفرائد :① کھڑے اور بیٹھے پینا جائز ہے۔ یہ فعل ثبوتِ جواز کے لئے ہے۔ اصل قاعدہ بیٹھ کر کھانا اور پینا ہے۔

٧٧١ : وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ نَهٰى اَنْ يَّشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا – قَالَ قَتَادَةُ : فَقُلْنَا لِاَنَسٍ : فَالْاَكْلُ ؟ قَالَ : ذٰلِكَ اَشَرُّ – اَوْ اَخْبَثُ – رَوَاهُ مُسْلِمٌ – وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ زَجَرَ عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا۔

٧٧١: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے منع فرمایا کہ کوئی آدمی کھڑے ہوکر پانی پئے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت انس سے پوچھا پھر کھانے کا کیا حکم؟ تو انہوں نے فرمایا یہ اس سے بھی زیادہ برا اور بدتر عمل ہے۔ (مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہوکر پانی پینے پر ڈانٹ پلائی۔

تشریح ❁ **نهی ان یشرب قائمًا!** یہ فعل سے پہلے کی بات ہے تابعی قتادہؒ کہتے ہیں ہم نے انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کھانے کا حکم کیا ہے تو انہوں نے فرمایا وہ بہت برا ہے۔ **اشر!** یہ لفظ اکثر خیر کی طرح بغیر الف استعمال ہوتا ہے مگر اہل عرب کے ہاں استعمال میں درست ہے بقول حافظ اس کو اشر کہنے کی وجہ اس کے وقت کا طویل ہونا ہے۔ (فتح الباری)

مسلم کی ایک روایت میں **زجر عن الشرب قائمًا!** کا لفظ ہے۔ ① نہی سے تنزیہ مراد لی جائے گی ② ممانعت عمومی حکم ہے۔ پینا نادر پر محمول ہے۔

تخریج : اخرجه احمد (٤/١٢٦٨٦) و مسلم (٢٠٢٤) والترمذی (١٨٨٦) وابو داود (٣٧١٧) وابن ماجه (٣٤٢٤) والدارمی (٢/١٢٠) وابن حبان (٥٣٢١) والبیهقی (٧/٢٨١)

الفرائد :① کھڑے ہو کر بلاضرورت کھانا پینا مکروہ ہے۔

٧٧٢ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ :"لَا یَشْرَبَنَّ اَحَدٌ مِّنْکُمْ قَائِمًا' فَمَنْ نَسِیَ فَلْیَسْتَقِئْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۷۷۲ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی تم میں سے کھڑے ہو کر ہرگز پانی نہ پئے جو بھول جائے وہ قے کرڈالے۔(مسلم)

تشریح ۞ **لا یشربن احد منکم قائماً فمن نسی** !جس نے بھول کر پی لیا۔عراقی کہتے ہیں اس نسی کی قید کا فائدہ نہیں۔جان بوجھ کر کھڑے ہو کر پینے والے کا بھی یہی حکم ہے (مگر ممانعت میں شدت کے اظہار کے لئے نسیان کی قید فائدہ سے خالی نہیں کہ جب نسیان میں قے کا حکم ہے تو جان بوجھ کر کرنے میں بدرجہ اولیٰ ہے۔واللہ اعلم۔مترجم) **فلیستقی** !وہ قے کردے۔

فوائد:① قید مومن کسی حکم کی خلاف ورزی جان بوجھ کر نہیں کرسکتا۔ابن حجر کہتے ہیں نسیان بمعنی ترک ہے پس عمل کو بھی شامل ہے نووی کا انداز بھی یہی ہے۔ابن رسلان کے ہاں بہتر یہ ہے کہ نہی تنزیہی مراد ہو اور کھڑے ہو کر پینا بیان جواز کے لئے ہو۔ جنہوں نے نسخ کا قول کیا ہے تو وہ اس وقت ہوتا ہے جب جمع ناممکن ہو یا تاریخ کا یقینی تعین ہو۔پس آپ کے لئے تو اس میں کراہیت بھی نہ ہوگی کیونکہ بعض افعال آپ بیان جواز کے لئے ایک دو مرتبہ کرتے اور ان میں افضل پر مواظبت کرتے اور استقاء کو استحباب پر محمول کریں گے کیونکہ امر کا کم درجہ استحباب ہے۔بقول عیاضؒ کھڑے ہو کر پینے والے کو قے کا حکم تمام اہل علم کے ہاں نہیں۔مگر ان کی یہ بات مناسب نہیں روایت صحیح ثابت ہے بقول حافظ' عیاضؒ نے قتادہ کی تدلیس کی وجہ سے روایت کی تضعیف کی طرف اشارہ کیا ہے مگر یہ اس روایت کے سلسلے میں درست نہیں یہاں توقلنا لانس فالاکل !کے الفاظ تدلیس کی نفی کر رہے ہیں ان کا براہِ راست سماع ثابت ہے۔واللہ اعلم (فتح الباری)

تخریج : اخرجه مسلم (٢٠٢٦)

الفرائد :اس میں بیٹھ کر کھانے پینے پر آمادہ کیا گیا ہے۔

۱۱۵ :بَابُ اسْتِحْبَابِ کَوْنِ سَاقِی الْقَوْمِ آخِرَهُمْ شُرْبًا

بَابٌ : پلانے والا سب سے آخر میں پیئے

ساقی القوم !پلائی جانے والی چیز کو حذف کر کے اشارہ کر دیا کہ تمام مشروبات اس میں شامل ہیں۔

اَللُّغَاتُ :اخرھم شربا! کون سابق سے مل کرابتداء آخرہم خبر'شربا تمیز۔

۷۷۳ : عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ : "سَاقِی الْقَوْمِ اٰخِرُهُمْ" یَعْنِی شُرْبًا' رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ :حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

۷۷۳:حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قوم کا ساقی پینے میں سب سے آخر میں پیتا ہے۔(ترمذی)

حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح ۞ آخرھم شربا!اس روایت میں ابن ماجہ سے دوسری روایت کے ضمن میں اور ترمذی نے انہی الفاظ سے نقل کیا ہے۔جامع صغیر میں بھی مذکور ہے۔نووی کہتے ہیں دودھ' پانی وغیرہ کے پلانے میں ادب یہ ہے یا گوشت فروٹ' کھانا تقسیم کرنے والے آخر میں کھائیں۔ابن رسلان کہتا ہے اس میں اشارہ ہے کہ متولی امور کو لوگوں کو مصلحت کا لحاظ کرنا چاہئے۔ کھانا کھلانے اور پانی پلانے کا بھی یہی حکم ہے۔ابتداء بزرگ سے کی جائے۔پھر اس کے قریب اور پھر باقی لوگ۔

تخریج : اخرجه احمد (٤٠ ٢٢٦ / ٨) و مسلم (٦٨١) والترمذی (١٩٠١) و ابو داود (٣٧٢٥) والنسائی (٤/٦٨٦٧) وابن حبان (٥٣٣٨) وابن ماجه (٣٤٣٤) وابن ابی شیبة (٨/ ٢٣١)

الفرائد :① اسلام کے آداب میں سے ہے کہ میزبان اور ساقی آخر میں کھائے پئے اس لئے کہ وہ خادم کے قائم مقام ہے۔② مہمانوں کی خدمت درست انداز سے ہو سکے اور اس کو یقین ہو جائے کہ وہ واقع سیر ہو گئے ہیں۔

۞ ۞ ۞

۱۱۶ :بَابُ جَوَازِ الشُّرْبِ مِنْ جَمِیْعِ الْاَوَانِی الطَّاهِرَةِ غَیْرَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَجَوَازِ الْكَرْعِ – وَهُوَ الشُّرْبُ بِالْفَمِ مِنَ النَّهْرِ وَغَیْرِهٖ – بِغَیْرِ اِنَاءٍ وَّلَا یَدٍ وَّتَحْرِیْمِ اسْتِعْمَالِ اِنَاءِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ فِی الشُّرْبِ وَالْاَكْلِ وَالطَّهَارَةِ وَسَائِرِ وُجُوْهِ الْاِسْتِعْمَالِ

بَابٌ : تمام پاک برتنوں سے سوائے سونا چاندی کے پینا جائز ہے اور نہر وغیرہ سے بغیر برتن کے منہ لگا کر پینے کا جواز اور چاندی اور سونے کے برتن کھانے پینے اور طہارت میں استعمال کرنا بھی حرام ہے

جمیع الاوانی الطاهرة!تمام نفیس برتنوں سے پانی وغیرہ پینا درست ہے۔خواہ وہ یاقوت کی طرح قیمتی ہوں۔تعیش کے لئے

ان کا استعمال ناپسند ہے۔ مثلاً یاقوت' الماس' لکڑی کے برتن۔ غیر الذهب و الفضه! ان کا استعمال حرام ہے۔ وجواز الکرع! نہر یا ندی' دریا یا کنوئیں سے منہ کے ذریعہ پانی پینا' سونے چاندی کے برتن بلاضرورت ان کا استعمال حرام ہے اس طرح ان کے ملمع برتن بھی نادرست ہیں' سونے چاندی کا شبکہ بھی ممنوع الاستعمال ہے۔

۷۷٤ : عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَقَامَ مَنْ كَانَ قَرِيْبَ الدَّارِ اِلٰى اَهْلِهٖ وَبَقِيَ قَوْمٌ فَاُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِمِخْضَبٍ مِّنْ حِجَارَةٍ ' فَصَغُرَ الْمِخْضَبُ اَنْ يَّبْسُطَ فِيْهِ كَفَّهٗ فَتَوَضَّاَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ – قَالُوْا : كَمْ كُنْتُمْ؟ قَالَ :ثَمَانِيْنَ وَزِيَادَةً – مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ– هٰذِهٖ رِوَايَةُ الْبُخَارِيِّ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ وَلِمُسْلِمٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَعَا بِاِنَاءٍ مِّنْ مَّاءٍ ' فَاُتِيَ بِقَدَحٍ رَحْرَاحٍ فِيْهِ شَيْءٌ مِّنْ مَّاءٍ ' فَوَضَعَ اَصَابِعَهٗ فِيْهِ –قَالَ اَنَسٌ : فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَى الْمَآءِ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ اَصَابِعِهٖ' فَحَزَرْتُ مَنْ تَوَضَّاَ مَا بَيْنَ السَّبْعِيْنَ اِلَى الثَّمَانِيْنَ۔

۷۷۴: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نماز کا وقت ہو گیا قریب گھر والے تو اپنے گھروں میں چلے گئے اور کچھ لوگ باقی رہ گئے۔ پس رسول اللہ ﷺ کے پاس پتھر کا ایک برتن لایا گیا جس میں ہتھیلی بھی نہیں پھیل سکتی تھی مگر سب لوگوں نے وضو کیا۔ لوگوں نے پوچھا تمہاری تعداد کتنی تھی؟ حضرت انس کہتے ہیں کہ اسّی (۸۰) یا اس سے زیادہ یہ بخاری و مسلم کی روایت میں ہے۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں اور دوسری تعلیم بخاری و مسلم کی روایت میں ہے نبی اکرم ﷺ نے پانی کا ایک برتن منگوایا۔ آپؐ کے پاس ایک ایسا پیالہ لایا گیا جس کا منہ کھلا ہوا تھا اور اس میں تھوڑا سا پانی تھا آپؐ نے اس میں اپنی انگلیاں مبارک رکھ دیں۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ میں پانی کی طرف دیکھ رہا تھا کہ وہ حضور ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹ رہا ہے پس میں نے وضو کرنے والوں کو شمار کیا تو وہ ستر اور اسّی کے درمیان تھے۔

تشریح ۞ حضرت الصلاة! نماز کا وقت ہو گیا۔ بقی قوم! دور گھروں والے آپ ﷺ کے پاس رہ گئے۔ ② ہر وقت بیٹھنے والے رہ گئے۔ فاتی النبی صلی الله علیه وسلم بمخضب! اُتی مجہول ہے۔ مخضب! برتن جو پتھر کا بنا ہوا تھا۔ ان یبسط فیه کفه! انگلیوں کو جمع کر کے۔ ② بعض انگلیوں کو پھیلا کر۔ فتوضا القوم کلهم! اس پانی سے جو معجزاتی طور پر آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے بہنے لگا۔ مجلس کے باقی لوگوں نے وضو کیا یا تمام لوگوں نے وضو کیا جیسا کہ کلهم! کا لفظ اشارہ کر رہا ہے۔ انہوں نے گھروں سے واپس آ کر دوبارہ وضو نور علیٰ النور حاصل کرنے اور تبرک بالمعجزہ کے لئے کیا اور کے اس ارشاد کو سامنے رکھ کر انه حدیث عهد بربه! کہ یہ تکوین الٰہی کا تازہ نمونہ ہے اور ممکن ہے انہوں نے تحیۃ الوضو پڑھ کر وضو کیا۔ اس صورت میں وضو مستحب ہے۔ شوافع رحمہم اللہ کے نزدیک تجدید طہارت کی نیت سے وضو درست ہے ورنہ نہیں۔ احناف کے ہاں وضو پر وضو نور علیٰ نور ہے۔ قالو! یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کا قول ہے کہ انہوں نے بات سن کر عرض کیا کہ آپ ﷺ کی اولاد کتنی تھی۔ تو انہوں نے کہا اسّی یا اس سے زائد۔

روایت کا فرق: مسلم میں اس طرح ہے۔ نووی نے خود نقل کیا۔ دعا! حکم فرمایا۔

النحو: فاتی! یہ صیغہ مجہول ہے۔ رحراح! جو برتن کھلا ہو مگر گہرا کم ہو۔ شئی! معلوم ہوتا ہے پانی بہت معمولی مقدار میں تھا۔ فوضع اصابعه فیه! پانی میں رکھیں تا کہ سر الٰہی مخفی رہے ورنہ قدرت الٰہی بغیر پانی کے بھی پانی پیدا کر سکتی ہے۔
ینبع! یہ جملہ محل حال میں واقع ہے۔ من بین اصابعه! یہ حال ہونے کی صورت میں ظرف مستقر ہے۔ فحزرت! اندازہ کرنا۔ ما بین السبعین! یہ پہلی روایت کے خلاف نہیں کیونکہ مخصوص گنتی مراد نہیں۔ ایک اندازہ ہے واللہ اعلم۔

تخریج : اخرجه البخاری (۱۶۹) و مسلم (۲۲۷۹) والترمذی (۳۶۳۱) والنسائی (۷۶)

الفرائد : ① بڑے پیالے یا ٹب سے وضو درست ہے۔ ② جس کے پاس زائد پانی ہو اس سے کسی کی ہمدردی کر دینی چاہئے۔ ③ قلیل پانی سے چلو بھرنے سے پانی مستعمل نہیں ہو جاتا۔ ④ برتن میں داہنا ہاتھ داخل کرنے سے پہلے اسے دھو لینا چاہئے۔

۷۷۵ : وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : اَتَانَا النَّبِيُّ ﷺ فَاَخْرَجْنَا لَهُ مَآءً فِيْ تَوْرٍ مِّنْ صُفْرٍ فَتَوَضَّاَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

"الصُّفْرُ" بِضَمِّ الصَّادِ ، وَيَجُوْزُ كَسْرُهَا ، وَهُوَ النُّحَاسُ "وَالتَّوْرُ" كَالْقَدَحِ ، وَهُوَ بِالتَّآءِ وَالْمُثَنَّاةِ مِنْ فَوْقُ۔

۷۷۵: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے تانبے کے ایک پیالے میں پانی پیش کیا تو آپؐ نے اس سے وضو فرمایا۔ (بخاری)

الصُّفْرُ : تانبا۔

التَّوْرُ : پیالے جیسا برتن۔

عبداللہ بن زید! ان کے حالات پہلے گزرے۔ تور من صفر فتوضاء! معلوم ہوتا ہے اس کے استعمال سے کوئی چیز مانع نہ تھی۔ صفر! یہ ص کے ضمہ وکسرہ سے آتا ہے اور تانبے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (المصباح) النور! پیالے جیسا برتن۔

تخریج : اخرجه البخاری (۱۹۷)

الفرائد : ① تانبے کے برتن استعمال کرنا جائز ہے۔ ② ان برتنوں سے وضو بھی درست ہے۔

۷۷۶ : وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ دَخَلَ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَمَعَهٗ صَاحِبٌ لَّهٗ – فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "اِنْ كَانَ عِنْدَكَ مَآءٌ بَاتَ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ فِيْ شَنَّةٍ وَّاِلَّا كَرَعْنَا" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

"الشَّنُّ" : الْقِرْبَةُ۔

۷۷۶: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک انصاری آدمی کے پاس تشریف لائے

اور آپؐ کے ساتھ ایک اور ساتھی بھی تھا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تمہارے پاس رات کا باسی پانی مشکیزے میں ہو تو وہ ہمیں دو۔ ورنہ ہم منہ لگا کر پانی پی لیں گے۔ (بخاری)

الشَّنُّ: مشک۔

تشریح ۞ رجل من الانصار! تحفۃ القاری میں ان کا نام ابوالہیثم بن تیہان انصاری رضی اللہ عنہما لکھا ہے۔ معه صاحب له! تحفہ میں لکھا ہے یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ ماء فی شنة! معلوم ہوتا ہے کہ یہ گرمی کا موسم تھا۔ رات کا پانی طلب کرنے کی حکمت اس کا ٹھنڈا اور ستھرا ہونا ہے۔ الشين! مشک۔ اس کا جواب فاسقنا! محذوف ہے۔ خود سمجھ آ رہا ہے ذکر کی ضرورت نہ تھی۔ پرانی مشک' تو ہمیں پلاؤ۔ والا کرعنا! اگر وہ نہیں پایا جاتا۔ یہ ان شرطیہ اور لا ہے۔ الّا نہیں ہے۔ جو استثناء کے لئے آتا ہے۔ کرع کا معنی منہ سے بغیر برتن پینا۔ یہ بیان جواز کے لئے اس کے متعلق نہی تنزیہ کے لئے ہے۔ الشن! کا معنی پرانی مشک سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں پانی زیادہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔

تخریج: اخرجه احمد (۱۴۰۲۶/۵) والبخاری (۵۶۱۳) و ابو داود (۳۷۲۴) وابن ماجه (۳۴۳۲) والدارمی (۱۲۰/۲) وابن حبان (۵۳۱۴) وابن ابی شیبة (۸) والبیهقی (۲۸۴/۷)

الفوائد: ① پینے کے لئے پانی کا طلب کرنا جائز ہے۔ ② منہ لگا کر بھی بڑے برتن سے پانی پیا جا سکتا ہے جبکہ برتن نہ ہو۔

۷۷۷ : وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَانَا عَنِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ وَالشُّرْبِ فِيْ اٰنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَقَالَ: "هِيَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا، وَهِيَ لَكُمْ فِي الْاٰخِرَةِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۷۷۷: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں موٹے اور باریک ریشم' سونے اور چاندی کے برتن میں پانی پینے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا یہ کافروں کے لئے دنیا میں ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں۔ (بخاری و مسلم)

نهانا عن الحرير! بالغ مرد مراد ہیں۔ ان کے پہننے کی ممانعت ہے۔ تجارت کی ممانعت نہیں عورتوں کے لئے اجازت ہے۔ دیباج اس کی جمع دیابیج ہے۔ بعض نے اصل دباج۔ مضعف کو یا سے بدل دیا۔ اسی وجہ سے جمع دبابیج آتی ہے (المصباح) **والشرب فى اناء الذهب والفضة**! کھانے پینے کے علاوہ بقیہ استعمالات کا بھی یہی حکم سواء تداوی وغیرہ کے وہ مستثنیٰ ہے۔ پس سرمہ دانی اور خلال بنانا بھی درست نہ ہوگا۔ من! تینوں چیزوں کی طرف ضمیر راجع ہے۔ یہ ضمیر دس سے کم کے لئے بھی آتی ہے جیسا اس ارشاد میں ﴿اربعة حرم فلا تظلموا فيهن انفسكم﴾ لهم! اس سے مراد کفار ہیں۔ شوافع کے ہاں کفار بھی احکام فرعیہ کے مخاطب ہیں البتہ وہ نیکی نہ ہونے کی وجہ سے اس پر قائم نہیں تو گویا ان کے لئے مباح ہیں۔ دیگر علماء کے ہاں وہ مخاطب تو نہیں مگر بطور استدراج ان کو استعمال کی رخصت ہے واللہ اعلم۔ هي! یہ مفرد کی ضمیر تفنن تعبیر کے لئے لائے۔ (جنس استعمال چیز کی طرف راجع ہے) لكم فى الآخرة! کافر ذلت والے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ اس میں تقویٰ کا بہترین ثمرہ اور معصیت کا برا انجام بتلایا گیا۔

تخریج: اخرجه احمد (۹/۳۴۲۴) والدارمی (۱۲۱/۲) والبخاری (۵۴۲۶) و مسلم (۲۰۶۷) وابو داود

(۳۷۲۳) والترمذی (۱۸۷۸) وابن حبان (۵۳۳۹) وعبد الرزاق (۱۹۹۲۸)

الفرائد: ① موٹے اور باریک ریشم کا استعمال مردوں کے لئے ناجائز ہے۔ ② اسی طرح سونے چاندی کے برتن مردوں عورتوں ہر دو کے لئے ناجائز ہیں' یہ اہل کفر کی عادات میں سے ہے۔

۷۷۸ : وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : "اَلَّذِیْ يَشْرَبُ فِیْ اٰنِيَةِ الْفِضَّةِ اِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِیْ بَطْنِهٖ نَارَ جَهَنَّمَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ – وَفِیْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ : اِنَّ الَّذِیْ يَاْكُلُ اَوْ يَشْرَبُ فِیْ آنِيَةِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ" وَفِیْ رِوَايَةٍ لَّهٗ : "مَنْ شَرِبَ فِیْ اِنَآءٍ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ فِضَّةٍ فَاِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِیْ بَطْنِهٖ نَارًا مِّنْ جَهَنَّمَ۔

۷۷۸: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چاندی کے برتن میں پانی پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

مسلم کی روایت میں یہ لفظ ہیں جو سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھاتا اور پیتا ہے۔

اور مسلم کی دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جس نے سونے اور چاندی کے برتن سے پیا۔ پس بے شک وہ اپنے پیٹ میں جہنم سے آگ بھر رہا ہے۔

انیہ! برتن۔

اَللُّغَۃ: یجر یجر فی بطنہ نار جھنم! نار یہ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے۔ یجرجر! ڈالنا۔ یہ اس ارشاد کی مثل ہے: "انما یاکلون فی بطونھم نارا"! باب کی آخری روایت نارا فی جھنم! اس کی مؤید ہے۔ ② یہ فعل کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ فعل کو مذکر لائے یہ تانیث معنوی ہے۔

روایت کا فرق: یاکل و یشرب! ان واؤ اپنے معنی میں ہو یا اَوْ کے معنی میں ہو۔ کھانے وغیرہ کا تذکرہ صرف ابن مسہر کی روایت میں ہے۔ روایۃ لہ! سے مسلم کی ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی روایت مراد ہے۔ حرمت میں دیگر اشیاء محرمات کا حکم انہی کی طرح ہے۔ اس سلسلہ میں ابن حجر ہیثمی نے زواجر میں روایات کا معاملہ ذکر کیا اور ان کو کبائر میں شمار کیا' باقی الضرورت تبیح المحظورات تو پیش نظر رہے گا۔ واللہ اعلم۔

تخریج: اخرجه مالك فی موطه (۱۷۱۷) واحمد (۲٦٦۳۰) والبخاری (٥٦۳٤) و مسلم (۲۰٦٥) والطیالسی (۱٦۰۱) والدارمی (۱۲۱/۲) وابن ماجه (٤۳۱۳) والطبرانی (۲۳) وابن حبان (٥۳٤۱) والبیهقی (۲۷/۱)

الفرائد: ① سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال سے خبردار کیا گیا ہے۔ ② ان کے استعمال سے آگ میں اس کا پیٹ آواز نکالے گا۔

۱۱۷ : بَابُ اِسْتِحْبَابِ الثَّوْبِ الْاَبْيَضِ وَجَوَازُ الْاَحْمَرِ وَالْاَخْضَرِ وَالْاَصْفَرِ

وَالْاَسْوَدِ وَجَوَازِهٖ مِنْ قُطْنٍ وَّكَتَّانٍ وَّشَعْرٍ وَّصُوْفٍ وَّغَيْرِهَا اِلَّا الْحَرِيْرَ

بَابٌ: سفید کپڑا مستحب ہے البتہ سرخ' سبز' زرد' سیاہ رنگ کے کپڑے جو کپاس' السی' بالوں اور اون وغیرہ کے ہوں جائز ہیں سوائے ریشم

اللباس! جس کو پہنا جائے۔لباس الکعبة والھودج! یعنی غلاف۔لباس یہ کتاب کی طرح جمع لبس! مثل کتب آتا ہے۔ اس میں حلت وحرمت کی روایات آئیں گی۔ الثواب الابیض! عید اور دیگر اجتماع کے مقامات میں سفید لباس اعلیٰ ہے۔ دیگر بھی پہن سکتے ہیں۔ جواز سے مراد اباحت ہے کہ ان کو پہنا جا سکتا ہے ان تمام رنگوں کا کپڑا درست ہے۔ مجن قطن! ہر ایک جواز میں برابر ہے۔ البتہ ریشم حرام ہے۔ خالص ریشم یا جس میں ریشم کا غلبہ ہو۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى:

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾

[الاعراف:٢٦]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اے اولاد آدم! ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہارے ستر کو چھپاتا اور زینت کا باعث ہے۔ اور تقویٰ کا لباس بہت زیادہ بہتر ہے''۔ (اعراف)

انزلنا علیکم! یعنی تمہارے لئے پیدا فرمایا۔ یواری! جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا ہے۔ سوءة! کو سوءہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا کھلنا برا لگتا ہے (جب تک کہ اس میں ضمیر اور انسانیت باقی ہو) وریشا! اور وہ اشیاء جو زینت کا باعث ہیں کیونکہ ان کی تخلیق کا حکم بندوں کے لئے امتیازی لباس کی طرح ہے۔

وَقَالَ تَعَالٰى:

﴿وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ﴾ [النحل:٨١]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اور اس نے تمہارے لئے کچھ قمیص ایسے بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں کچھ قمیص ایسے بنائے جو تمہیں لڑائی سے بچاتے ہیں۔

سرابیل! قمیص۔ تقیکم الحر! یعنی گرمی اور سردی ایک کو ذکر کرنے سے اس کا متضاد خود سمجھ میں آ گیا۔ باسکم! تمہاری لڑائی سے حفاظت کرتے ہیں۔ مراد نیزے' ضرب' کے لئے زرہیں خود وغیرہ۔

٧٧٩ : وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: "اِلْبَسُوْا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ فَاِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ ، وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ : حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

٧٧٩ : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سفید کپڑے

پہنا کرو وہ تمہارے بہترین کپڑوں میں سے ہیں اور اس میں اپنے مُردوں کو دفن کر دیا کرو۔ (ابوداؤد' ترمذی)
یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح ❁ **ثیابکم البیاض!** مبالغہ کے لئے بیض کی بجائے خود سفیدی کو استعمال کیا کہ گویا سفیدی اس کا لباس ہے۔ **یر ثیابکم!** یہ لوگوں سے تکلیف کے ازالہ کے لئے جو سفید کپڑا نہیں پاتے اور یہ بھی اشارہ کر دیا کہ اس میں ستر عورت اور سر اجت ہے اور بہتری کی تفسیر اس طرح وارد ہے۔ "**فانها اطیب اظهر**"! کہ یہ خوب پاکیزہ اور زیادہ ظاہر کرنے والے ں۔ **وکفنوا فیها موتاکم!** یہ ماقبل امر کی علت ہے اور جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔

تخریج : اخرجه احمد (١/٢٢١٩) و عبدالرزاق (٦٢٠٠) وابو داود (٣٨٧٨) والترمذی (٩٩٤) وابن ماجه ١٤٧٢) وابن حبان (٥٤٢٣) والبیهقی (٣/٢٤٥)

فوائد : ① سفید کپڑے دوسروں سے افضل ہیں۔ ② میت کو سفید کپڑوں میں کفن دینا مستحب ہے۔

٧٨٠ : وَعَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "اِلْبَسُوْا الْبَيَاضَ فَاِنَّهَا اَطْهَرُ وَاَطْيَبُ ، وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ" رَوَاهُ النِّسَآئِيُّ ، وَالْحَاكِمُ وَقَالَ : حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔

٧٨٠: حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم سفید کپڑے پہنا کرو۔ اس لئے کہ وہ پاکیزہ اور عمدہ ہے اور اس میں اپنے مُردوں کو کفن دیا کرو۔ (نسائی' حاکم)
یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح ❁ **سمرہ بن جندب!** رضی اللہ عنہ کے حالات گزر چکے باب توقیر العلماء میں ملاحظہ کریں۔ **ابسوا البیاض!** یعنی سفیدی والے۔ ضمیر بیاض سے موصوف کپڑوں کی طرف لوٹائی۔ ابسوا کی دلالت پر اکتفاء کرتے ہوئے تخصیص صفت کی حاجت نہیں۔ **فانها اطهر!** کیونکہ صفائی کی وجہ سے میل کچیل کی قلیل مقدار بھی ان پر ظاہر ہو جاتی ہے۔ جیسا شاعر نے کہا **ان البیاض قلیل الحمل ملانس۔ والطیب!** رنگا رنگ کے کپڑوں میں جو تکبر و بڑائی ہوتی ہے یہ اس سے بچا ہوتا ہے۔

تخریج : اخرجه احمد (٧/٢٠٢٢١) والترمذی (٢٨١٩) والنسائی (١٨٩٥) وابن ماجه (٣٥٦٧) والحاکم (١/١٣٠٩)

الفوائد : ① سفید کپڑے پہننے پر آمادہ کیا گیا ہے۔ ② سفید کپڑے کفن کی یاد کو تازہ کرتے ہیں۔

٧٨١ : وَعَنِ الْبَرَآءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَرْبُوْعًا ، وَلَقَدْ رَاَيْتُهُ فِيْ حُلَّةٍ حَمْرَآءَ مَا رَاَيْتُ شَيْئًا قَطُّ اَحْسَنَ مِنْهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

٧٨١: حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قد مبارک میانہ تھا۔ میں نے

آپ ﷺ کو سرخ رنگ کے جوڑے میں دیکھا میں نے آپؐ سے زیادہ حسین کسی کو کبھی نہ دیکھا۔ (بخاری و مسلم)

براء بن عازب! رضی اللہ عنہ ان کے حالات پہلے گزرے۔

تشریح ❁ مربوعًا! آپ ﷺ کا قد مبارک نہ بہت لانبا اور نہ بالکل چھوٹا بلکہ ان کے درمیان طوالت کے قریب تر تھا۔ وقد رایتہ! یہ جملہ حالیہ ہے۔ ② کان کے مدخول پر معطوف ہے۔ فی حلة! جس کپڑے کے اندرون و بیرون ایک ہی کپڑے کا ہو۔ نووی فرماتے ہیں اہل لغت کہتے ہیں حلہ چادر اور ازار کو کہا جاتا ہے۔ ابوعبیدہ کا یہی قول ہے۔ حمراء! کو واحد استعمال کی وجہ حلہ کے لفظ کا لحاظ ہے۔ ② یا ایک ہی کپڑے کی طرح ہے۔ کیونکہ بدن ڈھانپنے میں دونوں کی یکساں حاجت پڑتی ہے۔ ③ ایک جنس کی وجہ مفرد لائے۔ ابن حجر کہتے ہیں دھاری دار کپڑے کو کہا جاتا ہے۔ ہیثمی کہتے ہیں یہ روایت اپنے ظاہر پر ہے امام شافعی کے ہاں اسی لئے گہرا کپڑا پہننا بھی جائز ہے۔ احناف کے ہاں اس سے مراد سرخ دھاری دار ہے اور یہ آپ ﷺ کی خصوصیات سے ہے۔ ما رایت! یہاں علمت کے معنی میں ہے۔ احسن منه! مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے محاسن میں تمام مخلوق سے منفرد تھے۔ تعبیر میں بالفرض کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ مفہوم یہ ہے نہ تو مجھے معلوم ہے اور نہ کسی اور کو۔

تخریج : بخاری باب اللباس، مسلم فی فضائل النبی صلی الله علیه وسلم، ابو داوٗد، ترمذی، نسائی۔

الفرائد : ① سرخ کپڑا زینت کے طور پر منع ہے البتہ گھروں اور مزدوری کے لئے استعمال ہوسکتا ہے۔ ② بعض علماء مطلقاً جواز اور بعض مطلقاً ممانعت کے قائل ہیں، واللہ اعلم (الفتح)

❁ ❁ ❁

۷۸۲ : وَعَنْ اَبِیْ جُحَیْفَةَ وَهْبِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ وَهُوَ بِالْاَبْطَحِ فِیْ قُبَّةٍ لَّهٗ حَمْرَآءَ مِنْ اَدَمٍ فَخَرَجَ بِلَالٌ بِوَضُوْئِهٖ فَمِنْ نَّاضِحٍ وَّنَآئِلٍ فَخَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْهِ حُلَّةٌ حَمْرَآءُ كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی بَیَاضِ سَاقَیْهِ ، فَتَوَضَّاَ وَاَذَّنَ بِلَالٌ ، فَجَعَلْتُ اَتَتَبَّعُ فَاهُ هٰهُنَا وَهٰهُنَا ، یَقُوْلُ یَمِیْنًا وَّشِمَالًا : حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ ، ثُمَّ رُكِزَتْ لَهٗ عَنَزَةٌ ، فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰی یَمُرُّ بَیْنَ یَدَیْهِ الْكَلْبُ وَالْحِمَارُ لَا یُمْنَعُ – مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

"اَلْعَنَزَةُ" بِفَتْحِ النُّوْنِ نَحْوَ الْعُكَّازَةِ۔

۷۸۲ : حضرت ابوجحیفہ وہب بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو مکہ کے مقام ابطح میں سرخ چمڑے کے ایک خیمے میں دیکھا۔ حضرت بلال آپؐ کے وضو کا پانی لے کر باہر نکلے۔ پس کچھ لوگ تو وہ تھے جن کو چھینٹے مل سکے اور بعض کو پانی مل گیا۔ پس نبی اکرمؐ نکلے جبکہ آپؐ نے سرخ جوڑا پہنا ہوا تھا گویا اب بھی مجھے حضورؐ کی پنڈلیوں کی سفیدی نظر آ رہی ہے۔ پھر آپؐ نے وضو کیا اور حضرت بلالؓ نے اذان دی۔ میں حضرت بلال کے اِدھر اُدھر منہ کرنے کو خوب جانچ رہا تھا کہ وہ دائیں اور بائیں جانب کہہ رہے تھے : حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ پھر آپؐ کے لئے ایک چھوٹا نیزہ گاڑ دیا گیا پس آپؐ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ (آپؐ کے سامنے سے کتا اور

گدھا گزرتا رہا جنہیں روکا نہ گیا۔ (بخاری ومسلم)

اَلْعَنْزَۃُ: چھوٹا نیزہ۔

تشریح ابو جحیفہ وہب بن عبداللہ السوائی۔ رایت! یہاں ابصرت کے معنی میں ہے۔ **الابطح**! یہ مقام محصب اور بطحاء کہلاتا ہے۔ **فی قبہ**! یعنی خیمہ۔ آدم! یہ ادیم کی جمع ہے۔ رنگی ہوئی کھال کو کہتے ہیں۔ **فخرج بلال بوضوئه**! وضوء وہ پانی جو وضو کے لئے تیار کیا جائے۔ **فمن ناضح**! تری حاصل کرنے والے۔ نائل! یہ نیل سے لیا گیا۔ پانے والے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اعضاء مبارکہ تک پہنچنے کے بعد اس کو زمین پر گرنے سے پہلے اُچک کر مل لیتے۔ **کانی انظر**......! یہ جملہ اپنے استحضار واقعہ کو ظاہر کرنے کے لئے فرمایا کہ میں نے پورے یقین سے یہ چیز دیکھی ہے۔ **فتوضاء**! فا ترتیب خبر کے لئے ہے ترتیب مخبر کے لئے نہیں کیونکہ وضو تو پہلے آپ ﷺ فرما چکے تھے۔ **فجعلت اتبع فاه اھھنا وھھنا**! یعنی دائیں بائیں۔ یمین وشمال ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہیں۔ **حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح**! اس مقام پر نماز کا خصوصاً ذکر کر کے بتلایا کہ بلند چوٹی اسلام کی یہی ہے۔ جس نے اس کو خوبی سے ادا کیا اس کے لئے بلند چوٹی جائز ہوگئی اور اس نے انتہائی درجے کو پالیا۔ یہ لف نشر مرتب ہے۔ حی علی الصلاۃ میں دائیں جانب اور حی علی الفلاح میں بائیں جانب منہ پھیرتے جبکہ سینہ قبلہ کی طرف رہے۔ ان میں خطاب کی وجہ سے دائیں بائیں چہرے کو پھیرا جاتا ہے۔ بقیہ کلمات میں تخاطب نہیں۔ **ثم رکزت له عنزة فتقدم فصلی**! ایک نیزہ آپ ﷺ کے سامنے گاڑ دیا گیا۔ یہ سترہ دائیں یا بائیں آبرو کے برابر ہو نہ کہ سامنے تاکہ گزرنے والوں کو سہولت رہے اور گناہ نہ ہو۔ **یمر بین یدیه**! یعنی سترہ کے پچھلی جانب۔ **لا یمنع**! گزرنے والے کو اس وقت روکا جائے جب وہ سترے اور نمازی کے درمیان سے گزرے۔ غنزۃ! وہ لاٹھی جس کے پچھلی جانب کیل لگا ہو اس کی جمع عنز، عنزات ہے جیسے قصب وقصبات۔

تخریج: اخرجه احمد (٦/١٨٧٨٧) والبخاری (١٨٧) ومسلم (٥٠٣) وابو داود (٥٢٠) والترمذی (١٩٧) والنسائی (٣٩٥٣) وابن حبان (٢٣٩٤) وابن خزیمة (٣٨٧) والحاکم (١/٧٢٥) وعبدالرزاق (١٨٠٦)

الفرائد: آپ ﷺ کے فضل وطہور اور طعام وشراب لباس سے تبرک درست ہے۔ ② پنڈلی ستر میں داخل نہیں۔ ③ سفر میں اذان دی جائے گی۔ ④ نمازی کے آگے سے گزر جانے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

٧٨٣ : وَعَنْ اَبِیْ رِمْثَةَ رِفَاعَةَ التَّمِیْمِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَعَلَیْهِ ثَوْبَانِ اَخْضَرَانِ رَوَاہُ اَبُوْدَاوُدَ ، وَالتِّرْمِذِیُّ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ۔

٧٨٣: حضرت ابورمثہ رفاعہ تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ کے جسم مبارک پر دو سبز کپڑے تھے۔ (ابوداؤد ترمذی)

صحیح سند کے ساتھ۔

تشریح **ابی رمثة رفاعة بن یثربی رضی الله عنه**! یثرب مدینہ کا پرانا نام ہے۔ تیمی الرباب مراد ہے۔ اس سے

مقصود تیم قریش سے الگ ثابت کرنا ہے۔ رِباب! یہ راء کے کسرہ سے ہے راء کا فتحہ درست نہیں۔ یہ پانچ قبائل ہیں۔ ضبہ ثور عکل تیم عدی انہوں نے رُبّ۔ میں ہاتھ داخل کر کے باہمی معاہدہ کیا کہ وہ ایک ہاتھ بن جائیں۔ ابورمثہ بلوی ہیں بعض نے تیمی اور بعض نے تمیمی کہا۔ بعض نے دونوں لکھے ہیں۔ بعض نے نام رفاعہ بن یثربی بعض نے برعکس بتلایا ہے۔ ان کو عمارہ بن یثربی اور حبان بن وہیب اور بعض جندب بعض نے خشخاش کہا ہے۔ یہ صحابی ہیں افریقیہ میں وفات پائی (ابن سعد) ابو داؤد ترمذی نسائی نے ان سے روایت لی ہے۔ ابوداؤد نے ثوبان اخضران اور ترمذی سے بردان اخضران نقل کیا ہے۔ ابن بطال کہتے ہیں سبز لباس اہل جنت کا ہے۔ اس کے شرف کے لئے یہی کافی ہے۔

تخریج : اخرجه احمد (٢/٧١٣١) وابو داود (٤٢٠٦) والترمذی (٢٨٢١) والنسائی (١٥٧١) وابن حبان (٥٩٩٥) وابن الجارود (٧٧٠) والدارمی (٢/١٩٩) والطبرانی (٢٢) والبیهقی (٢٧/٨)

الفرائد : ① سبز رنگ سفید کے علاوہ دوسروں سے افضل ہے۔ ② یہ اہل جنت کا لباس ہے۔

٧٨٤ : وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ دَخَلَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَآءُ ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

۷۸۴: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے دن مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور آپؐ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔ (مسلم)

تشریح ۞ یوم فتح مکة! ترمذی نے اپنی روایت مفعول بہ مکہ کا صراحت ذکر کیا ہے۔ ظرف زمان کی دلالت سے یہاں حذف کر دیا گیا۔ علیه عمامة سوداء! یہ اس روایت کے خلاف نہیں جس میں مغفر کا تذکرہ ہے کیونکہ پگڑی پر مغفر پہنا جاسکتا ہے۔ ② پہلے مغفر پہنا ہوا تھا پھر عمامہ پہن لیا۔ اس سے اشارہ کر دیا کہ اس دین سے تبدیلی ہرگز نہ ہوگی۔ جیسا سیاہ رنگ اس کے برعکس دیگر رنگ بدلتے ہیں۔

تخریج : اخرجه احمد (٥/١٤٩١٠) و مسلم (١٣٥٨) و ابو داود (٤٠٧٦) والترمذی (١٦٨٥) والنسائی (٥٣٦٠) وابن ماجه (٣٨٢٢) وابن حبان (٣٧٢٢) وابن ابی شیبة (٨/٤٢٢) والبیهقی (٥/١٧٧)

الفرائد : سیاہ کپڑے پہننا جائز ہے اگرچہ سفید افضل ہے (جبکہ سیاہ لباس کسی کا شعار ہو تو اس وقت اُس سے بچنا ضروری ہے)۔

٧٨٥ : وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ عَمْرِو ابْنِ حُرَيْثٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَآءُ قَدْ اَرْخٰى طَرَفَيْهَا بَيْنَ كَتِفَيْهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِىْ رِوَايَةٍ لَّهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَطَبَ النَّاسَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَآءُ۔

۷۸۵: حضرت ابوسعید عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ گویا میں اب بھی سامنے رسول اللہ ﷺ

کو اس حال میں دیکھ رہا ہوں کہ آپؐ نے سیاہ پگڑی پہن رکھی ہے اور اس کے دونوں کناروں کو اپنے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکایا ہوا ہے۔ (مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا اس حال میں کہ آپؐ نے سیاہ عمامہ پہنا ہوا تھا۔

تشریح ابو سعید عمرو بن حریث ان کے والد کا نام عمر بن عثمان بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم القرشی المخزومی رضی اللہ عنہ۔ یہ صغار صحابہ میں سے ہیں۔ ۸۵ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ اصحاب ستہ نے ان سے روایت لی ہے۔ انہوں نے ۱۸ روایات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں۔ (التنقیح لابن جوزی) مسلم نے صرف ان کی روایات لی ہیں اور کل دو روایتیں نقل کی ہیں۔ میں نے وضاحت سے ان کے حالات (رجال الشمائل) میں لکھے ہیں۔ قد ارخی طرفیھا! یہاں دونوں اطراف کا ذکر ہے جبکہ شمائل میں ایک طرف وارد ہے قاضی نے اس کو درست کہا ہے۔ بین کتفیه! سیاہ عمامہ کا پہننا اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ اس کی ممانعت نہیں' اس سے پگڑی کے پلڑے کو کندھوں کے درمیان لٹکانے کا استحباب معلوم ہوا۔ اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کے بجائے باب کعبہ میں کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ اسی لئے اس روایت کو صاحب مصابیح نے خطبہ جمعہ میں ذکر کیا ہے۔ ایک روایت میں "عمامة حرقانیه"! کے لفظ وارد ہیں۔

تخریج: اخرجه احمد (٦/١٨٧٥٩)(و مسلم (١٣٥٩) وابو داود (٤٠٧٧) والنسائی (٥٣٦١)

الفرائد: کندھوں کے مابین پلڑے لٹکانے کے متعلق علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کس بات میں فرشتے باتیں کرتے ہیں تو میں نے لاعلمی ظاہر کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنا دست اقدس میرے کندھوں کے درمیان رکھا جس سے آسمان و زمین کی اشیاء مجھ پر روشن ہو گئیں۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پگڑی کے پلڑے کندھوں پر ڈالے' واللہ اعلم (زاد المعاد ۱/۸۳)

٧٨٦ : وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: كُفِّنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ ثَلَاثَةِ اَثْوَابٍ بِيْضٍ سَحُوْلِيَّةٍ مِنْ كُرْسُفٍ ' لَيْسَ فِيْهَا قَمِيْصٌ وَّلَا عِمَامَةٌ – مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

"السَّحُوْلِيَّةُ" بِفَتْحِ السِّيْنِ وَضَمِّهَا وَضَمِّ الْحَآءِ وَالْمُهْمَلَتَيْنِ: ثِيَابٌ تُنْسَبُ اِلٰى سَحُوْلٍ: قَرْيَةٌ بِالْيَمَنِ – "وَالْكُرْسُفُ" :اَلْقُطْنُ۔

۷۸۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سحول مقام کے بنے ہوئے تین سفید سوتی کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ ان میں نہ قمیص تھی نہ پگڑی۔ (بخاری و مسلم)

السَّحُوْلِيَّةُ: یمن کی ایک بستی کا نام ہے اس کی طرف منسوب کپڑے کو کہتے ہیں۔

الْكُرْسُفُ :رُوئی۔

تشریح ثلاثة ثواب بیض! جیسا کہ پہلے روایت میں فرمان گزرا "کفنوا فیها موتاکم"۔ لیس فیها قمیص ولا عمامة! یہ افضل کفن ہے۔ قمیص ازار ولفافه! تکفین میں وہ کپڑے استعمال کریں جو زندگی میں وہ پہنتا ہو۔ سحول!

یہ یمن کی بستی کی طرف نسبت ہے۔ وہاں کے کپڑے مشہور تھے۔ کرسف! روئی (المصباح)

تخریج : اخرجه احمد (١٠/٢٦٠٠٨) والبخاری (١٢٦٤) و مسلم (٩٤١) و ابو داود (٣١٥١) والترمذی (٩٩٦) والنسائی (١٨٩٨) وابن ماجه (١٤٦٩) وابن حبان (٣٠٣٧) والطیالسی (١٤٥٣) وابو یعلی (٤٤٩٥) و عبد الرزاق (٦١٧١) والبیهقی (٣)

الفرائد : ① میت کا کفن بالاجماع فرض ہے۔ ② سنت کفن میں تین کپڑے ہیں۔ فرض ایک کپڑا ہے۔ ③ سفید کفن مستحب ہے۔

٧٨٧ : وَعَنْهَا قَالَتْ : خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ غَدَاةٍ وَّعَلَيْهِ مِرْطٌ مُّرَحَّلٌ مِّنْ شَعْرٍ اَسْوَدَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

"اَلْمِرْطُ" بِكَسْرِ الْمِيْمِ : وَهُوَ كِسَآءٌ ۔ "وَالْمُرَحَّلُ" بِالْحَاءِ الْمُهْمَلَةِ هُوَ الَّذِیْ فِيْهِ صُوْرَةُ رِحَالِ الْاِبِلِ ، وَهِيَ الْاَكْوَارُ۔

۷۸۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک صبح گھر سے نکلے جبکہ آپ پر سیاہ بالوں کی بنی ہوئی کجاووں کی تصویر والی چادر تھی۔ (مسلم)

اَلْمِرْطُ : چادر۔

اَلْمُرَحَّلُ : کجاوے کی تصویر والی چادر۔ یعنی اس کے اوپر اونٹ کے کجاوے (بیٹھنے کی جگہ) سفید لہریں بنی ہوئی تھیں۔

تشریح ۞ ذات غداۃ! صبح سویرے کے وقت۔ مرط مرحل من شعر اسود! بالوں کی بنی ہوئی۔ اس سے اون اور سیاہ رنگ کے پہننے کا ثبوت ہے۔ مرط! پہننے والی چادر جمع مروط جیسے حمل وحمول (المصباح) المرحل! جس میں کجاوے کی تصویر ہو۔ کور جمع اکوار' کجاوہ سامان سمیت۔

تخریج : اخرجه احمد (٩/٢٠٣٥٠) و مسلم (٢٠٨١) وابو داود (٤٠٣٢) والترمذی (٢٨١٣)

الفرائد : ① وہ کپڑا جس پر کجاوے وغیرہ' بے جان کی تصویر ہو اس کا پہننا درست ہے۔ ② خطوط والا کپڑا بھی درست ہے۔ ③ انسان وحیوان کی تصویر حرام ہے۔

٧٨٨ : وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِیْ مَسِيْرِهٖ ، فَقَالَ لِیْ : "اَمَعَكَ مَآءٌ"؟ قُلْتُ: نَعَمْ، فَنَزَلَ عَنْ رَّاحِلَتِهٖ فَمَشٰی حَتّٰی تَوَارٰی فِیْ سَوَادِ اللَّيْلِ ثُمَّ جَآءَ فَاَفْرَغْتُ عَلَيْهِ مِنَ الْاِدَاوَةِ فَغَسَلَ وَجْهَهٗ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ مِّنْ صُوْفٍ ، فَلَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يُّخْرِجَ ذِرَاعَيْهِ مِنْهَا حَتّٰی اَخْرَجَهُمَا مِنْ اَسْفَلِ الْجُبَّةِ ، فَغَسَلَ ذِرَاعَيْهِ وَمَسَحَ

بِرَأْسِهِ، ثُمَّ اَهْوَيْتُ لِاَنْزِعَ خُفَّيْهِ فَقَالَ: "دَعْهُمَا فَاِنِّي اَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ" وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا- مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ- وَفِي رِوَايَةٍ: "وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ شَامِيَّةٌ ضَيِّقَةُ الْكُمَّيْنِ" وَفِي رِوَايَةٍ اَنَّ هٰذِهِ الْقَضِيَّةَ كَانَتْ فِي غَزْوَةِ تَبُوْكَ۔

۷۸۸: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رات کے ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ پس آپؐ نے مجھے فرمایا کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ پھر آپؐ اپنی اونٹنی یا سواری سے اتر کر چلتے رہے یہاں تک کہ رات کی سیاہی میں چھپ گئے۔ پھر تشریف لائے پس میں نے برتن سے آپؐ پر پانی انڈیلا۔ جس سے آپؐ نے اپنا چہرۂ مبارک دھویا اس وقت آپؐ نے اون کا ایک جبہ پہنا ہوا تھا۔ آپؐ کے بازو اس میں سے نہ نکل سکے۔ پھر آپؐ نے جبہ کی نچلی جانب سے نکال کر اپنے دونوں بازوؤں کو دھویا اور سر کا مسح فرمایا پھر میں جھکا تاکہ آپؐ کے موزے اتاروں تو آپؐ نے فرمایا ان کو اسی طرح رہنے دو۔ اس لئے کہ میں نے پاکیزگی کی حالت میں ان میں پاؤں کو داخل کیا اور آپؐ نے ان دونوں پر مسح فرمایا۔ (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے تنگ آستینوں والا شامی جبہ پہنا ہوا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ یہ معاملہ غزوۂ تبوک میں پیش آیا۔

تشریح ۞ **ذات لیلة!** ذات کا لفظ اس لئے لائے تاکہ اشارہ کریں کہ اس سے مطلق زمانہ مراد نہیں بلکہ رات ہی مراد ہے۔ **فی مسیر!** ایک سفر میں جو غزوہ تبوک تھا۔

اَللُّغَۃُ: **امعك ماء!** ماء مبتداء یا فاعل دونوں بن سکتا ہے۔ **راحلته!** آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قصویٰ اونٹنی سے اترے۔ **حتی تواری!** یہاں تک کہ نظر سے غائب ہوگئے۔ **فی سواد اللیل!** دور چلے جانے کو اس طرح تعبیر کیا اور قضائے حاجت والے حاضرین سے دور جانا چاہئے یہاں تک کہ سایہ غائب ہو جائے یا جانے والے کو اطمینان ہو جائے۔ **فافرغت علیه!** پانی انڈیلنا اور وضو کرانا جائز ہے۔ افضل اس کا ترک ہے۔ **اداوۃ جمع!** اداوی لوٹا۔ **علیه جبة!** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبہ پہن رکھا تھا۔ جبہ یہ لباس کی ایک قسم ہے۔ **فلم یستطع ان یخرج ذراعیه منها!** کیونکہ وہ تنگ آستینوں والا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیچے کی طرف سے نکالا اور بازوں کو کہنیوں سمیت دھویا۔ **مسح براسه!** با تبعیض کو ظاہر کرتی ہے۔ **ثم اهویت!** میں موزے اتارنے کے لئے جھکا۔ **دعهما!** ان کو پہنے رہنے دو۔ **ادخلتها!** موزوں میں داخل کیا۔ **طاهرتین!** اس حال میں کہ وہ پاک تھے اور جس کی یہ حالت ہو اسے موزوں پر مسح جائز ہے۔ تثنیہ کی ضمیر خفین کی طرف لوٹ سکتی ہے مگر اس میں قلب کا قائل ہونا پڑے گا۔ مثلاً **ادخلت العلنسوۃ رأسی۔ مسح علیهما!** دونوں موزوں پر مسح کیا۔ ایک روایت میں **جبة شامیة!** کے الفاظ ہیں۔ ان دنوں شام رومیوں کے ماتحت تھا۔ رومیہ کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔

ایک روایت میں غزوہ تبوک سے اس معاملے کو متعلق کیا گیا یہ بھی درست ہے۔ یہ آپ ﷺ کا آخری غزوہ ہے۔

تخریج: اخرجه احمد (۶/۱۸۲۱۴) والبخاری (۱۸۲) و مسلم (۲۷۴) و ابو داود (۱۵۱) والنسائی (۸۲) و ابن ماجه (۳۸۹)

اَلفوائد: ① اگر گھر میں بیت الخلاء نہ ہو تو قضائے حاجت کے لئے (رہائشی علاقے سے) دور جانا چاہئے۔ ② کفار کے بنے ہوئے کپڑوں میں نماز درست ہے البتہ نجس ہونے کا یقین ہو تو ان کو پاک کرنا ضروری ہے۔ ③ جب سفر و حرب دونوں

میں مسح علی الخفین جائز ہے' ④ علماء کی خدمت کرنی چاہئے۔

۱۱۸: بَابُ اِسْتِحْبَابِ الْقَمِيْصِ

بَابٌ: قمیص کا پہننا مستحب ہے

قمیص! اس کی جمع قمصان اور قمص آتی ہے۔

۷۸۹ : عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : كَانَ اَحَبَّ الثِّيَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْقَمِيْصُ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ، وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ :حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

۷۸۹: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ کپڑوں میں محبوب کپڑا قمیص تھی۔ (ابوداؤد' ترمذی)

یہ حدیث حسن ہے۔

النَّحْو : کان احب الثیاب! یہ خبر مقدم ہو اسم القمیص ہے۔ ② مرفوع ہو تو یہ اسم ہے۔ القمیص خبر ہے۔ بعض نے ان دونوں کو دو روایتیں قرار دیا ہے۔ ③ قمیص کا وصف ہو تو مرفوع ہے۔ القمیص! یہ روئی کا بنا ہوا۔ اون کے بنے ہوئے کو قمیص نہیں کہتے۔ دمیاطی نے نقل کیا کہ کان قمیص رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قطنا قصیرا الطول والکمین! بعض نے وجہ یہ بیان کی کہ قمیص جسم کو ستر اور راحت کے لحاظ سے رداء سے بڑھ کر ہے اور اس استعمال میں کم تر ایذاء والا ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا۔ رہی وہ روایت کان احب الثیاب الی رسول اللّٰہ الحبرۃ! احبیت اضافی چیز ہے۔ چادروں میں حبر کو احبیت اور پہننے والے کپڑوں میں قمیص۔ کما ذکرہ القاری۔

تخریج : اخرجه ابو داود (٤٠٢٥) والترمذی (١٧٦٢)

الفرائد : ① قمیص دیگر لباسوں سے افضل ہے کیونکہ اس میں تکلف کم ہے۔ ② قمیص میں تواضع اور راحت جسم زائد ہے۔

۱۱۹ :بَابُ صِفَةِ طُوْلِ الْقَمِيْصِ وَالْكُمِّ وَالْاِزَارِ وَطَرْفِ الْعِمَامَةِ وَتَحْرِيْمِ اِسْبَالِ شَيْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ عَلٰى سَبِيْلِ الْخُيَلَاءِ وَكَرَاهَتِهِ مِنْ غَيْرِ خُيَلَاءَ!

بَابٌ: قمیص' آستین' چادر اور پگڑی کے کنارے کی لمبائی اور تکبر کے طور پر ان میں سے کسی بھی چیز کو لٹکانا حرام اور بغیر تکبر کے مکروہ

الازار! جو کپڑا بدن کے نچلے حصے کو ڈھانپے۔ طرف العمامه! اس کی جتنی لمبائی درست ہے۔ اسبال! لٹکانا خواہ قمیص ہو یا ازار۔ الخیلاء! تکبر وخود پسندی۔ من غیر خیلاء! یہ ازخاء مشروع سے زائد ہونے کی وجہ سے کم از کم مکروہ ہے۔

۷۹۰ : عَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ يَزِيْدَ الْاَنْصَارِيَّةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : كَانَ كُمُّ قَمِيْصِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِلَى الرُّسْغِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ ، وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ : حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

۷۹۰: حضرت اسماء بنت یزید انصاریہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قمیص کے آستین گٹوں تک تھے۔ (ابوداؤد' ترمذی)

حدیث حسن ہے۔

تشریح ۞ اسماء بنت یزید الانصاریہ رضی اللہ عنہا ان کی کنیت ام سلمہ اور ام عامر ہے۔ ان کے حالات باب فضل الجوع میں گزرے ملاحظہ کرلیں۔ الی الرسغ! ہیثمی نے اس کو صاد سے کہا۔ نووی نے سین سے ذکر کیا ہے۔ تورپشتی سے سین وصاد دونوں کو درست کہا۔ قاموس میں اس طرح ہے۔ رسغ! ہتھیلی اور کلائی کے جوڑ کو کہتے ہیں۔ ابن جزری کہتے ہیں اس میں دلیل ہے کہ رسغ سے قمیص آگے نہ بڑھے اور قمیص کے علاوہ انگلیوں کے پوروں سے تجاوز نہ کرنا چاہئے۔ البتہ وہ روایت جس کو ابن جوزی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبس قميصا فوق الكعبين مستوى الكمين باطراف اصابعه"! اس روایت کو متعدد قمیصوں پر محمول کیا جائے گا۔ ② یہ روایت اندازے پر دلالت کرتی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت تعیین پر دلالت کرتی ہے۔

تخریج : باب فضل الجوع و خشونة العيش میں گزر چکی۔

الفرائد : ① اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خوش عیشی اور تزین سے کوسوں دور تھے۔ ② وہ لوگ جو تکبر سے اپنے کپڑے لمبے کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کو پسند نہیں۔

۷۹۱ : عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : "مَنْ جَرَّ ثَوْبَهٗ خُيَلَآءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" فَقَالَ لَهٗ اَبُوْبَكْرٍ : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ، اِنَّ اِزَارِيْ يَسْتَرْخِيْ اِلَّا اَنْ اَتَعَاهَدَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "اِنَّكَ لَسْتَ مِمَّنْ يَفْعَلُهٗ خُيَلَآءَ" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ، وَرَوٰى مُسْلِمٌ بَعْضَهٗ۔

۷۹۱: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا جس نے تکبر سے اپنا کپڑا زمین میں گھسیٹا اللہ قیامت کے دن اس پر نظر نہ فرمائیں گے۔ اس پر ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میرا تہبند لٹک جاتا ہے سوائے اس کے کہ میں اس کا بہت خیال کرتا ہوں۔ اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا اے ابوبکر بے شک تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو تکبر کے طور پر ایسا کرتے ہیں۔ بخاری نے روایت کیا اور مسلم نے کچھ حصہ روایت کیا۔

تشریح ۞ من جر! جس نے سطح زمین پر طوالت کی وجہ سے چادر کو کھینچا۔ ثوبه! اس سے مراد تمام اقسام ہیں۔ عام کے بعض افراد کا تذکرہ اس کو خاص نہیں کرتا۔ اس وقت عموماً وہ لوگ ازار و رداء پہنتے تھے۔ جب قمیص کا استعمال شروع ہوا تو ان کا

استعمال چھوڑ دیا۔ اس لئے ان دونوں کا حکم ان دونوں کی طرح ہے۔ (طبری) خیلاء! یہ مفعول لہ ہے اور مفعول مطلق بھی بن سکتا ہے۔ ② حال بھی بن سکتا ہے ای ذا خیلاء۔ لم ینظر اللّٰه الیه! یعنی اس کی طرف رضا و رحمت کی نگاہ نہ فرمائیں گے۔ یوم القیامه! یہی یوم حساب ہے۔ ان ازاری یسترخی! یعنی میرے بدن کی کمزوری کے باعث۔ اتعاهد ذلك منه! اونچا کر کے اور باندھ کر اس سے بچتا ہوں۔ کیا میں بھی اس وعید میں داخل ہوں۔ انك لست ممن يفعله! تو ایسا کرنے والوں سے نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ ان کے بدلنے سے احکام بدل جائیں گے اور وعید ان لوگوں کے لئے ہے جو خود پسند ہیں یا متکبر ہیں، جن کا یہ قصد نہ ہو ان کا یہ حکم نہ ہوگا۔

تخریج : اخرجه احمد (۲/۵۳۷۷) والبخاری (۳٦٦٥) و مسلم (۲۰۸٥) وابو داود (٤۰۸٥) والترمذی (۱۷۸۳) والنسائی (٥۳٤۲) وابن ماجه (۳٥۷۲) وابن حبان (٥٤٤٤) والبیهقی (۲/۲٤۳)

الفرائد : ① احکام میں لوگوں کے احوال کا اعتبار ہے۔ ② صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ ③ اس روایت میں نفس انسانی کے لئے تمام تدابیر کو جمع کر دیا گیا۔ ④ اسراف جسم و معیشت ہر دو کے لئے نقصان دہ ہے۔ ⑤ خود پسندی گناہ کا باعث ہے جو آخرت کے لئے تباہ کن ہے۔

۷۹۲ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : "لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلٰی مَنْ جَرَّ اِزَارَهٗ بَطَرًا" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۷۹۲ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف نظر نہیں فرمائیں گے جس نے اپنا تہبند تکبر کی وجہ سے لٹکایا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ✿ لا ینظر اللّٰه! رضامندی کی نگاہ نہیں فرماتے۔ یوم القیامه! قیامت کا خاص تذکرہ فرمایا کیونکہ وہاں کی رحمت دائمی ہوگی۔ دنیا میں تو حوادث کے پیش آنے سے رحمت ہوتی ہے اور (تکالیف) منہ پھیرتی ہیں۔ ② کیونکہ وہ قیامت کا دن بدلہ ملنے کا دن ہے اور اس کی حرکت تو دنیا و آخرت دونوں میں پسند نہیں پس آخرت میں اس کی طرف بالکل توجہ نہ فرمائیں گے۔ جر ازاره بطرًا! بطر نعمت کی ناشکری اور انکار کو کہتے ہیں اور اس کا لازمہ خود پسندی اور تکبر ہے۔ پس یہ ماقبل کی تفسیر کی طرح ہے۔ مسلم میں من یجر ازاره بطرًا! ہے۔

تخریج : اخرجه احمد (۳/۹۰۱٤) والبخاری (٥۷۸۸) و مسلم (۲۰۸۷)

الفرائد : ① تکبر و طغیان سے کپڑا کھینچنے والا اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا حقدار ہے۔ ② تکبر و بڑائی انسان کے مناسب نہیں۔

۷۹۳ : وَعَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ : "مَا اَسْفَلَ مِنَ الْکَعْبَیْنِ مِنَ الْاِزَارِ فَفِی النَّارِ" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

۷۹۳ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تہبند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہوگا وہ آگ میں ہوگا۔ (بخاری)

النحو: **ما اسفل من الکعبین!** بقول حافظ یہ ما موصولہ ہے۔ اوراس کا بعض صلہ محذوف ہے اوروہ کان ہے۔ اسفل اس کی خبر ہے اور منصوب ہے۔ ② اسفل ظرف ہے صلہ واقع ہے۔ ③ ما اسفل کی وجہ سے نکرہ موصوفہ ہو۔ اسفل اسم تفضیل اور فعل ماضی بھی بن سکتا ہے۔

خطابی کہتے ہیں مطلب یہ ہے جس کے ٹخنوں سے نیچے ازار ہوگی اس کا اتنا حصہ جہنم میں جلایا جائے گا۔ ثوب بول کر پہننے والے سے کنایہ ہے۔ اس کو اصطلاح میں تسمیہ الشئی باسم مجاورہ کہتے ہیں۔ ② بذات وہ شخص مراد ہونا بھی ممکن ہے یعنی ان ٹخنوں کا نچلا حصہ جس ازار سے لٹکتا ہے وہ آگ میں جلے گا۔ ③ تقدیر اس طرح ہے۔ نچلا پہننے والا وہ شخص ہے جو کعبین سے نیچے ہو۔ ④ تقدیر عبارت اس طرح ہو۔ اس کی یہ حرکت اہل نار کی حرکت ہے یا اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ **ما سفل من الازار من الکعبین فی النار۔** ! کعبین سے نیچے والا ازار کا حصہ آگ میں ہوگا۔ یہ تمام صورتیں اس وقت ہیں جبکہ آگ میں ازار حقیقتاً نہ پایا جائے عبدالرزاق نے یہ روایت نقل کی کہ نافع سے پوچھا گیا کہ کپڑے کا کیا گناہ ہے؟ بلکہ وہ تو قدمین سے متعلق آیا ہے لیکن بذاتِ خود کپڑے کے آگ میں ڈالے جانے کا تقاضا کرتا ہے۔ اس صورت میں روایت کو ظا[illegible] رہا جائے گا اور اس آیت کی طرح معنی ہوگا: ﴿**انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم**﴾! وعید میں گویا [illegible] کا شامل ہونا جو ذریعہ بنی زیادہ مناسب ہے۔ فا اس لئے لائی گئی کیونکہ ما میں شرط کا معنی ضمناً پایا جاتا تھا اور اس روایت کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ جو آدمی تکبر اور خودنمائی کے لئے چادر لٹکائے۔ جب عذر کے بغیر کوئی آدمی چادر لٹکائے تو یہ مکروہ ہے ورنہ جس آدمی کے پاؤں پر زخم ہو اور مکھیوں سے حفاظت کے لئے اس کا چادر لٹکانا مکروہ نہ ہوگا (کذا قال العراقی فی شرح الترمذی) حافظ عراقی نے اس کی دلیل کے لئے ابن عوف رضی اللہ عنہ والی روایت کو پیش کیا کہ خارش کی وجہ سے ان کو ریشم استعمال کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس میں جامع بات یہی ہے کہ شدید ضرورت کے لئے کسی عذر کی بناء [illegible]ی ایسی چیز کے استعمال کی اجازت ملتی ہے اور حدیث کا تعلق مردوں سے ہے۔ جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ام [illegible]مہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے۔

تخریج: اخرجه احمد (۳/۳۹۹٤۱) والبخاری (۵۷۸۷)

الفرائد: ① ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا حرام ہے۔ ② جو تکبر سے اس طرح کرے گا وہ قیامت کے دن آگ میں ڈالا جائے گا۔

***

۷۹٤ : وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ : "ثَلَاثَةٌ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ" قَالَ فَقَرَاَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَ مِرَارٍ – قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ خَابُوْا وَخَسِرُوْا ، مَنْ هُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ؟ قَالَ : "الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهٗ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ – وَفِیْ رِوَایَةٍ لَّهٗ : "الْمُسْبِلُ اِزَارَهٗ"

۷۹٤: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ

قیامت کے دن نہ کلام فرمائیں گے اور نہ ہی اُن کی طرف نظر رحمت فرمائیں گے اور نہ ہی ان کو پاک فرمائیں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ ابوذر کہتے ہیں کہ اس بات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ دہرایا۔ ابوذر نے کہا یہ رسوا ہوئے اور نقصان میں پڑے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: چادر ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا' احسان جتلانے والا' جھوٹی قسم سے سامان بیچنے والا (مسلم) مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے اپنا تہبند لٹکانے والا۔

تشریح ❁ **لا یکلمهم**: کلام نہ کرنے کے بارے میں بعض نے کہا ان سے اعراض فرمائیں گے۔ ② بعض رضامندی کا کلام نہ فرمائیں گے بلکہ ناراضگی کا کلام فرمائیں گے۔

ولا ینظر الیهم: ان سے اعراض فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے نظر فرمانے کا مطلب اپنے بندے پر رحمت ولطف فرمانا ہے۔ **ولا یزکیهم**: ① ان کو گناہوں کی میل سے پاک نہ فرمائیں گے۔ ② ان کی تعریف نہ فرمائیں گے۔ **الیم**: ان کو دردناک عذاب ہوگا۔ بقول واحدی یہ عذاب ایسا ہوگا جس کی تکلیف دلوں پر چھا جائے گی۔ عذاب اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کو عاجز کردے اور اس پر گراں ہوں۔ **ثلاث مرار**: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ تین مرتبہ دہرایا تاکہ سامعین کے ذہن میں خوب پختہ ہو جائے۔ امرار میں میم مکسور ہے۔ یہ مرۃ کی جمع مکسر ہے۔ **من هم**: ابوذر رضی اللہ عنہ کہنے لگے وہ تو تباہ ہوں گے جن کو یہ وعید سنائی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعیین فرمادیں یا ان کے اوصاف کی وضاحت فرمادیں (تاکہ بچنا آسان ہو) **المسبل**: یہ اسبال سے ہے۔ تکبر سے کپڑا لٹکانا۔ **المنان**: جس پر احسان کیا ہو اس کے سامنے احسان کو اس طرح ذکر کرنا جیسے اس پر احسان چڑھا رہے ہوں گے۔ یہ کبائر سے ہے اور حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**ولا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی**﴾ **المنفق**: یہ انفاق سے فاعل کا صیغہ ہے۔ **سلعته بالحلف الکاذب**: سین مکسور ہے۔ جو آدمی اپنے سامان کو جھوٹی قسموں سے فروخت کرے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کہتے ہیں **والله انها حسنة**: اللہ کی قسم یہ خوب ہے۔ نایاب ہے۔

تخریج : اخرجه احمد (۸/۲۱۳۷٦) و مسلم (۱۰٦) وابو داود (٤۰۸۷) والترمذی (۱۲۱۱) والنسائی (۲٥٦۲) وابن حبان (٤۹۰۷) والدارمی (۲/۲٦۷) والطیالسی (٤٦۷) وابو عوانة (۱/٤۰)

الفرائد : ① تکبر سے کپڑا لٹکانے' احسان جتلانے' جھوٹی قسم سے سامان کی فروخت کرنا ان سب کی سزا بہت سخت ہے' ② کپڑا لٹکانے والا تو متکبر ہے اور احسان جتلانے والا خود پسند ہے ③ اور قسم سے سامان فروخت کرنے والا اپنے آپ پر رشک کرنے والا ہے۔ اسی وجہ سے تینوں کو ایک لڑی میں پرولیا گیا ہے۔ (طیبی)

❁ ❁ ❁

۷۹٥ : وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ : "اَلْاِسْبَالُ فِي الْاِزَارِ وَالْقَمِيْصِ وَالْعِمَامَةِ مَنْ جَرَّ شَيْئًا خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ ' وَالنَّسَائِيُّ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ۔

۷۹٥: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسبال (زیادہ کپڑا لٹکانا)' تہبند' قمیص اور پگڑی میں ہے اور جس نے بھی کوئی چیز تکبر کے طور پر گھسیٹی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر نظر نہیں فرمائیں گے۔ (ابوداؤد' نسائی) صحیح سند کے ساتھ۔

تشریح ۞ الاسبال: لٹکانا۔ الازار: جس کپڑے سے بدن کا نچلا حصہ ڈھانپا جائے۔ القمیص: ٹخنے سے نیچے لٹکانا۔ والعمامہ: پگڑی کا پلڑا کو زیادہ لمبا کرنا۔ یوم القیامہ: اگر توبہ تائب نہ ہوالبتہ بلا تکبر مکروہ ہے یا عذر کی وجہ سے کراہیت بھی نہیں جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا واقعہ گزرا۔ زخمی کے لئے ایذا سے حفاظت کی خاطر بھی درست ہے۔

تخریج: اخرجه ابو داود (٤٠٩٤) والنسائی (٥٣٤٩) وابن ماجه (٣٥٧٦)

الفرائد: ① اسبال: قمیص، چادر، پگڑی سب میں ہوسکتا ہے۔ یہ تکبر کا جرثومہ ہے۔ اسبال والا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہوگا۔

۷۹٦ : وَعَنْ اَبِیْ جُرَیّ جَابِرِ بْنِ سُلَیْمٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :"رَاَیْتُ رَجُلًا یَصْدُرُ النَّاسُ عَنْ رَاْیِهٖ۔ لَا یَقُوْلُ شَیْئًا اِلَّا صَدَرُوْا عَنْهُ ، قُلْتُ :مَنْ هٰذَا؟ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ۔ قُلْتُ : عَلَیْكَ السَّلَامُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، مَرَّتَیْنِ۔قَالَ :"لَا تَقُلْ عَلَیْكَ السَّلَامُ ، عَلَیْكَ السَّلَامُ تَحِیَّةُ الْمَوْتٰی۔ قُلْ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ" قَالَ قُلْتُ: اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ؟ قَالَ:" اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ الَّذِیْ اِذَا اَصَابَكَ ضُرٌّ فَدَعَوْتَهٗ كَشَفَهٗ عَنْكَ، وَاِذَا اَصَابَكَ عَامُ سَنَةٍ فَدَعَوْتَهٗ اَنْبَتَهَا لَكَ وَاِذَا كُنْتَ بِاَرْضٍ قَفْرٍ اَوْ فَلَاةٍ فَضَلَّتْ رَاحِلَتُكَ فَدَعَوْتَهٗ رَدَّهَا عَلَیْكَ" قَالَ :قُلْتُ:اعْهَدْ اِلَیَّ قَالَ :"لَا تَسُبَّنَّ اَحَدًا" قَالَ :فَمَا سَبَبْتُ بَعْدَهٗ حُرًّا ، وَّلَا عَبْدًا ، وَلَا بَعِیْرًا ، وَلَا شَاةً " وَلَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَیْئًا، وَاَنْ تُكَلِّمَ اَخَاكَ وَاَنْتَ مُنْبَسِطٌ اِلَیْهِ وَجْهُكَ، اِنَّ ذٰلِكَ مِنَ الْمَعْرُوْفِ ، وَارْفَعْ اِزَارَكَ اِلٰی نِصْفِ السَّاقِ ، فَاِنْ اَبَیْتَ فَاِلَی الْكَعْبَیْنِ ، وَاِیَّاكَ وَاِسْبَالَ الْاِزَارِ ، فَاِنَّهَا مِنَ الْمَخِیْلَةِ وَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمَخِیْلَةَ ، وَاِنِ امْرُؤٌ شَتَمَكَ اَوْ عَیَّرَكَ بِمَا یَعْلَمُ فِیْكَ فَلَا تُعَیِّرْهُ بِمَا تَعْلَمُ فِیْهِ فَاِنَّمَا وَبَالُ ذٰلِكَ عَلَیْهِ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ :حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

۷۹٦: حضرت ابوجری جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو کہ ایک آدمی کی رائے کی طرف لوٹتے ہیں اور جو کچھ بھی کہتا ہے وہ اس کو قبول کرتا ہے۔ میں نے کہا یہ کون ہے؟ انہوں نے فرمایا یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ میں نے کہا علیک السلام یا رسول اللہ ﷺ دو مرتبہ میں نے کہا۔ آپؐ نے فرمایا علیک السلام مت کہو علیک السلام تو مُردوں کا سلام ہے یوں کہو۔ السلام علیکم۔ کہتے ہیں میں نے کہا کیا آپؐ اللہ کے رسول ﷺ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا میں اس اللہ کا رسول ہوں جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو تم اس کو پکارتے ہو وہ تکلیف کو دور کر دیتے ہیں اور جب تم کو کوئی قحط سالی پہنچتی ہے تو پھر تم اس کو پکارتے ہو تو وہ تمہاری فصلوں کو اُگا دیتا ہے اور جب تم کسی بیابان یا جنگل میں ہوتے ہو اور تمہاری اونٹنی گم ہو جاتی ہے۔ پھر اس کو تم پکارتے ہو تو وہ تمہیں واپس کر دیتا ہے۔ میں نے کہا مجھ سے کوئی وعدہ لے لیں یا مجھے کوئی نصیحت فرما دیں۔ فرمایا ہرگز کسی کو گالی مت دو۔

جابر کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے نہ کسی آزاد اور غلام کو گالی دی بلکہ کسی اونٹ اور بکری کو بھی برا بھلا نہیں کہا اور فرمایا کسی بھی نیکی کو ہرگز حقیر مت سمجھو خواہ وہ نیکی اپنے بھائی کے ساتھ تیرے کھلا چہرہ گفتگو کرنا ہو۔ بلاشبہ یہ بھی نیکی ہے اور فرمایا اپنی تہبند کو نصف پنڈلی تک اونچا رکھو۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے ہو تو پھر ٹخنوں تک اور چادر لٹکانے سے اپنے آپ کو بچاؤ چونکہ یہ تکبر ہے اور اللہ تکبر کو پسند نہیں کرتے اور فرمایا اگر کوئی شخص تم کو گالی دے ایسی بات سے عار دلائے جو تیرے بارے میں جانتا ہو تو تُو اس کو مت عار دلا ایسی بات سے جو تُو اس کے بارے میں جانتا ہے۔ اس لئے کہ اس کا وبال اسی پر ہے۔ (ابوداؤد)

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح ابی جری: جیم کا ضمہ اور راء کا فتحہ ہے (تبصیر المنتبہ) جابر بن سلیم: ابن اثیر نے اس کو درست کہا۔ مزی نے سلیم بن جابر بتلایا جو کہ غلط ہے۔ الجھمی: یہ ہجیم بن عمرو بن تمیم کی طرف نسبت ہے۔ یہ اہل بصرہ سے ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی روایات نقل کی ہیں اگرچہ بخاری و مسلم نے ان میں سے کوئی نقل نہیں کی۔ رایت رجلا: یہاں رایت آنکھوں سے دیکھنے کے معنی میں ہے۔ رجلا کی تنوین عظمت کے لئے ہے۔ یصدر الناس عن رایه: لوگ اس کی رائے کی طرف رجوع کرتے۔ صدروا عنه: اچھی طرح سن لینے کے بعد جس طرح گھاٹ پر وارد ہونے والے کو لوٹنے کے بعد دوسرا وارد ہو۔ ابن ملاک کہتے ہیں گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کنواں تھا جس کو صادر کہا جاتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو سیراب کر کے اس سے لوٹاتے۔ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: سوال کی دلالت کی وجہ سے ھو مبتداء کو حذف کر دیا۔ مرتین: ترمذی میں تین مرتبہ کا تذکرہ ہے۔ لا تقل علیك السلام: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مردوں کا سلام ایسا مت کہو یعنی طریق جاہلیت کے شعار سے ہے۔ مردوں کا سلام بھی "السلام علیکم دار قوم مؤمنین" ہے۔ ② مردوں سے کفار جاہلیت مراد ہیں۔ ابن رسلان کہتا ہے دعا کو ضمیر سے خیر میں مقدم کرنا چاہئے اور شر میں ضمیر کو پہلے لایا جائے گا۔ اسی وجہ سے ممانعت فرمائی۔ جیسا فرمایا: ان علیکم لعنتی، علیهم دائرة السواء: بعض اوقات بددعا بھی لعنت کو مقدم کر دیا جاتا ہے جیسا اس روایت میں العنك بلعنة اللّٰه۔ قل السلام علیك: ضمیر مخاطبت مفرد اور ملکین کے خیال سے جمع بھی آ سکتی ہے۔ قلت انت رسول اللّٰه: یہاں ہمزہ استفہام مقدر ہے ای اانت رسول اللّٰه؟ ضر: (ن) جب کوئی ناپسند اور برا کام کرے فاقہ اور فقر کو کہتے ہیں۔ فدعوته کشفه: جب اس کو گڑگڑا کر پکارا تو اس نے اس تکلیف کو رفع فرما دیا۔ عام سنته: سختی اور بھوک کا سال۔ بقول منذری وہ سال جس میں کوئی چیز نہ اگائے خواہ بارش اترے یا نہ اترے۔ انبتها لك: اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے نشو ونما پیدا کر دیا۔ واذا کنت بارض قفر فلاة فدعوته: قفر وہ سرزمین جہاں نہ لوگ ہوں نہ پانی، اس کی جمع اقفار آتی ہے (المصباح) فلاۃ جہاں پانی نہ ہو اس کی جمع فلا جیسا حصاۃ و حصی ہے۔ فدعوته ردها علیك: وہ دعا جو قبولیت کی شرائط کو جامع ہو۔ جن میں ایک یہ ہے کہ وہ یہ یقین رکھتا ہو کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اور وسائط اسی کے تابع ہیں اور بیدار دل سے دعا کرے۔ قلت له: جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اسلام لانے کے بعد۔ اعهد الی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے نصیحت فرما دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے یہ نصائح ارشاد فرمائیں۔ لا تسبن احداً: سب وشتم حرام ہے۔ اگر اسی طرح کی جوابی گالی دی تو بدلہ اتر گیا صرف ابتداء کا گناہ رہے گا اگر گالی قذف کی قسم ہو تو پھر حد بھی لگے گی۔

النَّحْو: فما سبت...... ولا شاة: یہ جملہ معترضہ ہے۔ قال کا مقولہ لاتسبن ہے۔ یہ کمال اتباع وامتثال ہے کہ جانور تک کو بھی گالی نہیں دی۔ لا تحقرن من المعروف شیئاً: کسی نیکی کو حقیر مت قرار دو۔ خواہ چھوٹی ہو اس کا نفع قیامت تک ملنے والا ہے۔ وان تکلم اخاك: کھلے چہرے سے مومن بھائی کو ملو۔ اس نیکی کو بھی حقیر مت قرار دو۔ وارفع ازارك الی نصف الساق: ایک اور روایت میں ازرة المؤمن الی انصاف ساقیه: کے الفاظ ہیں کیونکہ اس سے ستر عورت اور تزیین دونوں مقصد حاصل ہو گئے۔ نیز اس میں خود پسندی سے اعراض اور تواضع کی شاندار طرز ہے۔ فان ابیت: عدم فعل کو اباء سے تعبیر کیا یعنی اعلیٰ درجہ یہ ہے۔ فالی الکعبین: ورنہ ٹخنوں اور نصف پنڈلی کے درمیان میں حرج نہیں۔ وایاك واسبال الازار: یہاں پہلا فعل فاعل بھی حذف کر دیا پھر دوسرا بھی حذف کر دیا۔ ضمیر منفصل مجبوراً لائی گئی (ابن ہشام) گریز کرو۔ فانها من المخیلہ۔ یہ حالت متکبرانہ ہے۔ اگر قصداً ہو تو ممانعت ہے۔ مخیلہ خود پسندی اور لوگوں کو حقیر سمجھنا اور تکبر کرنا۔ لا یحب: اس کی موافقت نہیں فرماتے یا راضی نہیں ہوتے۔ المخیلہ: ایسے لوگ جن میں تکبر پایا جائے قیامت کے دن ان پر آثار نعمت ظاہر نہ ہوں گے۔ یہ متکبر کے لئے سخت وعید ہے۔

ان امرؤ شتمك: امرؤ کا فعل محذوف ہے شتمک اس کی تفسیر ہے اور جواب شرط دلالت کی وجہ سے محذوف ہے ای فلا تشتمہٗ: بدلہ لینا تو جائز ہے۔ نہی تنزیہ کے لئے ہے اگر قذف کی قسم سے ہو تو تحریم کے لئے ہے۔ یعلم فیك: گناہ اور افعال قبیحہ مراد ہیں۔ بما تعلم فیه: امام احمد نے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من عیر اخاه بذنب لم یمت حتی یعمله: عار یہ برائی کی طرف نسبت کرنا ہے۔ وبال ذلك: یہ وبل المرتع سے نکلا ہے چراگاہ کا بدمزہ ہونا۔ یہ برے انجام کے لئے استعمال ہونے لگا۔ مراد آخرت کا عذاب ہے۔ بسا اوقات دنیا میں جلدی مل سکتا ہے۔

تخریج: اخرجه احمد (۲۰٦٥۷) و ابو داود (٤٠٨٤) والترمذی (۲۷۲۱)

الفرائد: ① لوگوں کو دوسروں کی تکالیف کے ازالہ اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے طریقہ کی تعلیم دی گئی ہے۔ ② حسن اخلاق اور حسن معاشرت پر آمادہ کیا گیا ہے۔ ③ نیکی کتنی چھوٹی ہو اسے کر ڈالنا چاہئے۔

٧٩٧ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: بَیْنَمَا رَجُلٌ یُّصَلِّیْ مُسْبِلٌ اِزَارَهٗ قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "اِذْهَبْ فَتَوَضَّاْ" فَذَهَبَ فَتَوَضَّاَ ثُمَّ جَآءَ فَقَالَ: "اِذْهَبْ فَتَوَضَّاْ" فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَالَكَ اَمَرْتَهٗ اَنْ یَّتَوَضَّاَ ثُمَّ سَكَتَّ عَنْهُ؟ قَالَ: "اِنَّهٗ كَانَ یُصَلِّیْ وَهُوَ مُسْبِلٌ اِزَارَهٗ، وَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَقْبَلُ صَلٰوةَ رَجُلٍ مُّسْبِلٍ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ عَلٰی شَرْطِ مُسْلِمٍ۔

۷۹۷: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی تہبند لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا جاؤ اور وضو کرو وہ گیا اور وضو کیا۔ پھر آیا۔ آپ نے پھر فرمایا جاؤ اور وضو کرو۔ اس پر ایک آدمی

نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ اس کو وضو کرنے کا کیوں حکم دیتے ہیں؟ پھر آپؐ خاموش ہو جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا یہ تہبند لٹکا کر نماز پڑھ رہا تھا اور اللہ تعالیٰ تہبند لگانے والے کی نماز کو قبول نہیں فرماتا۔ (ابوداؤد) صحیح علی شرط مسلم۔

النحو : **بینما رجل یصلی**: رجل مبتداء جملہ فعلیہ خبر ہے۔ آدمی کا نام معلوم نہیں ہوا۔ **مسبلا ازارہ**: اسم فاعل ہے۔ ازار اس کا مفعول ہے۔ رجل سے حال ہے۔ **اذھب فتوضاء**: فا ظاہر کرتی ہے فوراً وضو کا حکم فرمایا۔ وہ وضو کر کے لوٹا۔ **ثم جاء فقال اذھب فتوضاء**: پھر وہ آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اور وضو کرو۔ شاید وضو میں اسے دیر لگی تو آپ ﷺ نے ثم استعمال کیا۔ پھر دوسری مرتبہ وضو کا حکم فرمایا۔ **فقال له رجل**: اس آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ② اس سائل نے کہا جو سبب دریافت کر رہا تھا کہ پہلی اور دوسری مرتبہ وضو کا حکم فرمایا اور آخر میں خاموشی فرمائی۔

یا رسول اللہ مالك امرته ان یتوضاء: مالک یہ مبتداء اور خبر ہے اور امرتہ یہ جملہ محل حال میں ہے۔ **ثم سکت عنه**: پھر تیسری مرتبہ حکم نہیں فرمایا۔ **وھو مسبل ازارہ**: وہ اپنے کپڑے کو طویل کر کے زمین تک تکبر وخود پسندی سے چھوڑنے والا تھا ممکن ہے دوبارہ وضو کا حکم اس کے گناہ کے کفارہ کے لئے ہو۔ روایت میں طہور کو مکفر سیئات فرمایا گیا ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت وارد ہے **لا یسبغ عبد الوضو الاغفر له ما تقدم من ذنبه وما تاخر**: پورا وضو کرنے والے کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ کپڑا لٹکانے کے گناہ کے کفارہ کیلئے وضو کا دوسری مرتبہ حکم فرمایا۔ نماز کے اعادہ کا حکم نہ فرمایا کیونکہ وہ درست تھی اگرچہ مقبول نہ تھی جیسا فرمایا: **ان اللہ لا یقبل صلاۃ رجل مسبل**: کہ جو آدمی چادر لٹکاتا ہے اللہ تعالیٰ اسکی نماز قبول نہیں کرتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وضو کو لوٹانے کا حکم اسلئے دیا کہ اسکے اعضاء میں کوئی جگہ خشک تھی۔ **ادر لا یقبل**: کا مطلب یہ ہے کہ اسکے گناہوں کا کفارہ نہیں بنتی اور نہ گناہوں سے اسکے دل کو صاف کرتی اگرچہ اسے نماز لوٹانے کا حکم نہ ہوگا۔

تخریج : اخرجه ابو داود (٦٣٨)

الفرائد :ازار لٹکانے والے کی نماز قبول نہیں کی جاتی۔ اسے توبہ کرنی چاہئے۔

٧٩٨ : وَعَنْ قَيْسِ بْنِ بِشْرِ التَّغْلِبِيِّ قَالَ :اَخْبَرَنِيْ اَبِيْ . وَكَانَ جَلِيْسًا لِاَبِي الدَّرْدَآءِ۔ قَالَ : كَانَ بِدِمَشْقَ رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ يُقَالُ لَهُ ابْنُ الْحَنْظَلِيَّةِ ، وَكَانَ رَجُلًا مُّتَوَحِّدًا قَلَّمَا يُجَالِسُ النَّاسَ ، اِنَّمَا هُوَ صَلٰوةٌ فَاِذَا فَرَغَ فَاِنَّمَا هُوَ تَسْبِيْحٌ وَّ تَكْبِيْرٌ حَتّٰى يَاْتِيَ اَهْلَهٗ ، فَمَرَّ بِنَا وَنَحْنُ عِنْدَ اَبِي الدَّرْدَآءِ فَقَالَ لَهٗ اَبُو الدَّرْدَآءِ : كَلِمَةً تَنْفَعُنَا وَلَا تَضُرُّكَ ، قَالَ: بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَرِيَّةً فَقَدِمَتْ ، فَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ فَجَلَسَ فِي الْمَجْلِسِ الَّذِيْ يَجْلِسُ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ لِرَجُلٍ اِلٰى جَنْبِهٖ :لَوْ رَاَيْتَنَا حِيْنَ الْتَقَيْنَا نَحْنُ وَالْعَدُوُّ فَحَمَلَ فُلَانٌ وَّطَعَنَ فَقَالَ : خُذْهَا مِنِّيْ وَاَنَا الْغُلَامُ الْغِفَارِيُّ ، كَيْفَ تَرٰى فِيْ قَوْلِهٖ ؟ فَقَالَ :مَا اُرَاهُ اِلَّا قَدْ بَطَلَ اَجْرُهٗ — فَسَمِعَ بِذٰلِكَ اٰخَرُ فَقَالَ :مَا اَرٰى بِذٰلِكَ بَاْسًا فَتَنَازَعَا حَتّٰى سَمِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فَقَالَ: "سُبْحَانَ اللّٰهِ! لَا بَأْسَ اَنْ يُّؤْجَرَ وَيُحْمَدَ" فَرَاَيْتُ اَبَا الدَّرْدَآءِ سُرَّ بِذٰلِكَ وَجَعَلَ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ اِلَيْهِ وَيَقُوْلُ: اَاَنْتَ سَمِعْتَ ذٰلِكَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيَقُوْلُ نَعَمْ ـ فَمَا زَالَ يُعِيْدُ عَلَيْهِ حَتّٰى اِنِّىْ لَاَقُوْلُ لَيَبْرُكَنَّ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ' قَالَ: فَمَرَّ بِنَا يَوْمًا اٰخَرَ فَقَالَ لَهٗ اَبُو الدَّرْدَآءِ: كَلِمَةً تَنْفَعُنَا وَلَا تَضُرُّكَ قَالَ: قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اَلْمُنْفِقُ عَلَى الْخَيْلِ كَالْبَاسِطِ يَدَهٗ بِالصَّدَقَةِ لَا يَقْبِضُهَا" ثُمَّ مَرَّ بِنَا يَوْمًا اٰخَرَ ' فَقَالَ لَهٗ اَبُو الدَّرْدَآءِ: كَلِمَةً تَنْفَعُنَا وَلَا تَضُرُّكَ ' قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الرَّجُلُ خُرَيْمٌ الْاُسَيْدِيُّ! لَوْ لَا طُوْلُ جُمَّتِهٖ وَاِسْبَالُ اِزَارِهٖ!" فَبَلَغَ ذٰلِكَ خُرَيْمًا فَعَجَّلَ: فَاَخَذَ شَفْرَةً فَقَطَعَ بِهَا جُمَّتَهٗ اِلٰى اُذُنَيْهِ وَرَفَعَ اِزَارَهٗ اِلٰى اَنْصَافِ سَاقَيْهِ ' وَرَفَعَ اِزَارَهٗ اِلٰى اَنْصَافِ سَاقَيْهِ ' ثُمَّ مَرَّ بِنَا يَوْمًا اٰخَرَ ' فَقَالَ لَهٗ اَبُو الدَّرْدَآءِ: كَلِمَةً تَنْفَعُنَا وَلَا تَضُرُّكَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: "اِنَّكُمْ قَادِمُوْنَ عَلٰى اِخْوَانِكُمْ: فَاَصْلِحُوْا رِحَالَكُمْ وَاَصْلِحُوْا لِبَاسَكُمْ حَتّٰى تَكُوْنُوْا كَاَنَّكُمْ شَامَةٌ فِى النَّاسِ: فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَلَا التَّفَحُّشَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ بِاِسْنَادٍ حَسَنٍ ' اِلَّا قَيْسَ بْنَ بِشْرٍ فَاخْتَلَفُوْا فِىْ تَوْثِيْقِهٖ وَتَضْعِيْفِهٖ وَقَدْ رَوٰى لَهٗ مُسْلِمٌ۔

۷۹۸: حضرت قیس ابن بشر تغلبی کہتے ہیں مجھے میرے والد جو حضرت ابو درداء کے ہم نشین تھے انہوں نے بتلایا کہ دِمشق میں ایک آدمی حضرات صحابہ میں سے تھا جس کو سہل بن حنظلیہ کہا جاتا تھا وہ الگ تھلگ رہنے والا آدمی تھا وہ عام لوگوں کے ساتھ کم ہی بیٹھتا تھا۔ وہ تو نماز کی طرف ہی متوجہ رہتا تھا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہو جاتے تو پھر تسبیح اور تکبیریں۔ گھر آنے تک مصروف رہتے۔ ایک دن ان کا گزر ہمارے پاس سے اس وقت ہوا جبکہ ہم ابو درداء کے پاس بیٹھے تھے تو ان حضرت کو حضرت ابو درداء نے کہا ایک ایسی بات فرمائیں جو ہمیں نفع دے اور آپ کو نقصان نہ دے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا پس وہ لشکر واپس آیا تو ان میں ایک ایسا آدمی آیا جو اس مجلس میں بیٹھ گیا جس میں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اور اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے شخص کو کہا اگر تو ہمیں اس وقت دیکھتا جب ہم اور دشمن ایک دوسرے کے مقابل ہوئے (تو کیا خوب تھا) پھر فلاں آدمی نے جملہ کیا اور نیزہ اٹھایا اور کہا یہ مجھ سے لڑائی کا مزہ چکھ لو میں ایک غفاری لڑکا ہوں۔ تم بتلاؤ اس کہنے والے کی اس بات کا کیا حکم ہے؟ اس آدمی نے جواب دیا کہ اس کا اجر باطل ہو گیا۔ اس بات کو دوسرے نے سن کر کہا پھر میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ پس دونوں نے آپس میں تنازعہ کیا جس کو رسول اللہ ﷺ نے سن کر فرمایا سبحان اللہ کوئی حرج نہیں کہ اسے اجر بھی دیا جائے اور اس پر تعریف بھی کی جائے۔ میں نے ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ اس سے بڑے خوش ہوئے اور اس کی طرف سر اٹھا کر فرمانے لگے تم نے یہ بات واقعتاً رسول اللہ ﷺ سے سنی وہ کہنے لگے جی ہاں۔ حضرت ابو درداء اس بات کو لوٹاتے رہے یہاں تک کہ میں کہنے لگا ابن حنظلیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرور اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ جائیں گے۔ قیس کہتے ہیں کہ ایک دن پھر ابن حنظلیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں ایک بات بتلائیے کہ

وہ ہمیں فائدہ دے اور آپ کو نقصان نہ دے۔ کہنے لگے ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جہاد کے گھوڑوں پر خرچ کرنے والا ایسا ہے جیسا صدقہ کے لئے ہاتھ کھولنے والا جو اس کو کبھی بند نہ کرے۔ پھر ایک اور دن ہمارے پاس سے ان کا گزر ہوا تو حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ایک بات فرمایئے جو ہمیں نفع دے اور آپ کو نقصان نہ دے۔ تو اس پر ابن حنظلیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خریم اسدی بہت اچھا آدمی ہے اگر اس کے بال لمبے اور تہبند لٹکا ہوا نہ ہوتا۔ پس یہ بات خریم کو پہنچی تو انہوں نے جلدی سے ایک چھری لے کر اپنے بالوں کو اپنے کانوں تک کاٹ ڈالا اور چادر کو نصف پنڈلی تک اونچا کر لیا۔ پھر اسی طرح ایک دن کا ہمارے پاس سے گزر ہوا تو ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے کہ ایک بات جو ہمیں نفع دے اور آپ کو نقصان نہ دے فرمائیں تو اس پر انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ تم اپنے بھائیوں کے پاس جانے والے ہو۔ پس اپنے کجاووں کو درست کر لو اور اپنے لباسوں کو صحیح کر لو۔ تاکہ تم اس طرح ہو جاؤ جیسے وہ آدمی جو چہرے پر تل رکھتا ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بری ہیئت کو اور بتکلف بدصورتی کو ناپسند کرتے ہیں۔ (ابوداؤد) اچھی سند کے ساتھ البتہ قیس بن بشر کے بارے میں ثقہ اور ضعیف ہونے اختلاف ہے امام مسلم نے ان سے روایت لی ہے۔

تشریح ❁ **قیس بن بشر**: انہوں نے صغار تابعین کا زمانہ پایا۔ ان سے ابوداؤد نے روایت لی ہے۔ **اخبرنی ابی**: ان کے والد کا نام بشر بن قیس تغلبی ہے۔ یہ اہل قنسرین (قاف کا کسرہ اور نون مشدد) سے تھے۔ کبار تابعین سے ہیں۔ ابوداؤد نے ان سے روایت لی ہے۔ **کان جلیسا لابی الدرداء**: ① اخبرنی پر معطوف ہے ② قد مضمر مانیں تو حالیہ ہے۔ **کان بدمشق**: (دال مکسور اور میم مفتوح) یہ شام کا دارالحکومت ہے۔ **اصحاب**: یہ صاحب کی جمع ہے اور صحابی کے معنی میں آتا ہے۔ یہ آدمی صحابی تھے۔ **سھل**: یہ سہل بن ربیع بن عمرو بن عدی ہیں۔ **ابن الحنظلیة**: یہ سہل کی والدہ ہیں۔ بعض نے دادا کی والدہ بتلایا ہے۔ یہ بنی حنظلہ بن تمیم سے تھیں اور خود سہل اوس قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ اصحاب شجرہ سے ہیں۔ یہ بڑے زاہد عابد تھے دمشق میں مقیم ہو گئے۔ ابن اثیر کہتے ہیں ان کے ہاں کوئی نرینہ اولاد نہ تھی انہوں نے خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ میں وفات پائی۔ یہ فرماتے اگر میری اولاد ہوتی تو وہ مجھے ساری دنیا سے زیادہ پسندہ تھی۔ ابن حجر کہتے ہیں حنظلیہ ان کی والدہ ہیں یا نانیوں سے ہیں۔ ان کے والد کے نام میں اختلاف ہے۔ **رجلا متوحد**: وہ لوگوں سے الگ تھلگ رہنا پسند کرتے۔ **قل ما یجلاس الناس**: لوگوں کے پاس کم بیٹھتے۔

اَلنَّحْوُ : : ما مصدر یہ ہے اسی لئے فعل سے جدا ہے۔ **انما ھو صلاۃ**: ھو کا مرجع سہل ہیں یعنی وہ سہل نماز میں بہت مشغول رہنے والے تھے۔ **فاذا افرغ فانما ھو تسبیح و تکبیر**: جب نماز سے فارغ ہوتے تو پھر کثرت سے تسبیح و تکبیر پڑھتے۔ **حتی یاتی اھلہ**: یہ مقدر کی غایت ہے یعنی وہ اسی میں مشغول رہتے یہاں تک گھر میں آتے تو گھر کے کام کاج اور ضروریات میں مشغول ہو جاتے۔ **نحن عند ابی الدرداء**: نحن کی خبر جلوس محذوف ہے۔ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں ان کا نام عویمر بن زید بن قیس انصاریؓ ہے۔ بعض نے عامر نام بتلایا ہے۔ **کلمۃ**: اس کا فعل محذوف اے **تکلم کلمۃً مفعول بہ**۔ **تنفعنا و لا تضرك**: جب اس پر ہم عمل پیرا ہونگے تو وہ ہمیں فائدہ دیگا اور آپ کو نقصان نہ ہوگا۔ **سریۃ**: ان کو سریہ کہنے کی وجہ رات کو چلنا ہے ② سراۃ بمعنی نفیس یہ لشکر کا نفیس حصہ ہوتا ہے۔ **فقدمت**: وہ سریہ واپس لوٹا۔ **فجلس فی المجلس**:

مجلس کا ادب یہ ہے کہ اگر وہاں سے وقتی طور پر اٹھا تو واپسی کے بعد اس کا حق فائق ہے اور اگر بلا عذر گیا تو اسکی مجلس کا حق ساقط ہو گیا۔ **رجل الی جنبه**: ان صحابی رضی اللہ عنہم میں سے ایک آدمی جو انکے پہلو میں تھا۔ **لو رایتنا**: اگر تم ہمیں دیکھتے۔ **حین التقینا نحن والعدو**: اس کا عطف نا ضمیر متصل پر ہے کیونکہ ضمیر منفصل اس کی تاکید موجود ہے۔ **فحمل فلان فعطن**: فلاں نے نیزے سے دشمن پر حملہ کیا۔ **فقال خذها منی**: نیزے مارتے وقت یہ مجھ سے لو۔ **انا الغلام الغفاری** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دشمن پر رعب کیلئے بہادر اپنے قبیلے‘ خاندان‘ ذاتی نام کو بطور تعریف استعمال کر سکتا ہے۔ **کیف تری؟** اس فخر یہ قول کا کیا حکم ہے؟ **قد ابطل عمله**: کیونکہ قوم پر فخر کیا اور اپنے عمل کو ظاہر کر دیا۔ **فا اری باسا**: کیونکہ دشمن کو ڈرانا مقصود ہے۔ **فتنازعا حتی سمع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم**: مفعول محذوف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک تنازعہ پہنچا۔ **سبحان اللّٰه لا باس ان یوجر ویحمد**: تعجب کے موقعہ پر تسبیح استعمال ہوتی ہے۔ یوجر یحمد فعل مجہول ہے۔ آخرت میں اس پر اجر ملے گا۔ ایسا قول لڑائی میں دشمن کو ہراساں کرنے کے لئے قابل استحسان ہے۔ **ابا الدرداء سُر بذالك**: وہ اس لئے خوش ہوئے کہ دنیوی نفع آخرت کے لئے رکاوٹ نہیں اور جو اچھے عمل کرے اس کا عمل ضائع نہ ہوگا جیسا فرمایا: ﴿**من عمل صالحاً من ذکرٍ او انثی هو مومن**﴾ اور فرمایا ﴿**ولمن خاف مقام ربه جنتان**﴾۔ **وجعل یرفع رأسه الیه**: پہلا جھکا ہوا تھا۔ **انت سمعت ذلك۔ أ انت سمعته**: کیا تم نے سنا ہے۔ **لیبر کن علی رکبتیه**: یہ تواضع میں مبالغہ ہے جیسا کہ معلم کے سامنے متعلم کا حال ہوتا ہے۔ **قال**: اس کا فاعل بشر ہے۔ **کلمة یعنی اذکر لنا کلمة**: یعنی ہمارے سامنے ایک بات کا تذکرہ کرو۔ **تنفعنا**: نفع کی اسناد مجازی ہے۔ **المنفق علی الخیل**: یعنی اس کو چرانے‘ پانی پلانے‘ چارہ ڈالنے وغیرہ میں خرچ کرنا۔ یہاں جہاد کا گھوڑا مراد ہے۔ **کالباسط یده بالصدقه**: جو ہمیشہ صدقہ کے لئے اپنا ہاتھ کھولے رکھتا ہے۔ **لا یقبضهما**: ہاتھ میں جو کچھ ہے اس کو نہیں روکتا۔ ابن حبان کے الفاظ یہ ہیں: **المنفق علی الخیل کالمتکفف بالصدقة**: متکفف جو اپنے ہاتھ سے دے۔ طبرانی کے الفاظ یہ ہیں: **واهلها معانون علیها والمنفق علیها کالباسط یده فی الصدقة وارواثها لاهلها عند اللّٰه یوم القیامة من مسك الجنة**۔ **ثم مربنا یوماً**: حصول علم اور اس میں اضافہ کی خواہش اور طلب کا انداز کہ ایک بات فرما دیں جس میں آپ کا نقصان مگر ہمارا فائدہ ہے۔ **نعم الرجل خریم**: یہ خریم بن فاتک ہیں جن کی کنیت ابو یحییٰ ہے بعض نے ابو ایمن لکھی ہے۔ بعض نے ان کا سلسلہ نسب اس طرح بتلایا خریم بن اخرم بن شداد بن عمرو بن الفاتک الاسیدی۔ بعض نے کہا فاتک کے والد اخرم کا لقب ہے۔ یہ اپنے بھائی سبرہ کے ساتھ غزوۂ بدر میں شامل ہوئے۔ بعض نے کہا کہ خریم اور ان کا بیٹا ایمن فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ مگر بخاری نے ان کا بدری ہونا ثابت کیا ہے۔ یہ رقہ مقام میں مقیم ہوئے۔ **جمعه**: وہ بال جو کندھوں پر گرے ہوں۔ **وضره**: کان کی لو تک پہنچنے والے بال۔ **لمه**: جو کانوں سے نیچے کندھوں کو جھانکیں۔ **اسبال ازاره**: اس سے ارشاد کیا کہ اسبال ازار دینی عظمت کو کم کرتا ہے اور تعریف کی راہ میں رکاوٹ ہے کیونکہ یہ حرام یا مکروہ ہیں۔ **فعجل**: پس انہوں نے اس نیک کام میں رکاوٹ آنے سے پہلے سبقت کی اور **شفرة**: چوڑی چھری لے کر بال کاٹ کر کانوں تک کر لئے۔ **انصاف ساقیه**: اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿**ثیابك فطهر**﴾ کا یہی معنی بیان کیا گیا ہے کہ کپڑوں کو نصف پنڈلی تک کرو یہ بلندی اس کو میل کچیل سے صاف رکھے گی۔ پھر چوتھے دن ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا **کلمة**: علم میں اضافے کا کس قدر شوق ہے۔ **یقول**: جب وہ غزوہ سے لوٹتے۔ **انکم قادمون علی**

قادمون علی اخوانکم: کل تم اپنے مؤمن بھائیوں کے پاس پہنچنے والے ہو۔ رحالکم: جمع رحل، کجاوہ، جس پر سواری کی جائے۔ اصلحوا لباسکم: تم اپنی ازار درداءرضی اللہ عنہ کو درست کرلو۔ یا عمامہ وغیرہ اس میں دوستوں کی ملاقات کے لئے بدن اور کپڑے کی تحسین ہے تاکہ ان کی نگاہیں اچھے منظر کو دیکھیں' ان کی نگاہیں ظاہر پر پڑیں گی نہ کہ باطن پر' یہ طریقہ ان کی مذمت و ملامت سے بچنے اور محتاط رہنے کا ہے اور ان کے دلوں میں توقیر واحترام کو بڑھانے کا ہے۔ یہ شریعت میں مطلب ہے۔ حدیث میں دلیل ہے آدمی کو چاہئے کہ وہ مذمت کے دکھ سے بچے اور دوستوں کی راحت کا طلبگار ہو اور ان کے دلوں کو اپنے سے مانوس کرنے کی کوشش کرے تاکہ وہ اس کو برا قرار نہ دیں اور نہ بوجھ خیال کریں۔ یہ ظاہری طور طریقے مباحات سے ہیں' تکبر میں شامل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کے اظہار کی قسم سے ہے۔

حتی تکونوا...... فی الناس: حتی تعلیلیہ ہے۔ شامة: خال۔ مطلب یہ ہے کہ تم اچھی ہیئت سے رہو تاکہ خال کی طرح معلوم ہو۔ فان اللہ لا یحب الفحش: فحش جس آدمی کی ہیئت ولباس اچھا نہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ بری ہیئت والے کو پسند نہیں فرماتے۔ ولا التفحش: اور نہ اس آدمی کو جو بتکلف فحش اختیار کرنے والا ہو۔

تخریج: اخرجه احمد (١٧٦٣٤) و ابوداود (٤٠٨٩)

الفرائد: ① اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم عبادات میں کس قدر محنت کرنے والے تھے۔ ② لمبے بال اور چادر لٹکانے والے کا اجر گھٹتا رہتا ہے۔ ③ جلد برائی کو ختم کرنا چاہئے۔ ④ فحش وتفحش سے کا انداز خوب ہونا چاہئے۔

٧٩٩ : وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِزْرَةُ الْمُسْلِمِ اِلٰی نِصْفِ السَّاقِ ، وَلَا حَرَجَ اَوْ لَا جُنَاحَ فِیْمَا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْكَعْبَیْنِ ، مَا كَانَ اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَیْنِ فَهُوَ فِی النَّارِ ، وَمَنْ جَرَّ اِزَارَهٗ بَطَرًا لَّمْ یَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَیْهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ۔

٧٩٩: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کا تہبند نصف پنڈلی تک اور کوئی حرج اور گناہ نہیں اگر نصف پنڈلی اور ٹخنوں کے درمیان ہو پس جو ٹخنوں سے نیچے ہو وہ آگ میں ہے اور جس آدمی نے اپنی چادر کو تکبر کی وجہ سے گھسیٹا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر نہ فرمائیں گے۔ صحیح سند کے ساتھ۔

تشریح ازرۃ المسلم: یہ جلسۃ کی طرح ہیئت کے معنی میں ہے مسلم کے چادر باندھنے کی ہیئت' ابن ماجہ نے مومن کا لفظ نقل کیا ہے۔ الی نصف الساق ولا حرج اولا جناح ...... الکعبین: یہ تواضع سے قریب تر اور تکبر سے دور حالت ہے اور نجاست تک پہنچنے سے دور ہے۔ جناح وحرج کے لفظ میں راوی کو شک ہے اگرچہ معنی دونوں کا ایک ہے اور اگر کعبین سے اوپر نصف ساق سے نیچے ازار میں گناہ وکراہت نہیں۔ وما کان اسفل الکعبین...... النار: کعبین سے نیچے ازار کھینچنے والا آگ کا حقدار ہے۔ فعل حرام دخول نار کا سبب ہے تو خود اسی کو آگ تعبیر کردیا اور حرمت سے مراد تکبر وخود پسندی کے لئے لٹکانا ہے۔ عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

النحو: ومن جر...... الیه: بطرأیہ مفعول لہ یا حال بن سکتا ہے۔ خبر صحیح سے معلوم ہوتا ہے کہ نظر رحمت سے محرومی قیامت کے دن ہوگی اور ممکن ہے دونوں جہاں سے متعلق ہو۔

تخریج: اخرجه مالك (١٦٩٩) واحمد (٤/١١٠٢٨) و ابو داود (٤٠٩٣) وابن ماجه (٣٥٧٣) والطیالسی (٢٢٢٨)

الفرائد: ① چادر نصف ساق تا ٹخنوں سے اوپر تک ② تکبر سے ٹخنوں سے نیچے لٹکانا عذاب آخرت کا باعث ہے۔

٨٠٠ : وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : مَرَرْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَفِيْ إِزَارِيْ اسْتِرْخَآءٌ ، فَقَالَ : "يَا عَبْدَ اللّٰهِ ، ارْفَعْ إِزَارَكَ" فَرَفَعْتُهٗ ثُمَّ قَالَ : "زِدْ" فَزِدْتُّ ، فَمَا زِلْتُ اَتَحَرَّاهَا بَعْدُ ـ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ فَقَالَ : إِلٰى اِنْصَافِ السَّاقَيْنِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ ـ

٨٠٠: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میرا گزر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہوا جبکہ میرا تہبند لٹکا ہوا تھا آپ نے فرمایا اے عبداللہ اپنے تہبند کو اونچا کرو۔ میں نے اونچا کیا فرمایا کچھ اور اونچا کرو تو میں نے کچھ اور اونچا کر دیا اس کے بعد میں نے ہمیشہ اس کا خیال رکھا بعض لوگوں نے پوچھا تہبند کہاں تک ہونا چاہئے؟ تو عبداللہ نے کہا نصف پنڈلیوں تک۔ (مسلم)

النحو: فی ازاری استرخاہ: یہ جملہ اسمیہ محل حال میں ہے۔ اس حال میں گزرا کہ میرے ازار میں ڈھیلا پن تھا۔ فرفعته: میں نے کعبین یا اس کے قریب اٹھالیا۔ زد...... انصاف الساقین: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بلند کرنے کا حکم فرمایا کہ یہ زیادہ طہارت کا باعث ہے۔ نصف پنڈلی تک ماموربہ ہے۔ قاعدہ انصاف جمع کو تثنیہ کی طرف مضاف کیا تا کہ تکرار کے ثقل سے بچا جائے۔ اس ارشاد میں بھی اسی طرح ہے: ﴿فقد صغت قلوبکما﴾ یہ فصیح لغت ہے۔

تخریج: اخرجه مسلم (٢٠٨٦)

الفرائد: ① صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شریعت پر عمل میں کس قدر جلدی کرنے والے تھے سبحان اللہ ② چادر بلند کرنے کی مستحب مقدار یہ ہے کہ ٹخنوں سے اوپر نصف ساق کے مابین ہو۔

٨٠١ : وَعَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "مَنْ جَرَّ ثَوْبَهٗ خُيَلَآءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ" فَقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ : فَكَيْفَ تَصْنَعُ النِّسَآءُ بِذُيُوْلِهِنَّ؟ قَالَ : "يُرْخِيْنَ شِبْرًا" قَالَتْ : إِذًا تَنْكَشِفُ اَقْدَامُهُنَّ ـ قَالَ : "فَيُرْخِيْنَهٗ ذِرَاعًا لَّا يَزِدْنَ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ : حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ ـ

٨٠١: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہی روایت ہے جس نے اپنے کپڑے کو تکبر کی وجہ سے لٹکایا۔ اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے دن نظر نہیں فرمائیں گے۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا۔ عورتیں اپنے دامنوں کے بارے میں کیا کریں؟ فرمایا کہ ایک بالشت ڈھیلا کریں۔ ام سلمہ نے عرض کیا کہ پھر تو ان کے قدم ننگے ہو جائیں گے

اس پر آپؐ نے فرمایا کہ وہ ایک ہاتھ لٹکا لیں اس سے زائد نہ کریں۔ (ابوداؤد' ترمذی) حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح ❁ **لم ینظر اللّٰہ الیہ:** حافظ عراقی کہتے ہیں اس معنی سے تعبیر کیا جو دیکھنے کے موقعہ پر پیش آتا ہے جو آدمی متواضع کو دیکھے تو اس پر رحم کرتا ہے اور متکبر کو دیکھے تو ناراضی پیدا ہوتی ہے۔ پس رحمت و ناراضگی یہ نظر کا نتیجہ ہے۔ کرمانی کہتے ہیں جس کی طرف نظر جائز ہو اس کی طرف نظر کی نسبت یہ کنایہ ہے کیونکہ جو کسی کو پسند کرتا ہے تو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے پھر اس لفظ کو کثرتِ استعمال میں احسان کے معنی میں لے لیا گیا ہے اگرچہ وہاں دیکھنا بالکل نہ پایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے اس کا مجازی معنی احسان ہی مراد ہے۔ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعید کپڑے کو کھینچنے والے کے لئے ہے نہ کہ دراز کرنے والے کے لئے اگرچہ اس کے شامل ہونے کا احتمال بھی ہے۔ حافظ نے کہا کہ کھینچنے کی قید غالب حالت کے لحاظ سے ہے اور تکبر اور خودنمائی تو ہر حالت میں قابل مذمت ہے خواہ کپڑا کھینچے یا نہ کھینچے۔ **فقالت ام سلمۃ فکیف تصنع النساء بذیولھن:** اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کو دامن ڈھیلے چھوڑنے کا حکم فرمایا جیسا کہ اس آیت میں ہے: ﴿**یا یھا النبی قل لازواجك ربنا تلك ونساء المؤمنین یدنین**﴾: بظاہر احادیث اس کے خلاف نظر آتی تھی مگر پیغمبر ﷺ نے خبردار فرمایا کہ ایک تو اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو جائز حد سے بڑھنے والے ہیں اور عورتوں کا حکم ان سے الگ ہے جیسا اس آیت میں وارد ہے: ﴿**یرخین شبراً**﴾: یعنی خنصر (چھوٹی انگلی) اور انگوٹھے کے درمیان جتنا فاصلہ ہے اس قدر ازار کو ڈھیلا کرے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی۔ پتھر یا لکڑی کے اٹک جانے کی وجہ سے ان کے پاؤں تو کھل جائیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا: **فیرخینہ ذراعاً:** ظاہری مراد ذراع سے ہاتھ کا ذراع ہے جو کہ انگلی کے کنارے سے کہنی تک کا حصہ ہے جو کہ چھ درمیانی مٹھی بنتا ہے۔ اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ عورتوں کے لئے قمیص' ازار اور دوپٹہ کے دامن کو ایک ذراع تک لٹکانے کی اجازت ہے اور اس کی ابتدا زمین سے ہوگی۔ بعض نے ٹخنہ سے لے کر ایک ہاتھ مقدار بتائی ہے۔ **ولا یزدن علیہ:** اس سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ اس ممانعت میں حرمت اور کراہیت کا درجہ ہوگا۔ ابوداؤد کی عبارت میں صفیہ بنت عبید الثقفیہ زوجہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اور الفاظ **لا تزید علیہ:** اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: **رخص رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لامھات المؤمنین فی الذیل شبراً ثم استزدنہ فزادھن ذراعاً فکن یرسلن الینا فتنذرع لھن ذراعا:** مذکورہ بالا الفاظ نسائی کے ہیں مگر نووی نے ابوداؤد کی طرف معنی کے لحاظ سے منسوب کر دیئے۔

تخریج : اخرجه مالك (١١٧٠٠) واحمد (١٠/٢٦٥٩٤) و ابو داود (٤١١٧) والترمذی (١٧٣٧) والنسائی (٥٣٥١) وابن حبان (٥٤٥١) والطبرانی (٢٣)

الفرائد : ① تکبر سے کپڑے کو کھینچنے والا مرد و عورت قابل مواخذہ ہیں' ② عورتوں کو نصف سے ایک ذراع نیچے لٹکانا چاہئے۔

۱۲۰: بَابُ اسْتِحْبَابِ تَرْكِ التَّرَفُّعِ فِي اللِّبَاسِ تَوَاضُعًا

باب: تواضع کے طور پر اعلیٰ لباس چھوڑ دینا مستحب ہے

قَدْ سَبَقَ فِيْ بَابِ فَضْلِ الْجُوْعِ وَخُشُوْنَةِ الْعَيْشِ جُمَلٌ تَتَعَلَّقُ بِهٰذَا الْبَابِ

باب فضل الجوع من الی اخرہ۔اس باب کے متعلق کچھ باتیں گزر چکی ہیں۔

باب فضل الجوع خشونعة العیش میں روایات گزری ہیں

لباس میں رفعت کا مطلب کپڑے کا نفیس ہونا جیسے ریشمی کپڑا یا اس کی بناوٹ کا عمدہ ہونا ہے اس کو اگر آدمی تواضع کے طور پر چھوڑے نہ کہ بخل اور اظہارِ زہد کے لئے تو مناسب ہے۔ اس باب کے متعلق روایات پہلے ابواب میں بھی گزری مثلاً باب فضل الجوع میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوامامہ خشینی رضی اللہ عنہ کی روایات ہے۔

۸۰۲: وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: "مَنْ تَرَكَ اللِّبَاسَ تَوَاضُعًا لِلّٰهِ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ دَعَاهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰى يُخَيِّرَهُ مِنْ اَيِّ حُلَلِ الْاِيْمَانِ شَآءَ يَلْبَسُهَا" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ: حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

۸۰۲: حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ کی بارگاہ میں عاجزی کے لئے ایسا لباس چھوڑا جس پر اسے قدرت حاصل ہے تو اللہ قیامت کے دن تمام مخلوقات کے سامنے بلائیں گے اور اس کو اختیار دیں گے کہ ایمان کے جوڑوں میں سے جس جوڑے کو وہ چاہے پہن لے۔ ترمذی نے اس کو روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

ترك اللباس: ترکِ لباس کا مطلب اس سے اعراض فرمانا ہے کیونکہ یہ دنیا کی رونق کی چیز ہے۔ **وهو يقدر عليه**: جو آدمی عاجز ہونے کی وجہ سے چھوڑے اس کو یہ بدلہ نہیں ملے گا بلکہ قدرت کے باوجود صرف تواضع کے لئے چھوڑنے والے کا یہ درجہ ہوگا۔ **حلل الایمان یشاء**: اس کو اس جگہ کئی قسم کی عظمتوں سے مشرف فرمایا جائے گا۔ یہاں تک کہ سب لوگوں کے سامنے اہل ایمان کو پہنائے جانے والے لباسوں میں چناؤ کرنے کا اسے اختیار دیا جائے گا کہ وہ اعلیٰ لباس کو پسند کر کے جنت کے شاندار اور اعلیٰ مقام پر اترے۔ **یلبسھا**: یہ جملہ مستانفہ جو کہ اس کے اختیار کو واضح کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔

تخریج: اخرجه احمد (۵/۱۵٦٣١) والترمذی (۲٤٨٩) والحاکم (۷۳۷۲)

الفرائد: سزا جس عمل سے ہوتی ہے۔ قولی تواضع کی طرح فعلی تواضع بھی ضروری ہے کیونکہ اس کا دارومدار کرنے والے پر ہے۔ جو کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کی خاطر چھوڑے اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرتے ہیں۔ دنیا کی زینت تواضع سے چھوڑنے والا قیامت کو مکرم ہوگیا۔

۱۲۱ :بَابُ اسْتِحْبَابِ التَّوَسُّطِ فِی اللِّبَاسِ وَلَا یَقْتَصِرُ عَلٰی مَا یُزْرِیْ بِهٖ لِغَیْرِ حَاجَةٍ وَّلَا مَقْصُوْدٍ شَرْعِیٍّ

بَابٌ: لباس میں میانہ روی اختیار کرنا بہتر ہے مگر ایسا لباس جو بغیر کسی شرعی ضرورت کے نہ پہنے جو اس کو عیب دار کرے

التوسط: لباس میں میانہ روی اختیار کرنی چاہیئے۔ بہت زیادہ قیمت والا شہرت کا باعث ہوگا اور انتہائی کم قیمت والا حقارت پیدا کرے گا جبکہ اس نے تواضع کی خاطر پہنا ہو۔ پس اعمال کا دارومدار ان کے مقاصد کے لحاظ سے ہے۔ جب کوئی آدمی قیمتی لباس اظہارِ نعمت کے لئے اور فقراء کو بتلانے کے لئے کہ وہ اس کا قصد کر کے آئیں اور وہ ان پر احسان کرے اور اغنیاء کو خبر دار کرنے کے لئے کہ مجھے تمہارے مال کی ضرورت نہیں کہ میں اللہ کا محتاج ہوں تو یہ کپڑا پہننا جائز ہے۔ حضرت شاذلیؒ نے ایک فقیر کو دیکھا کہ وہ پیوند والا کپڑے پہنے ہوئے ہے تو آپ نے ناپسند فرمایا۔ آپ نے خود اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا او میاں میرے یہ کپڑے لوگوں کو کہہ رہے ہیں کہ الحمدللہ کہو اور تیرے کپڑے کہہ رہے ہیں کہ تم مجھے اپنا مال دو۔ تو صالحین نے نفیس کپڑے لوگوں کے مال سے غناء ظاہر کرنے کے لئے پہنے ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں اپنے فقر کو ظاہر کیا ہے۔ اللہ ان کی برکات سے ہمیں بھی فائدہ دے۔ اِزراء: جس بات کا لوگ مذاق اڑائیں۔

۸۰۳ : عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ اَنْ یُّرٰی اَثَرَ نِعْمَتِهٖ عَلٰی عَبْدِهٖ" رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ :حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

۸۰۳: حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ اور وہ اپنے دادا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں کہ اس کی نعمت کا اثر دیکھا جائے۔ (ترمذی)

یہ حدیث حسن ہے۔

یحب: وہ پسند کرتے ہیں۔ **اثر نعمته علی عبدہٖ:** مطلب یہ ہے کہ وہ لذیذ چیزیں جن کا انجام اچھا ہے۔ ان کا اثر اللہ اپنے بندوں پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ کافر کو دنیا میں جو لذیذ چیزیں دی گئی ہیں وہ اخروی عذاب کا پیش خیمہ ہیں۔ حدیث تحدیثِ نعمت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا ظاہر کرنا مقصود ہو۔ جیسے نیکی کے اعمال میں اقارب کے ساتھ صلہ رحمی بھوکے کو کھانا کھلانا' گرفتار شدہ کی گردن چھڑانا وغیرہ جبکہ ان میں بڑائی مقصود نہ ہو۔

تخریج : اخرجه الترمذی (۲۸۲۸)

الفوائد :بندے پر اللہ تعالیٰ کی نعمت ظاہر ہونی چاہئے۔ انسان کو اپنے اور دوسروں پر وہ نعمتیں صرف کرنی چاہئیں جو اللہ تعالیٰ نے اسے دی ہیں۔

۱۲۲: بَابُ تَحْرِيْمِ لِبَاسِ الْحَرِيْرِ عَلَى الرِّجَالِ وَتَحْرِيْمِ جُلُوْسِهِمْ عَلَيْهِ وَاسْتِنَادِهِمْ اِلَيْهِ وَجَوَازِ لُبْسِهٖ لِلنِّسَآءِ

باب: مردوں کو ریشمی لباس اور ریشم کے گدے اور بیٹھنا اور تکیہ لگانا حرام ہے البتہ عورتوں کے لئے جائز ہے

ریشم کا لباس مرد مکلفین کے لئے حرام ہے۔ بالغ ہونے سے پہلے بعض لوگوں نے بچے کے لئے اس کو درست کہا ہے۔ **جلوسهم عليه**: بیٹھنے کے گدے جبکہ اوپر سے ڈھکے ہوئے نہ ہوں تو ان پر بیٹھنا درست نہیں۔ اگر اسے روئی وغیرہ کے غلاف سے ڈھانپ دیا گیا تو عرفِ عام کے لحاظ سے بھی یہ ریشم کے استعمال میں نہیں آتا۔ اس پر ٹیک لگانا اور بیٹھنا دونوں جائز ہیں۔ **علت حرمت**: ریشم کے حرام ہونے کی علت میں اختلاف ہے۔ (۱) بعض نے تکبر اور بڑائی (۲) بعض نے خوش عیشی اور زینت جو کہ عورتوں کے لائق ہے وہ قرار دی ہے۔ (۳) ابن حجر نے مشرکین کے ساتھ مشابہت کو علت قرار دیا ہے۔ **جواز لباسه للنساء**: عورتوں کو اس کا پہننا اور ٹیک لگانا دونوں ہی درست ہیں۔

❀ ❀ ❀

٨٠٤ : عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :"لَا تَلْبَسُوا الْحَرِيْرَ ، فَإِنَّ مَنْ لَبِسَهٗ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْاٰخِرَةِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۸۰۴: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ریشم مت پہنو۔ اس لئے کہ جس شخص نے اس کو دنیا میں پہنا وہ آخرت میں اس کو نہیں پہنے گا۔ (بخاری و مسلم)

لا تلبسوا الحرير: یہ خطاب مرد عاقل بالغ لوگوں کو ہے۔ **فان من لبسه في الدنيا لم يلبسه في الآخرة**: حدیث کا ابتدائی حصہ اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ والی روایت ظاہر کرتی ہے کہ ریشم کے حرام ہونے کا علم ہونے کے باوجود جس نے اسے پہن لیا اور جان بوجھ کر اس کا ارتکاب کیا اور موت سے پہلے توبہ بھی نہ کی تو آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ نہ پہننے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل میں اس کی طلب ہی نہ رہے گی کیونکہ یہ چیز جنت کے احترام کے خلاف ہے۔ طلب کرے اور نہ دی جائے اسی طرح کا حکم اس شراب پینے والے کا ہے جو توبہ کے بغیر مر جائے وہ جنت کی شراب سے محروم کر دیا جائے گا۔ اس محروم کرنے کا بھی یہی مطلب ہے۔

تخریج : اخرجه البخاری (٥٨٢٨) و مسلم (٢٠٦٩) والترمذی (٢٨٢٦) والنسائی (٥٣٢٠)

الفرائد : مردوں کو ریشمی لباس حرام ہے جس نے اس کو پہنا اور توبہ کے بغیر مر گیا اس کے لئے یہ وعید ہے۔ آخرت میں وہ ریشمی لباس سے محروم ہوگا۔

❀ ❀ ❀

٨٠٥ : وَعَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: "اِنَّمَا يَلْبَسُ الْحَرِيْرَ مَنْ لَّا خَلَاقَ لَهٗ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَفِىْ رِوَايَةٍ لِّلْبُخَارِيِّ: "مَنْ لَّا خَلَاقَ لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ"
قَوْلُهٗ "مَنْ لَّا خَلَاقَ لَهٗ" :اَىْ لَا نَصِيْبَ لَهٗ۔

۸۰۵: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ بے شک ریشم وہ پہنتا ہے جس کا کوئی حصہ نہ ہو (یعنی آخرت میں)...... (بخاری و مسلم) اور بخاری کی روایت میں ہے جس کا کوئی حصہ آخرت میں نہ ہو۔
مَنْ لَا خَلَاقَ لَهٗ: یعنی جس کا کوئی حصہ نہ ہو۔

یلبس الحریر: ریشم پہننے کا مطلب عرفِ عام میں اس کے کپڑے کا پہننا ہے۔ **من لا خلاق له**: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس کو سزا ملی تو جنت میں نہ جا سکے گا اور اللہ کی مرضی ہے کہ وہ غیر مشرک گناہ گار کو بخش دے یا وہ داخل تو ہو مگر اس کی خواہش اس کے دل سے نکال دی جائے اور وہ اس کو نہ پہن سکے۔ خلاق کا لفظ حصہ کے معنی میں آتا ہے۔ گویا دنیا میں ریشم پہننے کی سزا آخرت میں یہی ہوگی۔

روایت کا فرق: بخاری کی ایک روایت میں **من لا خلاق له فی الآخره** اور مسلم نے باب اللباس میں یہی لفظ نقل کئے ہیں۔

تخریج : اخرجه البخاری (٥٨٣٥) و مسلم (٢٠٦٨) و احمد (٢/٤٧١٣) و ابو داود (٤٠٤٠) وابن ماجه (٣٥٩١) وابن حبان (٥٤٣٩) و عبدالرزاق (١٩٩٢٩) والبيهقى (٢/٤٢٢)

الفرائد :ریشمی لباس والا آخرت کے حریر و ریشم سے محروم ہوگا۔

٨٠٦ : وَعَنْ اَنَسٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :"مَنْ لَّبِسَ الْحَرِيْرَ فِى الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِى الْاٰخِرَةِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۸۰۶: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں نہیں پہنے گا۔ (بخاری و مسلم)

من لبس الحریر فی الدنیا لم یلبسه فی الآخره: نسائی کی روایت میں **من لم یلبس الحریر فی الآخره لم یدخل الجنة**: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ولباسهم فیها حریر** : یہ اضافی مدرج ہے مگر حاکم نے اس طرح نقل کیا **وان دخل الجنه لبسه اهل الجنة ولم یلبسه هو** :اس سے بھی مدرج کا احتمال پختہ ہوتا ہے (ابن حجر)

تخریج : اخرجه البخاری (٥٨٣٢) و مسلم (٢٠٧٣) و احمد (٤/١٣٩٩٤) و ابو يعلى (٣٩٣٠) و ابن ابى شيبة (٨/٣٤٥) وابن حبان (٥٤٢٩) وابن ماجه (٣٥٨٨) والبيهقى (٢/٤٢٢)

٨٠٧ : وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَخَذَ حَرِيْرًا فَجَعَلَهٗ فِىْ يَمِيْنِهٖ وَذَهَبًا

فَجَعَلَهُ فِي شِمَالِهِ ثُمَّ قَالَ: "إِنَّ هٰذَيْنِ حَرَامٌ عَلٰى ذُكُوْرِ أُمَّتِيْ" رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ۔

۸۰۷: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے دائیں ہاتھ میں ریشم اور بائیں ہاتھ میں سونے کو پکڑ کر فرمایا یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔

ابوداؤد نے سند حسن سے روایت کیا ہے۔

اخذ حریراً: یہ جملہ حالیہ ہے۔ اگر رؤیت علمیہ مراد ہو تو جملہ مفعول دوم بنے گا۔ فجعله فی شماله: یعنی ان دونوں کو دو ہاتھوں میں لیا۔ هذین: ان دونوں جنسوں کی طرف اشارہ فرمایا۔ مراد اس سے ان کے استعمال کی حرمت ہے۔ حرام علی: سوائے مستثنیات کے جو کسی عذر سے استعمال کی جائیں مثلاً سونے کی ناک، سونے کا دانت، تزیین مصحف وغیرہ۔

تخریج: اخرجه احمد ۱/۹۳۵) و ابو داوٗد (٤٠٥٧) والنسائی (٥١٥٩) وابن ماجه (٣٥٩٥) وابن حبان (٥٤٣٤) و ابن ابی شيبة (٣٥٦١/٨)

الفرائد: مردوں کو ریشم اور سونا حرام ہے اور عورتوں کو دونوں درست ہیں۔

۸۰۸: وَعَنْ أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: "حُرِّمَ لِبَاسُ الْحَرِيْرِ وَالذَّهَبِ عَلٰى ذُكُوْرِ أُمَّتِيْ وَأُحِلَّ لِإِنَاثِهِمْ" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ: حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

۸۰۸: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ریشم اور سونے کا پہننا میری امت کے مردوں پر حرام ہے اور ان کی عورتوں کے لئے حلال کیا گیا ہے۔ (ترمذی)

حدیث حسن صحیح ہے۔

حرم: یہ فعل مجہول ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے ان کو حرام کیا ہے۔ لباس الحریر: لباس کی طرح بستر وغیرہ بھی اسی حکم میں ہے۔ اسی طرح تکیہ وغیرہ۔ الذھب: انگوٹھی دیگر زیورات مکلف بالغ مردوں پر حرام ہیں۔ عورتوں کیلئے حلال ہیں۔

تخریج: اخرجه احمد (٧/١٩٦٦٤) والترمذی (١٧٢٦) والنسائی (٥١٦٣) والطیالسی (٥٠٦) والطحاوی (٢٥١/٤) والبیهقی (٢٧٥/٣)

الفرائد: مسلمان مردوں کو ریشمی لباس اور سونا پہننا حرام ہے عورتوں کے لئے درست ہے۔

۸۰۹: وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَانَا النَّبِيُّ ﷺ أَنْ نَّشْرَبَ فِيْ آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَأَنْ نَّأْكُلَ فِيْهَا، وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ وَأَنْ نَّجْلِسَ عَلَيْهِ، رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۸۰۹: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور چاندی کے برتن میں کھانے اور پینے سے منع فرمایا۔ موٹے اور باریک ریشم کے پہننے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ (بخاری)

ان ناکل فیھا: کھانے پینے کو خاص طور پر ذکر کیا کیونکہ عام استعمال کی یہی صورت ہے۔اس کی نقد رقم بھی حرام ہے۔لبس الحریر: لام کا ضمہ ہو لباس پہننا۔لبس ہو تو اس کا معنی لباس۔جمہور کہتے ہیں ریشم پر بیٹھنا بھی حرام ہے جبکہ ان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔بعض نے کہا بیٹھنے اور پہننے دونوں کی ممانعت ہے۔فقط بیٹھنے کی نہیں۔ابن بطال نے اس کو تحریم جلوس کے لئے نص قرار دیا مگر بظاہر ایسا نہیں اور تمام چیزوں کی نہی تحریم کے لئے ہے۔

تخریج : اخرجه البخاری (٥٤٢٦)

الفرائد : سونے چاندی کے برتوں میں کھانا اور پینا حرام ہے۔ریشم موٹا باریک ہر دو پہننا اوران پر بیٹھنا حرام ہے۔

۱۲۳ : بَابُ جَوَازِ لُبْسِ الْحَرِيْرِ لِمَنْ بِهٖ حِكَّةٌ

بَابٌ: خارش والے کو ریشم پہننا جائز ہے

حکة: بعض نے کہا خارش اور بعض خشک خارش کو کہتے ہیں۔پہلا قول جوہری کا ہے۔

٨١٠ : عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِلزُّبَيْرِ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فِيْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ لِحِكَّةٍ كَانَتْ بِهِمَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

٨١٠: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خارش کی وجہ سے حضرت زبیر اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کو ریشم پہننے کی اجازت دی۔(بخاری ومسلم)

رخص: یہ رخصت سے لیا گیا ہے جس حکم کا تعلق سختی سے سہولت میں بدل دیا جائے جبکہ کوئی عذر پایا جائے البتہ حکم اصلی کے لئے سبب قائم رہے وہ ریشم پہننے کے علاوہ ہے۔یہاں عذر خارش کی وجہ سے حرمت جواز میں بدل گئی اور اصل حرمت باقی رہی اور وہ تکبر کی وجہ سے حرمت ہے۔فی لبس الحریر: یعنی یہ کہ اس کو وہ پہن لیں۔لحکة: لام اجلیہ ہے۔بھما : بخاری کی روایت میں ہے کہ انھما اشتکیا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القمل: بقول حافظ خارش جوں کے باعث تھی۔حدیث میں اس حکم کے ساتھ گرمی وسردی کیلئے اسکی اباحت بھی شامل ہوگی۔جبکہ اسکے علاوہ کوئی اور کپڑا نہ پایا جائے۔

تخریج : اخرجه احمد (٤/١٢٨٦٣) والبخاری (٢٩١٩) و مسلم (٢٠٧٣) و ابو داود (٤٠٥٦) والترمذی (١٧٢٢) والنسائی (٥٣٢٥) وابن ماجه (٣٥٨٨) وابن حبان (٥٤٣٠) وابن ابی شیبة (٣٤٥/٨) والطیالسی (١٩٧٢) وابو یعلی (٣٩٣٠) والبیهقی (٦٢٧/٣)

الفرائد : ریشم سفر وحضر میں اس کو استعمال کرنا درست جس کو شدید خارش ہو (یہ وعید شرعی ہے)۔

۱۲۴ : بَابُ النَّهْيِ عَنِ افْتِرَاشِ جُلُوْدِ النُّمُوْرِ وَالرُّكُوْبِ عَلَيْهَا

بَابٌ: چیتے کی کھال پر بیٹھنے اور اس پر سوار ہونے کی ممانعت

٨١١ : عَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "لَا تَرْكَبُوا الْخَزَّ وَلَا النِّمَارَ" حَدِيْثٌ حَسَنٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَغَيْرُهُ بِاِسْنَادٍ حَسَنٍ۔

۸۱۱: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چیتے کی کھال اور ریشم پر مت بیٹھو۔ حدیث حسن ہے۔

ابوداؤد نے حسن کہا۔

معاویہ: رضی اللہ عنہ حالات گزرے۔ **الخز:** یہاں الخز سے مراد وہ کپڑے ہیں جو اون سے بنے ہوئے ہوں۔ اس زمانے میں وہ الخز دیئے کو ڈھانپنے کے لئے استعمال ہوتے تھے یہ مباح ہے۔ اس کو صحابہ اور تابعین نے استعمال کیا ہے۔ البتہ اس میں عجمیوں کی مشابہت ہے کیونکہ یہ متکبر خوشحال لوگوں کا طریقہ ہے اور اگر اس سے مراد مصروف ریشم ہے تو وہ حرام ہے۔ یہ غرۃ کی جمع ہے وہ کپڑا جس میں سفید اور سیاہ دھاریاں ہوں۔ اس معنی کے لحاظ سے باب سے اس کی مناسبت نہیں۔ بس اس طرح کہا جا سکتا ہے غرہ درندہ ہے جس کی جمع نمور آتی ہے اور ان کی کھالیں متکبر لوگ استعمال کرتے ہیں۔ اس کی ممانعت عجمیوں کے لباس کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ہی ہو سکتی ہے۔

تخریج : اخرجه ابو داود (٤١٢٩) وابن ماجه (٣٦٥٦)

الفرائد : ریشمی گدی اور چیتوں کی کھالوں پر بیٹھنا ممنوع ہے۔

٨١٢ : وَعَنْ اَبِي الْمَلِيْحِ عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ جُلُوْدِ السِّبَاعِ، رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ، وَالتِّرْمِذِيُّ، وَالنَّسَائِيُّ بِاَسَانِيْدَ صِحَاحٍ - وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ نَهٰى عَنْ جُلُوْدِ السِّبَاعِ اَنْ تُفْتَرَشَ۔

۸۱۲: حضرت ابوالملیح اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کی کھالوں سے (استعمال سے) منع فرمایا۔ ابوداؤد، ترمذی، نسائی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

ترمذی کی روایت میں ہے کہ درندوں کی کھال پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔

ابو الملیح: ابوالملیح بعض نے ان کا نام عامر اور بعض نے عمیر بن اسامہ ہذلی بتایا ہے۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے عمیر بن عامر بن اقیشر، اقیشر کا نام عمیر بن عبداللہ بن حبیب بن یسار بن ناجیہ بن عمرو بن حارث بن کثیر بن ہند بن طلحہ بن لحیان بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس الہذلی الکوفی ہے۔ نووی کہتے ہیں یہ صحابی ہیں ان سے روایت کرنے میں ان کا بیٹا منفرد ہے۔ سنن کی چاروں کتابوں نے ان سے روایت لی ہے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے کئی روایتیں بیان کی ہیں۔ **نھی عن جلود السباع:** درندوں کی کھالیں اور ان پر بیٹھنے سے آپ نے منع فرمایا۔ بیہقی کہتے ہیں کہ شاید ممانعت اس لئے کر دی گئی کہ ان پر بال باقی رہ گئے جس میں دباغت نہیں ہوتی۔ مگر دوسروں نے کہا کہ شاید ممانعت کی وجہ یہ ہو کہ یہ متکبر اور فضول خرچ لوگوں کی سواریاں ہیں یا ان کھالوں کی ممانعت ہو جن کی دباغت نہیں ہوتی۔ سعید کی سند سے یہ روایت ثابت ہے اس کی اور سند نہیں ہے۔

تخریج : اخرجه ابو داود (٤١٣٢) والترمذی (١٧٧٧)

الفرائد : درندوں کی کھالوں پر بیٹھنا ممنوع ہے خواہ اسکی وجہ عجم سے مشابہت ہو یا تکبر ہو۔

۱۲۵ : بَابُ مَا يَقُوْلُ اِذَا لَبِسَ جَدِيْدًا

بَاب: جب نیا کپڑے پہنے تو کیا دعا پڑھے؟

اذا لبس: جب مکمل طور پر پہن چکے۔

۸۱۳ : وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاهُ بَاسْمِهٖ ، عِمَامَةً ، اَوْ قَمِيْصًا ، اَوْ رِدَآءً ، يَقُوْلُ : اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ كَسَوْتَنِيْهِ ، اَسْاَلُكَ خَيْرَهٗ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهٗ ، وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ ، وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ : حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

۸۱۳: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام لیتے مثلاً پگڑی، قمیص، چادر اور پھر یہ دعا پڑھتے: "اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ ......" اے اللہ آپ کے لئے تمام تعریفیں ہیں آپ نے مجھے یہ کپڑا پہنایا میں آپ سے اس کی بھلائی اور جس مقصد کیلئے یہ بنایا گیا ہے اس کی بھلائی چاہتا ہوں اور اس کے شر سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں اور جس مقصد کے لئے یہ بنایا گیا اس کے شر سے بھی۔ (ابوداؤد، ترمذی) یہ حدیث حسن ہے۔

اذا استجد ثوبا: ان کا اصل معنی نیا بنانا ہے اور یہاں مطلب یہ ہے جب آپ ﷺ نیا کپڑا پہنتے۔ **سمّاہ** : اس کپڑے کا نام لے کر فرماتے **الحمد لله الذی رزقنی او کسانی هذه العمامة** الخ۔ بعض نے کہا نام لینے کا معنی نام رکھنا ہے مثلاً آپ ﷺ کے ایک عمامہ کا نام "سحاب" تھا۔ پھر پہننے کے بعد مذکورہ دعا پڑھتے۔ نام لینے کی وجہ یہ ہے تاکہ حمد نعمت کے مقابل ہو حالانکہ حمد تو اس سے ستر گنا افضل ہے۔ بعض نے کہا

النحو : **کسوتینه**: یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر **اسالك خيره**: ہے۔ **اسالك خيره**: یعنی جو کپڑا آپ ﷺ نے میری طاقت واختیار کے بغیر پہنایا اور اس کی خیر پہنچانے کا طالب ہوں۔ **صنع له**: جس کے لئے بنایا گیا یعنی اعضاء و جوارح اور قلب سے عطاء کرنے والے کا شکریہ۔ **اعوذبك**: اس کا عطف اسالک پر ہے۔ یعنی میں تیری پناہ میں آتا ہوں۔ **من شر ما صنع له**: یعنی ناشکری (طیبی)

تخریج : اخرجه احمد (۱۲۲٤۸) و ابو داود (٤۰۲۰) والترمذی (۱۷۷۳) والحاکم (۷٤۰۸) وابن حبان (٥٤۲۰)

الفرائد : ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنی چاہئے۔ نئے کپڑے کا ادب حمد نعمت باری ہے اور اللہ تعالیٰ سے برکت اور کپڑے کے شر سے پناہ طلب کرنا ہے۔

۱۲۶ : بَابُ اسْتِحْبَابِ الْاِبْتِدَآءِ بِالْيَمِيْنِ فِی اللِّبَاسِ

باب : پہننے میں دائیں جانب مستحب ہے

اس باب کا مقصود گزر چکا' وہاں احادیث بھی ذکر کر دی گئیں۔

ابتداء بالیمین فی اللباس: کا مطلب یہ ہے کہ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ سے پہلے آستین میں داخل کرے اور موزے شلوار جوتے میں یہی حکم ہے کیونکہ لباس عضو کی تکریم ہے اور دایاں کرامت کا زیادہ حقدار ہے۔ مقصودہ: دائیں جانب کا ہر چیز میں استحباب ثابت کرنا۔ سابقہ ابواب کی روایات کو دوبارہ لوٹانے کی حاجت نہیں۔

هٰذَا الْبَابُ قَدْ تَقَدَّمَ مَقْصُوْدُهٗ وَذَكَرْنَا الْاَحَادِيْثَ الصَّحِيْحَةَ فِيْهِ۔

اس باب کا مقصد و ماحصل گزر چکا وہاں صحیح احادیث ذکر کر دی گئی ہیں۔

۱۲۷ : بَابُ آدَابِ النَّوْمِ وَالْاِضْطِجَاعِ وَالْقُعُوْدِ وَالْمَجْلِسِ وَالْجَلِيْسِ وَالرُّؤْيَا

باب : سونے' لیٹنے' بیٹھنے' مجلس' ہم مجلس اور خواب کے آداب

النوم: ایک بھاری پردہ جو دل پر حملہ آور ہو کر اسے اشیاء کی پہچان سے منقطع کر دے۔ اسی لئے تو اس کو آفت کہا گیا کیونکہ نیند موت کے ہم قرین ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ نیند قوت و عقل دونوں کو زائل کر دیتی ہے۔ بعض نے کہا دونوں کو ڈھانپنے والی ہے۔ فرق: اونگھ کا اثر صرف سر میں اور نعاس (ہلکی نیند) کا اثر آنکھ میں ہوتا ہے۔ بعض نے دونوں کو ایک ہی کہا ہے۔ بعض نے کہا اونگھ چہرے پر ظاہر ہونے والی نیند کی ہوا کو کہتے ہیں۔ پھر یہ وہاں سے دل کی طرف اٹھتی ہے۔ انسان کو اونگھ میں مبتلا کرتی ہے جس سے وہ سو جاتا ہے (المصباح) فقہاء کا ارشاد: جنون عقل کو زائل کرتا ہے اور سکر و اغماء دونوں عقل پر غلبہ پاتے ہیں۔ نیند صرف عقل کو ڈھانپتی ہے۔ نیند کی علامت خواب ہے اور نعاس کی علامت حاضرین کی بات کا سننا ہے اگرچہ معنی سمجھ میں نہ آئے۔ لا اضطجاع: یہ ضجع سے باب افتعال ہے۔ زمین پر پہلو کے رکھنے کو کہتے ہیں۔

٨١٤ : عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ نَامَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ ثُمَّ قَالَ : "اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِيْ اِلَيْكَ ' وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ ' وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ ' وَاَلْجَاْتُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ ' رَغْبَةً وَّرَهْبَةً اِلَيْكَ ' لَا مَلْجَاَ وَلَا مَنْجَاَ مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ' اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ ' وَنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ ' رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ بِهٰذَا اللَّفْظِ فِيْ كِتَابِ الْاَدَبِ مِنْ صَحِيْحِهٖ۔

۸۱۴: حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے بستر پر سونے کے لئے تشریف لاتے تو دائیں جانب لیٹ کر یوں دعا کرتے: ''اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِيْ اِلَيْكَ' وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ

اِلَیْكَ ......اے اللہ میں نے اپنے آپ کو آپ کے سپرد کر دیا اور اپنے چہرے کو آپ کی طرف متوجہ کیا اور اپنے معاملے کو آپ کے حوالے کیا اور رغبت وخوف کے ساتھ میں نے اپنی پشت کو آپ کی پناہ میں دیا۔ کوئی پناہ کی جگہ نہیں اور کوئی چھوٹنے کا مقام نہیں مگر تیری ہی طرف سے میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے اتاری اور اس پیغمبر پر جو تو نے بھیجا۔ بخاری نے ان الفاظ کے ساتھ کتاب الادب میں بیان کیا۔

آوی: ملنا۔ فراشه: جو چیز سونے کے لئے بچھی ہو۔ شقه الایمن: یہ دل کے لئے زیادہ مفید اور جاگنے کے لئے زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس میں دل لٹکا ہوا رہتا ہے وہ نیند میں ڈوبتا نہیں۔ ثم: یہ فا کی جگہ عاریۃ استعمال کیا یا کسی اور دعا کے بعد یہ دعا پڑھتے۔ اسلمت نفسی الیك: میں بلاتعرض اپنے نفس کو آپ کے حوالے کیا۔ جیسا کہ آقا کو اپنے بندے پر حق بنتا ہے۔ دل کے سچے ارادے سے یہ بات کہے ورنہ جھوٹ کی وجہ سے اس کے غضب کا حقدار ہوگا۔ وجھی الیك: چہرہ سب سے اعلیٰ عضو ہے۔ اس کو بول کر ذات مراد لی کیونکہ چہرہ صورت کا مقام جس سے جمال کا امتیاز ہوتا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الصورة الرأس فاذا قطع الراس فلا صورة: (معجم اسماعیلی من حدیث ابن عباس) (جامع صغیر) فی الراس: کا مطلب اس کے قریب ہے۔ فوضت امری الیك: میں نے اپنے کو آپ کے سپرد کیا جو اپنے کو اپنے مولیٰ کے سپرد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہو جاتے ہیں۔ والجات: میں پشت کو آپ کی طرف لوٹایا آپ ﷺ کے سامنے پیش کر دیا آپ ﷺ کی پکڑ سے بچنے کی جگہ آپ ہی کی بارگاہ ہے۔ رغبة: یہ مفعول لہ ہے۔ یعنی آپ کے ثواب کی طمع کرتے ہوئے۔ رھبة الیك: آپ کی سزا سے ڈر کر بعض نے اس کو رہبۃ کے متعلق کیا اور اس کا متعلق حذف مانا۔ (۲) دونوں اس مفعول کے متعلق تنازعہ کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہوا "ہم اپنی دونوں حالتوں میں آپ کی پناہ چاہتے ہیں نہ غیر کی۔ بعض نے لف نشر مرتب مانا) لا ملجاء ولا منجا: ان دونوں کو ہمزہ اور لین کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔ ملجاء جس پر ٹیک لگائی جائے۔ الا الیك: آپ سے پناہ ونجات کی جگہ آپ کی بارگاہ کے سوا کہیں نہیں۔

النَّحْو: یہ جملہ مستانفہ ہے۔ آمنت بکتابك: کتاب سے جنس کتاب مراد ہے اور معہود کتاب قرآن مجید ہے اور ایمان تصدیق کے معنی میں ہے۔ ایمان میں تمام کتابیں شامل ہیں۔ ونبیك الذی ارسلت: تمام خلق کی طرف بھیجے جانے والے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم۔

تخریج : اخرجه احمد (٦/٨٦١١) والبخاری (٤٢٧) و مسلم (٢٧١٠) و ابوداود (٥٠٤٦) والترمذی (٣٣٩٤) والنسائیی (٧٧٣) وابن ماجه (٣٨٧٦) و أبو یعلی (١٦٦٨) وابن حبان (٥٥٢٧)

الفرائد: اَسْلَمْتُ کہہ کر بندے نے یہ ظاہر کیا کہ اس کے تمام اعضاء اس کے اوامر ونواہی کے مطیع ہیں اور وَجَّهْتُ وَجْهِیْ کہہ کر اپنے سے منافقت کی نفی کی فَوَّضْتُ اَمْرِیْ کہہ کر بتلایا کہ میرا مدبر اللہ تعالیٰ ہے۔

٨١٥ : وَعَنْهُ قَالَ : قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "اِذَا اَتَیْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوْءَكَ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلٰی شِقِّكَ الْاَیْمَنِ وَقُلْ" وَذَكَرَ نَحْوَهٗ وَفِیْهِ : "وَاجْعَلْهُنَّ اٰخِرَ مَا تَقُوْلُ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۸۱۵: حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اپنے بستر پر لیٹنے لگو تو نماز کے وضو کی طرح وضو کرو اور پھر اپنی دائیں جانب یوں کہو اوپر والی دعا ذکر کی اور اس میں یہ بھی فرمایا ان کلمات کو اپنے آخری کلمات بناؤ۔ (بخاری و مسلم)

مضجعك: لیٹنے کی جگہ۔ **وضوءك للصلاة:** شرعی وضو مراد ہے۔ **اجعلهن:** یعنی مذکورہ کلمات۔ **آخر ما تقول:** تا کہ سب سے اختتامی عمل یہی ہو۔ اگر اسی حالت میں موت آ گئی بلند مرتبہ مل جائے گا۔

❁ ❁ ❁

٨١٦ : وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً فَاِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ، ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ حَتّٰى يَجِيْءَ الْمُؤَذِّنُ فَيُؤْذِنَهٗ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۸۱۶: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو گیارہ رکعتیں ادا فرماتے پھر جب صبح طلوع ہو جاتی دو ہلکی رکعتیں ادا فرماتے پھر اپنے دائیں پہلو پر اس وقت تک لیٹے رہتے یہاں تک کہ مؤذن آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نماز کی) اطلاع دیتا۔ (بخاری و مسلم)

احدی عشرة ركعة: ایک روایت میں آیا ہے کہ چھ الگ الگ ہوئیں۔ پانچ کے ساتھ طاق بناتے ان کے درمیان نہ بیٹھتے بس آخر میں بیٹھتے۔ **الفجر:** سے صبح صادق مراد ہے۔ **ركعتين خفيفتين:** یہ فجر کی دو سنتیں ہیں۔ پھر دائیں پہلو پر لیٹ جاتے تا کہ انسان کو قبر کا لیٹنا یاد رہے اور یہ چیز اسے دن میں اچھے اعمال پر آمادہ کرے۔ یہ لیٹنا ہر اس آدمی کے لئے سنت ہے جو قیام لیل کرنے والا ہو۔ **فيؤذنه:** یہ ایذان سے ہے جس کا معنی اطلاع دینا۔ یعنی تا کہ وہ آپ کو اطلاع کرے کہ لوگ نماز کے لئے آ چکے ہیں۔ آپ ﷺ اٹھ کر امامت کرائیں۔

تخریج: اخرجه احمد (٩/٢٥٠٦٣) والبخاری (٦٢٦) و مسلم (٧٣٦) والدارمی (١/٣٣٧) و ابو داود (١٣٣٥) والترمذی (٤٤٠) والنسائی (١٧٦١) و مالك فی موطه (٢٦٤) وابن حبان (٢٤٦٧) والبيهقی (٣/٤٤)

الفرائد: آپ ﷺ کی تہجد کی کیفیت ذکر کی گئی ہے۔ تہجد کے بعد دو سنتیں پڑھ کر آپ ﷺ کبھی لیٹ جاتے اور کبھی باتیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ معمول نہ تھا جیسا بعض جدید مجتہد کرتے ہیں۔

❁ ❁ ❁

٨١٧ : وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ مِنَ اللَّيْلِ وَضَعَ يَدَهٗ تَحْتَ خَدِّهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ : "اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيَا" وَاِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ : "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۸۱۷: حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے جب حضورؐ اپنے بستر پر رات کے وقت لیٹتے تو اپنا ہاتھ اپنی رخسار کے نیچے رکھ کر یوں دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ ...... اے اللہ آپ کے نام کے ساتھ مرتا اور جیتا ہوں اور جب آپ بیدار ہوتے تو

یوں فرماتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ...... تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی ہی کی طرف اٹھنا ہے۔ (بخاری)

اخذ مضجعه: نیند کا ارادہ فرماتے۔ **وضع یده تحت خده:** ترمذی میں **کفه الیمین خده الایمن:** ہے۔ آپ دائیں کو ہر کام میں پسند فرماتے نیز نیند موت کی ہم قرین ہے۔ یہ ہیئت نزع ہے اور قبر میں لیٹنے کی حالت ہوگی۔ اسی وجہ سے بیٹھ کر جو نماز سے عاجز ہو اس کو یہ حالت سب نماز کے لئے سب سے افضل ہے۔ **ثم یقول:** ترمذی میں واؤ کے ساتھ ہے گویا یہاں اسی معنی میں ہے۔ اس طرح فرماتے: **اللهم باسمك:** قرطبی کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے آپ مجھے زندگی اور موت دینے والے ہیں پس میری موت وزندگی آپ کی قدرت سے ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں معنی یہ ہے: **بك احياء و اموت:** آپ کی مدد سے میں زندہ رہتا اور مرتا ہوں۔ اسی طرح اسماء کا اضافہ کرنا نہیں پڑتا۔ قرطبی کہتے ہیں یہ معنی بھی ہوسکتا ہے۔ آپ کے محیی نام کی برکت سے میں زندہ ہوتا اور آپ کے ممیت اسم کی برکت سے میں مرتا ہوں۔ باسمک کی تقدیم اہتمام کے لئے ہے۔ **الذی احیانا:** یعنی وہ ذات جس نے ہمیں جگایا اس میں استعارہ تبعیہ ہے۔ اسی سے اماتنا میں ظاہری حال مجاز کا قرینہ ہے۔ طیبی کہتے ہیں جب دنیا کی زندگی سے انتفاع نیک اعمال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے میں ہے اور سونے والے کا اس میں کچھ بھی حصہ نہیں تو وہ اس انتفاع میں میت کی طرح ہوگیا پس حمد یہ شکر یہ ہے تاکہ یہ نعمت پالے اور وہ انقطاع ختم ہو۔ اس طرح یہ جملہ **والیه النشور:** کے ساتھ باربط بن جاتا ہے۔ نشور کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں اس نے جو کمایا اس کا ثواب پانے کے لئے اس کی بارگاہ میں لوٹنا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور کسی کا اس میں ذرہ بھر دخل نہیں۔

تخریج : بخاری فی الدعوات، سنن الاربعه، ابو داؤد فی الادب و الترمذی فی الدعوات و الشمائل، نسائی فی الیوم و اللیله، ابن ماجه فی الدعاء۔

الفرائد :اس روایت میں آپ ﷺ کے بستر پر لیٹنے اور پھر نیند سے بیداری کے بعض افعال واحوال کا تذکرہ ہے۔

۸۱۸ : وَعَنْ يَعِيْشَ بْنِ طِخْفَةَ الْغِفَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ اَبِيْ : "بَيْنَمَا اَنَا مُضْطَجِعٌ فِي الْمَسْجِدِ عَلٰى بَطْنِيْ اِذَا رَجُلٌ يُّحَرِّكُنِيْ بِرِجْلِهٖ فَقَالَ : "اِنَّ هٰذِهٖ ضَجْعَةٌ يُبْغِضُهَا اللّٰهُ" قَالَ :فَنَظَرْتُ ، فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ۔

۸۱۸: حضرت یعیش بن طخفہ غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میرے والد کہنے لگے اسی دوران میں کہ مَیں مسجد کے اندر پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا کہ اچانک کوئی آدمی مجھے پاؤں سے حرکت دینے لگا۔ پھر فرمایا کہ یہ لیٹنا اللہ کو ناپسند ہے جونہی میری نگاہ پڑی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ (ابوداؤد) صحیح سند کے ساتھ۔

یعیش ابن طخفه: یہ غفاری ہیں اور یہ شامی صحابی ہیں۔ **قال ابی:** اس سے ابوطخفہ مراد ہیں حافظ کہتے ہیں روایت طخفہ کی یہ حدیث نہیں۔ **مضطجع:** نیند میں چت لیٹنا (النہایہ) **یحرکنی برجله:** میرے بیدار ہونے کے بعد تاکہ اپنے حرکت

دینے کی حکمت وہ بیان کرے۔ ضجعة: ایک بار کا لیٹنا۔ یبغضها الله: نہی کو مجازاً تعبیر کیا کیونکہ جو افعال اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں وہ ممنوع ہیں۔ فاذا رسول الله صلی الله علیه وسلم: اذا مفاجات کے لئے ہے۔ دوسرے جملے کی خبر محذوف ہے۔ (۲) مبتداء بھی محذوف ہوسکتا ہے اچانک میں نے دیکھا کہ مجھے جگانے والے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

تخریج: اخرجه احمد (۱۵۵٤۳) و ابو داود (۵۰٤۰) و ابن ماجه (۳۷۲۲) و قد اخرجه احمد (۳/۷۸٦۷) والترمذی (۲۷۷۷) والحاکم (٤/۷۷۰۹) وابن حبان (۵۵٤۹)

الفرائد: راعی کو اپنے گلے کی ہر وقت دیکھ بھال رکھنی چاہئے۔ پیٹ کے بل لیٹنا ممنوع ہے یہ آگ والوں کا لیٹنا ہے۔

۸۱۹ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَّمْ یَذْکُرِ اللّٰهَ تَعَالٰی فِیْهِ کَانَتْ عَلَیْهِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی تِرَةٌ، وَمَنِ اضْطَجَعَ مُضْطَجَعًا لَّا یَذْکُرُ اللّٰهَ تَعَالٰی فِیْهِ کَانَتْ عَلَیْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ بِاِسْنَادٍ حَسَنٍ۔

"اَلتِّرَةُ" بِکَسْرِ التَّآءِ الْمُثَنَّاةِ مِنْ فَوْقُ، وَهِیَ :النَّقْصُ ، وَقِیْلَ :التَّبِعَةُ.

۸۱۹: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی کسی جگہ بیٹھا اور وہاں اس نے اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وبال ہوگا اور جو آدمی کسی نیند کی جگہ لیٹا اور اس جگہ میں اللہ کو یاد نہ کیا تو اس پر بھی اللہ کا وبال ہے۔ (ابوداؤد)

حسن سند کے ساتھ۔

اَلتِّرَةُ: کمی یا وبال یا کوتاہی اور حسرت کے معنی بھی ہیں۔

اَلنَّحْوُ :مقعدًا: یہ مصدر میمی ہے یا اسم ظرف ہے یعنی ایسی جگہ۔ لم یذکر الله: یہ جملہ محل صفت میں ہے۔ کانت علیه من الله ترةٌ: (۱) مرفوع ہو یہ کان کا اسم ہے اور ایک ظرف اس کی خبر ہے (۲) یہ نصب کی حالت میں حال ہے کان کی خبر بھی بن سکتا ہے اور اسم قعدہ کی طرف لوٹنے والی ضمیر ہے (۳) ترہ بمعنی نقص ہے اور ظرف اسی سے متعلق ہیں۔ ومن اضطجع: جو چت لیٹ گیا مگر اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کیا اس پر گناہ ہوگا۔ نفی کا لفظ دونوں جملوں پر الگ تفنن تعبیر کے لئے ہے۔ ترہ: جس کا کسی ظلم کے بدلے مطالبہ کیا جاتا ہے (المصباح) ابن اثیر نے نقص معنی کیا ہے (النہایہ)

تخریج : اخرجه الحمیدی (۱۱۵۸) و ابو داود (٤۸۵٦) واخرج احمد (۳/۹۸۵۰)

الفرائد : بندے کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا چاہئے۔ اہل جنت کو اس گھڑی پر افسوس ہوگا جو ان کی دنیا میں بغیر ذکر گذری۔ ایمان والے اللہ کو ہر وقت یاد کرتے ہیں: الذین یذکرون الله قیامة......۔

۱۲۸ :بَابُ جَوَازِ الْاِسْتِلْقَآءَ عَلَی الْقَفَا وَوَضْعِ اِحْدَی الرِّجْلَیْنِ عَلٰی

الْأُخْرٰى اِذَا لَمْ يَخَفِ انْكِشَافَ الْعَوْرَةِ وَجَوَازِ الْقُعُوْدِ مُتَرَبِّعًا وَّمُحْتَبِيًا

بَابٌ: چت لیٹنا اور ٹانگ پر رکھنا ٹانگ بشرطیکہ ستر کھلنے کا اندیشہ نہ ہو اور چوکڑی مار کر اور اکڑوں بیٹھ کر ٹانگوں کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنا کر بیٹھنا جائز ہے

استلقاء: فقہاء نے اس کا معنی گدی پر لیٹنا کیا ہے۔ قفا: یہ اسی کی وضاحت ہے (المصباح) و وضع: استلقاء کی حالت میں ایک پاؤں کا دوسرے پر رکھنا۔ اس سلسلے میں ممانعت کی روایات کو ستر کھل جانے کی قید سے متعلق کریں گے۔ محتبیا: یہ دو بازوں سے اپنے گھٹنوں کو کھڑا کر کے یا عمامہ سے باندھ کر بیٹھنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اسی طرح بیٹھا کرتے تھے یہ تواضع سے قریب ترین حالت ہے۔ نماز میں مجبوری کے علاوہ یہ حالتیں درست نہیں۔ بعض نے اسی کو اقعاء کہہ دیا مگر یہ درست نہیں اقعاء کی صورت یہ ہے دونوں پاؤں کی انگلیوں کو کھڑا کیا جائے اور ان کے پیچھے دونوں سرینوں کو رکھا جائے۔ یہ دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی حالت ہے۔ اگر چہ افتراش افضل ہے۔

۸۲۰ : عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ رَاٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مُسْتَلْقِيًا فِي الْمَسْجِدِ وَاضِعًا اِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۸۲۰: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے اس حالت میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ٹانگ پر دوسری ٹانگ رکھی تھی۔ (بخاری و مسلم)

عبداللہ بن زید: رضی اللہ عنہ کے حالات تفصیل سے گزرے۔ باب اباحۃ الشرب من الادانی الطاہرۃ۔ مستلقیا فی المسجد: یہ جواز کی دلیل ہے۔

تخریج : بخاری فی الصلاۃ (۴۷۵) مسلم فی اللباس' (۲۱۰۰) ابو داؤد فی الادب' (۴۸۶۶) ترمذی فی الاستیذان' (۲۷۶۵) نسائی فی الصلاۃ (۷۲۰) وابن حبان (۵۵۵۲) والدارمی (۲/۲۸۲) والحمیدی (۴۱۴)

۸۲۱ : وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا صَلَّى الْفَجْرَ تَرَبَّعَ فِيْ مَجْلِسِهٖ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ حَسْنَاءَ" حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ ' رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَغَيْرُهٗ بِاَسَانِيْدَ صَحِيْحَةٍ۔

۸۲۱: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز ادا فرما لیتے تو سورج کے اچھی طرح طلوع ہونے تک اپنی جگہ پر چوکڑی مار کر بیٹھ جاتے۔ (ابوداؤد)
صحیح سند سے۔

تربع: اپنی نماز ادا کرنے کے بعد نماز کی جگہ میں چوکڑی مار کر بیٹھ جاتے اور طلوع شمس تک اللہ تعالیٰ کو یاد فرماتے رہتے۔ اس

میں چوکڑی مار کر بیٹھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ حسناء: خوب سفید۔

تخریج : اخرجه ابو داود (٤٨٥٠) و مسلم (٦٨٠)

الفرائد :مسجد میں ٹیک لگانا درست ہے اور استراحت کے لئے لیٹنا بھی درست ہے۔ حدیث میں مذکورہ اجر چٹ لیٹنے والے کو بھی ملتا ہے۔ نماز فجر کے بعد چوکڑی مار کر بیٹھنا جائز ہے۔

٨٢٢ : وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ :رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِفِنَآءِ الْكَعْبَةِ مُحْتَبِيًا بِيَدَيْهِ هٰكَذَا ' وَوَصَفَ بِيَدَيْهِ الْاِحْتِبَآءِ وَهُوَ الْقُرْفُصَآءُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۸۲۲: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کے صحن میں احتباء کی حالت میں دیکھا اور پھر عبداللہ نے احتباء کی کیفیت ذکر کی اور قرفصاء بھی اسی حالت کا نام ہے۔ (بخاری)

بفناء الكعبة :فناء جمع افنیہ۔ صحن' دراز جانبیں۔ **محتبیا**: یہ ہاتھ سے احتباء ہے۔ اس کو قرفصاء بھی کہتے ہیں یعنی چوتڑ زمین پر رکھ کر رانوں کو پیٹ سے ملانا اور دونوں ہاتھوں کو پنڈلیوں کے گرد لپیٹنا (الجوہری) دونوں گھٹنوں پر جھک کر بیٹھنا پیٹ کو رانوں سے لگا کر دونوں ہتھیلیوں کو بغل میں دبانا۔ دیہاتی اسی طرح بیٹھتے ہیں۔

تخریج : اخرجه البخاری (٦٢٧٢)

الفرائد :مسجد میں اطباء جائز ہے جب کہ ستر کھلنے کا خطرہ نہ ہو۔

٨٢٣ : وَعَنْ قَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ :رَاَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ قَاعِدٌ الْقُرْفُصَآءَ ' فَلَمَّا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ الْمُتَخَشِّعَ فِي الْجِلْسَةِ اُرْعِدْتُّ مِنَ الْفَرَقِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ ' وَالتِّرْمِذِيُّ۔

۸۲۳: حضرت قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرفصاء کی حالت میں بیٹھے دیکھا۔ جب میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹھنے کی حالت انکساری والی دیکھی تو میں خوف سے کانپ اٹھی۔ (ابوداؤد' ترمذی)

قیلہ: قاف مفتوح ہے۔ بقول حافظ ان کا نام عنبریہ (کذافی اسد الغابہ) بعض نے عنزیہ بعض نے عنویہ کہا ہے۔ ان کو تمیمیہ کہا گیا ہے اور عنبر کا تعلق بنو تمیم سے ہے یہ صحابیہ ہیں۔ ان کی طویل روایت ہے جس کو الیواقیت الفاخرہ: میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس کو ابن عبدالبر اور ابن مندہ اور ابونعیم نے بھی ذکر کیا۔ حافظ کہتے ہیں یہ حبیب بن ازہر کی زوجہ تھیں اس سے بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ اس نے وفات پائی تو اس کی بیٹیاں عمر بن ایوب بن ازہر چھین کر لے گیا۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کی شکایت لے گئیں۔ **قرفصاء**: چوکڑی مار کر بیٹھنا۔ **المتخشع فی الجلسة**: نصب کی صورت مین یہ رسول کی صفت ہے۔ **ارعدت من الفرق : فرق یفرق** (رنا)

تخریج : اخرجه ابو داود (٤٨٤٧) ابو داو (٣٠٧٠) والترمذی (٢٨٣٣)

الفرائد : (قرفصاء) بیٹھنے کی یہ کیفیت خشوع وخضوع والی ہے۔ آپ کے وقار ورعب کا تذکرہ ہے۔

۸۲۴ : وَعَنِ الشَّرِيْدِ بْنِ سُوَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : مَرَّ بِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَنَا جَالِسٌ هٰكَذَا، وَقَدْ وَضَعْتُ يَدِيَ الْيُسْرٰى خَلْفَ ظَهْرِيْ وَاتَّكَأْتُ عَلٰى اَلْيَةِ يَدِيْ فَقَالَ: "اَتَقْعُدُ قِعْدَةَ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ؟" رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ۔

۸۲۴: حضرت شرید بن سوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میرے پاس سے رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا جبکہ میں اس طرح بیٹھا تھا کہ میں نے بایاں ہاتھ پشت کے پیچھے رکھا ہوا تھا۔ پس آپ نے فرمایا کہ یہ تو ان لوگوں کی طرح کا بیٹھنا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا غصہ ہوا۔ (ابوداؤد)

صحیح سند کے ساتھ۔

شرید: شین مفتوح ہے۔ ان کے والد کا نام سوید ہے (سین مضموم ہے) یہ ثقفی حجازی ہیں۔ بعض نے مضرمی کہا ہے رضی اللہ عنہ۔ عامری کہتے ہیں ان کو ثقیف میں شمار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان کے اخوال ہیں۔ بعض نے کہا ان کے ہاتھوں قوم کا ایک آدمی مارا گیا یہ مکے چلے گئے اور ثقیف سے علیحدگی اختیار کر لی۔ پھر آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر بیعت رضوان میں شامل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام شرید رکھا۔ مسلم نے ان کی دو حدیثیں بیان کیں اور ابوداؤد' نسائی نے بھی ان سے روایت لی۔

اَلنَّحْو : انا جالس هكذ: یہ مر کے فاعل سے جملہ حالیہ ہے۔ اليه هدى: انگوٹھے کی جڑ سے لے کر چھنگلیا کی جڑ تک کا حصہ (النہایہ) علامہ سیوطی کہتے ہیں انگوٹھے کی جڑ سے نیچے تک کا حصہ۔ قعدة: (قاف مکسور) کیا تم ان لوگوں کی طرح بیٹھتے ہو جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ تشبیہ بالکفار ممنوع ہے۔

تخریج : اخرجه ابو داود (٤٨٤٨) والحاكم (٤/٧٧٠٣)

الفرائد : غیر معمول سے مشابہت کی ممانعت کی گئی ہے۔ نہی عن المنکر میں تاخیر نہ ہونی چاہئے۔

۱۲۹ : بَابُ آدَابِ الْمَجْلِسِ وَالْجَلِيْسِ

بَابٌ : مجلس اور ہم مجلس کے آداب

جلیس: یہ جالس کے معنی میں ہے۔

۸۲۵ : عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "لَا يُقِيْمَنَّ اَحَدُكُمْ رَجُلًا مِّنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيْهِ وَلٰكِنْ تَوَسَّعُوْا وَتَفَسَّحُوْا" ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا قَامَ لَهٗ رَجُلٌ مِّنْ مَّجْلِسِهٖ لَمْ يَجْلِسْ فِيْهِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۸۲۵: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص دوسرے کو ہرگز اس کی جگہ سے نہ اٹھائے کہ خود پھر وہاں بیٹھ جائے۔ لیکن تم مجلس میں وسعت و فراخی کرو۔ جب ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس سے جب کوئی شخص اُٹھ جاتا تو آپ اس کی جگہ نہ بیٹھتے۔ (بخاری و مسلم)

لا یقیمن احدکم: یہ نہی نفی کے مشابہ ہے اس میں عموم ہے اور نہی تحریمی ہے۔ رجلاً: کوئی شخص بیٹھنے والا خواہ مرد ہو یا عورت مرد کا تذکرہ شرافت کی وجہ سے کیا۔ اس کا عموم اس بات کو بھی شامل ہے کہ جب آنے والا بیٹھنے والے سے علم یا اصلاح کی وجہ سے افضل ہو تب اس آدمی کو اس کی جگہ سے اٹھانا جائز نہیں جو مباح جگہ میں پہلے بیٹھ چکا ہو۔ البتہ فقہاء نے مسجد میں تدریس کرنے والے کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا بیٹھ جائے تو مدرس اس کو اٹھا سکتا ہے اور بائع کا بھی یہی حکم ہے کہ جب بازار میں وہ کسی جگہ سے مانوس ہو جائے تو وہاں اور کسی کے بیٹھنے کی صورت میں وہ اسے اٹھا سکتا ہے۔ **ثم یجلس فیہ**: (۱) لا نافیہ کے مدخول پر عطف کر دیں تو یہ مجزوم ہوگا (۲) جملہ مستانفہ ہو تو مرفوع ہوگا یا مبتداء مقدر مانیں (۳) نصب کی صورت میں ان مضمر ہوگا کیونکہ یہ طلب کے جواب میں ہے اور ثم یہاں واؤ کی جگہ لائے۔ یہ صورتیں حدیث **لا یبولن احدکم فی الماء الراکد ثم یغتسل فیہ**۔ **لکن توسعوا**: مجلس میں آنے والے کے سلسلہ میں استدراک کیا کہ اس کے لئے وسعت میں ذرا تکلف کرلو۔ **وتفسحوا**: یہ عطف تفسیری ہے۔ **وکان ابن عمر**: جب ان کے لئے کوئی آدمی اپنی جگہ سے اٹھ جاتا تو ورعاً وہاں نہ بیٹھتے تاکہ شارع نے جس بات سے منع کیا وہ ان کی طرف منسوب نہ ہو۔

تخریج: اخرجه احمد (۲/۵٦۲۹) والبخاری (۹۱۱) و مسلم (۲۱۷۷) والترمذی (۲۷۵۰) و عبد الرزاق (۱۹۸۰٦) و ابن حبان (۵۸٦) وابن ابی شیبة (۸/۵۸٤) والدارمی (۲/۲۸۱) والبخاری (۱۱٤۰) والبیهقی (٦/۱۵۰)

الفرائد: اس میں اسلام کا عظیم ادب سکھایا کہ دوسروں کے لئے مجلس کو وسیع کردو۔ مجلس میں بیٹھنے والا اپنی جگہ کا زیادہ حقدار ہے جب تک مجلس قائم ہے۔

٨٢٦ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :"اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ مِّنْ مَّجْلِسٍ ثُمَّ رَجَعَ اِلَيْهِ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۸۲٦: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مجلس سے اٹھ جائے پھر وہ واپس لوٹ آئے تو وہ اس جگہ کا زیادہ حق دار ہے۔ (مسلم)

مجلس: وہ وہاں نماز کے انتظار میں ٹھہرا ہو۔ پھر عذر کی وجہ سے وہ اٹھ جائے۔ **ثم رجع**: پھر واپس تشریف لے آئے۔ **فھوا حق بہ**: وہ اس جگہ کا زیادہ حقدار ہے۔ اسی طرح جب کوئی عالم اپنی مقرر جگہ سے اٹھ جائے تو واپس لوٹنے پر وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

تخریج: اخرجه احمد (۳/۸۵۱۷) والدارمی (۲/۲۸۲) و مسلم (۲۱۷۹) و عبد الرزاق (۱۹۷۹۲) و ابو داود (٤۸۵۳) و ابن حبان (۵۸۸) و ابن ماجه (۳۷۱۷) والبیهقی (۳/۲۳۳)

الفرائد: جو ضرورت سے مجلس سے جائے اسکی جگہ نہ بیٹھنا چاہئے۔ اگر وہ مستقل طور پر چلا جائے یا دوسری جگہ منتقل ہو تو پھر

وہاں بیٹھ سکتا ہے۔

۸۲۷ : وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : كُنَّا إِذَا أَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ جَلَسَ أَحَدُنَا حَيْثُ يَنْتَهِي۔ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ :حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

۸۲۷: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے تو ہم میں ہر ایک وہیں بیٹھ جاتا جہاں مجلس ختم ہوتی۔ (ابوداؤد' ترمذی) ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

حيث ينتهي: خواہ وہ درمیان ہو یا نچلی جانب ہو۔ روایت میں وارد ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں جہاں جگہ ملتی وہاں آپ ﷺ بیٹھ جاتے اور اس کی وجہ یہ ہے آنے والا اگر مخصوص جگہ کا طلبگار ہو کہ جہاں دوسرا پہلے بیٹھ چکا اگر یہ اسے اٹھا کر بیٹھے گا یا اس کو سرکشی سے تنگ کرے گا تو یہ مؤمن کی شان کے خلاف ہے۔

تخریج : اخرجه احمد (۷/۲۰۹۸۳) والطيالسي (۷۸۰) بخاري (۱۱۴۱) و ابو داود (۴۸۲۵) والترمذی (۲۷۳۴) وابن حبان (۶۴۳۳) والبيهقي (۲۳۱/۳)

الفرائد: علمی حلقوں میں آداب کا خیال رکھنا لازم ہے۔ جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائے۔

۸۲۸ : وَعَنْ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ”لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهِ أَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيْبِ بَيْتِهِ ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّي مَا كُتِبَ لَهُ ثُمَّ يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الْإِمَامُ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى“ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۸۲۸: حضرت ابوعبداللہ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور جس حد تک ہو سکتا ہے خوب پاکیزگی حاصل کر لے اور اپنے گھر میں میسر تیل اور خوشبو استعمال کرے۔ پھر گھر سے نکل کر جائے اور دو آدمیوں کے درمیان تفریق نہ ڈالے۔ پھر جو میسر ہو نماز ادا کرے اور جب امام کلام کرے تو وہ خاموش رہے تو اس کے ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (بخاری)

سلمان الفارسی: رضی اللہ عنہ ان کو سلمان الخیر بھی کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی سے ہیں۔ ان سے پوچھا گیا تمہارا نسب کیا ہے تو فرمایا ابن اسلام۔ یہ فارس کے رہنے والے ہیں۔ اصبہان کی ایک بستی اس کا وطن مالوف تھا۔ بعض نے ان کو رام ہرمز کی نسل سے بتلایا۔ ابتداء میں اسلام لائے ان کے اسلام کا قصہ بہت طویل ہے۔ انہوں نے پہلے پہل غزوہ خندق میں شرکت کی۔ اس کے بعد پھر کسی غزوہ میں غیر حاضر نہ رہے۔ بخاری شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اور ابو درداء رضی اللہ عنہ کے درمیان حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی چارہ کروا دیا تھا۔ یہ عالم' زاہد' فاضل صحابہ میں سے

تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کوقرابت والوں میں شامل فرمایا۔ارشاد فرمایا:سلیمان منا اهل البیت:ان ہی نے آپ ﷺ کوگروہوں کی آمد پر خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔انہوں نے عراق میں رہائش اختیار کی۔یہ اپنے ہاتھ سے ٹوکریاں بناتے تھے اوراسی سے اپنا گزراوقات کرتے۔ان کی عمر بالاتفاق دوسو پچاس سال ہوئی۔بعض نے ساڑھے تین سوسال لکھی ہے اور بعض نے تو یہ کہا ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے وصی سے ملاقات کی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ساٹھ روایات انہوں نے نقل کی ہیں۔جن میں سے تین متفق علیہ اور تین صرف مسلم نے نقل کی ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے علی' عمار' سلیمان رضی اللہ عنہم اس کو ترمذی نے نقل کیا ہے۔

جمعہ کے غسل کا وقت طلوع فجر سے شروع ہو جاتا ہے اور زوال کے قریب غسل کرنا زیادہ بہتر ہے۔

اَللُّغَاتُ :ما استطاع:اس میں ما مصدریہ ہے اور مضاف یہاں محذوف ہے یعنی اپنی طاقت کی مقدار جو اچھی خوشبو میسر ہو یا جو اچھا تیل۔ایک دوسری روایت میں آپ نے یہ الفاظ فرمائے ہیں:من طیب بیته:یعنی خوشبو کی وہ قسمیں جو اس کو میسر آئیں پھر وہ نماز کا ارادہ کر کے اپنے گھر سے نکل جائے۔فلا یفرق بین اثنین:دو آدمیوں کے درمیان جدائی نہ کرے جبکہ انہوں نے درمیان میں جگہ نہ چھوڑی ہو اگر جگہ چھوڑ دی گئی ہو پھر وہاں بیٹھنا ثواب کے حاصل ہونے میں نقصان نہیں دے گا۔یصلی ما کتب له:نماز سے یہاں نفلی نماز مراد ہے اور خاموشی سے امام کے خطبہ شروع کرنے کے وقت خاموشی مراد ہے۔

الا غفر:یہ مجہول کا صیغہ ہے۔دوسرے جملہ کے ثواب سے مراد تمام سابقہ نمازوں اور اس کے بعد والی مراد ہیں یعنی اسکا ثواب پورے ہفتہ کے گناہوں کا کفارہ بن جائیگا۔یہاں گناہوں سے مراد وہ صغیرہ گناہ ہیں جن کا تعلق اللہ کے حقوق سے ہو۔

تخریج : اخرجه احمد (٧/٢٣٧٨٦) والبخاری (٨٨٣) والدارمی (١/٣٦٢) وابن ماجه (١٠٩٧) وابن حبان (٢٧٧٦) وابن خزيمة (١٧٦٣)

الفرائد :جمعہ کے دن غسل کرنا' خوشبو لگانا' اچھے کپڑے پہننا مستحب ہے۔لوگوں کی گردنیں پھاند کر جانا درست نہیں۔سکون وقار سے چلنے' لغوبات کو ترک کرنے والے کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

٨٢٩ : وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ:"لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ يُّفَرِّقَ بَيْنَ اثْنَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا" رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ :حَدِيْثٌ حَسَنٌ – وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاوٗدَ :لَا يَجْلِسُ بَيْنَ رَجُلَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا"

۸۲۹:حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی آدمی کے لئے درست نہیں کہ دو آدمیوں کے درمیان ان کی مرضی کے بغیر جدائی ڈالے۔(ترمذی' ابوداؤد) حدیث حسن ہے۔ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آدمی کو دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھنا چاہئے۔

جده:ان کے والد کے دادا عبداللہ بن عمرو ہیں جیسا کہ پہلے گزرا۔یہاں حلال نہ ہونے کا مطلب مباح یا جائز ہونا ہے۔ان یفرق بین اثنین الا باذنهما:علقمی کہتے ہیں اگر دو آدمی آپس میں آہستہ بات کر رہے ہوں اور تیسرا آدمی اس جگہ ہو کہ جو ان کی کلام نہ سن رہا ہو وہ ان کا کلام سننے کے لئے آیا تو اس کو سننا جائز نہیں۔ابن بر کہتے ہیں سرگوشی کے دوران تیسرے آدمی کو

ان کی سرگوشی میں داخل ہونا جائز نہیں بلکہ اسے نہ ان کے پاس بیٹھنا چاہئے اور نہ ہی ان سے دور بیٹھنا چاہئے مگر جبکہ وہ اجازت دیں۔ ان کا الگ بیٹھنا اس کی موجودگی سے نفرت کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ بات اور بھی اس وقت پختہ ہو جاتی ہے جب دونوں میں سے ایک زوردار آواز والا ہو تو وہ موجودہ سے اپنی بات کو نہ چھپا سکے گا یا خود یہ موجود آدمی ایسی پختہ سمجھ رکھتا ہے کہ جو کچھ یہ سنے گا جس کے ذریعے سے باقی کلام پر مسلط ہو جائے گا تو ایسی چیز سے مومن کی حفاظت کرنا جو مومن کے لئے ایذا دینے والی ہو یہ بھی مطلوب ہے اگرچہ اس میں مراتب کا فرق ہوگا۔

تخریج : اخرجه احمد (۲/۷۰۱۸) و ابو داود (٤٨٤٥) والترمذی (٢٧٦١)

الفرائد : دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر بیٹھنا ممنوع ہے۔ دو اکٹھے بیٹھنے والوں میں تفریق ممنوع ہے۔

۸۳۰ : وَعَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَعَنَ مَنْ جَلَسَ وَسَطَ الْحَلْقَةِ، رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ بِاِسْنَادٍ حَسَنٍ، وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ عَنْ اَبِيْ مِجْلَزٍ اَنَّ رَجُلًا قَعَدَ وَسَطَ حَلْقَةٍ فَقَالَ حُذَيْفَةُ: مَلْعُوْنٌ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ ﷺ - اَوْ لَعَنَ اللّٰهُ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - مَنْ جَلَسَ وَسَطَ الْحَلْقَةِ. قَالَ التِّرْمِذِيُّ حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

۸۳۰: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت فرمائی جو حلقہ کے درمیان بیٹھے۔ (ابوداؤد بسند حسن) اور ترمذی نے ابومجلز کی روایت سے نقل کیا کہ ایک شخص کسی حلقہ کے درمیان میں بیٹھا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا حلقے کے درمیان میں بیٹھنے والا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کے مطابق ملعون ہے یا اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس پر لعنت فرمائی ہے جو حلقہ کے درمیان میں بیٹھے۔ (ترمذی)
حدیث حسن صحیح ہے۔

من جلس وسط الحلقة: درمیان حلقہ سے مراد یہ ہے کہ کوئی آدمی لوگوں کی گردنیں پھاند کر درمیان میں آ کر بیٹھ جائے تو اس تکلیف دینے کی وجہ سے اس پر لعنت کی گئی ہے۔ اس کے بیٹھنے کی وجہ سے کئی آدمیوں کو نقصان پہنچا۔ کئی کے چہروں کے سامنے وہ رکاوٹ بن گیا۔ ترمذی نے ابومجلز اس کا نام لاحق بن حُمید سدوسی بصری ہے کہ ایک آدمی ایک حلقے کے درمیان میں آ گھسا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ملعون ہے۔

تخریج : اخرجه ابو داود (٤٨٢٦) والترمذی (٢٧٦٢) و احمد (٩/٢٣٤٣٦)

الفرائد : حلقہ کے درمیان بیٹھنا ممنوع ہے۔ ایسا کرنا لعنت کا باعث ہے کہ یہ تکبر کی علامت ہے۔

۸۳۱ : وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: "خَيْرُ الْمَجَالِسِ اَوْسَعُهَا" رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ عَلٰى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ۔

۸۳۱: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: بہترین مجالس وہ ہیں جو فراخ ہوں۔ (رواہ ابوداؤد) صحیح سند سے شرط بخاری پر روایت کیا ہے۔

خیر المجالس: وسیع مجلس کو اس لئے بہتر کہا کہ اس میں بیٹھنے والے کو راحت مل جاتی ہے اور مجلس کی تنگی کی وجہ سے کینہ اور بغض پیدا ہونے کا امکان نہیں ہوتا۔

تخریج : اخرجه احمد (۴/۱۱۳۷) والبخاری (۱۱۳۶) و ابو داود (۴۸۲۰) والحاکم (۷۷۰۴)

الفرائد : مجلس کو وسعت کرنی چاہئے۔ دوسرے کے لئے جگہ دینا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

۸۳۲ : **وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "مَنْ جَلَسَ فِیْ مَجْلِسٍ فَكَثُرَ فِیْهِ لَغَطُهٗ فَقَالَ قَبْلَ اَنْ یَّقُوْمَ مِنْ مَّجْلِسِهٖ ذٰلِكَ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَیْكَ، اِلَّا غُفِرَ لَهٗ مَا كَانَ فِیْ مَجْلِسِهٖ ذٰلِكَ" رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ: حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔**

۸۳۲: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی کسی مجلس میں بیٹھا اور اس میں بہت سی فضول باتیں اس سے ہوئیں پھر اس نے مجلس سے اٹھنے سے پہلے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَیْكَ پڑھ لیا تو اس مجلس کے تمام گناہ اس کے معاف کردیئے جاتے ہیں۔ (ترمذی)

حدیث حسن صحیح ہے۔

فی مجلس: مجلس سے مراد بیٹھنے کی جگہ ہے۔ لفظ ایسی کلام کو کہتے ہیں جو ملی جلی ہو اور اس میں بات واضح نہ ہو۔ روایت کا مطلب یہ ہے کہ اس مجلس میں وہ بہت سی ایسی باتیں کرے گا جو اس کے لئے فائدہ مند نہیں یہ بات کہنا اس وقت اس کے لئے مفید ہوگا جبکہ وہ بات کہنے میں سچا ہو۔ سبحان اللہ کا معنی اللہ تعالیٰ کا ایسی چیزوں سے پاک قرار دینا ہے جو اس کے لائق نہیں ہے۔ **اللهم**: یعنی یا اللہ۔ جامع کبیر کی بعض روایات میں اللہم سے پہلے ربنا کا بھی اضافہ ہے۔ **سبحانك**: یعنی آپ کی حمد کے ساتھ میں آپ کی تعریف کرتا ہوں اور یہ اس طرح بھی ہوسکتا ہے کہ اس کو ملتبسا کے متعلق کہا جائے۔ اور اشہد کا مطلب میں جانتا ہوں اور ظاہر کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں نہ وجود میں نہ (مکان) میں۔

النحو: **الا انت**: یہ ضمیر لا کے محل سے بدل ہے یا لا کے اسم کے محل سے بدل ہے۔ **استغفرك**: یعنی آپ سے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں چاہے وہ گناہ ہوں جو میں نے اس سلسلے میں کیئے ہیں۔ معفول کو عام کرنے کے لئے حذف کردیا۔ **اتوب الیك**: مناسب یہ ہے کہ اس کا کلام کرنے والا اپنے دل سے قصد کرنے والا ہے جس پر کے یہ دونوں جملے دلالت کررہے ہیں ورنہ وہ آدمی جھوٹا ہے اور وہ اللہ کی ناراضگی کا حقدار ہے۔

اس کا عام ہونا کبیرہ گناہوں کے علاوہ کے لئے ہے کیونکہ وہ توبہ سے معاف ہوتے ہیں یا اللہ کے فضل کی قید بڑھائی جائے اور اس میں بھی انسانی حقوق شامل نہ ہوں کیونکہ ان میں ملوث آدمی کے گناہ کا ساقط ہونا حق تعالیٰ کی رضامندی پر

موقوف ہے۔ یہ دوسری احادیث سے بات اخذ کی گئی ہے۔ **ذالك**: کا اسم اشارہ اس بات کی وضاحت کے لئے ہے کہ بہت ساری غلط باتوں کی وجہ سے وہ اس مقام پر پہنچ گیا کہ اس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور جب اس کے وہ گناہ معاف کر دیئے گئے تو اس کا ایسی حالت میں ہونا بدرجہ اولیٰ ہے اور اس ذکر پر وہی گناہ معاف ہوتے ہیں جو اس مجلس میں اس نے کمائے ہیں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی عیب والی باتوں سے تنزیہ ہے اور اس کے احسانات کے سبب اس کی تعریف ہے اور اس کی توحید کی شہادت اور پھر اس کی بارگاہ سے مغفرت کا سوال ہے۔ وہی ایسی ذات ہے کہ جس کے دروازے کا قصد کرنے والا کبھی ناکام نہیں ہوتا۔

تخریج : اخرجه احمد (۳/۱۰۴۲۰) والترمذی (۳۴۴۴) وابن حبان (۵۹۴) والحاکم (۱/۱۹۶۹) وابن السنی (۴۴۷) و ابو داود (۴۸۵۸)

الفرائد : مجلس کے اختتام کی دعا کرنی چاہیے تاکہ غلطیاں معاف ہو جائیں۔ انسانوں کی پکڑ زبان کے اقوال پر ہوگی اور افعال پر بھی۔

۸۳۳ : وَعَنْ اَبِیْ بَرْزَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ بِاٰخِرَةٍ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّقُوْمَ مِنَ الْمَجْلِسِ :سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ " فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ لَتَقُوْلُ قَوْلًا مَّا كُنْتَ تَقُوْلُهٗ فِيْمَا مَضٰى؟ قَالَ :"ذٰلِكَ كَفَّارَةٌ لِّمَا يَكُوْنُ فِی الْمَجْلِسِ" رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ '

وَرَوَاهُ الْحَاكِمُ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ فِی الْمُسْتَدْرَكِ مِنْ رِّوَايَةِ عَآئِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا وَقَالَ : صَحِيْحُ الْاَسْنَادِ۔

۸۳۳: حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی مجلس سے اٹھنے کا ارادہ فرماتے تو آخر میں اس طرح فرماتے : سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ اے اللہ تو پاک ہے اپنی تعریفوں کے ساتھ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں مگر تو ہی۔ میں آپ سے مغفرت طلب کرتا اور آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اس پر ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے ایسی بات فرمائی جو آپ نے پہلے نہیں فرمائی۔ آپ نے فرمایا یہ مجلس میں ہونے والی باتوں کا کفارہ ہے۔ (ابوداؤد)

حاکم نے اس کو مستدرک میں بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کر کے کہا یہ صحیح الاسناد ہے۔

ابو برزہ: رضی اللہ عنہ ان کے حالات باب الخوف میں گزر چکے۔ **باحرة**: یعنی اپنی آخری مجلس میں' یہ بھی جائز ہے کہ وہ اس کی عمر کے آخر میں ہو (النہایہ) **ذلك** :اشارہ بعید تفخیم شان کے لئے ہے۔ **کفارة لمایکون**: کفارہ یہ مبتداء بن سکتا ہے۔ یکون یوجد کے معنی میں ہے۔

تخریج : اخرجه ابو داود (۴۸۵۹) والدارمی (۲/۲۸۳) والحاکم (۱/۱۹۷۱)

الفرائد : امت کی راہنمائی کیلئے یہ دعا سکھلائی آپ تو گناہوں سے پاک ہیں۔آپ کا استغفار رفع درجات کے لئے ہے

٨٣٤ : وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: فَلَمَّا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْمُ مِنْ مَّجْلِسٍ حَتّٰى يَدْعُوَ بِهٰؤُلَاءِ الدَّعْوَاتِ اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعْصِيَتِكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَيْنَا مَصَآئِبُ الدُّنْيَا: اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا ، وَاَبْصَارِنَا ، وَقُوَّتِنَا مَا اَحْيَيْتَنَا ، وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا ، وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا ، وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا ، وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا ، وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا ، وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ :حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

۸۳۴:حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ؐ کسی مجلس سے اٹھتے تو دعائیہ کلمات ضرور پڑھتے : اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعْصِيَتِكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ ...... اے اللہ ہمارے لئے اپنی خشیت کا وہ حصہ عنایت فرما جو ہمارے درمیان اور تیری معصیت کے درمیان حائل ہو جائے اور وہ اطاعت عنایت فرما جو ہمیں تیری جنت میں پہنچائے اور یقین میں سے وہ عنایت فرما جس سے مصائب دنیا آسان ہو جائیں۔اے اللہ ہمیں ہمارے کانوں سے اور آنکھوں سے اور اپنی قوتوں سے فائدہ پہنچا جب تک ہماری زندگی ہے اور ان کو ہمارا وارث بنا اور جس نے ہم پر ظلم کیا تو اس سے بدلہ لے اور ہمارے ساتھ عداوت رکھنے والوں اور ہمارے ساتھ دشمنی کرنے والوں کے خلاف ہماری مدد فرما اور ہمارے دین میں کوئی مصیبت نہ ڈال اور نہ ہی دنیا کو ہمارا بڑا مقصد اور ہمارے علم کا مقصد نہ بنا اور ہم پر ان لوگوں کو مسلط نہ فرما جو ہم پر رحم نہ کرنے والے ہوں۔(ترمذی) حدیث حسن۔

فلما: ما کانہ ہے۔**من مجلس حتی**:حتی یہاں الا کے معنی میں ہے۔**بهولاء الدعوات**: یہ عطف بیانی یا **اللهم اقسم**: سے بدل ہے۔**من خشيتك**: جلال کی معرفت کے ساتھ ملا ہوا خوف علماء نے اس لفظ کو ذاتِ باری کے لئے خاص کہا۔**يخشى الله من عباد العلماء**: یہ خشیت عظمت ہے نہ کہ خشیت اذلال۔علماء کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ ﷺ نے فرمایا:**انا اعرفكم بالله واشد كم له خشية**: کہ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو پہچاننے والا اور تم میں سب سے زیادہ خشیت والا ہوں۔اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے متعلق فرمایا:﴿**وهم من خشيته مشفقون**﴾: کہ وہ اس کی خشیت سے ڈرنے والے ہیں۔**ما يحول بيننا وبين معصيتك**: ما موصولہ یا موصوفہ ہے۔**يحول**: تو مذکر ما کی وجہ سے لائے۔یہاں سبب کی طرف نسبت کی ہے ورنہ بندے اور معصیت کے درمیان حائل ہونے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے اور وہ اس طرح کہ اس کے دل میں ایسی خشیت پیدا کر دے جو اس کو برائی سے روک دے۔**ومن طاعتك ...... طاجنتك**: اس کا عطف ماقبل پر ہے اور یہ اقسم کے تحت ہے۔باسبیت اور مصاحبت کی ہو سکتی ہے۔

ومن اليقين ...... الدنيا: یقین قلبی مراد ہے۔مصائب یہ مصیبت کی جمع ہے جو چیز انسان کو ایذاء دے جیسا روایت میں ہے:

"کل شئ یوذی المؤمن فھولہ مصیبة": علیٰ فی کے معنی میں ہے۔لما اضافت لامی ہے کیونکہ مطلب یہ ہے کہ ہماری آنکھ کھول دے کہ جس سے ہم جان لیں کہ جو کچھ پہنچا ہے یہ ارحم الراحمین کی طرف سے ہے اس طرح اسکو سہنا آسان ہو جائیگا۔

اللھم متعنا...... ما احییتنا: اسماع سے مراد قوت سماعت ہے۔ابصار سے بصارت۔ ما مصدر یہ ہے۔مطلب یہ ہے کہ جب تک زندگی باقی ہوان قوتوں کو اپنے فضل سے باقی رکھ تا کہ کسی کی محتاجی نہ ہو۔

واجعلہ الوارث: اس کے دوام واستمرار کو وارث سے تشبیہ دی ہے۔یہ تشبیہ بلیغ ہے۔**واجعل ثارنا...... عادانا**: ثار خون کا بدلہ لینا (النہایہ) یعنی تو ظالم سے ہمارا حق لے اور اس کے ظلم پر اس کو سزا دے اور ہمیں دشمنوں پر غلبہ عنایت فرما۔عادیٰ یہ باب مفاعلہ سے بھی ہو سکتا ہے اور مغالبہ مراد بھی ہو سکتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ اغراض فانیہ کے لئے دشمنی جو کہ جائز نہیں یا تیرے افعال محرمہ کی وجہ سے وہ عداوت اختیار کرنے والا ہو۔ایسے آدمی کی بددعا قابل قبول نہیں کیونکہ افعال الٰہی پر اعتراض بندے کو درست نہیں۔

ولا تجعل مصیبتنا فی دیننا: دین میں مصیبت یہ ہے کہ ہم اس چیز کو ناپسند کریں جس کی ادائیگی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے (۲) یا ایسی چیز میں واقع ہوں جس میں مداخلت سے ہمیں روکا گیا ہے اور دینی مصیبت سب سے بڑی مصیبت ہے کیونکہ اس پر آخرت کی بدبختی مرتب ہوتی ہے۔اعاذنا اللہ منہا۔دنیا کی مصیبت تو صرف دنیا کے جانے کی حد تک ہے۔اس میں اللہ تعالیٰ صبر الہام فرما دیتے ہیں اور اس پر ثواب بھی رکھا گیا ہے اگر دنیا بلا مصیبت جائے تو اس پر ثواب نہ ملے گا۔

ولا تجعل الدنیا...... علمنا: دنیا کو ھم بنانا یہ ہے کہ عبودیت کے فریضہ کی ادائیگی والے امور اور ان کو قائم کرنے میں کوتاہی کرنے لگے۔دنیا کا مبلغ علم بنانا یہ ہے کہ ہم اس علم سے دنیا تو سنواریں مگر آخرت کی درستگی نہ کریں۔کافر کا مبلغ علم دنیا ہے۔وہ اسی میں مستغرق ہے اور شہوات دنیا کے سمندروں میں تیرتا ہے اور کہتا ہے: ﴿ان ھی الا حیاتنا الدنیا﴾: جو مؤمن عمارت دنیا میں مستغرق ہوا اور آخرت کی تعمیر سے غافل ہو گیا۔یہ گویا ان خسارہ پانے والوں کے مشابہ بن گیا۔اس سے پناہ مانگی گئی ہے۔

ولا تسلط: اس سے معلوم ہوتا ہے۔حکام وعمال کا ظلم وہ اللہ تعالیٰ کے مسلط کرنے سے ہوتا ہے۔جب ان کی طرف سے کوئی مصیبت آئے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف رجوع ہو اور اللہ کے ساتھ تعلق میں جو بگاڑ ہے اس کو درست کرے۔اللہ تعالیٰ اس کی نار عداوت کو بھسم کر دیں گے۔یہ بہترین جامع دعا ہے جس میں دنیا وآخرت کی بھلائیاں جمع ہیں۔

تخریج : اخرجه الترمذی (۳۵۱۳) والنسائی (٤٠٤) والحاکم (١/١٩٣٤)

الفرائد : دنیوی واُخروی معاملات میں آپ ﷺ کی توجہ ذات الٰہی کی طرف رہتی تھی۔یہ توجہ اس حکم کی تعمیل تھی: فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔

---

۸۳۵ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "مَا مِنْ قَوْمٍ يَقُوْمُوْنَ مِنْ مَّجْلِسٍ لَّا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰى فِيْهِ اِلَّا قَامُوْا عَنْ مِّثْلِ جِيْفَةِ حِمَارٍ وَّكَانَ لَهُمْ حَسْرَةً" رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ اَبُوْدَاوُدَ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ۔

۸۳۵: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جولوگ کسی مجلس سے بغیر اللہ تعالیٰ کی یاد کے اٹھ جاتے ہیں تو ان کی مثال ایسی ہے جیسے وہ کسی مردار کے اوپر سے اٹھ کر آئے ہیں اور یہ مجلس ان کے لئے حسرت ہوگی۔ (ابوداؤد)
صحیح سند کے ساتھ۔

نحو: **ما من قوم**: نفی کے عموم کے لئے من کو صلہ میں لائے۔ قوم میں مرد و عورت دونوں ہی شامل ہیں۔ **یقومون** یہ ما کی خبر ہے۔
من مجلس: نیک و بد ہر دو مجلس مراد ہے۔
النحو: **لا یذکرون اللّٰہ**: یقومون کی ضمیر سے جملہ نافیہ حال ہے۔ **جیفۃ الحمار**: کو زیادہ نفرت دلانے کے لئے ذکر کیا اور اشارہ کر دیا مجلس میں یاد الٰہی چھوڑنے والا گدھے کی طرح کودن ہے کیونکہ دنیا کے عیش میں پڑ کر سب سے شاندار عطیے کو چھوڑ دیا۔ سب سے نفیس کا ترک نری حسرت ہے کیونکہ زمانہ واپس نہ لوٹے گا۔ اس سے حسرت اور بڑھ گئی اور ضائع ہونے والے وقت کی قدر و قیمت جاننے والا اس میں ذکر اللہ میں کی جانے والی کوتاہی بھڑک اٹھے گا ممکن ہے آخرت میں حسرت ہو کہ آخرت کا ثواب فوت ہو گیا اور کوتاہی نہ کرنے والے کو مل گیا طبرانی کے الفاظ یہ ہیں: "**ما من قوم اجتمعوا فی مجلس وتفرقوا اولم یذکروا اللّٰہ الا کان ذلك المجلس حسرۃ علیھم یوم القیامۃ**"۔ اور احمد کی روایت میں: "**ما من جلسوا مجلسا لا یذکرون اللّٰہ فیہ الاروٰہ حسرۃ یوم القیامۃ**"۔

تخریج : ابو داود (٤٨٥٥) والحاکم (١٨٠٨) واحمد (٣/١٠٨٢٧)

الفرائد: ① جس مجلس میں بیٹھے اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔ ② اللہ تعالیٰ کی یاد کے بغیر مجلس سے اٹھنا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا۔

❁ ❁ ❁

٨٣٦ : وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : "مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَّجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ تَعَالٰى فِيهِ وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلٰى نَبِيِّهِمْ فِيهِ اِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةٌ فَاِنْ شَآءَ عَذَّبَهُمْ ، وَاِنْ شَآءَ غَفَرَ لَهُمْ" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ : حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

۸۳۶: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ جولوگ کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتے اور نہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں وہ مجلس ان کے لئے حسرت ہوگی۔ پس اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو ان کو عذاب دیں گے اور اگر چاہیں گے تو ان کو بخش دیں گے۔ (ترمذی) حدیث حسن۔

مجلسا: یہ ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے۔ **لم یصلوا**: سے صلاۃ و سلام دونوں مراد ہیں۔ **فیه**: یہ ظرف کے لئے بمنزلہ صفت ہے۔ **الا کان**: یہ ناقصہ ہو سکتا ہے۔ اسم کی ضمیر مجلس کی طرف راجع ہے۔ **علیھم**: یہ ظرف لغو خبر کان سے متعلق ہے۔ **ترۃ**: اس کا معنی نقص ہے اور یہ متعلق کے سلسلہ میں فعل کی طرح ہے (۲) بذات خود فعل سے متعلق ہے (۳) محل حال میں ہے (اسم کان سے) (۴) کان تامہ ہو تو یہ اس کا فاعل ہے۔ اگلی روایت اس کی موید ہے۔ **فان شاء عذبھم**: اس کوتاہی کی سزا میں جو انہوں نے چھوڑ کر کی ہے۔ **وان شاء غفر لھم**: اس نقص کو معاف کر دے۔ معلوم ہوا کہ مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

پر درود ضروری ہے۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہو جیسا دیگر روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔

تخریج : اخرجه الترمذی (۳۳۹۱) و احمد (۳/۹۷۷۱)

الفرائد : ① مجلس میں اللہ تعالیٰ کی یاد اور جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا چاہئے تا کہ مجلس بابرکت ہو۔ ② جہاں اللہ کا ذکر نہ ہو وہ مجلس باعث حسرت ہوگی کیونکہ انہوں سے اپنے اصل مال کو ضائع کر دیا۔

۸۳۷ : وَعَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : "مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَّمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ تَعَالٰى فِيْهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ ، وَّمَنِ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَّا يَذْكُرُ اللّٰهَ تَعَالٰى فِيْهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى تِرَةٌ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ – وَقَدْ سَبَقَ قَرِيْبًا ، وَشَرَحْنَا "التِّرَةَ" فِيْهِ۔

۸۳۷: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا اور اس میں اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کیا تو وہ مجلس اللہ کی طرف سے اس کے لئے ندامت کا باعث ہوگی۔ (ابوداؤد)

ابھی قریب روایت گزری جس میں التِّرَةَ کی تشریح کردی گئی یعنی حسرت وندامت۔

مقعداً: ظرف زبان ہونے کی وجہ سے منصوب ہے (۲) مصدر میمی ہے جو قعوداً کے معنی میں ہے۔ **لم یذکر اللّٰہ تعالٰی فیه**: اس سے ذکر لسانی مراد ہے۔ اس قدر کہ متکلم خود معتدل آواز سے سن لے۔ (۲) ذکر قلبی مراد ہو۔ اب خوف اور رجاء وغیرہ وہ بھی اس میں شامل ہوں گے۔ خواہ زبان سے ذکر نہ ہو۔ **کانت علیه**: فاعل کی وجہ سے فعل کو مونث لائے۔ دونوں ظرف کانت سے متعلق ہیں (۲) کان ناقصہ ہو تو ایک ظرف خبر مقدم اور ترہ اسم موخر (۳) کانت کی تانیث اس ضمیر کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے۔ مقعداً کے مقصود قعدہ پر دلالت کرتی ہے۔

تخریج : ابو داؤد فی آداب النوم۔

الفرائد : روایت ۸۲۸ میں فرائد گزر چکے۔

۱۳۰ : بَابُ الرُّؤْيَا وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهَا

بَاب: خواب اور اس کے متعلقات

الرؤیا: یہ فعلیٰ کے وزن پر ہے۔ الف تانیث مقصورہ سے غیر منصرف ہے۔ **یتعلق بها**: سے مراد آداب ہیں۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ [الروم: ۲۳]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی علامات میں تمہارا دن رات کا ہونا ہے"۔ (الروم)

آیاته: سے دلائل واحدانیت والوہیت مراد ہیں۔ **منامکم باللیل و النهار**: نیند میں بھی شعور چلا جاتا ہے اور سونے والا میت کی طرح ہو جاتا ہے۔ جب اس سے بیدار ہوتا ہے تو شعور وادراک واپس لوٹتا ہے۔ گویا وہ اب بھی باقی رہے گا۔ یہ مان

قدرت کی دلیل ہے۔

۸۳۸: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ یَقُوْلُ: "لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ" قَالُوْا: "وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ: "الرُّؤْیَا الصَّالِحَةُ" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

۸۳۸: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا نبوت میں سے صرف مبشرات باقی رہ گئی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا نیک خواب۔ (بخاری)

لم یبق: دمامینی نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد نبوت سے کوئی چیز باقی نہ رہے گی۔ آپ ﷺ کی وفات سے وحی منقطع ہوگئی۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی ایسی چیز باقی نہ رہے گی جس سے مستقبل کی کسی چیز کا علم ہو۔ سوائے مبشرات کے۔ مقام کا تقاضہ یہ تھا کہ نفی بلن کے ساتھ ہوتی اور ایک روایت میں "**لن یبقی بعدی من النبوة الا المبشرات**" وارد ہے۔ (ابن التین) مہلب کہتے ہیں مبشرات کی تعبیر اغلب کے لحاظ سے ہے کیونکہ بعض خوابیں تو ڈروانی ہوتی ہیں جو مومن کو ان تکلیف چیزوں سے پہلے دکھاتے ہیں تاکہ وہ ان کی تیاری کر لے۔ **قالوا**: حاضرین صحابہ کرام نے کہا۔ **الرؤیا الصالحه**: (۱) اس سے مراد جو ذاتی اعتبار سے نیک خواب ہوں (۲) تاویل کے لحاظ سے نیک ہوں۔

تخریج : اخرجه البخاری (۶۹۹۰)

الفرائد: ① نیک خواب نبوت کا جزء ہیں۔ ② اچھا خواب مؤمن کو جلد ملنے والی بشارت ہے۔

۸۳۹: وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: "اِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ تَكَدْ رُؤْیَا الْمُؤْمِنِ تَكْذِبُ، وَرُؤْیَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِیْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ – وَفِیْ رِوَایَةٍ: اَصْدَقُكُمْ رُؤْیَا: اَصْدَقُكُمْ حَدِیْثًا۔

۸۳۹: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب زمانہ قریب (قیامت) ہو جائے گا تو مؤمن کا خواب کم وبیش ہی جھوٹا ہوگا اور مؤمن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ (بخاری ومسلم) ایک روایت میں ہے تم میں ان کا خواب زیادہ سچا ہے جو بات میں بھی سب سے سچا ہے۔

اقترب الزمان: اس سے موسم ربیع مراد ہے جس میں دن رات برابر ہوتے ہیں۔ (۲) دنیا کی مدت کی انتہاء مراد ہے۔ (۳) قرب سے مراد یہ ہے کہ سال مہینے کی طرح اور مہینہ ہفتے کی طرح اور ہفتہ دن کی طرح معلوم ہوگا اور دن ایک گھڑی کی طرح (طیبی) دوسرے قول کو طیبی اور اول کو ابن حجر نے ترجیح دی ہے۔ طیبی نے اپنی تائید میں یہ روایت پیش کی ہے "**فی آخر الزمان لا تکاد رؤیا المؤمن تکذب**"۔ سیوطی نے بھی اس کی تائید کی ہے کیونکہ اکثر علم کم ہو جائے گا دیانت کے نشانات مٹ جائیں گے۔ اس زمانے میں لوگ کس ناصح کے محتاج ہوں گے اور مجدد کے ضرورت مند ہوں گے تاکہ دین کی باتوں کو وہ زندہ کرے۔ جیسا پہلے انبیاء علیہم السلام کرتے تھے لیکن ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں تو راہنمائی کے لئے رؤیا صادقہ بدلے میں عنایت ہوئے۔ عارف باللہ ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں مومن اس وقت اوپرا معلوم ہوگا اس کے

ساتھ انس والے کم ہوں گے۔ اس لئے مؤمن کو سچے خواب سے نوازا جائے گا۔ فارسی نے کہا جب آدمی کی عمر بلوغت کو پہنچ جائے یا کہولت یا بڑھاپا تو اس کو خواب زیادہ سچا ہوتا ہے کیونکہ اس کی قوت نفسیہ حلم وحوصلہ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔**لم تکد رؤیا المؤمن**: قریب نہیں کہ مومن کا خواب جھوٹ ہو۔ایک روایت میں "**لم تکد رؤیا الرجل المسلم**": کے لفظ ہیں۔طیبی کہتے ہیں کاد منفی کی خبر میں اختلاف ہے مگر ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی نافیہ ہے کیونکہ اس پر داخل ہونے والا حرف نفی ضرب حصول کی نفی کرتا ہے اور قرب شئی کی نفی کرنے والا تو نفی پر زیادہ دلالت کرنے والا ہے۔ جیسا اس ارشاد میں ﴿**اذا اخرج یدہ لم یکد یراھا**﴾

رؤیا یہاں رؤیت کے معنی میں ہے مگر یہ نیند سے خاص ہے بیداری میں نہیں پس فرق کے لئے تاء تانیث سے فرق کردیا اور الف ممدودہ لے آئے (کشاف) واحدی کہتے ہیں الرؤیا مصدر ہے مگر جب یہ خیال کے لئے استعمال ہوا تو اسم کی جگہ بن گیا۔صدیقی کہتے ہیں اس کا الف ممدودہ اور مقصودہ دونوں سے پڑھنا جائز ہے۔کازری کہتے ہیں اہل سنت کے ہاں خواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سونے والے کے دل میں ایسے اعتقادات پیدا کردیتے ہیں گویا ان اعتقادات کو دوسرے معاملات کے لئے بمنزل علم ہے جن کو اللہ تعالیٰ احوال کے دوران پیدا کرتے ہیں جو کہ کبھی مختلف ہوتے ہیں جیسے بادل علامت بارش ہے۔کبھی اس سے بارش نہیں بھی ہوتی بعض اوقات وہ اعتقادات فرشتے کی موجودگی میں واقع ہوتے ہیں تو ہم خوش ہیں اور دوسرے شیطان کی موجودگی میں ہوتے ہیں تو ہم پریشان ہوتے ہیں۔ فتح الباری ملاحظہ فرمائیں۔

فرق: مسلم کی ایک روایت میں "**اصدقھم رویا**": سچی خواب دیکھنے والے **اصدقھم حدیثاً**: یہ غالب کے لحاظ سے ہے۔ بعض اوقات نیک بھی خیالات موہومہ دیکھتا ہے جب شیطان کی شرارت کا اس پر اثر پڑ جاتا ہے اور فاجر پر تو پہلے شیطان کا تسلط ہے۔لوگوں کی اقسام: (۱) انبیاء علیہم السلام ان کے خواب بہر حال سچے ہوتے ہیں البتہ محتاج تعبیر ہوتے ہیں۔(۲) صالح ان کے خواب عموماً سچے ہوتے ہیں۔ان کے بعض خواب تعبیر اور بعض تعبیر کے محتاج نہیں ہوتے۔(۳) عام لوگ ان کے خوابوں میں سچائی اور پراگندہ خیالات ملے جلے ہوتے ہیں۔فاسق لوگوں کے زیادہ خواب پراگندہ خیالات ہوتے ہیں۔ (۴) کفار کے سچے خوابوں میں ان کو ڈرایا جاتا ہے۔

تخریج : اخرجه البخاری (۷۰۱۷) و مسلم (۲۲۶۳) و ابو داود (۵۰۱۹) والترمذی (۲۲۷۰)

الفرائد: ① خواب کی تاکید اور اس کا مرتبہ بتلایا گیا ہے۔② جو خالق ومخلوق کے ساتھ سچا ہو اس کا خواب سچا ہوتا ہے۔

۸۴۰ : وَعَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "مَنْ رَّاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَيَرَانِیْ فِی الْيَقَظَةِ اَوْ كَاَنَّمَا رَاٰنِیْ فِی الْيَقَظَةِ – لَا يَتَمَثَّلُ الشَّيْطَانُ بِیْ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

۸۴۰: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا۔ پس وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا یا گویا کہ اس نے مجھے بیداری میں دیکھا ہے۔ شیطان میری مثالی صورت نہیں بنا سکتا۔ (بخاری ومسلم)

فسیرانی فی الیقظة: کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کو بیداری میں آپ ﷺ کی زیارت ہوگی یہ اسی کی خوشخبری

ہے۔اس کو بیداری کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حقیقی بیداری یہی ہے اور یہ اس بات کے خلاف نہیں کہ اس کی تاویل دنیا و دین خبر کا ملنا ہو۔**او فکانما رانی فی الیقظة**: او شک راوی کے لئے ہے۔اس کا معنی یہ ہے آپ ﷺ کو خواب میں دیکھنا مثال ہے اور عالم حس میں دیکھنا حسی ہے تو خیال کو حس سے تشبیہ دی۔**ولا یتمثل فی الشیطان**: یہ جملہ مستانفہ ہے۔گویا کسی نے سوال کیا کہ اس کی وجہ کیا ہے تو فرمایا اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بن سکتا۔یہ وہ خواب ایسا نہیں کہ شیطان نے دیکھنے والے کے تخیل میں جس چیز کو چاہا ہو ڈال دیا ہو۔

ایک اہم سوال: کیا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص ہے۔بعض نے کہا رؤیت باری، رؤیت الانبیاء، رؤیت ملائکہ، رؤیت شمس و قمر، نجوم اور وہ بادل جس میں بارش ہو۔ان میں کسی کی تمثیل شیطان نہیں بن سکتا۔

محققین کہتے ہیں یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص ہے۔اس سلسلے میں علماء نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام احکام کے ذریعہ اسماء وصفات باری تعالیٰ جو تخلق و تحقق کے لحاظ سے ہیں ان کو ظاہر کر دیا ہے مگر مقامات رسالت اور دعوت الی الحق کے لحاظ سے حکم وسلطنت کے لحاظ سے صفات حق اور اسماء سے زیادہ ظاہر ہونے چاہئیں۔

صفت ہدایت اور اسم الہادیٰ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسم الہادی کی صورت اور صفت للہادی کا مظہر ہیں اور شیطان اسم المضل کا مظہر صفت الضلالت کے ساتھ ظاہر ہونے والا ہے۔یہ دونوں ایسی ضدیں ہیں کہ ایک دوسرے کی صفت میں ظاہر نہیں ہو سکتا۔پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کے لئے پیدا فرمایا۔پس اگر ابلیس کو ان کی مثالی شکل بنانے کی اجازت ہو جائے تو جس کے سامنے آپ ﷺ جس حق کو ظاہر کرنے والے ہوں اس پر اعتماد ختم ہو جائے اور جس کے لئے اپنی ہدایت کو ظاہر کرنے والے ہوں اسی وجہ سے اللہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کی حفاظت فرمائی۔باری تعالیٰ نے اپنے بارے میں یہ منع نہیں فرمایا حالانکہ باری تعالیٰ تو عظمت وجلال کے لحاظ سے سب سے بڑے ہیں۔یہ بات پیش آئی کہ شیطان نے ایک قوم کو انا اللہ کہہ کر گمراہ کیا۔ان لوگوں نے خیال کیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور اس کا خطاب سنا ہے کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کسی کا صورت بنانا ناممکن ہے (وہ لیس کمثلہ شئی ہے) تو ابلیس کے صورت بنانے سے التباس کا قطعاً خطرہ نہیں۔اس کے برعکس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو معروف ومشہور صورت ہے تو حکمت الٰہیہ نے اس بات کو اسی طرح چاہا اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا مقتضیٰ یہ ہے کہ وہ ہدایت دے اور گمراہ کرے (جو ہدایت کی طرف نہ آئے) اس کے برعکس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کے وصف کے پابند ہیں اور ہدایت کی صورت میں ظاہر ہونے والے ہیں۔اس لئے آپ ﷺ کی صورت کا معصوم ومحفوظ کرنا ضروری تھا کہ شیطان اس میں ظاہر نہ ہوتا کہ اعتماد باقی رہے اور ہدایت کا حکم ان میں ظاہر ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا فیصلہ ہو۔

ابن حجرؒ لکھتے ہیں **فسیرانی فی الیقظة**: کے معنی میں اختلاف ہے۔(۱) سیدی: یہ مارای فی الیقظہ کی تفسیر ہے کیونکہ یہ ایک غیب ہے جو اس کو القاء کیا گیا ہے (۲) مجھے قیامت میں دیکھے گا یعنی اس کو قرب والا دیدار میسر ہوگا (۳) خاص قسم کا قرب میسر ہوگا اور اس بات کے تسلیم کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ کچھ مدت کے لئے بعض گناہ گار مؤمنوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات سے روک دیا جائے۔

ابن التین کہتے ہیں اس سے مراد وہ شخص ہے جو آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ پر ایمان لایا اور آپ ﷺ کی ملاقات

وزیارت نہ کر سکا تو اس کو خوشخبری ہے کہ موت سے پہلے بیداری میں اس کو دیدار میسر ہوگا۔ بعض نے کہا یہ روایت اپنے ظاہر پر ہے اس کے متعلق جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سر کی آنکھوں سے ضرور دیکھے گا۔ بعض نے کہا دل کی آنکھوں سے دیکھے گا (کذا قال ابن العربی) پھر ابن عربی نے بعض کرامات کا ذکر کیا انہوں نے پہلے خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا پھر بیداری میں دیکھا اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوابات مرحمت فرمائے۔ اس قسم کی کرامات کا تذکرہ غزالی اور ابن عبدالسلام نے بھی کیا۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جس جسم کو اس کرامت کی حالت میں دیکھا یہ کون سا جسم تھا۔ غزالی نے کہا یہ مثالی جسم ہے اور ابن عربی نے کہا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہی صفات سے جو احادیث میں وارد ہیں دیکھا تو یہ ادراک حقیقت ہے ورنہ ادراک مثال ہے۔ حافظ نے بھی اسی قسم کو درست کہا۔ نووی نے حقیقت پر محمول کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

تخریج: اخرجه البخاری (۱۱۰) و مسلم (٦٢٦٦) و ابو داود (۵۰۲۳) و ابن حبان (٦٠٥١) و احمد (٣/٧٥٥٦)

الفرائد: ① خواب میں دیکھنے والا آپ کو دیکھنے والا ہے یا عنقریب دیکھ لے گا کیونکہ شیطان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ ② خواب میں مثالی چیزیں نظر آتی ہیں۔ بذات خود وہ چیزیں نہیں البتہ وہ مثالی چیز کبھی تو اس چیز کے ظاہری مطابقت رکھتی ہیں کبھی معنوی۔ ③ پہلی قسم میں سے آپ کا خواب ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خواب میں دیکھا وہی بیداری میں دیکھا۔ ④ آپ کو خواب میں دیکھنے سے اس محبت والے کی تسکین مقصود ہے چنانچہ دوسری روایت فَسَيَرَانِیْ فِی الْيَقْظَةِ میں اسی طرف اشارہ ہے یا آپ کی معنوی صورت مراد ہو وہ دین وشریعت ہے اس کی تعبیر دیکھنے والے کے لحاظ سے کسی اور نقصان کے ساتھ ہوتی ہے۔ (قرطبی)

۸۴۱ :وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : ”اِذَا رَاٰى اَحَدُكُمْ رُؤْيَا يُحِبُّهَا فَاِنَّمَا هِیَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ عَلَيْهَا وَلْيُحَدِّثْ بِهَا – وَفِیْ رِوَايَةٍ :فَلَا يُحَدِّثْ بِهَا اِلَّا مَنْ يُّحِبُّ – وَاِذَا رَاٰى غَيْرَ ذٰلِكَ مِمَّا يَكْرَهُ فَاِنَّمَا هِیَ مِنَ الشَّيْطَانِ فَلْيَسْتَعِذْ مِنْ شَرِّهَا وَلَا يَذْكُرْهَا لِاَحَدٍ فَاِنَّهَا لَا تَضُرُّهٗ“ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

وَلَيْسَ هُوَ فِیْ مُسْلِمٍ مِنْ حَدِيْثِ اَبِیْ سَعِيْدٍ وَّاِنَّمَا هُوَ عِنْدَهٗ مِنْ حَدِيْثِ جَابِرٍ وَ اَبِیْ قَتَادَةَ۔

۸۴۱: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جس کو وہ پسند کرتا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پس چاہئے کہ وہ اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور اس کو بیان کرے اور ایک روایت میں ہے کہ اس کو بالکل بیان نہ کرے مگر اس کو جس کو وہ پسند کرتا ہے اور جب ایسا خواب دیکھے جس کو وہ ناپسند کرتا ہے تو وہ شیطان کی طرف سے ہے پس وہ اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور کسی کے سامنے اس کا تذکرہ نہ کرے۔ پھر وہ خواب اس کے لئے نقصان دہ نہ ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

مسلم میں یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوقتادہ کی روایت سے آتی ہے۔

رؤیا یحبھا: اس کے ظاہر کے خوبصورت ہونے یا تاویل کے عمدہ ہونے کی وجہ سے۔ **من اللّٰہ**: وہ اچھائی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے۔ **فلیحمد اللّٰہ علیھا**: (۱) اس سے حمد میں یا تو مبالغہ مراد ہے وہ اپنی کثرت کی وجہ سے منعم بہ پر غالب آ گئی۔ پس علوا اپنے اصل معنی میں ہے اور روایت میں وارد ہے: "**ما انعم اللّٰہ علی عبد بنعمۃ فقال الحمد للّٰہ الا کان ما اعطی خیراً مما اخذ**": اللہ تعالیٰ جب کسی بندے پر انعام کرتے اور وہ اس پر الحمدللہ کہتا ہے تو اس کو اس سے بڑھ کر مل جاتا ہے جتنا اس سے لیا گیا"۔ (۲) وہ تعلیلیہ بھی ہوسکتا ہے۔ جیسا اس ارشاد میں ﴿ **ولتکبروا اللّٰہ ما ھداکم** ﴾ حدیث میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ جب نئی نعمت ملے تو اس وقت حمد بجا لائے اور چیز دوام حمد کا سبب ہے۔ **ولیحدث بھا**: جس کو پسند کرتا ہوا سے بیان کرے اور مسلم کی ایک روایت میں **فلا یحدث بہ**: کہ وہ اس کو بیان نہ کرے۔ درست نسخے میں ضمیر بھا: مونث کی ہے۔ **الا من یحب**: اس کی وجہ یہ ہے کہ دشمن اس کا غلط محمل نکالے گا اور وہی واقع ہو جائے گا کیونکہ تعبیر کرنے تک یہ گھرانے والے اڑتے پرند کی طرح ہے۔ ترمذی میں **الا لبیباً**: کے الفاظ وارد ہیں۔ **مما یکرہ**: جب ناپسند خواب دیکھے اس میں ما مصدریہ ہے (۲) ما موصولہ بھی ہوسکتا ہے۔ اس کی ضمیر عائد منصوب ہے۔ خواب کی کراہت اس کی تعبیر کے اعتبار سے یا ظاہر کے اعتبار سے ہے۔ **فانما ھی من الشیطان**: یہ خواب شیطانی ہے اس کو شیطان کی طرف منسوب کرنے کی وجہ تخیل شیطان سے اس خواب نے جنم لیا ہے اور اس خیال کی کوئی حیثیت نہیں۔ **فلیستعذ باللّٰہ من شرھا**: اس کے شر سے پناہ مانگے۔ عبدالرزاق نے اور ابن ابی شیبہ نے اثر ذکر کیا ہے کہ "**اذا رای احدکم فی منامہ ما یکرہ فلیقل اذا استیقظ اعوذ باللّٰہ بما عاذت بہ ملائکۃ اللّٰہ ورسلہ من شر رؤیای ھذہ ان یصیبنی فیھا ما اکرھہ فی دینی و دنیای**": اس سے ثابت ہوا کہ برے خواب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنی چاہئے۔ **ولا یذکرھا**: اگرچہ دوست ہو اس کے سامنے بھی ذکر نہ کرے اور ترمذی میں یہ روایت بھی ہے "**اذا رأی الرؤیا القبیحۃ فلا یفسرھا ولا یخبربھا احداً**": اس کا تذکرہ نہ کرنا اس لئے ہے کہ یہ بھی اس کے شر سے حفاظت کے اسباب سے ہے۔ اس طریقے سے اسے اس خواب کا ضرر نہ پہنچے گا۔ یہ سبب کی طرف نسبت کی گئی ہے۔

تخریج: اخرجہ البخاری (٦٩٨٥) والترمذی (٣٤٦٤) والنسائی (٨٩٩) و مسلم (٤/٢٢٦١)

الفرائد: ① نیک خواب والے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنی چاہئے۔ ② اس پر خوش ہو اور اپنے پسند والوں کو بیان بھی کرے۔ ناپسند خواب سے پناہ طلب کرے کسی کو مت ذکر کرے پھر اس کو نقصان نہ پہنچے گا۔

٨٤٢ : وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: "اَلرُّؤْیَا الصَّالِحَۃُ وَفِیْ رِوَایَۃٍ الرُّؤْیَا الْحَسَنَۃُ – مِنَ اللّٰہِ، وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّیْطَانِ فَمَنْ رَاٰی شَیْئًا یَکْرَھُہٗ فَلْیَنْفُثْ عَنْ شِمَالِہٖ ثَلَاثًا، وَلْیَتَعَوَّذْ مِنَ الشَّیْطَانِ فَاِنَّھَا لَا تَضُرُّہٗ"۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

"اَلنَّفْثُ" نَفْخٌ لَطِیْفٌ لَا رِیْقَ مَعَہٗ۔

۸۴۲: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا نیک خواب اور ایک روایت میں

''اچھے خواب'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور خیالاتِ پریشان شیطان کی طرف سے ہیں۔ اگر کوئی ایسی چیز دیکھے جس کو ناپسند کرتا ہے تو بائیں طرف تین مرتبہ تھوکے اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آئے۔ پس وہ خواب اس کو نقصان نہ دے گا۔ (بخاری و مسلم)

النَّفْثُ : ایسی لطیف پھونک جس میں تھوک نہ ہو۔

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے حالات باب تحریم الظلم میں گزرے ملاحظہ کریں۔ **الرؤيا الصالحة**: ایک روایت بخاری میں **الرؤيا الحسنة**: کے الفاظ ہیں مطلب ایک ہے۔ حسنہ صورت کے اعتبار سے اور صالحہ تاویل کے لحاظ سے۔ **والحلم من الشيطان**: جو خیر خواب میں دیکھتا ہے اس کو رؤیا کہا اور برے خواب کو حلم کہا مگر نہایہ میں ہے کہ جو چیز سونے والا نیند میں دیکھتا ہے۔ اسی کو رؤیا اور حلم کہتے ہیں مگر حلم کو شر سے اور رؤیا کو خیر سے صاحب شرع نے تعبیر فرمایا ہے۔ **فلينفث عن يساره**: یہ عمل اس لئے بتلایا گیا تا کہ شیطان کو بھگایا جائے جس کی شرارت سے یہ خواب آیا ہے اور اس کی خوب تذلیل و تحقیر ہو جائے۔ بائیں جانب محل گندگی ہے اس لئے اس کی طرف تھوکنے کا حکم فرمایا۔ **ثلاثا**: یہ ینفث کا مفعول ہے اور **لا يتعوذ من الشيطان** اور شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے برے خواب کے وقت شیطان کی حاضری کو مقدر کیا ہے جب اس کی پناہ میں آجائے گا اور شیطان بھاگ جائے گا تو برے خواب کا اثر بھی جاتا رہے گا۔ **فانها**: ھا کی ضمیر رؤیا کی طرف لوٹتی ہے۔ **النفث**: وہ پھونک جس میں تھوک نہ ہو۔

تخريج : اخرجه مالك (١٨٧٤) واحمد (٨/٢٢٦٤٦) والبخارى (٣٢٩٢) و مسلم (٢٢٦١) وابن حبان (٦٠٥٩) والدارمى (٢/١٢٤) والحميدى (٤١٨) والبيهقى فى الادب (٩٨٧)

الفوائد : ① سچے خواب اللہ تعالیٰ کا کرم واحسان ہے۔ ② خیالات شیطانی چکر ہے جس کو خیال آئے وہ بیدار ہو کر بائیں طرف تھوک دے خواب کا نقصان نہ ہو گا تھوکنے سے وسوسہ جاتا رہے گا۔

٨٤٣ : وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : "اِذَا رَاٰى اَحَدُكُمُ الرُّؤْيَا يَكْرَهُهَا فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَّسَارِهٖ ثَلَاثًا ، وَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ ثَلَاثًا ، وَلْيَتَحَوَّلْ عَنْ جَنْبِهِ الَّذِىْ كَانَ عَلَيْهِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

٨٤٣: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ناپسند خواب دیکھے تو اس کو چاہئے کہ وہ بائیں طرف تین مرتبہ تھوکے اور شیطان سے تین مرتبہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور جس پہلو پر ہے اس سے پھر جائے۔ (مسلم)

جابر بن عبداللّٰه: رضی اللہ عنہما۔ ان کو چاہئے تھا کہ عنہما لکھتے۔ **اذا رأى احدكم**: یعنی جب تم میں سے کوئی خواب دیکھے۔ **يكرهها**: صورۃً ناپسند کرتا ہو یا تاویل کے لحاظ سے ناپسند کرتا ہو۔

النَّحْو : یہ جملہ حال یا ماقبل کی صفت ہے جبکہ اس پر الف لام جنس کا مانیں۔ **فليبصق**: صاد زاء کے بدلے میں ہے' تھوک کو بزاق کہا جاتا ہے (المصباح) بائیں جانب ناپسند چیزوں کے لئے ہے تین مرتبہ کا حکم شیطان کی زیادہ تذلیل کے لئے

ہے۔ **ولیستعذ باللّٰہ**: زبان و دل سے شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے۔ **ولیتحول عن جنبه**: جب اس کو برا خواب آئے تو تفاولاً وہ جانب بدل لے یہ اسی طرح ہے جیسا استسقاء میں امام کے لئے تقلیب رداء کا حکم ہے۔ دوسری مرفوع روایت میں یہ حکم ہے: "**اذا رأی احدکم ما یکره فلیقم فلیصل و لا یحدث به الناس**": ناپسند خواب دیکھے تو اٹھ جائے اور نماز پڑھے اور خواب کسی کو نہ بتائے۔

تخریج : اخرجه مسلم (٢٢٦٢) و ابو داود (٥٠٢٥) و ابن حبان (٣٩٠٨)

الفرائد : جو برا خواب وہ پہلو بدل لے اور بائیں طرف تھوک دے۔ اسی طرح نماز یا درود پڑھ دے تو مناسب ہے۔

٨٤٤ : وَعَنْ اَبِی الْاَسْقَعِ وَاثِلَةَ بِنِ الْاَسْقَعِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "اِنَّ مِنْ اَعْظَمِ الْفِرٰی اَنْ یَّدَّعِیَ الرَّجُلُ اِلٰی غَیْرِ اَبِیْهِ ، اَوْ یُرِیَ عَیْنَهٗ مَا لَمْ تَرَ ، اَوْ یَقُوْلَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا لَمْ یَقُلْ" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

٨٤٤ : حضرت ابو اسقع واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بڑا افتراء یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے علاوہ اور کسی کی طرف نسبت کرے یا اپنی آنکھ کو وہ کچھ دیکھنے کی طرف منسوب کرے جو اس نے واقعہ میں نہ دیکھا ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہ بات کہے جو آپ نے نہ فرمائی ہو۔ (بخاری)

واثله بن الاسقع: بعض ابوالاسقع بعض نے ابوشداد بعض نے ابو محمد بعض نے ابوالخطاب بعض نے ابوقرصافہ (قاف کا کسرہ) کنیت ذکر کی ہے۔ **واثله**: (واو مفتوح، ثا مکسور) کے والد کا نام عبداللہ بن اسقع بن عبدالعزیٰ بن عبد یالیل بن ماست بن عنزۃ بن سعد بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ الکنانی اللیثی رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ اس وقت اسلام لائے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی طرف تیاری کر رہے تھے۔ یہ فتح دمشق، حمص میں شریک تھے۔ بعض کہتے ہیں انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین سال خدمت کی یہ اہل صفہ میں شامل تھے ان سے ٥٦ روایات مروی ہیں۔ ایک میں بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں۔ یہ شام میں چلے گئے اور دمشق میں اقامت اختیار کی۔ پھر انہوں نے بیت المقدس کے قریب بیت جبرین بارہ کو وطن بنایا۔ بصرہ میں چلے گئے وہاں بھی ان کا مکان تھا۔ انہوں نے دمشق میں ٨٦ھ میں ٨٧ سال کی عمر میں وفات پائی یہ ابو مسہر کا قول ہے نووی نے اسی کی تائید کی ہے (اگر اس کو درست مانیں تو پھر ان کی غزوۂ تبوک میں شرکت ناممکن ہو جائے گی۔ غزوۂ تبوک ١٠ھ میں پیش آیا ان کی عمر دو سال بنتی ہے فتدبر) سعد بن خالد کہتے ہیں ان کی وفات ٨٣ھ میں ہوئی ان کی عمر ١٥٠ سال تھی (یہ قول درست معلوم ہوتا ہے مترجم) **الفری**: یہ فریۃ کی جمع ہے بڑا جھوٹ۔ **ان یدعی الرجل**: اس سے مراد اپنے باپ کے علاوہ دوسرے کی طرف نسبت کرنا۔ اس کو بڑا جھوٹ اس لئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فلاں آدمی کے پانی سے پیدا کیا اور وہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتا کہ اس کو دوسرے کے پانی سے پیدا کیا۔ **او یری عینیه مالم تر**: بخاری کے الفاظ مالم تریا ہے۔ جھوٹا خواب بیان کرے۔ یہ اس لئے بڑا جھوٹ ہے کہ خواب فرشتے کے دکھانے سے دیکھا اس نے فرشتے پر بہتان باندھا جو اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے۔ بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔ **من تحلم بحلم لم یره کلف ان یعقد بین شعیرتین**

ولن یفعل: طبرانی کہتے ہیں خواب کے جھوٹ پر شدید وعید سنائی گئی اور بیداری کا جھوٹ تو اس سے بھی زیادہ فساد کا باعث ہوتا ہے حالانکہ بعض اوقات کسی کے قتل یا مال لینے کی گواہی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے جھوٹا خواب کہ اس نے فلاں چیز دیکھی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے نہیں دکھائی تو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ' مخلوق پر جھوٹ سے بڑا ہے۔ جیسا اس ارشاد میں فرمایا: ''الرؤیا الصالحة جزء من ستة واربعین جزءاً من النبوة'': یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ او یقول علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کو جھوٹی روایت منسوب کرنے۔ حالانکہ متواتر ارشاد ہے: ''من کذب علی متعمدًا ملیتبواء مقعده من النار''۔

تخریج : اخرجه احمد (۱۶۰۰۸/۵) والبخاری (۳۵۰۹) وابن حبان (۳۲) والحاکم (۸۲۰۴/۴)

الفرائد: ① جھوٹا' غیر بات کی طرف نسبت کرنا والا' خواب دیکھنے کے بغیر خواب ظاہر کرنے والا' سخت گنہگار ہے ② اپنے نسب کی نفی حرام ہے اس میں علم تعلم' نسب' حالت' اصلاح' نعمت' حکومت کے جھوٹے دعوے شامل ہیں۔ ③ اس جھوٹ پر جو مفاسد مرتب ہوں گے اس کا گناہ بڑھتا جائے گا۔

۱۳۱: بَابُ فَضْلِ السَّلَامِ وَالْاَمْرِ بِاِفْشَائِهٖ

بَاب: سلام کی فضیلت اور اس کے پھیلانے کا حکم

السلام: بعض نے کہا عرفہ کا تحفہ وسلام وقوف ہے اور منیٰ کا رمی جمرہ عقبہ ہے اور مسجد کا سلام دو رکعتیں ہیں اور مسلم کا تحفہ سلام ہے۔ افشائه: سلام کو ظاہر کرنا اور اس کو پھیلانا اور اس کی اشاعت کرنا۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی :

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَهْلِهَا﴾

[النور: ۲۸]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اے ایمان والو! تم دوسروں کے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک کہ ان سے تم اجازت نہ لے لو اور گھر والوں کو سلام نہ کر لو''۔ (النور)

بیوتا: جس میں تمہاری رہائش ہو۔ تستانسوا: تم اجازت لے لو۔ وتسلموا: اس طرح کہو۔ السلام علیکم کیا میں آ سکتا ہوں؟ یہ تین مرتبہ کہے اگر اجازت مل جائے تو داخل ہو ورنہ لوٹ جائے۔ اگرچہ ماں یا اولاد کا گھر ہی کیوں نہ ہو۔

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً﴾ [النور: ۶۱]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''پس جب تم گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے نفسوں کو سلام کرو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفہ ہے مبارک اور پاکیزہ''۔(النور)

بیوتاً: بیوت سے ذاتی گھر مراد ہیں۔ **علی انفسکم:** اگر گھر والے ہوں تو ان کو سلام کرے۔ بعض نے کہا بیوت سے ان لوگوں کے گھر مراد ہیں جن اقرباء کے گھروں میں کھانا کھانے کی اجازت ملی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم ان مذکورہ گھروں میں داخل ہو تو ان کے رہنے والوں کو سلام کہو۔ بعض نے یہ معنی کیا ہے جب تم خالی گھروں میں داخل ہو تو اس طرح کہو "**السلام علینا وعلی عباد اللّٰہ الصالحین**"۔ نووی نے پہلا مطلب لیا ہے۔ اسی لئے کتاب الاذکار میں لکھا ہے کہ کسی مکان میں داخل ہونے والے کے لئے مستحب ہے کہ وہ سلام کرے خواہ گھر میں آدمی ہو یا نہ ہو۔ جیسا کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے اور ترمذی میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "**یا نبی اذا دخلت علی اھلك فسلم تكن بركة علیك وعلی اھل بیتك**"۔ **تحیة:** یہ حال ہے مصدر کی وجہ سے منصوب ہے یہ تسلیم کے معنی میں ہے (۲) اور اس کا معنی یہ بھی درست ہے: "**قولوا سلام اللّٰہ علیکم ورحمة وبرکاته**"۔ پس یہ حال بن جائے گا۔ **من عند اللّٰہ:** یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی طرف سے ثابت ہے۔ **مبارکه:** اس سے اضافہ خیر کی امید کی جاتی ہے۔ **طیبة:** اس سے سننے والے کا دل خوش ہوگا۔

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا﴾ [النساء:٨٦]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''جب تمہیں تحفہ سلام دیا جائے تو تم اس کو سلام دو اس سے بہتر یا اسی کو لوٹا دو''۔

اذا حییتم: جب تمہیں سلام کیا جائے۔ **باحسن منها:** اس پر اضافے سے اگر کوئی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو تم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہو۔ **اوردوها:** بغیر اضافے کے اسی طرح جواب دے دو۔ اضافہ مسنون ہے اور جواب دینا واجب ہے۔ قتادہ کہتے ہیں اضافہ تو مسلمانوں کے لئے اور اسی طرح واپس کہنا اہل کتاب کے لئے ہے۔

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرَاهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا :سَلٰمًا ' قَالَ :سَلٰمٌ﴾

[الذاریات:٢٤-٢٥]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''کیا تمہارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی بات پہنچی جبکہ وہ ان کے پاس داخل ہوئے تو انہوں نے سلام کیا تو ابراہیم نے بھی سلام کہا (جواباً)''۔

اتاك حدیث: اس سے بات کی عظمت ظاہر فرمائی کہ یہ وحی سے معلوم ہوتی ہے۔ ضیف کا لفظ مصدر ہے اسی لئے واحد و جمع پر اس کا اطلاق آتا ہے۔ بعض نے کہا ان کی تعداد بارہ تھی۔ بعض نے کہا تین جبریل، میکائیل، اسرافیل تھے۔ ان کو مہمان اس لئے کہا کہ وہ انسانی شکل میں تھے۔ **المکرمین:** وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت والے تھے یا ابراہیم علیہ السلام کے ہاں عزت والے تھے کہ وہ اور ان کی بیوی خود ان کی خدمت کر رہے تھے۔ **اذ دخلوا علیه:** یہ حدیث یا ضیف یا مکرمین کا ظرف ہے۔

سلام: یعنی تم پر سلام ہو۔ مرفوع سے اس بات کی طرف عدول کیا تا کہ ان کا سلام ان کے سلام سے احسن ہو۔

۸۴۵ : وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ؟ قَالَ : "تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَاُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ"۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۸۴۵: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اسلام کی کونسی بات سب سے اچھی ہے؟ آپ نے فرمایا تم کھانا کھلاؤ (بھوکے کو) اور دوسروں کو سلام کرو خواہ ان کو تم پہچانتے ہو یا نہ (بخاری و مسلم)

رجلاً: سیوطی نے کہا یہ ابوذر رضی اللہ عنہ ہیں۔ **الاسلام**: سے مراد خصائل جو اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ ثواب والے ہیں۔ **تعطم الطعام**: یہ ان تطعم ہے۔ اس میں چونکہ کلفت فقر وضع حاجت ہے اس لئے یہ افضل ہے۔ اس میں تھوڑا کھانا، زیادہ حقیر واعلیٰ سب شامل ہیں۔ **تقرا السلام**: ابوحاتم کہتے ہیں اس طرح کہنا چاہئے: **اقرأ علیه السلام**: نہ کہ **اقراه السلام**: جب خط لکھا جائے تو کہو **اقرئه السلام**۔ **من**: سے الذین مراد ہے۔

النحو: **لم تعرف**: ضمیر محذوف ہے۔

تخریج: اخرجه احمد (۲/۶۵۹۲) والبخاری (۱۲) ومسلم (۳۹) و ابو داود (۵۱۹۴) والنسائی (۵۰۱۵) وابن ماجه (۳۲۵۳) وابن حبان (۵۰۵)

الفوائد: ① لوگوں کو کھانا کھلانا اور ان پر خوب سخاوت کرنی چاہئے جس سے عامۃ المسلمین کو فائدہ ہو۔ ② لوگوں کو ایک بات پر جمع کرنا اور ان میں باہمی الفت پیدا کرنا اور اس کے اسباب کو جمع کرنا چاہئے۔ الفت پیدا کرنی والی پہلی چیز اسلام علیکم کو پھیلانا اور عمل میں اخلاص پیدا کرنا ہے اس طرح تواضع کرنا اور استقامت کے شعار کو ظاہر کرنا ہے۔

۸۴۶ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ : "لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ ﷺ قَالَ : اذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلٰی اُولٰٓئِكَ ، نَفَرٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ جُلُوْسٍ فَاسْتَمِعْ مَا یُحَیُّوْنَكَ فَاِنَّهَا تَحِیَّتُكَ وَتَحِیَّةُ ذُرِّیَّتِكَ – فَقَالَ : السَّلَامُ عَلَیْكُمْ ، فَقَالُوْا : السَّلَامُ عَلَیْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، فَزَادُوْهُ : وَرَحْمَةُ اللّٰهِ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۸۴۶: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو فرمایا کہ جاؤ اور فرشتوں کی ان بیٹھی ہوئی جماعت کو سلام کرو۔ پھر غور سے سنو! جو وہ تمہیں جواب دیں وہ تیرا اور تیری اولاد کا سلام ہے۔ پس آدم علیہ السلام نے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا اس پر فرشتوں نے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ تو فرشتوں نے رَحْمَةُ اللّٰهِ کے لفظ کو زیادہ کیا۔ (بخاری و مسلم)

خلق اللّٰہ آدم: یعنی عدم سے وجود دیا۔ **علی اولئك**: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے دور بیٹھے تھے۔ **نفر**: میں رفع نصب و

جر تینوں جائز ہیں۔ملائکہ کی تعیین نہیں۔فاستمع: کشمیہنی کی روایت میں ''فاسمع'' ہے۔بخاری میں یحیونك: ہے۔فانها: یعنی وہ کلمات جن سے جواب دیں گے۔ذریتك من بعدك: یہ تمہارا شرعی سلام مقرر ہے (۲) ذریت سے مسلمان مراد ہوں۔السلام علیکم: ممکن ہے کہ فسلم سے آدم علیہ السلام نے سمجھا۔(۲) اللہ تعالیٰ نے الہام کر دیا۔جیسا چھینک کے وقت الحمد القاء کی۔السلام علیك ورحمة الله: بخاری میں اسی طرح ہے مگر کشمیہنی نے وعلیك السلام ورحمة: نقل کیا۔خطابی کا بھی یہی قول ہے۔

ایک فائدہ: اکثر کی روایت سے معلوم ہوا کہ ابتداء سلام سے جواب بھی درست ہے السلام علیک۔

ایک سوال: کیا اس کے جواب میں بھی البرکاتہ کا اضافہ اس میں درست ہے یا نہیں جمہور کہتے ہیں نہیں۔امام مالک نے لکھا ہے کہ سلام کی انتہاء برکت پر ہوگی۔بیہقی نے نقل کیا کہ ایک آدمی ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا۔اس نے السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ کہا آپ ﷺ نے فرمایا: حسبك الی بر کاته: تک کافی ہے۔عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مشہور سلام برکاتہ تک ہے۔دوسروں نے کہا فحیوا باحسن منها: سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اضافہ درست ہے (مگر اثر صحابی اس قیاس محض سے اعلیٰ ہے۔(فتدبر) یہ موقعہ قیاس نہیں)

تخریج: اخرجه احمد (۳/۸۱۷۷) و عبد الرزاق (۱۹۴۳۵) والبخاری (۳۳۲٦) و مسلم (۲۸٤۱) وابن حبان (٦۱٦۲)

الفوائد: ① اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ اسلام کو اسی صورت پر پیدا کیا جس پر پیدا کرنا تھا۔آدم علیہ اسلام ان تخلیقی مراحل سے نہیں گذرے جن سے ان کی اولاد گزرتی ہے۔② ملائکہ عربی بولتے ہیں ③ آپس میں اسلام کا کلمہ الصوم علیکم استعمال کرتے ہیں ④ اہل علم سے علم حاصل کرنا چاہئے۔

٨٤٧ : وَعَنْ اَبِىْ عُمَارَةَ الْبَرَآءِ ابْنِ عَازِبٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِسَبْعٍ : بِعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ ، وَاتِّبَاعِ الْجَنَآئِزِ ، وَتَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ ، وَنَصْرِ الضَّعِيْفِ ، وَعَوْنِ الْمَظْلُوْمِ ، وَاِفْشَآءِ السَّلَامِ ، وَاِبْرَارِ الْمُقْسِمِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۸۴۷: حضرت ابو عمارہ براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات باتوں کا حکم دیا: (۱) مریض کی عیادت (۲) جنازوں کے ساتھ جانا۔(۳) چھینک کا جواب دینا (۴) کمزور کی مدد کرنا (۵) مظلوم کی اعانت (٦) سلام کو کھل کر کہنا (۷) قسم والے کی قسم کا پورا کرنا۔(بخاری و مسلم)

یہ روایت تفصیل کے ساتھ باب تعظیم حرمات المسلمین میں گزری ملاحظہ فرمائیں۔امرنا: یہاں امر سے وجوب واستحباب دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔کیونکہ لفظ حقیقی ومجازی معنی دونوں میں عند الشوافع استعمال ہو سکتا ہے اور عند الاحناف عموم مجاز مراد ہو سکتا ہے۔بعیادة المریض: مریض کی زیارت کو جانا خواہ کوئی مرض ہو۔اس کو بعض نے سنت اور بعض نے فرض کفایہ کہا ہے۔واتباع الجنائز: جنازے کے ساتھ جانا۔تشمیت: جبکہ وہ الحمد کہے۔نصر الضعیف: مظلوم کی مدد کرنا کہ اس کے اور ظالم کے درمیان حائل ہو اور اس کی دلیل کو بلند کرے۔عون المظلوم: قول وفعل سے دفاع کرے یہاں تک کہ ظالم باز

آ جائے۔ افشاء السلام: سلام پھیلانا۔ ابرار المقسم: قسم کھانے والے کی اعانت کرے تا کہ وہ قسم سے بری الذمہ ہو جائے اس کی قسم ٹوٹنے سے بچ جائے۔ ایک روایت میں القسم کا لفظ ہے یعنی قسم کا پورا کرنا۔

تخریج باب تعظیم حرمات المسلمین کے تحت تخریج آ چکی۔

الفرائد :ایضاً۔

٨٤٨ :وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا اَوَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰی شَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ؟ اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَكُمْ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۸۴۸: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جنت میں نہیں جا سکتے جب تک ایمان نہ لاؤ اور تم ایمان والے نہیں جب تک آپس میں محبت نہ کرو۔ کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلا دوں کہ جب تم اس کو اختیار کرو تو باہمی محبت پیدا ہو جائے۔ (اور وہ اہم بات یہ ہے کہ) اپنے درمیان سلام کو پھیلایا کرو۔ (مسلم)

لا تدخلوا الجنة: کافر پر جنت حرام ہے جیسا فرمایا: ﴿ان اللّٰه حرمهما علی الکافرین﴾ ولا تؤمنوا: اس سے ایمان کامل مراد ہے۔ حتی تحابوا: اگرچہ محبت امر قہری ہے مگر اس کے اسباب اختیاری ہیں۔ اس لئے ان کی طرف راہنمائی فرمائی۔ اولا دلکم: واؤ عاطفہ ہے اور حرف استفہام معطوف سمیت اس پر داخل ہوا ہے۔ شئی: میں تنوین تعظیم اور تعلیل دونوں کی ہو سکتی ہے۔ افشوا: سلام کو ظاہر کرو کیونکہ اس کی اشاعت کو محبت باہمی کا ذریعہ بتلایا گیا ہے۔ یہ و کنا: مقدر کا جواب ہے۔

تخریج : باب فضل الحب فی اللہ والحث علیہ کے تحت تخریج گزر چکی۔

الفرائد :ایضاً۔

٨٤٩ :وَعَنْ اَبِیْ یُوْسُفَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ :"یٰاَیُّهَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ ، وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ ، وَصِلُوا الْاَرْحَامَ ، وَصَلُّوْا وَالنَّاسُ نِیَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ" رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ :حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

۸۴۹: حضرت ابو یوسف عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ اور صلہ رحمی کرو۔ اس وقت نماز پڑھو جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ تم جنت میں سلامتی سے داخل ہو جاؤ گے۔ (ترمذی)

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ابو یوسف: یہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔ یہ اسرائیلی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ صحابی رضی اللہ عنہ ہیں ان کا نام حصین تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔ ان کی کئی روایات مشہور ہیں۔ ۴۳ھ مدینہ میں وفات پائی۔ (حافظ تقریب تہذیب نووی) یہ بنوخزرج کے حلیف تھے' یہ بنی نسقاع سے ہیں۔ یہ یوسف بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ ان کے بیٹے کا نام یوسف تھا جن کی وجہ سے کنیت اختیار کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر اسلام لائے۔ ان کی شان میں یہ آیت اتری: ﴿شهد شاهد من بني اسرائيل﴾: اور یہ آیت: ﴿قل كفى بالله شهيدا﴾: ۲۵ پچیس روایات ان سے مروی ہیں۔ ایک متفق علیہ اور ایک میں بخاری منفرد ہیں۔ سمعت رسول الله: یہ پہلے اجتماع کا موقعہ تھا۔ افشوا: سلام پھیلاؤ۔ ابتداء سنت اور جواب واجب ہے۔ اطعموا الطعام: یعنی مہمانی وغیرہ محتاج کی ضرورت پوری کرنا فرضِ کفایہ ہے۔ صلوا بالليل: اس سے تہجد مراد ہے۔ یہ صلوا کے فاعل سے جملہ حالیہ ہے۔ تدخلوا الجنة بسلام: یہ مقدر سوال کا جواب ہے کہ اگر تم نے ایسا کیا تو تم جنت میں آفات سے بچ کر داخل ہو جاؤ گے۔ جنت کو اسی لئے دار السلام کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد نجات والوں کے ساتھ داخلہ ہے۔ ورنہ اہل ایمان کے ساتھ داخلہ اس وعدے کے مطابق واجب ہے جس میں تخلف نہیں ہوسکتا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے نجات والوں کے ساتھ مطلقاً داخلہ مراد ہو۔ اس صورت میں ان افعال کے کرنے والے کو اسلام پر موت کی بشارت دی گئی ہے تا کہ وہ جنت والوں سے ہو۔

تخریج: اخرجه احمد (۹/۲۳۸٤٥) والترمذی (۲٤۹۳) وابن ماجه (۱۳۳٤) والحاكم (۳/٤۲۸۳) والدارمی (۱٤٦۰)

الفرائد: چار خصائل کی عظمت معلوم ہو رہی ہے۔ السلام علیکم' کھانا کھلانا' صلہ رحمی' رات کو نماز تہجد پڑھنا ان خصائل پر ثابت قدمی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔

۸۵۰ : وَعَنِ الطُّفَيْلِ بْنِ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ اَنَّهٗ كَانَ يَاْتِيْ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ فَيَغْدُوْا مَعَهٗ اِلَى السُّوْقِ قَالَ : فَاِذَا غَدَوْنَا اِلَى السُّوْقِ لَمْ يَمُرَّ عَبْدُ اللّٰهِ عَلٰى سَقَّاطٍ وَّلَا صَاحِبِ بَيْعَةٍ وَّلَا مِسْكِيْنٍ وَّلَا صَاحِبِ بَيْعَةٍ وَّلَا مِسْكِيْنٍ وَّلَا اَحَدٍ اِلَّا سَلَّمَ عَلَيْهِ ' قَالَ الطُّفَيْلُ : فَجِئْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَوْمًا فَاسْتَتْبَعَنِيْ اِلَى السُّوْقِ ' فَقُلْتُ لَهٗ : مَا تَصْنَعُ بِالسُّوْقِ وَاَنْتَ لَا تَقِفُ عَلَى الْبَيْعِ وَلَا تَسْاَلُ عَنِ السِّلَعِ وَلَا تَسُوْمُ بِهَا وَلَا تَجْلِسُ فِيْ مَجَالِسِ السُّوْقِ؟ وَاَقُوْلُ : اجْلِسْ بِنَا هٰهُنَا نَتَحَدَّثْ ' فَقَالَ : يَا اَبَا بَطْنٍ — وَكَانَ الطُّفَيْلُ ذَا بَطْنٍ — اِنَّمَا نَغْدُوْا مِنْ اَجْلِ السَّلَامِ نُسَلِّمُ عَلٰى مَنْ لَقِيْنَاهُ ' رَوَاهُ مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّا بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ۔

۸۵۰: حضرت طفیل بن ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آتا پھر سویرے ہی ان کے ساتھ بازار کی طرف نکلتا۔ جب ہم بازار جاتے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا گزر جس کسی کباڑیئے اور تاجر یا مسکین یا کسی اور کے پاس سے ہوتا تو وہ سب کو سلام کرتے۔ ایک دن میں ان کی خدمت میں آیا تو انہوں نے مجھے

اپنے ساتھ بازار جانے کے لئے کہا۔ میں نے ان سے کہا آپ بازار کیا کریں گے؟ آپ نہ تو سودا فروخت کرنے والے کے پاس ٹھہرتے ہیں اور نہ ہی کسی سامان کے متعلق پوچھتے ہیں اور نہ اس کا بھاؤ کرتے ہیں اور نہ ہی بازار کی مجالس میں بیٹھتے ہیں۔ میں تو پھر یہی عرض کرتا ہوں کہ آپ یہیں تشریف فرما ہوں کہ ہم آپس میں گفتگو کریں۔ اس پر انہوں نے مجھے فرمایا اے ابوبطن (طفیل کا پیٹ کچھ بڑا تھا) ہم تو صرف سلام کی غرض سے جاتے ہیں تا کہ ہم جان پہچان والوں اور انجانے لوگوں کو سلام کریں۔ (موطا مالک)

صحیح سند سے۔

طفیل: یہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں یہ جلیل القدر تابعی ہیں۔ یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں آتے تھے۔ **یاتی**: کسی غرض سے آتے۔ **فیغدو**: یہ نماز صبح اور طلوع شمس کے درمیانے وقت کو کہتے ہیں۔ یہ اصل معنی ہے پھر اس کا استعمال کسی وقت جانے کے لئے ہونے لگا۔ **الی السوق**: اس کو سوق کہنے کی وجہ سامان کا چلنا اور پنڈلی پر کھڑے ہونا' بازار کی بھیڑ کی وجہ سے سوق کہا جاتا ہے۔ **سقاط**: ردی سامان فروخت کرنے والے۔ **صاحب بیعة**: عمدہ سامان بیچنے والے۔ **مسکین**: حاجت مند۔ **فاستتبعنی**: مجھے فرماتے میرے پیچھے آؤ۔ **السلع**: جمع سلعة: جیسے قربہ وقرب۔ **فی مجالس السوق**: بازار کی اغراض میں سے کوئی چیز بھی آپ نہیں کرتے مثلاً سامان کی خریداری' سامان کی پہچان' خریداری کے پاس رکنا۔ سودا کرنا' سامان دیکھنے بیٹھنا وغیرہ جب ان میں سے کوئی کام بھی آپ نہیں کرتے تو بازار کس لئے جاتے۔ **واقول**: یہ ماضی کی حکایت کے لئے ہے۔ **ھاھنا**: ہمارے ساتھ اس جگہ تشریف فرما ہوں۔ **نتحدث**: یہ جواب امر ہے اور مرفوع پڑھیں تو جملہ مستانفہ ہے۔ **ابا بطن**: یہ ملاطفت کے الفاظ ہیں۔ اس سے ثابت ہوا ایسے الفاظ ملاطفت درست ہیں۔ طفیل کا پیٹ ذرا بڑھا ہوا تھا۔ **و کان الطفیل**: یہ جملہ معترضہ ہے یہ اس وضاحت کے لئے لائے بازار سے سامان کا مقصود تو عرضی ہے۔ اصل مقصود ذکر اللہ ہے کیونکہ یہ غفلت ولہو کا مقام ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ "**ذاکر اللہ فی الغافلین بمنزلة الصابر فی لفارین**": غافل لوگوں میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والا فرار ہونے والوں میں ثابت قدم رہنے والے مجاہد کی طرح ہے" طبرانی عن ابن مسعود) **اجل السلام**: سلام کو پھیلانے کی غرض سے۔ **لقیناہ**: پہچان والا۔

تخریج : اخرجه مالك (١٧٩٣)

الفرائد :ابن عبداللہؓ کی جناب رسول ﷺ کی سنت خود زندہ کرنے اور دوسروں میں زندہ کرنے کی شدید حرص ظاہر ہوتی ہے۔ خیر کی طلب' دوسروں کو نفع پہنچانا' نیکی عام کرنا' سلام کو پھیلانا اور مودت والفت پیدا کرنا عبداللہؓ کی طبیعت ثانیہ تھی۔

۱۳۲: بَابُ كَيْفِيَّةِ السَّلَامِ

بَابٌ: سلام کی کیفیت

يُسْتَحَبُّ اَنْ يَّقُوْلَ الْمُبْتَدِئُ بِالسَّلَامِ : اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ - فَيَاْتِيْ

بِضَمِيرِ الْجَمْعِ وَإِنْ كَانَ الْمُسَلَّمُ عَلَيْهِ وَاحِدًا ، وَ يَقُولُ الْمُجِيبُ :وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، فَيَأْتِي بِوَاوِ الْعَطْفِ فِي قَوْلِهِ :"وَعَلَيْكُمْ"۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سلام کی ابتداء کرنے والے کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ جمع کے الفاظ استعمال کرے اگر چہ جس کو سلام کیا جارہا ہے وہ اکیلا ہو اور جواب دینے والا بھی وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ جمع کے الفاظ اور واؤ عاطفہ کے ساتھ کہے۔ جیسے: "وَعَلَيْكُمْ"

المبتدی بالسلام: خواب ایک ہو یا زیادہ زیادہ کو سلام کرے یا ایک کو۔ قول کا لفظ بتلاتا ہے کہ سنت تب پوری ہوگی جب وہ بلند آواز سے کہے جس کو وہ سن پائیں۔ اگر ایک ہو تو وہ سن لے اگر زیادہ ہوں تو ان میں سے بعض سن لیں۔ السلام علیکم: علیکم رقیب یا مطلع سے متعلق خبر ہے۔ السلام مصدر یا اسم مصدر ہو عطف اسی پر دلالت کرتا ہے۔ رحمة اللّٰه: یعنی اس کی نعمت۔ برکاتہ اس کی وہ بھلائیاں جو ہمیشہ میسر آنے والی ہیں۔ پہلے سے مضاف الیہ کو حذف کیا کیونکہ دوسرے میں دلالت موجود ہے۔ استحباباً جمع کی ضمیر لائی جاتی ہے اگر ذکر کرنے والا ایک ہو خواہ مرد ہو یا عورت معزز ہو یا عامی۔ مسلمان کو چاہئے کہ وہ اس میں موجود ین ملائکہ کی نیت کرے اور اگر اس نے ضمیر کو مفرد ذکر کیا تو یہ زیادہ درست ہے اور جمع کیلئے جمع کی ضمیر لائے۔
ویقول المجیب وعلیکم السلام: خواہ وہ اکیلا ہو یا زیادہ۔ واؤ اس دعا پر عطف کے لئے ہے جو ابتداء کرنے والے سے مانگی ہے اور جواب کی نیت سے اس سے بھی السلام علیکم تو کفایت کر جائے گا۔ برکاتہ کے کلمات سے اضافہ نہ کرے اور جواب دینے والا واؤ عاطفہ لائے نہ کہ مستانفہ اور اس کی نیت یہ ہو کہ افشاء سلام میں وہ بھی ابتداء کرنے والے کے ساتھ شریک اور حصہ دار ہے۔

۸۵۱ :عَنْ عِمْرَانَ بْنِ الْحُصَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا مَا قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ ، فَرَدَّ عَلَيْهِ ثُمَّ جَلَسَ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ :"عَشْرٌ" ثُمَّ جَآءَ اٰخَرُ فَقَالَ :اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ، فَقَالَ :"عِشْرُوْنَ" ثُمَّ جَآءَ اٰخَرُ فَقَالَ : اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ ، فَقَالَ : "ثَلَاثُوْنَ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ ، وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ :حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

۸۵۱: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پس اس نے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا۔ پھر وہ مجلس میں بیٹھ گیا۔ تو آپؐ نے فرمایا دس نیکیاں۔ پھر دوسرا آیا تو اس نے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ کہا۔ اس کو آپؐ نے جواب دیا پس وہ بیٹھ گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیس نیکیاں پھر تیسرا آیا تو اس نے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جواب مرحمت فرمایا پس وہ بیٹھ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیس نیکیاں۔ (ابوداؤد' ترمذی) اور کہا حدیث حسن ہے۔

عمران بن الحصین رضی اللّٰه عنهما: والد کے نام میں الف لام اسی طرح مروی ہے۔ فرد علیه: ایک آدمی نے

السلام علیکم کہا تو آپ ﷺ نے وعلیکم السلام سے اس کا جواب دیا۔ **عشر** : آپ ﷺ نے فرمایا: اس دعا پر دس نیکیاں مل گئیں۔ **رحمة الله فرد علیه**: ظاہر لفظوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا تو آپ ﷺ نے اسی طرح جواب مرحمت فرمایا۔ (۲) ممکن ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رحمۃ اللہ کا اضافہ فرمایا ہو۔ وہ آدمی بیٹھ گیا تو فرمایا۔ **عشرون**: کہ اس کو سلام ورحمت پر بیس نیکیاں ملیں گی۔ **رحمة الله وبركاته**: آپ ﷺ نے تیسرے آدمی کو جس نے برکاتہ کے اضافے سے جواب دیا تھا۔ انہی کلمات سے جواب مرحمت فرمایا جب وہ بیٹھ گیا تو فرمایا اس کو تیس نیکیاں ملیں گی کیونکہ ہر نیکی کا بدلہ دس گناہ ہے اور یہ اس وقت ہے جب کہ ہر ایک کلمہ مستقل ہو اور اس پر دس دس نیکیاں ملیں۔ جب اس نے ایک کو ادا کیا تو دس نیکیاں ملیں، دو کو ادا کیا تو بیس اور تینوں کو ادا کرنے سے تیس ملیں مگر مظہری نے خوب بات کہی وہ اس سے زیادہ مناسب لگتی ہے کہ ابتداء کرنے والے کو بھی دس اور جواب دینے والے کو بھی دس۔ ابتداء میں افضل کلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور اس کا افضل جواب بھی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہے اور سب سے کم درجہ جواب وعلیکم یا وعلیکم السلام کا کلمہ ہے۔

تخریج : اخرجه ابو داود (٥١٩٦) والترمذى (٢٦٨٩) والبخارى (٩٨٦) والترمذى (٢٧٠٦) والنسائى (١٠٢٠٠) والحميدى (١١٦٢) وابن حبان (٤٠٣)

الفرائد : سلام کرنا ان خفیف عبادات میں سے ہے جن کا وزن میزان میں بہت ہے۔ پورا اجر کامل سلام سے ملے گا۔ گزرنے والا مجلس والے کو سلام کرے اور ان پر جواب لازم ہے۔ مجلس سے اٹھنے والا سلام کرے۔

❁ ❁ ❁

۸۵۲ : وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "هٰذَا جِبْرِيْلُ يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ" قَالَتْ قُلْتُ : وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ – مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَهٰكَذَا وَقَعَ فِي بَعْضِ رِوَايَاتِ الصَّحِيْحَيْنِ : "وَبَرَكَاتُهُ" وَفِي بَعْضِهَا بِحَذْفِهَا – وَزِيَادَةُ الثِّقَةِ مَقْبُوْلَةٌ۔

۸۵۲: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جبرئیل تمہیں سلام کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ کہا۔

(بخاری ومسلم)

بخاری ومسلم کی بعض روایات میں وَبَرَكَاتُهُ کا اضافہ سے وارد ہے۔
اور زیادتی ثقہ کی مقبول ہے۔

هذا جبرئيل: ان الفاظ اشارہ سے معلوم ہوتا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام اس وقت وہاں موجود تھے۔ **يقراء عليك السلام**: یہ جملہ جبرئیل سے محل حال میں ہے۔ اس کا عامل انبہ ہے۔ (۲) دوسری خبر ہے (۳) یہ خبر ہے اور جبرئیل عطف بیان ہے۔ **قالت**: عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم: ﴿**واذا حييتم بتحية فحيوا باحسن منها**﴾ کی پیروی کرتے ہوئے۔ وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا اور سلام پر رحمت وبرکت کا اضافہ کیا۔ ممکن ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

مراد یہ ہو کہ جبرئیل علیہ السلام تمہیں مکمل سلام دیتے ہیں۔انہوں نے ابتداء افضل صیغے استعمال کئے ہیں تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مثل سے جواب دیا کیونکہ برکاتہ کے بعد اضافے کی گنجائش نہیں ہے۔ برکاتہ کا اضافہ ثقہ روایات میں وارد ہے ثقہ کا اضافہ مقبول ہوتا ہے۔راوی نے بعض اوقات کم الفاظ اور دوسرے وقت مکمل الفاظ سے ذکر کیا۔اجنبی مرد اجنبی عورت کو اس وقت سلام کرسکتا ہے جب شک کا شبہ نہ ہو۔

عینی کا سوال: جبرئیل نے مریم کی طرح عائشہ رضی اللہ عنہا کو خود سلام کیوں نہیں کیا۔

الجواب: وجود عیسیٰ بغیر باپ کی اطلاع کے لئے جبرئیل علیہ السلام کو بھیجتا تھا تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ یہ قدرت الٰہی سے ہوگا اور زمانہ حمل میں سکون کا باعث ہو۔ پھر ولادت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت غم کی کیفیت کے ازالہ کے لئے جبرئیل کو بھیجا اور پیغام دیا: "**لا تحزنی قد جعل ربك تحتك سريا**": تو فرشتے کا خطاب دونوں حالتوں میں تسکین کے لئے تھا۔ پس سامنے آکر تسکین و تسلی زیادہ ملتی ہے۔(۲) مریم کا کوئی خاوند نہ تھا ان کو براہِ راست خطاب کیا اور ام المؤمنین کے خاوند محترم سید الامت خود موجود تھے ان کے احترام کا تقاضا یہی تھا کہ ان کی وساطت سے پیغام ہو جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں قصر عمر رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں غیرت عمر کا احترام فرمایا۔اس میں سیدہ رضی اللہ عنہا کا بڑا مقام ظاہر ہوتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام بھی ان کا احترام کرتے ہیں جن میں شہوت کا مادہ ہی نہیں تاکہ سید امت کے دل کی حفاظت ہو تو ان کے متعلق اٹھایا جانے والا طوفان کس قدر بعید تر ہے۔ بخاری کی روایت میں یہ اضافہ موجود ہے کہ **یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم تری ما لا نری یا رسول اللّٰہ**۔

تخریج : اخرجه البخاری (۳۲۱۷) و مسلم (۲٤٤۷) و ابو داود (۵۲۳۲) والترمذی (۲٦۹۳) وابن ماجه (۳٦۹٦)

الفرائد : کسی کو سلام بھیجنا مستحب اور اسکا پہنچانا قاصد کو لازم ہے۔اجنبی کا سلام عظمت والی صالحہ کو پہنچانا درست ہے جبکہ فتنہ کا خطرہ نہ ہو۔سلام کا جواب علی الفور دینا چاہئے۔

❁ ❁ ❁

۸۵۳ : وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ اَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتّٰى تُفْهَمَ عَنْهُ ' وَاِذَا اَتٰى عَلٰى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلَاثًا ' رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَهٰذَا مَحْمُوْلٌ عَلٰى مَا اِذَا كَانَ الْجَمْعُ كَثِيْرًا۔

۸۵۳: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب کوئی بات ارشاد فرماتے تو تین مرتبہ دہراتے تاکہ اسے اچھی طرح سمجھ لیا جائے جب کسی قوم کے پاس آکر سلام کرتے تو تین مرتبہ سلام کہتے (بخاری) یہ مجمع کی کثرت کی صورت میں حکم ہے۔

بكلمة: سے لغوی معنی مراد ہے۔جو ایک جملہ اور کئی جملوں پر صادق آتا ہے یعنی جب آپ ﷺ ایسے جملے ارشاد فرماتے جو مشکل ہوتے تو اس کو تین مرتبہ دہراتے۔اس کی علت **حتی تفهم**: بتلا رہی ہے کہ سمجھانے کے موقعہ پر اس کے لئے آپ ﷺ دہراتے یہ عادت یا معمول نہ تھا۔یہ کمال حسن خلق اور بندوں پر خصوصی رحمت کا تقاضا تھا کیونکہ فہم کے مراتب مختلف

ہیں کوئی اعلیٰ کوئی اوسط کوئی ادنیٰ تا کہ ہر ایک سمجھ جائے۔ باقی سلام کے تکرار کی روایت کا مطلب یہ ہے۔ لوگوں کی تعداد زیادہ ہوتی تو شروع درمیان اور آخر میں سلام کرتے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مجمع کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہو تو سلام میں مزید اضافہ ہو سکتا ہے۔ یہ مجمع کی دلجوئی کے لئے شفقت تھی ورنہ سلام تو ایک مرتبہ کرنے سے ادا ہو گیا۔ (رواہ احمد' ترمذی)

تخریج : اخرجه البخاری (۹٤) والترمذی (۲۷۲۳)

الفرائد : بات کو سمجھانے کے لئے تین دفعہ دھرانا پڑے تو مناسب ہے یہ کم از کم ہے۔ اسی طرح سلام ان کو نہ پہنچے تو تین دفعہ کہے جب کہ مجمع زیادہ ہو۔

۸۵٤ : وَعَنِ الْمِقْدَادِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي حَدِيْثِهِ الطَّوِيْلِ قَالَ : كُنَّا نَرْفَعُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصِيبَهُ مِنَ اللَّبَنِ فَيَجِيْءُ مِنَ اللَّيْلِ فَيُسَلِّمُ تَسْلِيمًا لَا يُوْقِظُ نَائِمًا وَيُسْمِعُ الْيَقْظَانَ فَجَآءَ النَّبِيُّ كَمَا كَانَ يُسَلِّمُ ' رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۸۵۴: حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے اپنی طویل حدیث میں ذکر کیا کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آپ کے حصہ کا دودھ اٹھا کر رکھ دیا کرتے تھے۔ پس آپ رات کو تشریف لاتے اور اس طرح سلام کرتے کہ سوئے ہوئے کو بیدار نہ کرتے اور جاگنے والا سن لے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اسی طرح سلام کیا جس طرح سلام فرمایا کرتے تھے۔ (مسلم)

مقداد بن الاسود الکندی: ان کے حالات کا شذرہ باب اجزاء احکام الناس علی ظواھرھم میں گزرا ملاحظہ فرما لیں۔ **کنا**: مقداد اور ان کے وہ دو ساتھی جن کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری عنایت فرمائی تھی تا کہ اس کے دودھ سے فائدہ اٹھائیں۔ **اللبن**: جو دودھ دھو کر رکھتے۔ **من اللیل**: دوران شب۔ **فیسلم تسلیما**: متوسط آواز سے سلام کرتے۔ **ولا یوقظ نائما**: کیونکہ زوردار آواز سے سونے والا بیدار ہو جاتا ہے۔ **ویسمع الیقظان**: کیونکہ اس میں کچھ جہر تو ہوتا ہے۔ سونے والوں کے پاس جانے والے کے لئے بہترین طرزِ عمل سامنے آ گیا۔ **فجاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم**: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عادت شریفہ کے مطابق نماز پڑھ کر تشریف لائے۔ **فسلم**: مصنف نے بقیہ روایت کا حصہ جس میں اضافہ دودھ کا معجزہ مذکور ہے اس کو چھوڑ دیا کیونکہ باب سے متعلق نہ تھی۔

تخریج : اخرجه مسلم (۲۰۵۵) والترمذی (۲۷۱۹) والنسائی (۳۲۵)

الفرائد : جہاں کچھ لوگ ہوتے ہوں اور کچھ لوگ رہے ہوں تو اسطرح سلام کرے کہ جاگنے والے کو معلوم ہو جائے سونے والے کی نیند میں خلل نہ آئے۔

۸۵۵ : وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ يَزِيْدَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ فِي الْمَسْجِدِ يَوْمًا وَّعُصْبَةٌ مِّنَ النِّسَآءِ قُعُوْدٌ فَاَلْوٰى بِيَدِهِ بِالتَّسْلِيْمِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ : حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

وَهٰذَا مَحْمُوْلٌ عَلٰی اَنَّهٗ ﷺ جَمَعَ بَیْنَ اللَّفْظِ وَالْاِشَارَةِ ' وَیُؤَیِّدُهٗ اَنَّ فِیْ رِوَایَةِ اَبُوْدَاوٗدَ : فَسَلِّمْ عَلَیْنَا۔

۸۵۵: حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں سے گزرے اور عورتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی۔ پس آپؐ نے سلام کے لئے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ (ترمذی) حدیث حسن ہے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے لفظ سلام اور اشارے دونوں کو جمع فرمایا اور اس کی تائید ابوداؤد کی روایت کے الفاظ فَسَلِّمَ عَلَیْنَا دلالت کرتے ہیں۔

یہ روایت کسی صحیح نسخہ میں نہیں ملی۔ ۱۳۵۷ھ کا نسخہ مصری جس کا مقابلہ ۷۸۴ سے کیا ہے اس میں بھی موجود نہیں۔

اسماء بنت یزید: ان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ بن رافع بن امری القیس بن زید بن عبدالاشہل بن جشم ہے۔ اسماء رضی اللہ عنہا کی کنیت ام سلمہ ہے۔ بعض نے ام عامر بتلائی ہے۔ ان کے حالات کتاب اللباس میں گزرے۔ **في المسجد:** (۱) اس سے مسجد نبوی مراد ہے۔ (۲) ممکن ہے کوئی دوسری ہو۔ **عصبة:** دس آدمی' دس سے چالیس تک' اس کی جمع عصب ہے (ابن فارس' المصباح) **من النساء:** یہ نکرہ کی صفت ہے۔ مبتداء ہے۔ قعود جمع قاعد یا قاعدہ۔ **فالوی بیده بالتسلیم:** آپ ﷺ نے اشارہ سے سلام فرمایا۔ یہ اس لئے کہ وہ فاصلہ پر تھیں اور مناسب زور سے سلام فرمایا۔ جس کی آواز ان تک پہنچنی ممکن نہ تھی۔ ترمذی کی ایک ضعیف روایت میں اشارہ بالاصابع کو یہود اور بالکف کو نصاریٰ کا سلام قرار دیا گیا ہے۔ تو اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ زبان سے بھی سلام کیا اور دور والوں کو ظاہر کرنے کے لئے دست اقدس سے اشارہ فرمایا۔ (نووی)

تخریج : اخرجه ابو داود (٥٢٠٤) والترمذی (٢٦٩٧) و ابن ماجه (٣٧٠١) والبخاری (١٠٧٤)

الفرائد : جب فتنہ کا خطرہ نہ ہو تو مردوں کو جائز ہے کہ وہ عورتوں کو سلام علیکم کہیں۔ افضل ان کے لئے ہاتھ سے اشارہ ہے۔

٨٥٦ : وَعَنْ اَبِیْ جُرَیٍّ الْهُجَیْمِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ عَلَیْكَ السَّلَامُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ : "لَا تَقُلْ عَلَیْكَ السَّلَامُ ' فَاِنَّ عَلَیْكَ السَّلَامُ تَحِیَّةُ الْمَوْتٰی" رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ: حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ ' وَقَدْ سَبَقَ لَفْظُهٗ بِطُوْلِهٖ۔

۸۵۶: حضرت ابوجری ہجیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پس میں نے کہا عَلَیْكَ السَّلَامُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عَلَیْكَ السَّلَامُ مت کہو کیونکہ یہ تو مُردوں کا سلام ہے۔ (ابوداؤد' ترمذی)

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

پہلے گزر چکی۔

ابو جری: ان کے حالات کتاب اللباس میں گزرے ملاحظہ فرمالیں۔ **علیك السلام یا رسول اللّٰه:** میں نے پہنچ کر اس

طرح سلام کیا تو فرمایا تم اس طرح مت کرو۔ علیك السلام: یہ مردوں کا سلام ہے۔ زمانہ جاہلیت اور شعراء کی زبان پر اسی طرح جاری تھا۔ جیسے علیك السلام من امیر و بارکت: مطلب یہ ہے کہ یہ لفظ مردوں کے لئے استعمال کرنا مناسب ہے اور زندوں کے سلام کی ابتداء السلام کے لفظ سے ہونی چاہئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا یہ فرق نہیں کہ زندوں سے جواب کی توقع ہے اور مردوں سے جواب کی توقع نہیں وہ بھی فرق عادت کے طور پر اللہ چاہے تو جواب دے سکتے ہیں۔ ابن قیم کے بدائع الفوائد دیکھیں۔

تخریج : کتاب اللباس میں تخریج گزر چکی۔

الفرائد :ایضاً۔

۱۳۳ :بَابُ آدَابِ السَّلَامِ

بَابْ: آداب سلام

یہ آداب سلام کرنے والے کے اعتبار سے ہیں۔

٨٥٧ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : "یُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِیْ ، وَالْمَاشِیْ عَلَى الْقَاعِدِ ، وَالْقَلِیْلُ عَلَى الْكَثِیْرِ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةِ الْبُخَارِیِّ : "وَالصَّغِیْرُ عَلَى الْكَبِیْرِ"۔

۸۵۷: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے اور پیدل بیٹھنے والے اور تھوڑے زیادہ کو سلام کریں۔ (بخاری و مسلم) اور بخاری کی روایت میں "چھوٹا بڑے کو سلام کرے" کے بھی الفاظ ہیں۔

یسلم الراکب علی الماشی: سیوطی کہتے ہیں یہ خبر امر کے معنی میں ہے۔ **ای یسلم**: اسے سلام کرنا چاہئے اور احمد کی روایت میں یہ صیغہ خود موجود ہے۔ **الماشی**: ابو داؤد میں المار ہے۔ ابن بطال نے مہلب سے نقل کیا کہ چلنے والے کا بیٹھنے والے کو سلام یہ گھر میں وارد ہونے والے کی طرح ہے اور سوار کا سلام پیدل کو اس لئے تا کہ وہ تکبر میں مبتلا نہ ہو اور تواضع اختیار کرے۔ کم تعداد والوں کا سلام زیادہ کے حق کے پیش نظر ہے۔ ابن العربی کہتے ہیں اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مفضول جس قسم کا ہو وہ فاضل کو سلام میں ابتداء کرے۔ ایک روایت بخاری میں **یسلم الصغیر علی الکبیر**: ابن بطال کہتے ہیں کیونکہ چھوٹا بڑوں کی توقیر اور تواضع کے لئے مامور ہے۔

تخریج : اخرجه احمد (٣/١٠٦٢٩) والبخاری (٦٢٣١) و مسلم (٢١٦٠) ابو داود (٥١٩٨) والترمذی (٢٧٠٣) وابن حبان (٤٩٧)

الفرائد : چھوٹے کا سلام بڑے کے حق کی ادائیگی کے لئے ہے کیونکہ اسے تواضع کا حکم ملا ہے۔ تھوڑے آدمیوں کا زیادہ کو

سلام ان کے حق کے زائد ہونے کی وجہ سے ہے۔ چلنے والے کا بیٹھنے والے کو سلام گھر میں داخل ہونے والے کی طرح ہے' سوار کا پیدل کو سلام تکبر کے ازالہ کے لئے ہے۔ (ابن بطال)

۸۵۸ : وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ صُدَیِّ ابْنِ عَجْلَانَ الْبَاهِلِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاللّٰهِ مَنْ بَدَاَهُمْ بِالسَّلَامِ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ بِاِسْنَادٍ جَیِّدٍ' وَرَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قِیْلَ : یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ' الرَّجُلَانِ یَلْتَقِیَانِ اَیُّهُمَا یَبْدَاُ بِالسَّلَامِ؟ قَالَ : "اَوْلَاهُمَا بِاللّٰهِ تَعَالٰی" قَالَ التِّرْمِذِیُّ : حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

۸۵۸: حضرت ابوامامہ صدی بن عجلان باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں سب سے بہتر وہ آدمی ہے جو سلام میں ابتداء کرے (ابوداؤد بسند جید) ترمذی نے ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا یارسول اللہ! جب دو آدم ملیں تو کونسا سلام میں ابتداء کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہے۔

ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

صدی بن عجلان باهلی رضی اللّٰه عنه: ان کے حالات گزر چکے۔ **اولی الناس باللّٰه:** اطاعت کے ذریعہ قرب کا زیادہ حقدار۔ **من بداء بالسلام:** اس میں ایک تو اطاعت کی طرف یہ شخص جلدی کرنے والا ہے اور جواب والے کو بھی اپنے ذریعہ نیکی پر آمادہ کر رہا ہے۔

دوسری روایت **یلتقیان:** خواہ ایک کا ملاقات کا ارادہ ہو یا ارادہ نہ ہو۔ **ایهما یبداء بالسلام:** بقول ابن رسلان معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں قریب تر وہ ہے جو ملاقات کے وقت اپنے بھائی کو پہلے سلام کرے کیونکہ وہ ذکر اللہ میں سبقت کرنے والا اور یاد دلانے والا ہے (ترمذی) بیہقی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا: **"اذا مر الرجل بالقوم فسلم علیهم فردوا علیه کان له علیهم فضل لانه ذکرهم السلام' وان لم یردوا علیه رد علیه ملا خیر منهم واطیب"**: قرطبی کہتے ہیں کہ سلام میں ابتداء اولیٰ ہے۔ مراتب دینیہ والے لوگوں کو احترام وتوقیر کے طور پر پہلے سلام کیا جائے گا نہ کہ دنیاداروں کو۔

تخریج : اخرجه ابو داود (۵۱۹۷) الترمذی (۲۷۰۳)

الفرائد : اسلام میں ابتداء کرنے والا رحمت الٰہی کا پہلے حقدار ہے۔ جن مقامات پر سلام کرنا چاہئے وہ بے شمار ہیں البتہ اس سے جو مستثنیٰ ہیں ان کو یہاں ذکر کرتے ہیں۔ بول و براز میں مصروف' جماع میں مشغول ان کو سلام مکروہ تحریمی ہے سونے والے اونگھنے والا' نمازی' مؤذن' اقامت کہنے والا' غسل کرنا والا۔ سب مواقع میں مکروہ تنزیہی ہے اس طرح قراءت قرآن والے کو سلام مکروہ ہے۔ (کذا قال النووی)

۱۳۴ :بَابُ اسْتِحْبَابِ اِعَادَةِ السَّلَامِ عَلٰى مَنْ تَكَرَّرَ لِقَاؤُهُ عَلٰى قُرْبٍ بِاَنْ دَخَلَ ثُمَّ خَرَجَ، ثُمَّ دَخَلَ فِي الْحَالِ، اَوْحَالَ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ وَنَحْوُهَا

بَاب: سلام کا اعادہ کرنا اس پر جس کو ابھی مل کر اندر گیا پھر باہر آیا یا ان کے درمیان درخت حائل ہوا وغیرہ

تکرر لقاء ہ: مثلاً وہ مکان میں داخل ہوا تو لوگوں سے اس کا پیٹھ پھیرنا ظاہر ہو پس اسے سلام کرنا چاہئے۔ **ثم خرج:** پھر فوراً ہی کسی ضرورت سے نکل آیا۔ **دخل فی الحال:** یہاں ثم فا کے معنی میں ہے جیسا کہ قرب وغیرہ کے لفظ دلالت کر رہے ہیں۔ **شجرۃ:** یعنی درخت وغیرہ کوئی ایسی شے جو ایک دوسرے کو دیکھنے سے مانع تھی۔ حائل ہونے والی چیز رقیق ہو تو پھر الگ ہونا شمار نہ ہوگا۔ **نحوھا:** سے دیوار، پہاڑ وغیرہ مراد ہیں۔

۸۵۹ :عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ فِىْ حَدِيْثِ الْمُسِىْءِ صَلَاتَهُ اَنَّهُ جَآءَ فَصَلّٰى ثُمَّ جَآءَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ: "اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ" فَرَجَعَ فَصَلّٰى، ثُمَّ جَآءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ حَتّٰى فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۸۵۹: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جس میں انہوں نے الْمُسِىْءِ صَلَاتَهُ کا تذکرہ کیا کہ وہ آیا پھر نماز ادا کی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا لوٹ جا اور نماز پڑھو۔ اس لئے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ پھر لوٹا اور نماز پڑھی پھر آیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا یہاں تک کہ یہ تین مرتبہ کیا۔ (بخاری و مسلم)

المسی صلاته: اس سے مراد رافع بن خلاد زرقی انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔

اَللُّغَاتُ: (۱) **صلاته:** منصوب ہے کیونکہ مفعول ہے۔ (۲) اسناد کی وجہ سے رفع بھی جائز ہے فاعل کو تانیث مجازی کی وجہ سے مونث نہیں لائے۔ **ثم جاء الی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم:** بقول زرکشی مسجد میں داخل ہونے والے کو مناسب ہے کہ وہ سلام کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حق بندوں کے حق سے پہلے ہے۔ **فرد علیہ السلام:** اسی وقت آپ ﷺ نے جواب مرحمت فرمایا۔ **فانك لم تصل:** شئی کی نفی اس کی صحت کی نفی کو ظاہر کرنے والی ہے۔ **فصلی:** اس نے پہلے کی طرح نماز پڑھی۔ **ثم جاء:** پھر اپنے جائے نماز سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور ستون کے فاصلہ کی وجہ سے اس نے سلام کیا آپ ﷺ نے جواب مرحمت فرمایا اور ایسا تین مرتبہ ہوا۔ **ثلاث مرات:** اس کو پہلی دوسری بلکہ تیسری مرتبہ خلل کے باوجود کچھ نہیں فرمایا۔ یہ بیان میں موقعہ بیان سے تساہل نہیں۔ ممکن تھا وہ خود سمجھ جاتا جب اس نے ظاہر کیا کہ وہ اسی طرح نماز پڑھ سکتا ہے تو پھر مواقع خلل کی راہنمائی فرمائی۔ خود سمجھ لینے سے بات زیادہ پختہ ذہن میں بیٹھتی ہے۔

تخریج : اخرجه البخاری (۷۵۷) و مسلم (۳۹۷) وابو داود (۸۵۶) والنسائی (۸۸۳) و ابن ماجه (۱۰۶۰)

والترمذی (۳۰۳) وابن حبان (۱۸۹۰) وابن خزیمة (۵۹۰) والبیهقی (۲/۱۲۲)

الفرائد : آپ ﷺ کی شفقت کہ جاہل متعلم کو کس انداز سے سمجھایا' ملاقات کے وقت سلام مستحب ہے خواہ بار بار ہو۔

۸۶۰ : وَعَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : "اِذَا لَقِیَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ فَاِنْ حَالَتْ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ اَوْ جِدَارٌ اَوْ حَجَرٌ ثُمَّ لَقِيَهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ ۔

۸۶۰: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو ملے تو اس کو سلام کہے پھر اگر ان کے درمیان درخت حائل ہو جائے یا دیوار آ جائے یا پتھر۔ پھر اس سے ملاقات ہو تو اس کو سلام کرے۔ (ابوداؤد)

لقی احدکم: یہاں عام معنی مراد ہے کیونکہ یہ سیاق شرط میں واقع ہے۔ **اخاہ**: اس سے اخوتِ ایمانی کو اجاگر فرمایا۔ **فلیسلم علیه**: اس پر حق بنتا ہے کہ ابتداء سلام کرے ایک دوسرے کو دیکھنے سے رکاوٹ والی چیز درمیان میں آئے پھر ان کی قریبی وقت میں ملاقات ہو جائے تو دوبارہ سلام کرے کیونکہ یہ نئی ملاقات ہے۔ پہلا قریبی وقت والا سلام اس کے لئے مانع نہیں۔

تخریج : اخرجه ابو داود (۵۲۰۰)

الفرائد : ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان سے ملتے ہوئے سلام میں پہل کرنی چاہئے۔

۱۳۵: بَابُ اسْتِحْبَابِ السَّلَامِ اِذَا دَخَلَ بَيْتَهٗ

بَابٌ : گھر میں داخلے کے وقت سلام مستحب ہے

دخل بیته: اگر گھر میں ایسے وقت داخل ہو تو عموم آیت کا تقاضا یہ ہے کہ سلام کرے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً﴾ [النور:٦١]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''پس جب تم گھروں میں داخل ہو پس اپنے نفسوں کو سلام کرو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پاکیزہ مبارک تحفہ ہے''۔ (النور)

۸۶۱ : عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "يَا بُنَيَّ ' اِذَا دَخَلْتَ عَلٰى اَهْلِكَ فَسَلِّمْ يَكُنْ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَعَلٰى اَهْلِ بَيْتِكَ" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

۸۶۱: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بیٹے ! جب تم اپنے گھر میں جاؤ تو سلام کرو۔ یہ تیرے لئے برکت کا باعث ہوگا اور تیرے گھر والوں کے لئے بھی برکت کا باعث ہوگا۔ (ترمذی)

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

بنی: یہ باضمہ اور نون کے فتحہ کے ساتھ آئے گا۔ اذا دخلت: جب داخل ہوتو ان کو سلام کہو۔ تمہارا یہ سلام برکت کا باعث بنے گی' مونث یکن: خبر کی رعایت سے لائے یا تحیہ کے معنی میں ہونے کی وجہ سے لائے۔ برکت یہ فاعل ہے اور کان تامہ ہے۔ وجد کے معنی میں ہے۔ گھر میں جب کوئی نہ ہوتو السلام علینا و عباد اللّٰہ الصالحین: کہے۔ اسی طرح مسجد یا دوسرے کے گھر میں جب کوئی نہ ہو اور یہ داخل ہو تو کہے السلام علینا و علی عباد اللّٰہ الصالحین' السلام علیکم اھل البیت ورحمة اللّٰہ وبرکاته۔

تخریج : اخرجه الترمذی (۲۷۰۷)

الفرائد: گھر میں سلام کی فضیلت۔ اس کی برکت تمام گھر میں پہنچے گی۔ اخلاق نبوت کو اپنانا چاہئے۔

۱۳۶ :بَابُ السَّلَامِ عَلَى الصِّبْيَانِ

بَابٌ: بچوں کو سلام

الصبیان: اس کا واحد صبی اور جمع صبیة اور صبوان (القاموس) اس سے مراد قابل خطاب سمجھ بوجھ والے۔ البتہ دوسروں کے شامل ہونے کا احتمال ہے۔ جن میں کچھ ادراک پایا جائے۔ نووی نے صبیان ممیزین مراد لئے ہیں (شرح مسلم نووی)

۸٦۲ :عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ مَرَّ عَلٰى صِبْيَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ وَقَالَ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَفْعَلُهٗ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۸۶۲: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بچوں کے پاس سے ان کا گزر ہوا پس انہوں نے بچوں کو سلام کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ ایسا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

یفعله: کرمانی کہتے ہیں۔ یہ آپ ﷺ کے اخلاق عظیمہ سے تھا کہ بچوں کو سلام کرنے کی عادت مبارکہ تھی۔ اس میں ان کو سنت کی تعلیم کے لئے تدریب ہے تاکہ بلوغت کے وقت وہ آداب اسلامی کے حامل بنیں۔

تخریج : اخرجه البخاری (٦٢٤٧) و مسلم (٢١٦٨) والترمذی (٢٧٠٥) والنسائی (٣٣٠) وابو داود (٥٢٠٢) وابن ماجه (٣٧٠٠) وابن حبان (٤٥٩) والدارمی (٢/٢٧٦)

الفرائد : بچوں کو سلام میں ان کو تعلیم دینا مقصود ہے۔ اگر بچے سلام میں پہل کرے تو اس کا جواب ضروری ہے۔

۱۳۷ :بَابُ سَلَامِ الرَّجُلِ عَلٰى زَوْجَتِهٖ وَالْمَرْاَةِ مِنْ مَّحَارِمِهٖ وَعَلٰى اَجْنَبِيَّةٍ وَّاَجْنَبِيَّاتٍ لَّا يَخَافُ الْفِتْنَةَ بِهِنَّ وَسَلَامِهِنَّ بِهٰذَا الشَّرْطِ

باب ۱۳۷: بیوی اور محرم عورت کو سلام کرنا اور اجنبیہ کے متعلق فتنہ کا خطرہ نہ ہو تو سلام کرنا

محارمہ: جن سے ابدی طور پر نکاح حرام ہو خواہ نسب کی وجہ سے ہو یا رضاعت یا مصاہرت کی وجہ سے۔
لا یخاف الفتنة بهن: اجنبی زیادہ یا ایک عورت دونوں میں فتنہ سے حفاظت کی شرط ہے۔ نوجوان لڑکی کو غیر محرم کو سلام حرام ہے۔ ابتداء بھی اور جواب بھی اگر ایک جمع سلام کرے اور فتنہ کا خطرہ بھی نہ ہو تو پھر سلام میں ابتداء مکروہ نہیں۔ عورت کی جماعت یا بڑھیا کو سلام میں ابتداء مکروہ نہیں کیونکہ فتنہ کا خطرہ نہیں یہ تفصیل شوافع کے ہاں ہے۔ فتدبر۔

٨٦٣ : عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَتْ فِينَا امْرَأَةٌ وَفِي رِوَايَةٍ : كَانَتْ لَنَا عَجُوزٌ تَأْخُذُ مِنْ أُصُولِ السِّلْقِ فَتَطْرَحُهُ فِي الْقِدْرِ وَتُكَرْكِرُ حَبَّاتٍ مِّنْ شَعِيرٍ فَإِذَا صَلَّيْنَا الْجُمُعَةَ وَانْصَرَفْنَا نُسَلِّمُ عَلَيْهَا فَتُقَدِّمُهُ إِلَيْنَا' رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ'
قَوْلُهُ "تُكَرْكِرُ" :أَيْ تَطْحَنُ۔

۸۶۳: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے خاندان میں ایک عورت تھی اور ایک روایت میں ایک بڑھیا تھی۔ وہ چقندر کی جڑیں لے کر ان کو ہانڈی میں ڈالتی اور جو کے کچھ دانے پیس کر (اس میں ڈالتی) پس جب ہم جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر لوٹتے۔ ہم اس کو سلام کرتے پس وہ یہ کھانا ہمیں پیش کرتی۔ (بخاری)
تُكَرْكِرُ: پیستی۔

امراۃ: بقول ابن حجر اس کے نام کا علم نہیں ہو سکا۔ **عجوز:** بوڑھی عورت اس میں عجوزہ بھی آتا ہے جمع عجائز اور عجز ہے (ابن الانباری) **سلق فتطرحه فی القدر:** ہنڈیاں میں پکاتی۔ **تکرکر:** پیستی۔ **حبات:** تھوڑے سے دانے۔

تخریج : اخرجه البخاری (٩٣٨) و أبو داود (١٠٨٦) والترمذی (٥٢٥) وابن حبان (٥٣٠٧) وابن ابی شيبة (١٠٦/٢) وابن ماجه (١٠٩٩) والطبرانی (٥٧٨٧) والبيهقی (٢٤١/٣)

٨٦٤ : وَعَنْ أُمِّ هَانِئٍ فَاخِتَةَ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَتْ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ الْفَتْحِ وَهُوَ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ تَسْتُرُهُ بِثَوْبٍ فَسَلَّمْتُ - وَذَكَرَتِ الْحَدِيْثَ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۸۶۴: حضرت ام ہانی فاختہ بنت ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فتح کے دن آئی جبکہ آپ غسل فرما رہے تھے اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کپڑے سے پردہ کئے ہوئے تھیں۔ پس میں نے سلام کیا اور روایت ذکر کی۔ (رواہ مسلم)

صلى الله عليه وسلم يوم الفتح وهو يغتسل: ام ہانی فاختہ بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا یہ قرشیہ ہاشمیہ ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن ہیں۔ بخاری و مسلم میں ان کی دو روایتیں ہیں۔ ایک متفق علیہ اور وہ صلاۃ الضحیٰ والی روایت ہے۔ دوسری یہی روایت ہے۔ ان کے بیٹے جعد اور پوتی جعدہ اور عودہ اور گروہ سے ان سے روایت کی ہے۔ ان کی وفات معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی۔ **یوم الفتح:** آپ ﷺ فتح کے دن اس وقت مقام ابطح میں تشریف فرما تھے۔ **هو يغتسل:** یہ جملہ

حالیہ اتیت کے مفعول سے ہے۔ تسترہ: پردہ کرنا۔ فسلمت علیه: اگر اجنبیہ کا سلام حرام ہوتا تو آپ ﷺ ضرور اس کو بتلاتے۔ معلوم ہوا فتنہ سے امن کی صورت میں درست ہے۔ پھر پوری روایت ذکر کی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواز کو درست قرار دیا اور جو علی رضی اللہ عنہ اس کے خاوند کو قتل کرنا چاہتے تھے۔

تخریج : احمد (١٠/٢٦٩٦٢) والبخاری (٢٨٠) و مسلم (٣٣٦) والنسائی (٢٢٥) وابن ماجه (٤٦٠)

الفرائد : پہچان کے لئے کنیت رکھنا جائز ہے۔ اجازت کے لئے ایسا نام استعمال کرے جس سے اس کی پہچان ہو جائے۔ ملاقاتی کو مرحبا کہنا مستحب ہے۔

٨٦٥ : وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْت يَزِيْدَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : مَرَّ عَلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ فِيْ نِسْوَةٍ فَسَلَّمَ عَلَيْنَا – رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ ، وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ : حَدِيْثٌ حَسَنٌ – وَهٰذَا لَفْظُ اَبِيْ دَاوُدَ ، وَلَفْظُ التِّرْمِذِيُّ : اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ فِي الْمَسْجِدِ يَوْمًا وَّعُصْبَةٌ مِّنَ النِّسَآءِ قُعُوْدٌ فَاَلْوٰى بِيَدِهٖ بِالتَّسْلِيْمِ ۔

٨٦٥: حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم عورتوں کے پاس سے گزر ہوا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سلام کیا۔ (ابوداؤد) ترمذی یہ حدیث حسن ہے۔ یہ لفظ ابوداؤد کے ہیں۔ ترمذی کے لفظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے ایک دن گزرے اور عورتوں کی ایک جماعت بیٹھی تھی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا۔

نسوة: اس کا واحد امراۃ من غیر لفظہ ہے۔ عورتوں کی جماعت پر بولا جاتا ہے۔ نسواں اور نساء میں بھی جمعیں آتی ہیں۔ فسلم علینا: آپ ﷺ نے بلا تاخیر ہمیں سلام فرمایا۔ ھذا لفظ ابی داؤد سے اشارہ کر رہے ہیں کہ ترمذی کے الفاظ سابقہ باب میں گزرے یہ ابوداؤد کے الفاظ ہیں۔

تخریج : اخرجه احمد (٧٦٢١) و مسلم (٢١٦٧) ابو دواد (٥٢٠٥) والترمذی (١٦٠٢) والبخاری (١١٠٣) وابن حبان (٥٠٠) و عبد الرزاق (١٩٤٥٧) البیهقی (٢٠٣/٩)

الفرائد : روایت ۸۶۴ میں ملاحظہ کریں۔

۱۳۸ : بَابُ تَحْرِيْمِ ابْتِدَآءِ الْكَافِرَ بِالسَّلَامِ وَكَيْفِيَّةِ الرَّدِّ عَلَيْهِمْ وَاسْتِحْبَابِ السَّلَامِ عَلٰى اَهْلِ مَجْلِسٍ فِيْهِمْ مُّسْلِمُوْنَ وَكُفَّارٌ

بَابٌ : کافر کو سلام میں ابتداء حرام ہے اس کو جواب دینے کا طریقہ اور مشترک

مجلس کو سلام

تحريم ابتداء الكافر: کیونکہ اس سے اس کی محبت کا پہلو نکلتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ دوستی سے منع فرمایا ہے۔ ﴿لا تجد قوما يؤمنون بالله واليوم الآخر﴾ **وكيفية الرد عليهم**: جب وہ سلام میں پہل کریں تو اس طرح جواب دیں کہ ایمان والوں کا قصد کر کے جواب دیں (اور اگر فقط کفار ہی ہوں تو وعلیکم صرف کہا جائے۔ مترجم)

٨٦٦ : عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : "لَا تَبْدَاُوا الْيَهُوْدَ وَلَا النَّصَارٰی بِالسَّلَامِ ، فَاِذَا لَقِيْتُمْ اَحَدَهُمْ فِیْ طَرِيْقٍ فَاضْطَرُّوْهُ اِلٰی اَضْيَقِهٖ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

٨٦٦: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو جب تم ان کے راستے میں ملو تو اسے راستہ کے تنگ حصہ کی طرف مجبور کر دو۔ (مسلم)

لا تبدء واليهود والاالنصارى بالسلام: یہ نہی حرمت کے لئے ہے۔ جمہور کے مذہب کی یہ آیت دلیل ہے کہ کفار کو سلام میں ابتداء نہ کرنی چاہئے۔ بعض لوگوں نے ابتداء کا جواز ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے (ماوردی) وہ کہتے ہیں کہ السلام علیک کہا جائے علیکم نہ کہا جائے انہوں نے افشاء سلام کی احادیث کے عموم سے استدلال کیا مگر وہ دلیل درست نہیں۔ یہ حدیث اس حکم کو صاف ظاہر کر رہی ہے۔ نووی نے علقمہ کا قول نقل کیا کہ ان کو سلام میں ابتداء کرنا جائز ہے جبکہ کوئی ضرورت اور سبب ہو۔ البتہ نووی نے ابتداء کی تحریم کے قول کو درست قرار دے کر اسی کی تحسین کی ہے۔ **فاذا لقيتم احدهم فى طريق فاضطروه**: اس کو تنگ راستہ پر مجبور کر دو یہ اس وقت ہے جبکہ بھیڑ ہو۔ مسلمانوں کو درمیان راہ میں چلنا چاہئے مگر یہ تنگی اس انداز سے ہو کہ دیوار یا کسی دوسری چیز سے ان کا ٹکراؤ نہ ہو۔

تخریج : اخرجه احمد (٣/٧٦٢١) و مسلم (٢١٦٧) و ابو داود (٥٢٠٥) والترمذى (١٦٠٢) والبخارى (١١٠٣) وابن حبان (٥٠٠) و عبد الرزاق (١٩٤٥٧) البيهقى (٩/٢٠٣)

الفرائد: اہل کفر کو سلام میں ابتداء نہ کی جائے ان کا اکرام جائز نہیں۔ اہل کفر سے دوستی حرام و ناجائز ہے۔

٨٦٧ : وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "اِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ اَهْلُ الْكِتَابِ فَقُوْلُوْا : وَعَلَيْكُمْ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

٨٦٧: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہیں اہل کتاب سلام کریں پس کہو وَعَلَيْكُمْ۔ (بخاری و مسلم)

اهل الكتاب: یہ ذمی و حربی دونوں کو شامل ہے۔ **فقولوا**: نووی کہتے ہیں یہ وجوب کے لئے ہے۔ بعض لوگوں نے عدم وجوب کہا مگر وہ ضعیف قول ہے۔ **وعليكم**: اس کی وجہ وہ ہے جو دوسری روایت میں وارد ہے: **"ان اليهود اذا سلموا عليكم يقول احدهم السام عليكم فقل عليك"**: ایک روایت میں **فقل وعليك**۔

نووی کہتے ہیں اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ اہل کتاب جب سلام کریں تو ان کے جواب میں وعلیکم السلام مت کہو بلکہ وعلیکم

یا علیکم کہو۔ مسلم کی روایات میں واؤ موجود ہے۔ اس کی وجہ سے اس کے دو معنی ہیں: (۱) یہ اپنے ظاہر پر ہے جب انہوں نے علیکم کہا تو تم وعلیکم کہو کہ ہم اور تم اس میں برابر ہیں کہ سب پر موت آئے۔ (۲) واؤ مستانفہ ہو تو مطلب یہ ہے تم پر وہی ہے جس کے تم مستحق ہو۔ یعنی مذمت اور حذف واؤ کی صورت میں ان کے ہاں علیکم السام تقدیر عبارت بنے گی۔ خطابی نے واؤ کے اثبات اور ابن حبیب سے حذف کی ترجیح دی ہے۔ ابن عیینہ نے حذف کو ترجیح دی تو ان کے بقول ان کا کلام بعینہ ان پر مردود ہوگا اور اگر واؤ کو قائم رکھو تو شرکت کا احتمال ثابت کرے گا۔ درست بات یہ ہے کہ واؤ کا اثبات وحذف دونوں جائز ہیں اور اس کے حذف سے کوئی بگاڑ لازم نہیں آتا (صدیقی)

تخریج : اخرجه البخاری (٦٢٥٨) و مسلم (٢١٦٣) و ابو داود (٥٢٠٧) والترمذی (٣٣٠١) وابن حبان (٥٠٣) والنسائی (٣٨٦) والطیالسی (٢٠٦٩) واحمد (٤/١١٩٤٨)

الفرائد :اہل کتاب کو علیکم کے لفظ سے فقط جواب دیا جائے۔

٨٦٨ :وَعَنْ اُسَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ عَلٰى مَجْلِسٍ فِيْهِ اَخْلَاطٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُشْرِكِيْنَ – عَبَدَةِ الْاَوْثَانِ وَالْيَهُوْدِ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمُ النَّبِيُّ – مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۸۶۸: حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایسی مجلس سے ہوا جس میں مسلمان اور مشرکین یہود ملے جلے تھے پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سلام کیا۔ (بخاری و مسلم)

مر علی مجلس فیه اخلاط: یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ اخلاط یہ خلط کی جمع ہے جیسے حمل واحمال۔ **من المسلمین**: یہ من بیانیہ ہے۔ **عبدة الاوثان**: جو انصار میں سے مسلمان نہ ہوئے تھے۔ وہ اسلام کی آمد سے قبل بت پرست تھے۔ **والیهود**: اس کا عطف عبدة الاوثان یا مشرکین پر عطف ہے۔ میں یہ مشرکین کے دو قسیم بن جائیں گے۔ بیضاوی نے ﴿ولا تنکحوا المشرکات حتی یومن﴾: میں مشرکین کا اہل کتاب کے ساتھ شمول ثابت کیا اور مشرکہ عورتوں میں اہل کتاب کو بھی شامل کیا کیونکہ اہل کتاب بھی مشرک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ﴿قالت الیهود...... سبحانه عما یشرکون﴾: میں مشرک فرمایا ہے۔ **فسلم علیهم النبی صلی الله علیه وسلم**: اس سے شبہ نہیں کہ آپ ﷺ کا سلام مؤمنوں کی طرف متوجہ ہونے والا تھا کیونکہ ابتداء سلام سے آپ نے خود منع فرمایا ہے۔

تخریج :بخاری (٤٥٦٦) مسلم (١٧٩٨) نسائی فی المغازی' ترمذی فی الاستیذان' (اطراف مزی)

الفرائد :مشترک مجمع میں مسلمانوں کا قصد کر کے سلام کیا جائے۔

۱۳۹ :بَابُ اسْتِحْبَابِ السَّلَامِ اِذَا قَامَ مِنَ الْمَجْلِسِ وَفَارَقَ جُلَسَآءَهٗ اَوْ جَلِيْسَهٗ

باب: مجلس سے اٹھتے اور احباب سے جدائی کے وقت سلام

جلساء: جب کہ ان کی تعداد زیادہ ہو۔ جلیسہ: جب کہ وہ ایک ہو۔

۸۶۹: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "اِذَا انْتَهٰی اَحَدُكُمْ اِلَی الْمَجْلِسِ فَلْیُسَلِّمْ، فَاِذَا اَرَادَ اَنْ یَّقُوْمَ فَلْیُسَلِّمْ، فَلَیْسَتِ الْاُوْلٰی بِاَحَقَّ مِنَ الْاٰخِرَةِ، رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ، وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ: حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

۸۶۹: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مجلس میں پہنچے پس وہ سلام کرے۔ جب وہ ارادہ کرے مجلس سے اٹھنے کا تو سلام کرے۔ پس پہلا سلام دوسرے سے زیادہ فوقیت والا نہیں۔ (ابوداؤد ترمذی)

حدیث حسن۔

احد کم: کوئی ایک۔ المجلس: سے وہ جہاں بیٹھنا چاہتا ہے۔ فلیسلم: وہ ظاہر میں سلام کرے اگرچہ وہاں کوئی نہ ہو۔ ان یقوم فلیسلم: جب مجلس سے جانا چاہے تو اٹھنے کے بعد سلام کہے جیسا ترمذی میں ہے: ثم اذا قام فلیسلم": اور یہ بھی احتمال ہے کہ جب قیام کا ارادہ کرتے سلام کرے۔ یہ اسی طرح ہے جیسا اس ارشاد میں: ﴿فاذا قرأت القران﴾: جب تم قرأت کا ارادہ کرو۔ الاولی: سے پہلا تحریمہ مراد ہے۔ طیبی کہتے ہیں بعض نے کہا کہ پہلا سلام تو ان کے شر سے سلامتی کی خبر اور اطلاع ہے جب کہ وہ موجود ہوں۔ اسی طرح دوسرا اسلام انکی سلامتی کی اطلاع ہے اسکے شر سے جب کہ وہ سامنے نہ ہوں انکا سامنے ہوتے ہوئے سلامت رہنا غیر موجودگی میں سلامتی سے بہتر نہیں کیونکہ غیر موجودگی میں سلامتی زیادہ بہتر ہے۔

تخریج: اخرجه احمد (۳/۷۱۴۵) و ابو داود (۵۲۰۸) والترمذی (۲۷۱۵) والنسائی (۱۰۲۰۰) وابن حبان (۴۹۴)

الفرائد: مجلس میں آنے والا بھی سلام کرے اور جانے والا سلام کر کے جائے یہ سلام زیادہ اولیٰ ہے۔ (کذا قال النووی)

۱۴۰: بَابُ الْاِسْتِئْذَانِ وَآدَابِهٖ

باب: اجازت اور اس کے آداب

الاستیذان: گھر میں داخلے کی اجازت۔ اداب: یہ ادب کی جمع ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَهْلِهَا﴾

[النور:۲۷]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک کہ تم ان سے اجازت نہ لے لو اور گھر والوں کو سلام نہ کرلو''۔ (النور)

تستانسوا: اجازت حاصل کرنا۔ اس آیت کی تفسیر کتاب السلام میں گزری۔

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾[النور:۵۹]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جب بچے تم میں سے بلوغت کو پہنچ جائیں تو چاہیے کہ وہ اجازت مانگ کر آئیں جس طرح ان سے پہلے لوگ اجازت مانگتے تھے''۔

واذا بلغ الاطفال منکم: آزاد مرد مراد ہیں۔ **الحلم:** بلوغت کے قریب ہو جائیں یعنی مراہق ہو جائیں۔ **فلیستاذنوا:** تمام اوقات داخلہ میں۔ **من قبلھم:** بالغ آزاد مردوں نے اجازت حاصل کی۔

۸۷۰ : عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :''اَلِاسْتِئْذَانُ ثَلَاثٌ ، فَاِنْ اُذِنَ لَكَ وَاِلَّا فَارْجِعْ'' مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۸۷۰: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اجازت حاصل کرنا تین مرتبہ ہے۔ پس اگر تمہیں اجازت مل جائے (تو ٹھیک) ورنہ واپس لوٹ جاؤ''۔ (بخاری و مسلم)

الاستئذان: گھر والے سے اجازت حاصل کرنا۔ **ثلاث:** کیونکہ یہ تعداد کثرت کے لحاظ سے کم درجہ اور قلیل کے لحاظ سے اکثر ہے جو اتنی مرتبہ سے خبردار نہ ہو وہ خبردار ہوتا ہی نہیں۔ **فان اُذن لك :** یہ فعل مجہول ہے اور لک نائب فاعل ہے۔ جواب شرط فادخل محذوف ہے۔ **والا:** اگر اس کے بعد بھی اجازت نہ ہو۔ نووی رقمطراز ہیں اگر اس نے اجازت طلب کی اور اس کو اجازت نہ ملی یا اس نے خیال کیا کہ اس نے سنا نہیں تو اس میں تین مذاہب ہیں: (۱) وہ لوٹ جائے یا سب سے ظاہر بات ہے اور دوبارہ اجازت طلب نہ کرے۔ (۲) دوبارہ اجازت طلب کرے۔ (۳) اگر استیذان کے خاص الفاظ ہوں تو دوبارہ لوٹائے اور اگر وہ نہ ہوں تو اعادہ نہ کرے۔ جنہوں نے پہلے قول کو زیادہ بہتر کہا ان کی دلیل یہ ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی **والا فارجع:** جنہوں نے دوسرا قول اختیار کیا انہوں نے حدیث کو علم یا اس گمان پر محمول کیا کہ اس نے سنا ہے پس اجازت نہیں دی (نووی) بخاری نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت نقل کی ہے: **اذا استاذن احدکم ثلاثا فلم یوذن له فلیرجع۔**

تخریج : اخرجه مالك (۱۷۹۷) احمد (۴/۱۱۰۲۹) والبخاری (۶۲۴۵) و مسلم (۲۱۵۳) و ابو داود (۵۱۸۰) والترمذی (۲۶۹۹) وابن ماجه (۳۷۰۶) وابن حبان (۵۸۱۰) والطیالسی (۲۱۶۴) و عبد الرزاق (۱۹۴۲۳) والبیهقی (۳۳۹/۸)

الفرائد : اجازت تین مرتبہ طلب کی جائے ورنہ واپس لوٹ جائے۔ اجازت دینے والا دینی یا دنیوی مشغولیت میں عذر کرے تو واپس لوٹ آئے۔

۸۷۱ : وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "اِنَّمَا جُعِلَ الْاِسْتِئْذَانُ مِنْ اَجْلِ الْبَصَرِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۸۷۱: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک اجازت طلبی تو (غیر محرم پر) نگاہ نہ پڑنے کے لئے مقرر کی گئی۔ (بخاری و مسلم)

هل الاستيذان: اجازت نگاہ پڑنے کے خطرے کی وجہ سے مقرر کی گئی کیونکہ اجازت طلب کرنے والا اگر بلا اجازت داخل ہوگا تو جس کے ہاں وہ داخل ہو رہا ہے اس کی ایسی بعض چیزوں کی اطلاع وہ پالے گا جن کی اطلاع اس کو پسند نہیں۔ اس سلسلے میں بخاری میں واضح روایت موجود ہے جس کو ادب المفرد میں نقل کیا گیا ہے۔ ابوداؤ‘ ترمذی نے اس کی تحسین کی ہے کہ **لا يحل لامرئ مسلم ان ينظر الى جوف بيت حتى يستاذن فان فعل فقد دخل**۔ وہ گویا داخل ہونے والے کے حکم میں ہے۔ ترمذی و ابوداؤد نے سند حسن سے نقل کیا کہ "**اذا دخل البصر فلا اذن**"، بخاری نے بھی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا: **من ملأ عينه من قاع بيت قبل ان يوذن له فقد فسق**: سبب ارشاد یہ ہے کہ ایک آدمی نے حجرہ میں ایک سوراخ سے دیکھا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں بالوں کو برابر کرنے والا لوہے کی سلاخ تھی یا کنگھی تھی۔ آپؐ نے فرمایا اگر مجھے: **لو اعلم انك تنظر لطعنت به في عينك**: تمہارے دیکھنے کا علم ہو جاتا تو میں تمہاری آنکھ میں یہ سلاخ مارتا۔ اجازت اسی لئے ضروری قرار دی گئی تا کہ نگاہ نہ پڑے۔ (روضہ)

تخریج : بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجه، عبدالرزاق ۱۹۴۳۱، دارمی ۱۹۷/۲، ابن ابی شیبه ۷۵۶، بخاری ادب مفرد ۱۰۷۰، طبرانی ۵۶۶۳، بیهقی ۳۳۸/۸۔

الفرائد : ① استیذان ضروری ہے وہ اسی لئے مقرر ہوا تا کہ حرام بدنگاہی نہ ہو۔ ② گھر کے دروازے وغیرہ کے سوراخ سے دیکھنا جائز نہیں تا کہ حرام پر نگاہ نہ پڑے۔

۸۷۲ : وَعَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ قَالَ : حَدَّثَنَا رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ عَامِرٍ اَنَّهُ اسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ فِيْ بَيْتٍ فَقَالَ : اَ اَلِجُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِخَادِمِهٖ : اُخْرُجْ اِلٰى هٰذَا فَعَلِّمْهُ الْاِسْتِئْذَانَ فَقُلْ لَهٗ قُلْ : اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ ، اَ اَدْخُلُ؟ فَسَمِعَهُ الرَّجُلُ فَقَالَ : اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ ، اَ اَدْخُلُ؟ فَاَذِنَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَدَخَلَ - رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ۔

۸۷۲: حضرت ربعی بن حراش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں بنی عامر کے ایک آدمی نے بیان کیا کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے اجازت طلب کی جبکہ آپؐ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے۔ اس نے کہا أألجُ؟ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خادم کو فرمایا باہر نکل کر اس کو اجازت کا طریقہ سکھاؤ اور اس کو یوں کہو کہ وہ کہے: السلام علیکم أ أدخُلُ؟ آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس گفتگو کو سن لیا۔ چنانچہ اس نے یہی کیا۔ أ أدخُلُ؟ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ پس نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی پس وہ داخل ہوا۔ ابوداؤد سند صحیح کے ساتھ۔

ربعی: راء اور عین مکسور اور یا مشدد ہے۔ بن حراش: حا مکسور۔ یہ جلیل القدر تابعی ہیں ان کا عبسی قبیلہ سے تعلق ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی کرنے والے تھے کبھی جھوٹ نہ بولا تھا (الکاشف لذہبی) ان کی وفات ۱۰۰ھ میں ہوئی بعض نے اور اقوال نقل کئے (تقریب حافظ) رجل من بنی عامر: تعیین سے ناواقفی نقصان دہ نہیں کیونکہ الصحابه کلهم عدول۔ خواہ میں فتنوں میں شامل رہے یا الگ رہے۔

النحو: هو فی بیت: یہ جملہ علیٰ کے مجرور سے حال ہے۔ ھو کا مرجع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ فقال الج: یہ ولوج سے ہے جس کا معنی داخل ہونا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سیوطی نے حاشیہ ابوداؤد میں روضہ نام ذکر کیا ہے۔ اخوج الی هذا: اجازت طلب کرنے والے کے پاس نکل کر جاؤ۔ فعلمه الاستیذان: اس کو اجازت کے الفاظ سکھاؤ یا لفظ بدل دو۔ اادخل: حافظ کہتے ہیں اس میں اختلاف ہے کہ کیا استیذان سلام کی شرط ہے یا نہیں (فتح الباری) نووی کہتے ہیں سلام و استیذان میں مقدم کون سا ہے یا صحیح وہی ہے کہ سلام مقدم ہے (۲) دوسروں نے استیذان کو مقدم مانا۔ تیسرا قول جس کو ماوردی نے اختیار کیا ہے کہ اگر اجازت طلب کرنے والے کی مکان والے پر نگاہ پڑ گئی تو سلام کو مقدم کرے ورنہ استیذان کو مقدم کرے۔ حالانکہ دو صحیح روایات تقدیم سلام کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ فسمعه: اس آدمی نے یہ ارشاد خود سن لیا تو اس نے جلدی سے کہا السلام علیکم أادخل؟: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمادی۔ پہلے اجازت نہ دی چونکہ الفاظ درست نہ تھے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم علم، عمل پر آمادہ فرمایا۔

تخریج: اخرجه ابو داود (۵۱۷۷) و اسناده صحیح۔

الفوائد: سنت یہ ہے کہ اجازت اور سلام دونوں کہے جائیں۔ امت پر کس قدر مشقت فرمائی کہ دنیا و آخرت کی بھلائیوں والی باتیں بتلائیں۔

❁ ❁ ❁

۸۷۳: وَعَنْ كِلْدَةَ بْنِ الْحَنْبَلِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ وَلَمْ أُسَلِّمْ – فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ "ارْجِعْ فَقُلْ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ؟" رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ: حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

۸۷۳: حضرت کلاہ بن حنبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے داخل ہوتے ہوئے سلام نہ کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ واپس جاؤ! اور کہو السلام علیکم کیا میں اندر داخل ہوسکتا ہوں؟ (ابوداؤد، ترمذی) حدیث حسن ہے۔

کلدہ: اس کی کاف مکسور ہے اور دال مفتوح ہے۔ حافظ کہتے ان کو ابن عبداللہ بن الحنبل کہا جاتا ہے۔ مزی نے اطراف میں ابن ملک لکھا ہے۔ ملک کو ملیک بن عائذ بن کلدہ کہا جاتا ہے۔ یہ صفوان بن امیہ کے ماں جائے ہیں۔ بعض نے بھانجے کہا۔ حافظ نے ماموں کہا اور تمیمی نے کئی صحابی کا اضافہ فرمایا۔ اتیت النبی صلی اللہ علیه وسلم: یہ اس وقت کی بات ہے جب ان کو دودھ، چھوٹی ککڑی صفوان نے دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم وادی کی

بالائی جانب تھے۔اس روایت کو ابوداؤد ترمذی نے لیا ہے۔روایت کا بقیہ حصہ ترجمے سے غیر متعلق تھا اس لئے چھوڑ دیا۔

تخریج: صحیح الإسناد اخرجه احمد (٥/١٥٤٢٥) و ابو داود (٥١٧٦) والترمذی (٢٧١٩) والنسائی (٤/٦٧٣٥)

الفرائد: جو بلا اجازت داخل ہو اسے واپس کر دیا جائے۔جو لوگوں کے پاس جائے اسے سلام کرنا اور اجازت طلب کرنا چاہئے۔

۱۴۱: بَابُ بَيَانِ اَنَّ السُّنَّةَ اِذَا قِيْلَ لِلْمُسْتَأْذِنِ مَنْ اَنْتَ اَنْ يَقُوْلُ: فُلَانٌ فَيُسَمِّيْ نَفْسَهٗ بِمَا يُعْرَفُ بِهٖ مِنَ اسْمٍ اَوْ كُنْيَةٍ وَّكَرَاهَةِ قَوْلِهٖ "اَنَا" وَنَحْوِهَا!

بَاب: اجازت لینے والے سے جب پوچھا جائے تو اس کو اپنا نام یا کنیت بتانی چاہیے

السنة اذا قيل: جب داخلے کے وقت مکان والا دریافت کرے۔**من انت**: کہ تم کون ہوتا کہ اسے مستاذن کا علم ہو جائے۔
من: کالفظ (۱) یہ ذوی العقول کے لئے ہے (۲) عام ہے (القاموس) فلان وفلانہ یہ نام سے کنایہ ہیں جب الف لام سے آئیں گے ہمارے علاوہ کے لئے مثلاً جب کسی انسان سے کنایہ کریں تو کہیں گے الفلان۔مگر یہ قول درست نہیں بغیر الف لام بھی دوسروں کے لئے لاتے ہیں۔یہ ہر علم مذکر ذی علم خواہ انسان ہو یا جن بلکہ فرشتے کے علم سے کنایہ کیا جاتا ہے اور علم مونث کے لئے بھی آتا ہے (شرح تسہیل) **اسم او كنية**: نام یا کنیت یا لقب یا نسبت یا وصف مثلاً امیر یا قاضی اس سے اس کا مقصد تعارف ہو بڑھائی ظاہر کرنا نہ ہو۔**كراهة قوله انا**: یعنی میں یا ہم یا انسان یا شخص وغیرہ کیوں کہ اس سے سائل کی غرض ظاہر نہ ہو سکے گی۔

٨٧٤: وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ حَدِيْثِهِ الْمَشْهُوْرِ فِي الْاِسْرَآءِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "ثُمَّ صَعِدَ بِيْ جِبْرِيْلُ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَاسْتَفْتَحَ، فَقِيْلَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: جِبْرِيْلُ، قِيْلَ: وَمَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ" "ثُمَّ صَعِدَ اِلَى السَّمَآءِ الثَّانِيَةِ فَاسْتَفْتَحَ، قِيْلَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: جِبْرِيْلُ، قِيْلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ" وَالثَّالِثَةِ وَالرَّابِعَةِ وَسَآئِرِهِنَّ وَيُقَالُ فِيْ بَابِ كُلِّ سَمَآءٍ: مَنْ هٰذَا؟ فَيَقُوْلُ: جِبْرِيْلُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۸۷۴: حضرت انس رضی اللہ عنہ اسراء کے سلسلے میں اپنی مشہور حدیث میں ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر مجھے جب جبرائیل آسمانی دنیا کی طرف لے کر چڑھے۔دروازہ کھولنے کے لئے کہا گیا۔ان سے کہا گیا یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا جبرائیل۔پھر کہا گیا تمہارے ساتھ کون؟ کہا گیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔پھر دوسرے آسمان کی طرف لے کر چڑھے۔دروازہ کھولنے کے لئے کہا گیا۔ان سے کہا گیا یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا

جبرائیل۔ پھر کہا گیا تمہارے ساتھ کون؟ کہا گیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر تیسرے چوتھے اور تمام آسمانوں پر لے کر چڑھے اور ہر آسمان کے دروازے پر کہا گیا یہ کون ہے؟ جبرائیل جواب دیتے جبرائیل۔ (بخاری و مسلم)

اس روایت کے طرق کو سیوطی و شامی نے تخریج احادیث معراج میں ذکر کیا ہے۔ **ثم**: مسجد اقصیٰ میں انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھانے کے بعد۔ **صعدبی**: یہ لغت قلیل الاستعمال ہے (المصباح) **فاستفتح**: دروازے پر مقرر اسماعیل فرشتے سے دروازہ کھولنے کو کہا گیا کیونکہ آسمان کا دروازہ بند تھا۔ پہلے اس لئے نہیں کھولا گیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ اس کو صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہی کھولا گیا ہے۔ اس کے کھلنے کی پہلے عادت نہیں۔ **فقیل** : سائل کو معین معلوم نہ تھا کہ آیا حفظہ فرشتوں کا بڑا ہے یا اس کے خدام سے ہے۔ **من هذا قال جبرئيل**: جبرئیل نے اپنا فرشتوں میں مشہور نام لیا اور کسی فرشتے کا یہ نام نہیں۔ **من معك**: شاید سوال اس لئے ہو کہ مقررہ معاملات میں انہوں نے اترتے چڑھتے آج تک اجازت نہیں لی۔ انہوں نے اس سے معلوم کر لیا کہ ان کے ساتھ کوئی ہیں جن کے لئے وہ اجازت طلب کر رہے ہیں۔ (۲) کیونکہ آسمان شفاف ہیں ان کے پیچھے کی چیز نظر آتی ہے اور اس کی تائید اس سوال سے بھی ہوتی ہے **و من معك**: کہا **امعك احد**: نہیں کہا۔ **قال محمد**: آپ ﷺ کے معروف نام کو ذکر کیا۔ **ثم صعد**: ثم کو واؤ کی جگہ استعمال کیا ہے کیونکہ اصل مقصود استیذ ان کے وقت نام کا تذکرہ ثابت کرنا ہے۔ **وسائرهن**: باقی آسمانوں میں۔ سائر کا لفظ باقی کا معنی دیتا ہے خواہ کم ہو یا زیادہ (الازہری) صغانی نے بھی باقی کا معنی کیا ہے (المصباح) نووی کہتے ہیں اس کا معنی باقی بھی آتا ہے اور تمام بھی۔ جیسا منصور جوالیقی نے ذکر کیا (نووی) **من هذا؟**: جبرئیل کو ہر آسمان پر یہ سوال ہو تو جواب میں انہوں نے کہا جبرئیل۔

ایک سوال: فرشتے تو مکلف نہیں پھر ان کے فعل سے استدلال کیسے؟

الجواب: ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا تو بیان تقریر بن گیا۔

تخريج : اخرجه احمد (٦/١٧٨٥٠) والبخاری (٣٢٠٧) و مسلم (١٦٤) والنسائی (٧٧٤) وابن حبان (٤٨) و ابو عوانة (١/١٢٠) والبيهقی (٢/٣٧٧)

الفرائد :اس میں اجازت طلب کرنے کا ادب بتلایا گیا ہے۔ ہمارے پیغمبر ﷺ سب سے افضل ہیں۔

٨٧٥ : وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : خَرَجْتُ لَيْلَةً مِّنَ اللَّيَالِیْ فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَمْشِیْ وَحْدَهٗ ، فَجَعَلْتُ اَمْشِیْ فِیْ ظِلِّ الْقَمَرِ ، فَالْتَفَتَ فَرَاٰنِیْ فَقَالَ : "مَنْ هٰذَا؟" فَقُلْتُ اَبُوْذَرٍّ ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۸۷۵: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک رات باہر نکلا۔ اچانک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلے چلتے ہوئے دیکھا پس میں چاند کے سائے میں چلنے لگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متوجہ ہو کر مجھے دیکھ لیا اور فرمایا۔ یہ کون ہے؟ میں نے کہا ابوذر! (بخاری و مسلم)

فاذا رسول الله صلى الله عليه وسلم يمشى وحده: اذا مفاجات کے لئے ہے۔ **وحده**: اکیلے کہ آپ ﷺ کے ساتھ کوئی نہ تھا۔

نحو: یہ جملہ فعلیہ مبتداء کی خبر ہے (۲) خبر محذوف مان کر حال بن سکتا ہے۔ جملہ اسمیہ محل جر میں واقع ہے۔
فجعلت امشي: تا کہ ظل قمر میں میرا سایہ نظر نہ آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا وجود معلوم نہ ہو۔ **من هذا؟**: شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعداء دین اور منافقین کا خطرہ محسوس کر کے پوچھا تم کون؟ **فقلت ابو ذر**: اپنی معروف کنیت ذکر کی نام نہیں لیا۔

تخریج : بخاری فی الاستقراض والاستیذان' مسلم فی الزکاۃ' ترمذی فی الایمان' نسائی فی الیوم واللیله۔

الفرائد :۔صحابہ کرام کو جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنے میں کس قدر حرص تھی۔اجازت طلب کرنے والے کو اپنا نام بتلانا چاہئے تا کہ پہچان ہو۔

٨٧٦ :وَعَنْ اُمِّ هَانِئٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: اَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ تَسْتُرُهُ فَقَالَ :"مَنْ هٰذِهِ؟" فَقُلْتُ :اَنَا اُمُّ هَانِئٍ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۸۷۶: حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرما رہے تھے اور فاطمہ پردہ کئے ہوئے تھیں۔آپؐ نے فرمایا یہ کون ہے؟ میں نے کہا ام ہانی ہوں۔(بخاری ومسلم)

ل: یعنی جیسا باب السلام میں گزرا کہ میں نے سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا **من هذه**: جس نے سلام سے ابتداء کی ہے۔
قلت ام هاني: انہوں نے بھی اپنا لقب معروف بتلایا نام ذکر نہیں کیا اگر اس میں غلطی ہوتی تو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ٹوکتے۔

تخریج :احمد (۱۰/۲۶۹۶۲) والبخاری (۲۸۰) و مسلم (۳۳۶) والنسائی (۲۲۵) وابن ماجه (٤٦٠)

الفرائد :روایت ۸۷۳ میں الفرائد گزر چکے۔

٨٧٧ :وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَدَقَقْتُ الْبَابَ فَقَالَ :"مَنْ هٰذَا؟" فَقُلْتُ :اَنَا ، فَقَالَ :"اَنَا اَنَا؟!" كَاَنَّهٗ كَرِهَهَا ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۸۷۷: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔پس میں نے دروازہ کھٹکھٹایا جس پر آپؐ نے فرمایا یہ کون ہے؟ میں نے کہا میں۔آپؐ نے فرمایا: اَنَا اَنَا گویا آپؐ نے اَنَا کے لفظ کو ناپسند فرمایا۔(بخاری ومسلم)

اتیت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: ترمذی میں اس میں یہ اضافہ فرمایا **فی دین کان علی ابی**: کے الفاظ زائد ہیں۔
فدققت الباب: بعض نسخوں میں الباب پر با بھی ہے۔دروازہ کھٹکھٹانا بھی طلب اجازت کے قائم مقام ہے۔اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ٹوکتے۔**من ذا؟**: آنے والا کون؟ **فقلت انا فقال انا۔انا**: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کے طور پر فرمایا تو انا انا کہہ رہے ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند کیا کیونکہ اجازت والے سے پوچھنے کا مقصد پہچان ہے جو انا سے حاصل نہ ہوئی۔آواز میں تو

ایک دوسرے کو مشابہہ ہوتی ہیں۔ لفظ انا ناپسندیدہ نہیں موقعہ استعمال ناپسندیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا: ﴿انا اللّٰہ لا الٰہ الا انا﴾: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انا سید ولد آدم": بہت سی احادیث انا کے لفظ سے شروع ہوتی ہیں۔ بعض کا یہ وہم غلط ہے کہ فرعون اور ابلیس نے اپنے لئے استعمال انا کیا اس لئے نامناسب ہے۔ یہ بے دلیل بات ہے۔

تخریج : اخرجه احمد (٥/١٤٤٤٦) والبخاری (٦٢٥٠) و مسلم (٢١٥٥) و ابو داود (٥١٨٧) والترمذی (٢٧١١) والنسائی (٦/١٠١٦٠) وابن ماجه (٣٧٠٩) وابن حبان (٥٨٠٨) والبیهقی (٨/٣٤٠)

الفرائد : فقط (انا) کہنے میں پوری پہچان نہیں نام بتلانا چاہئے (خطابی) انا میں بڑائی کی بو آتی ہے تو اضع سے نام بتلاتے۔

۱۴۲ : بَابُ اسْتِحْبَابِ تَشْمِيتِ الْعَاطِسِ إِذَا حَمِدَ اللّٰهَ تَعَالٰى وَكَرَاهِيَةِ تَشْمِيتِهِ إِذَا لَمْ يَحْمَدِ اللّٰهَ تَعَالٰى وَبَيَانِ آدَابِ التَّشْمِيتِ وَالْعُطَاسِ وَالتَّثَاؤُبِ

بَاب : چھینکنے والا الحمدللہ کہے تو جواب میں یرحمک اللہ کہنا اور چھینک و جمائی کے آداب

التشمیت: چھینکنے والے کو یرحمک اللہ کہنا یا دعا دینا (تخیر الموشین) اس میں شین کی جگہ سین بھی درست ہے (حاشیہ ابی داوٗد وسیوطی) التسمیت: برکت کی دعا کرنا' یہ سمعتہ سے ہے۔ شمت الابل میں اونٹوں کو جمع کیا۔ شمته: میں نے اس کے لئے اجتماعیت حال کی دعا کی (۲) یا شماتت سے ہے دشمن کی برائی پر خوش ہونا' گویا جب اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی تو شیطان کی مذمت کی (۲) یا الشوامت جمع شامۃ۔ قائم رہنے والی۔ کہتے ہیں لا ترك الله له شامته: اللہ اس کو پختگی دے۔ (الفزاری) ابن العربی کہتے ہیں جب چھینک پر وہ یرحمک اللہ کہتا ہے تو گویا یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کرے اور سر اور اس سے متصل گردن کے ہر عضو کو اپنی حالت پر لائے جو چھینک سے پہلے تھی۔ گویا اس کا رجع کل عضوا الی سمته الذی کان علیه: ہر عضو اپنے مقام پر لوٹ آیا اور اگر تسمیت ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے قوائم کی حفاظت کرے جن پر بدن کے اعتدال کا دارومدار ہے۔ اذا لم یحمد: جب وہ حمد نہ کرے تو الحمدللہ نہ کہا جائے۔ العطاس و التثاؤب: چھینک اور جمائی لینا تثاب میں ہمزہ و مد دو لغتیں ہیں۔

٨٧٨ : عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: "إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعُطَاسَ وَيَكْرَهُ التَّثَاؤُبَ ، فَإِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ وَحَمِدَ اللّٰهَ تَعَالٰى كَانَ حَقًّا عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ سَمِعَهُ أَنْ يَقُولَ لَهُ : يَرْحَمُكَ اللّٰهُ – وَأَمَّا التَّثَاؤُبُ فَإِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّيْطٰنِ ، فَإِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرُدَّهُ مَا اسْتَطَاعَ ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا تَثَاءَبَ ضَحِكَ مِنْهُ الشَّيْطَانُ" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۸۷۸: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ چھینک کو

پسند کرتے ہیں اور جمائی کو ناپسند اگر تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ اس پر اللہ کی حمد کرے تو ہر اس مسلمان پر جو اس کو سنے یہ حق بن جاتا ہے کہ وہ اس کے لئے یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہے لیکن جمائی تو شیطان کی طرف سے ہے۔ جب کسی کو جمائی آئے جہاں تک ہو سکے وہ اس کو روکے پس جب تم میں سے کوئی جمائی لیتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے۔ (بخاری)

یحب العطاس: کرامت ومحبت سبب کی طرف راجع ہیں کیونکہ چھینک خفت بدن اور مسام کے کھلنے، انتہائی پیٹ نہ بھرنے کا نتیجہ ہے اور جمائی امتلا اور کھانے پینے کے بوجھ کی وجہ سے ہے۔ پہلے سے عبادت میں نشاط پیدا ہوئی اور دوسرے سے سستی (خطابی) محبت سے اس کی غایت یعنی رضا وقبولیت اور ثواب وارادہ مراد ہے (شرح الاذکار) **فاذا اعطس**: یہ (ض) کے باب سے ہے (ن) سے بھی آتی ہے۔

النحو: **وحمد الله**: فعل شرط پر عطف بھی ہو سکتا ہے (۲) قد مضمر کی صورت میں حال ہے۔

ایک حکمت: حلیمی کہتے ہیں دماغ سے فاسد مواد کو چھینک نکالتی ہے۔ قوت فکر کو بڑھاتی اور اعصاب کو طاقتور بناتی ہے جس سے اعضاء سلامت رہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ عظیم نعمت ہے اس کے مقابل حمد مناسب ہے۔ خواہ جس صیغہ سے ہو۔ احمد کی روایت میں ہے: "**اذا عطس احدکم فلیقل الحمدلله علی کل حال**" کہے یا الحمدللہ رب العالمین کہے۔ (احمد، نسائی) نووی نے ابن جریر سے نقل کیا کہ الحمدللہ یا الحمدللہ رب العالمین یا الحمدللہ علی کل حال یہی صحیح ہے۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ چھینک پر الحمدللہ کہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ متقی نے روایت نقل کی ہے: "**اذا عطس احدکم فقال الحمدلله قالت الملائکه رب العالمین فاذا قال رب العالمین قالت الملائکة یرحمك الله**": جب یہ الحمدللہ کہتا ہے تو فرشتے رب العالمین کہتے ہیں یہ رب العالمین کہتا تو وہ یرحمک اللہ سے دعا کرتے ہیں (طبرانی) (منهج للمتقی) ابن حجر کہتے ہیں کہ بعض لوگ رب العالمین کے بعد سورۃ فاتحہ مکمل پڑھتے ہیں اس کی کوئی اصل نہیں اسی طرح **اشهد ان لا الله الا الله**: کہنا یا الحمد سے اس کو مقدم کرنا مکروہ ہے (بدعت ہے) **حقا**: سنت موکدہ ہے۔ **مسلم**: اسلام والا مراد ہے خواہ مرد ہو یا عورت۔ **سمعه**: تمام مصائب وآفات گناہوں کی پکڑ ہیں۔ جب بندے کو رحمت آئے گی اور گناہ بخشا جائے گا تو مواخذہ سے بچ جائے گا۔ پس یرحمک اللہ کا معنی اللہ اپنی رحمت تجھ پر ہمیشہ رکھے تاکہ تو سلامت رہے۔ اس میں اشارہ کر دیا کہ چھینکنے والے کو رحمت وتوبہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اس وجہ سے اس کا جواب یغفر اللہ لنا ولکم سے مقرر ہے۔ ابن دقیق کہتے ہیں مخاطب کے صیغے سے سنت ادا ہوتی ہے۔ یہ حرکت جو لوگوں میں مروج ہے کہ امراء کے لئے یرحم اللہ سیدنا کہتے ہیں یہ خلاف سنت ہے۔ شوافع کے ہاں تشمیت علی الکفایہ ہے۔ ہر مسلمان کو ظاہر حدیث کے مطابق یرحمک اللہ کہنا چاہئے۔ اصحاب مالک میں اختلاف ہے کسی نے ہر ایک پر لازم کیا ابن عربی نے حمد کے نہ سننے پر اس کو لازم نہیں کیا۔ امام مالک کا نووی نے ایسا قول نقل کیا ہے۔

التثاؤب: وہ سانس جو بخارات کے ازالہ کے لئے منہ کھول کر لیا جائے (عینی) ابن بطال کہتے ہیں اسکی نسبت شیطان کی طرف ہے۔ اس سے مراد ارادہ اور رضامندی ہے۔ یعنی اس کو پسند کرتا ہے کیونکہ وہ اس کی صورت کے بدلنے کا انداز ہوتا ہے۔ جس کو دیکھ کر شیطان ہنستا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ جمائی لیتا ہے۔ ابن عربی کہتے ہیں ہر برے فعل کی نسبت شیطان کی طرف اور اچھے کی فرشتے کی طرف کی جاتی ہے کیونکہ وہ اس کا واسطہ ہیں۔ جمائی سستی سے آتی ہے اس سے کسل پیدا ہوتی ہے

اور یہ شیطان کے واسطہ سے ہے اور چھینک قلت غذا سے ہوتی ہے۔ فرشتہ کے واسطہ سے ہوتی ہے اس سے نشاط پیدا ہوتی ہے۔

نووی کا قول: جمائی کی نسبت شیطان کی طرف اس لئے ہے کہ وہ شہوات کی طرف بلاتا ہے اور شہوت ثقل بدن' استرخاء' امتلاء سے ہوتی ہے۔ مقصد یہ ہے اس سبب سے بچو جس سے وہ پیدا ہوتی ہے۔ وہ کھانے کی کثرت ہے۔

عظیم فائدہ: بخاری نے تاریخ اور ابن ابی شیبہ نے مرسل روایت نقل کی: "ما تثاوب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قط": خطابی نے مسلمہ سے روایت نقل کی ما تثاوب بنی قط: مسلمہ نے بعض صحابہ کرام کو پایا اور وہ صدوق راوی ہیں (سیوطی) یہ تاب اور تثاوب دونوں طرح ہے (سیوطی) فلیردہ: یہ حرکات ثلاثہ سے ہے۔ ما استطاع: استطاعت کی حد تک۔ اگر مجبور ہو تو منہ پر ہاتھ رکھے۔ ضحک الشیطان منہ: شیطان تبدیلی صورت سے خوش ہوتا ہے اور اس کے منہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ ابن بطال کہتے ہیں شیطان اس کے پیٹ کے اندر سے ہنستا ہے۔ کرمانی نے یہ نقل کیا ہے۔

تخریج : اخرجہ احمد (۳/۷۶۰۲) والبخاری (۳۲۸۹) و ابو داود (۵۰۲۸) والنسائی (۲۱۴) وابن حبان (۵۹۸) والطیالسی (۲۳۱۵) والبخاری (۹۲۸) والحاکم (۴/۷۶۸۳)

الفرائد: ابکائی کی مذمت اور چھینک کی تعریف ہے جب چھینک آئے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہئے ابکائی سے شیطان ہنستا ہے۔

۸۷۹ : وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ :"اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلِ :اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ' وَلْيَقُلْ لَهٗ اَخُوْهُ اَوْ صَاحِبُهٗ :يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَاِذَا قَالَ لَهٗ :يَرْحَمُكَ اللّٰهُ ' فَلْيَقُلْ :يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۸۷۹: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ اگر تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو وہ الحمدللہ کہے اور اس کا مسلمان بھائی یا ساتھی یرحمک اللہ کہے۔ پس جب وہ یرحمک اللہ کہے تو چھینکنے والا يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ کہے یعنی اللہ ہدایت دے اور تمہاری حالت کو درست فرمائے۔ (بخاری)

فلیقل الحمد للّٰہ: وہ شکر کرنے کے طور پر الحمدللہ کہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اخوہ او صاحبہ: راوی کو شک ہے۔ ایک سے تعبیر الحمدللہ کہنے پر ابھارنے کے لئے ہے۔ یرحمک اللّٰہ: قاضی کہتے ہیں۔ الحمد کا حکم اس لئے ہو کہ چھینک سے اس کے دماغی بخارات خارج ہو گئے۔ فاذا قال لہ: جب اس کا ساتھی یرحمک اللہ کہے تو یہ بھی اسی طرح کی دعا دے۔ احسان کا بدلہ احسان یعنی یھدیکم اللّٰہ: اپنی رضامندیوں تک پہنچنے کے لئے تمہاری راہنمائی کرے۔ یرحمک اللّٰہ: کا جملہ خبریہ ہے مگر دعا کے معنی میں انشاء ہے۔ ویصلح بالکم: تمہارے دل کی درستگی کرے' دعا کے کلمات کو مفرد اور خطاب کو جمع میں لانے کی حکمت یہ ہے کہ چھینک اس کو آئی اور یرحمک کا جواب میں انفرادی ملا۔ رحمت سے اس کے اعصاب کھلے اگر رحمت نہ ہوتی وہ بخارات نقصان دیتے اب اس رحمت و ہدایت کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مؤمنین کو اس میں شامل کر لیا جائے۔ واللہ اعلم۔

تخریج : اخرجہ البخاری (۶۲۲۴)

الفوائد : چھینک کی برکت سے اللہ تعالیٰ دماغ کی بڑی تکلیف سے نجات دیتا اس لئے اس پر حمد کی جارہی ہے حمد دعا اور قابل ثواب ہے۔ ذرا سے لحہ میں اتنی نعمت عنایت کر دی۔

۸۸۰ : وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: "اِذَا عَطَسَ اَحَدُکُمْ فَحَمِدَ اللّٰہَ فَشَمِّتُوْہُ، فَاِنْ لَّمْ یَحْمَدِ اللّٰہَ فَلَا تُشَمِّتُوْہُ" رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

۸۸۰: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے پھر وہ اس پر اللہ کی حمد کرے تو تم اس کے لئے خیر کی دعا کرو۔ اگر اس نے اللہ کی حمد نہیں کی تو مت اس کا جواب دو۔ (مسلم)

فشمتوہ: اس سے مفہوم کی وضاحت کہ سب سے الحمدللہ کا جواب دیا۔ **فلا تشمتوہ**: حدیث کے ظاہر سے یہی حکم معلوم ہوتا ہے کہ حمد کی صورت میں جواب ہے اگر وہ نہ سنے۔ مگر نووی نے کہا کہ اگر وہ حمد کو نہ سنے تب بھی جواب دینا ضروری نہیں۔ امام مالک کا قول یہی ہے اور الفاظ بھی ہیں: فان رأیت من یلیہ شمتہ فشمتہ"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب چھینک والے کی حمد کا یقین ہو جائے تو جواب دے خواہ اس نے حمد کو نہ سنا ہو۔

تخریج : اخرجہ احمد (۱۹۷۱۶/۷) و مسلم (۲۹۹۲)

الفوائد : جب چھینک والا حمد کرے تو اس کا جواب دیا جائے اگر وہ حمد نہ کرے تو جواب نہ دیا جائے۔ حمد نہ کرنے سے دعا مسلمین سے محروم ہو گیا۔

۸۸۱ : وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: عَطَسَ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ فَشَمَّتَ اَحَدَھُمَا وَلَمْ یُشَمِّتِ الْاٰخَرَ، فَقَالَ الَّذِیْ لَمْ یُشَمِّتْہُ: عَطَسَ فُلَانٌ فَشَمَّتَّہٗ وَعَطَسْتُ فَلَمْ تُشَمِّتْنِیْ؟ فَقَالَ: "ھٰذَا حَمِدَ اللّٰہَ، وَاِنَّکَ لَمْ تَحْمَدِ اللّٰہَ" مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

۸۸۱: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس دو آدمیوں کو چھینک آئی تو ان میں سے ایک کو آپؐ نے چھینک کا جواب دیا اور دوسرے کو نہ دیا۔ پس جس کو چھینک کا جواب نہ دیا اس نے کہا کہ فلاں کو چھینک آئی تو آپؐ نے اس کا جواب دیا اور مجھے چھینک آئی مگر آپؐ نے اس کا جواب نہ دیا۔ آپؐ نے فرمایا اس نے اللہ کی حمد کی اور تُو نے اللہ کی حمد نہیں کی۔ (بخاری و مسلم)

عطس رجلان: سیوطی کہتے ہیں یہ عامر بن طفیل تھا اس نے الحمدللہ نہ کہا۔ ان کے بھی نے حمد کی۔ **فشمت**: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھینک کا جواب دیا۔ پہلے گزرا کہ سمت: سین کے ساتھ اس کا معنی لوٹنا ہے۔ چھینک سے مسام کھل گئے اور ہر عضو سر اور گردن اپنے مقام کی طرف لوٹا اور شمت: جو شوامت جمع شامتہ اللہ تعالیٰ نے تیرے اعضاء کی حفاظت کی چیز تیرے بدن کا دارومدار ہے۔ **ولم یشمت الآخر**: ایک نے الحمدللہ کہا دوسرے نے نہ کہا تو جس کا آپ ﷺ نے جواب نہ دیا اس نے کہا

فلاں کے چھینک کا آپ ﷺ نے جواب دیا اور میری چھینک کا نہ دیا۔ **عطست فلم تشمتني:** ایک کی چھینک پر جواب چھوڑے اور دوسرے کی چھینک پر جواب دینے کی وہ حکمت دریافت کرنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا **هذا حمد الله:** اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی پس دعا کا حقدار بنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اس سے غفلت نہ کی۔ **وانك لم تحمد الله:** تو نے حمد کو چھوڑ تو حق یہ تھا کہ تیرے لئے دعا چھوڑ دی جائے۔ بدلہ جنس عمل سے ہے آپ ﷺ نے اس سے واضح فرما دیا انکار میری طرف سے نہیں بلکہ بات اہلیت اور عدم اہلیت کی ہے اور اہلیت حمد سے ہوتی ہے۔

نقطہ: بعض اوقات تاکید کے لئے غیر منکر کو منکر کی جگہ لے آتے ہیں۔

حاصل روایت: یہ ہے کہ اس بات کی تصریح ہوگئی اللہ تعالیٰ کی حمد نہ کرنے والے کا جواب نہ دیا جائے گا۔ اگر اس سے تسبیح، حمد، لا الہ الا اللہ پڑھا ہو تب بھی یہی حکم ہے۔

خطابی کا قول: ایک آدمی نے اوزاعی رحمۃ اللہ کی مجلس میں الحمد للہ نہ کہا۔ اوزاعی نے کہا جب چھینک آئے تو کیا کہتے ہیں اس نے کہا الحمد للہ کہتے ہیں اس پر آپ نے یرحمک اللہ کہا۔ اوزاعیؒ نے اپنے عمل سے اس سے حمد کہلوا کر اس کو رحمت کا مستحق قرار دیا اور روایت میں بھی اسی طرح ہے۔

تخریج : اخرجه احمد (٤/١١٩٦٢) والبخاری (٢٦٢١) و مسلم (٢٩٩١) و ابو داود (٥٠٣٩) وابن حبان (٦٠٠) والطيالسی (٢٠٥٦) وابن ماجه (٣٧١٣) و عبد الرزاق (١٩٦٧٨) والدارمی (٢/٢٨٣) والحميدی (١٢٠٨)

الفرائد : ابن عبد البر نے ایک لطیفہ لکھا کہ ابوداؤد کشتی میں سوار ہوئے ادھر کنارے پر کسی نے چھینک ماری۔ الحمد للہ کہا۔ یہ چھوٹی کشتی میں کنارے پر ایک درہم سے واپس لوٹے اور اس کا جواب یرحمک اللہ سے دیا اور پھر واپس کشتی میں سوار ہوگئے۔ کسی نے کہا یہ کیا کیا تو انہوں نے کہا شاید یہ آدمی مستجاب الدعوات ہے۔ جب تمام کنارے پر سوتے تو خواب میں کسی کہنے والے نے کہا: ابوداؤد نے ایک درہم میں جنت خرید لی۔ (فتح الباری)

٨٨٢ : **وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا عَطَسَ وَضَعَ یَدَهٗ اَوْ ثَوْبَهٗ عَلٰی فِیْهِ وَخَفَضَ - اَوْ غَضَّ - بِهَا صَوْتَهٗ شَكَّ الرَّاوِیْ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ ' وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ :حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔**

٨٨٢: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو چھینک آتی تو آپ اپنے ہاتھ کا کپڑا اپنے منہ پر رکھ لیتے اور اس کے ذریعہ اپنی آواز ہلکا یا پست کرتے۔ راوی کو شک ہے کہ کونسا لفظ حضرت انس نے استعمال کیا۔ (ابوداؤد' ترمذی) اور کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اذا عطس وضع یده او ثوبه علی فیه: او یہ شک راوی کے لئے بھی ہوتا ہے (۲) تنویع کے لئے بھی ہوسکتا ہے۔ کبھی ہاتھ منہ پر رکھ لے اور کبھی کپڑے کو منہ میں ڈال لے تاکہ اس سے تھوک یا بلغم نہ نکلے اور منہ پر اس لئے بھی ہاتھ رکھے تاکہ ظاہر ہونے والی چیز سے اپنے جلیس کو ایذاء نہ پہنچے اگر اس نے اپنی گردن اپنے ساتھی کی حفاظت کے لئے جھکائی تو اس کے التواء یقین نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ بارہا اس کا مشاہدہ کیا۔ **وخفض اوغض بها صوته:** ابن عربی کہتے ہیں چھینک میں آواز کم

کرنے میں حکمت یہ ہے کہ تمام اعضاء جھنجھناہٹ سے بچ جاتے ہیں۔ عبادہ بن صاحب اور شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت میں وارد ہے: "اذا تجشی احدکم او عطس فلا یرفع صوته بهما فان الشیطان یحب ان یرفع بهما الصوت"۔ (جامع صغیر) اوشک راوی کے لئے ہے کہ کون سے الفاظ فرمائے۔

تخریج : اخرجه ابو داود (۵۰۲۹) والترمذی (۲۷۴۵) و اسناده حسن۔

الفرائد : ① جب کوئی چھینکنے لگے تو کپڑے یا ہاتھ سے مُنہ کو ڈھانپ لے ② چھینک میں آپ کی آواز مبارک نہایت ہلکی ہوتی۔

۸۸۳ : وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ الْیَهُوْدُ یَتَعَاطَسُوْنَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ یَرْجُوْنَ اَنْ یَّقُوْلَ لَهُمْ یَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ، فَیَقُوْلُ: "یَهْدِیْكُمُ اللّٰهُ وَیُصْلِحُ بَالَكُمْ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ، وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ: حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

۸۸۳: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تکلف سے چھینکتے اور اس بات کے امیدوار ہوتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ فرمائیں۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے یَهْدِیْكُمُ اللّٰهُ وَیُصْلِحُ بَالَكُمْ فرماتے۔ (ابوداؤد، ترمذی)
کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

یتعاطسون: باب تفعل بظاہر تکلف کے لئے ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ یہودی ایسی آواز ظاہر کرتے جو چھینک کے مشابہ تھی۔ (۲) یا کوئی ایسا کام کرتے مثلاً سر کا ننگا کر دینا جو چھینکوں کا باعث بن جائے۔ **یرجون**: یہ جملہ حالیہ ہے اس کا معنی امید کرنا ہے۔ **ان یقول لهم**: تاکہ آپ ﷺ ان کو یرحمکم اللّٰه کہیں اور آپ ﷺ کی دعا کی برکت ان کو حاصل ہو کیونکہ باطنی طور پر وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اگر چاہے ظاہراً عناد کی وجہ سے اس کا انکار کرتے تھے۔ **فیقول لهم**: آپ ﷺ مزید مہربانی فرماتے ہوئے ان کو حاضری کی برکت سے محروم نہ فرماتے بلکہ بیٹھنے کے ثمرہ کے طور پر یہ دعا دیتے۔ **یهدیکم اللّٰه**: کہ اللہ تعالیٰ تمہیں راہِ حق پر لگا دے۔ **یصلح بالکم**: اور تمہارے دلوں کی اصلاح فرمائے کہ تمہیں دین کے معاملات کا اہتمام ہو اور اسلام کی طرف تمہیں راستہ مل جائے اور اس کی توفیق تمہیں حاصل ہو جائے۔

تخریج : اخرجه احمد (۶/۱۹۶۰۳) و ابو داود (۵۰۳۸) والترمذی (۲۷۳۹) والنسائی (۲۳۳)

الفرائد : کافر کی چھینک پر "یَهْدِیْكُمُ اللّٰهُ وَیُصْلِحُ بَالَكُمْ" کہے یہ اُس وقت ہے جبکہ وہ حمد کریں ورنہ جواب کی ضرورت نہیں۔

۸۸۴ : وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فَلْیُمْسِكْ بِیَدِهٖ عَلٰی فِیْهِ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَدْخُلُ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۸۸۴: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اپنے ہاتھ سے منہ کو بند کرلے اس لئے کہ شیطان اندر داخل ہو جاتا ہے۔ (مسلم)

اذا تثاوب احدکم: پہلے گزر چکا کہ مسلم کے ہاں یہ تثاوب ہی ہے۔ منہ پر ہاتھ رکھنے کا حکم اس لئے فرمایا گیا ہے تاکہ بری شکل نہ بنے جو شیطان کو پسند ہے اور اس سے یہ بھی فائدہ ہوگا کہ شیطان منہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ ہاتھ رکھ کر گویا اس کا راستہ بند کر دیا۔ درحقیقت ممانعت میں مبالغہ مقصود ہے۔

تخریج : مسلم (۲۹۹۵) 'احمد (۱۱۸۸۹/۴) 'ابو داؤد مگر اس میں الفاظ کا ذرا سا فرق ہے' ابن ماجہ۔

فرق: فان الشيطان يدخل مع التثاوب (ابوداود): ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں: اذا تثاوب احدكم فليضع يده على فيه ولا يعوى فان الشيطان يضحك منه۔

الفوائد : حتی الامکان اُبکائی کو روکا جائے اور اُبکائی میں مُنہ ڈھانپ لیا جائے یا مُنہ پر ہاتھ رکھ لے تاکہ شیطان نہ گھس جائے۔

۱۴۳: بَابُ اسْتِحْبَابِ الْمُصَافَحَةِ عِنْدَ اللِّقَآءِ وَبَشَاشَةِ الْوَجْهِ وَتَقْبِيْلِ يَدِ الرَّجُلِ الصَّالِحِ وَتَقْبِيْلِ وَلَدِهٖ شَفَقَةً وَمُعَانَقَةِ الْقَادِمِ مِنْ سَفَرٍ وَّكَرَاهِيَةِ الْاِنْحِنَآءِ

بَابٌ: ملاقات کے وقت مصافحہ اور خندہ پیشانی سے پیش آنا' نیک آدمی کے ہاتھ کو بوسہ دینا' بچے کو چومنا اور سفر سے آنے والے سے معانقہ' جھک کر ملنے کی کراہت

المصافحة: سیوطی کہتے ہیں کہ ید صفحۃٌ سے باب مفاعلہ ہے اور اس سے مراد ہتھیلی کا دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی تک پہنچانا بقول کرمانی یہ محبت کو پختہ کرنے والی چیز ہے۔ **بشاشة:** ملاقات میں بشاشت کا مطلب اس چیز سے خوش ہونا ہے جس کو دیکھے اور اس سے اُنس اور وسعت کا اظہار ہے۔ **عند اللقاء:** اس کو ماقبل دونوں مصدروں میں سے ہر ایک کا ظرف بنا سکتے ہیں۔ **تقبيل:** اس کی نیکی کا احترام کرتے ہوئے ہاتھوں کو بوسہ دیا جائے نہ کہ دنیاوی غرض سے اور بیٹے کو بوسہ دینا اس پر شفقت و مہربانی کے طور پر ہے۔ یہاں شفقت مفعول لہ ہے۔ **معانقه:** سفر سے آنے والے کا معانقہ مستحب ہے جبکہ وہ خوبصورت امرد (بچہ) نہ ہو۔ **كراهة الانحناء:** ملاقات کے وقت جھکنا مکروہ ہے۔

۸۸۵: عَنْ اَبِی الْخَطَّابِ قَتَادَةَ قَالَ: قُلْتُ لِاَنَسٍ: اَكَانَتِ الْمُصَافَحَةُ فِیْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَ: نَعَمْ - رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

۸۸۵: ابوخطاب قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا مصافحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) میں تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ (بخاری)

ابو الخطاب: ان کا نام قتادة بن امامہ ہے۔ یہ سدوس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ ابوالخطاب بصری کے لقب سے معروف ہیں۔ اکانت المصافحة :فی اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ ظرف مستقر ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ مصافحہ ان میں موجود تھا اور یہی اس کے جائز ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اجماع سکوتی حجت ہے۔

تخریج : اخرجه البخاری (۲۶۶۳)

الفرائد :صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی مصافحہ تھا۔

۸۸۶ :وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :لَمَّا جَآءَ اَهْلُ الْيَمَنِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :قَدْ جَآءَ كُمْ اَهْلُ الْيَمَنِ ، وَهُوَ اَوَّلُ مَنْ جَآءَ بِالْمُصَافَحَةِ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ۔

۸۸۶: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یمن کے لوگ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے پاس یمن کے لوگ آئے ہیں اور یہ پہلے لوگ ہیں جو تمہارے پاس مصافحہ لائے ہیں۔ (ابوداؤد) سند صحیح کے ساتھ۔

اهل اليمن: شاید اس سے مراد ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ہیں۔ بخاری نے ادب مفرد میں اس طرح روایت نقل کی ہے:اول من اظهر المصافحة:(جامع ابن ھب)

تخریج : اخرجه ابو داود (۵۲۱۳)

الفرائد :اہل یمن نے مصافحہ کی ابتداء کی۔

۸۸۷ :وَعَنِ الْبَرَآءِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "مَا مِنْ مُّسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَتَصَافَحَانِ اِلَّا غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ اَنْ يَّفْتَرِقَا" رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ۔

۸۸۷: حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو دو مسلمان باہمی ملاقات میں مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے پہلے ان کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (ابوداؤد)

"ما": یہ ماخواہ حجازی ہو جو تاکید کے لئے آئے یا تمیمی بہرصورت جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ فیتصافحان: یعنی ملاقات کے فوراً بعد وہ مصافحہ کریں "فا" اسی پر دلالت کر رہی ہے۔ الا غفر لهما: یہ فعل مجہول ہے اور لھما اس کا نائب فاعل ہے اور غفران سے مراد وہ چھوٹے گناہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حق سے متعلق ہوں۔ قبل ان یتفرقا: اس میں مصافحہ کی تاکید کی گئی اور اس پر آمادہ کیا گیا ہے البتہ اجنبی عورت اور خوبصورت بچے کا مصافحہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ جامع کبیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت اس طرح ہے۔

تخریج : اخرجه احمد (۶/۱۸۵۷۲) و ابو داود (۵۲۱۲) والترمذی (۲۷۲۷) وابن ماجه (۳۷۰۳)

الفرائد :مسلمانوں کو باہمی طور پر مصافحہ کرنا چاہئے۔ یہ محبت بڑھانے والا اور صغائر کو دور کرنے والا ہے۔

۸۸۸ :وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَجُلٌ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الرَّجُلُ مِنَّا يَلْقٰى اَخَاهُ اَوْ صَدِيْقَهُ اَيَنْحَنِيْ لَهُ؟ قَالَ : "لَا" قَالَ : اَفَيَلْتَزِمُهُ وَيُقَبِّلُهُ؟ قَالَ : "لَا" قَالَ : فَيَاْخُذُ بِيَدِهِ وَيُصَافِحُهُ؟ قَالَ : "نَعَمْ" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ :حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

۸۸۸:حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کوئی آدمی جب اپنے بھائی یا دوست کو ملے تو کیا وہ اس کے لئے جھکے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ اس نے عرض کیا کیا وہ اس کو لپٹ جائے اور بوسہ دے؟ فرمایا نہیں۔ اس نے عرض کیا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے مصافحہ کرے۔ فرمایا ہاں۔ (ترمذی) حدیث حسن ہے۔

رجل: اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ اخاہ: اس سے مراد مؤمن بھائی ہیں۔ صدیقه: قریبی رشتہ دار یا جان پہچان والے۔ اینحنی له؟: ملاقات کے وقت رکوع کی طرح جھکنا بدعت اور حرام ہے۔ ابن الصلاح کہتے ہیں مخلوق کے سامنے بطور تعظیم سجدہ حرام ہے اگرچہ اس سے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدے کا قصد کیا ہو اور سورۂ یوسف میں ﴿خروا له سجدًا﴾ میں تذکرہ یہ پہلی شرائع کا حکم ہے اگر گزشتہ شرائع کا کوئی حکم بصورت ہماری شریعت میں موجود ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ افیلتزمه ویقبله قال لا: جھکنے کو چھوڑ کر اس سے معانقہ کرے اور اس کے جسم پر بوسہ دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ درست نہیں البتہ معانقہ درست ہے اور وہ بھی اجنبی عورت اور امرد جمیل اس سے مستثنیٰ ہیں۔ فیاخذ بیده ویصافحه قال نعم: ہمزہ استفہام دلالت کی وجہ سے محذوف ہے کہ مذکورہ بالا سب کو چھوڑ کر اس کا ہاتھ پکڑے مصافحہ کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جی ہاں۔

تخریج :اخرجه احمد (۱۸۱۱٤/٦) والترمذی (۲۷٤۲) والنسائی (٤۰۸۹) وابن ماجه (۳۷۰۵)

الفرائد :① غیر اللہ کے سامنے جھکنا حرام ہے ② ہر ملاقات میں معانقہ اور ضروری نہیں۔ جب سفر وغیرہ سے واپسی ہو تو معانقہ کیا جائے اور ماتھے کو بوسا دیا جائے۔

۸۸۹ :وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ يَهُوْدِيٌّ لِصَاحِبِهِ :اِذْهَبْ بِنَا اِلٰى هٰذَا النَّبِيِّ فَاَتَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَسَاَلَاهُ عَنْ تِسْعِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ، فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ اِلٰى قَوْلِهِ : فَقَبَّلَا يَدَهُ وَرِجْلَهُ وَقَالَا :نَشْهَدُ اَنَّكَ نَبِيٌّ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَغَيْرُهُ بِاَسَانِيْدَ صَحِيْحَةٍ۔

۸۸۹:حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی کو کہا کہ مجھے اس نبی (ﷺ) کے پاس لے چلو! پس وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپؐ سے نو "واضح آیات" نشانیوں کے متعلق پوچھا۔ پس حدیث کو فَقَبَّلَا يَدَهُ تک بیان کیا کہ "ان دونوں نے آپؐ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور پاؤں کو بوسہ دیا اور دونوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ تم نبی ہو۔ (ترمذی) اور دوسروں نے سند صحیح سے روایت کیا۔

صفوان ابن عسال رضی الله عنه: یہ نجاریض بن زاہر بن عامر بن عوشان بن مراد رضی اللہ عنہ سے ہیں۔ کوفہ میں رہائش اختیار کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ غزوات میں شرکت کی۔ ان سے ابن مسعودؓ زر بن حبیش نے پچھلے لوگوں میں

روایت لی ہے (اسد الغابہ) باب التوبہ میں ان کے مفصل حالات گزرے۔ قال یهودی: اس کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ اذهب بنا: تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعض معجزات کو دیکھیں۔ وہ دونوں بغرض سوال آئے اور سوال کیا۔ عن تسع آیات بینات: طیبی کہتے ہیں یہود کے ہاں اس سے دس کلمات مراد ہیں جن میں سے نو ان میں اور مسلمانوں میں مشترک ہیں اور ایک ان کے ساتھ مخصوص ہے انہوں نے نو مشترکہ کے متعلق سوال کیا اور ایک کو دل میں رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جوابات مرحمت فرمائے اور وہ بھی بتلایا جو انہوں نے مخفی رکھا تھا۔ فذکرہ: پھر انہوں نے روایت کا تذکرہ کیا۔ ترمذی کے الفاظ یہ ہیں: **"فقال لهم لا تشركوا بالله شيئاً ولا تسرفوا ولا تزنوا ولا تقتلوا النفس التي حرم الله الا بالحق ولا تمشوا ببرى ء الى ذى سلطان ليقتله ولا تسحروا ولا تاكلوا الربا ولا تقذفوا محصنة' ولا تولوا الفرار يوم الزحف' وعليكم خاصه ايها اليهود الا تعدوا فى السبت" الى:** صفوان نے یہاں تک حدیث ذکر کی۔ **فقبلوا يده ورجله:** وہ سائل یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پاؤں چومنے لگے۔

تخریج: اخرجه احمد (۲/۵۹۰۲) ابو داود (٦٢٤٧) والترمذی (١٧٢٢) وابن ماجه (٣٧٠٤) والبيهقى (١٠١/٧)

الفرائد: ① اس میں اہل کتاب کو اسلام کی دعوت دی گئی اس سے ان کی دنیا و آخرت کی بھلائی تھی۔ ② نصاریٰ آپ کے ہاتھ پاؤں چومے مگر ایمان نہ لائے۔

❁ ❁ ❁

۸۹۰ :وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قِصَّةٌ قَالَ فِيهَا ' فَدَنَوْنَا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَبَّلْنَا يَدَهٗ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ۔

۸۹۰: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے قصہ منقول ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہوئے اور ہم نے آپ کے دست اقدس کو بوسہ دیا۔ (ابوداؤد)

اَللُّغَات: قصةً: احکایت نصب آئے گا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ہم سریہ میں گئے تھے۔ **فحاص الناس حيصة فكنت ممن حاص' فلما برزنا قلنا كيف نصنع وقد فررنا من الزحف وبؤنا بالغضب؟ فقلنا ندخل المدينة فننسل منها لنذهب فلا يرانا احدٌ قال فدخلنا فقلنا لو عرضنا انفسنا على رسول الله صلى الله عليه وسلم فاذا كانت لنا توبة اقمنا وان كان غير ذلك ذهبنا' قال فجلسنا لرسول الله صلى الله عليه وسلم قبل صلاة الفجر فلما خرج قمنا اليه فقلنا نحن الفارون فاقبل الينا فقال بل انتم الكارون":** بقیہ حصہ مصنف نے ذکر کیا ہے۔ **فقبلنا يده:** ہم پوری جماعت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دست بوسی کی۔

تخریج: اخرجه احمد (۲/۵۹۰۲) والترمذی (١٧٢٢) وابن ماجه (٣٧٠٤) والبيهقى (١٠١/٧)

الفرائد: ① ہاتھوں کو بوسہ اگر کسی دینی وجہ سے ہو تو درست ہے۔ ② اگر اس کے عہدے' مال' جان کی وجہ سے ہو تو مکروہِ تحریمی بلکہ ناجائز ہے۔

❁ ❁ ❁

۸۹۱ :وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ :قَدِمَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ الْمَدِيْنَةَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ

بَيْتِي فَاَتَاهُ فَقَرَعَ الْبَابَ فَقَامَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ يَجُرُّ ثَوْبَهُ فَاعْتَنَقَهُ وَقَبَّلَهُ"۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ: حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

۸۹۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ زید بن حارثہ مدینہ میں آئے اور رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تھے۔ پس انہوں نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا تو نبی اکرم ﷺ جلدی سے اس کی طرف اٹھے اس حال میں کہ اپنے کپڑے کو کھینچ رہے تھے اور ان کو گلے لگالیا اور ان کا بوسہ لیا۔ (ترمذی) حدیث حسن ہے۔

اَللُّغَات: ورسول الله في بيتي: یہ جملہ حالیہ ہے۔ فاتاه فقرع الباب: ضمیر مستتر زید اور بارز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ زید آپ ﷺ کی طرف آئے اس سے معلوم ہوا کہ پہلے اس کو ملنا چاہئے جس سے برکت حاصل کی جاتی ہے اور اجازت کے لئے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ابوداؤد نے استیذان میں قرع کو سنت قرار دیا ہے۔ فقام اليه النبي صلى الله عليه وسلم: وحی یا الہام سے معلوم ہونے کے بعد یا فراست صادقہ سے معلوم ہوا کہ زید آئے ہیں۔

اَللُّغَات: يجر ثوبه: یہ جملہ محل حال میں ہے۔ اس سے اشارہ کیا کہ محبّ کی عادت ہے کہ وہ محبوب کی طرف جلدی جاتا ہے۔ بدن پر کپڑا ڈالنے کی فرصت بھی نہ پائی۔ فاعتنقه وقبله: آنے والے کو بوسہ جائز و مسنون ہے جبکہ فتنہ کا خدشہ نہ ہو جب کہ وہ امرد یا اجنبی عورت نہ ہو۔

تخریج: اخرجه الترمذی (۲۷٤۱) اسناد ضعیف ہیں۔

الفرائد: سفر سے واپس آنے پر معانقہ مسلمان سے درست ہے۔

❁ ❁ ❁

۸۹۲: وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَّلَوْ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۸۹۲: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم ہرگز کسی نیکی کو حقیر مت سمجھو خواہ تم اپنے بھائی کو کھلے چہرے سے ملو۔ (یعنی اس نیکی سے اس وجہ سے اعراض نہ کرنا کہ یہ معمولی نیکی ہے بلکہ یہ بہت بڑی نیکی بن سکتی ہے)۔ (مسلم)

لا تحقرن: یہ واحد کو حکم ہے مگر امت کے تمام افراد شامل ہیں جیسا فرمایا: "حكمي على الواحد من امتي حكمي على الجماعة": جب کہ کوئی مخصوص دلیل نہ ہو۔ جیسے ابو بردہ کو بکری کا چھوٹا بچہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو زور سے رونے کی اجازت دی ان کا حکم متعدی نہ ہوگا' فتدبر۔ شیئاً: خواہ وہ قلیل ہی کیوں نہ ہو۔ ولو ان تلقى: یہ محل فاعل میں ہے۔ ای وجد لقاؤك اخاك بوجه طليق: یہ روایت تشریح کے ساتھ باب استحباب طیب الکام میں گزری۔

تخریج: باب فی بیان کثرۃ طرق الخیر میں تخریج گزر چکی۔

الفرائد: ① بشاشت سے ملنے کی ترغیب ہے ② چھوٹی نیکی کو بھی چھوٹا نہ سمجھا جائے۔

❁ ❁ ❁

۸۹۳: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَبَّلَ النَّبِیُّ ﷺ الْحَسَنَ بْنِ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، فَقَالَ الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ :اِنَّ لِیْ عَشْرَةً مِّنَ الْوَلَدِ مَا قَبَّلْتُ مِنْهُمْ اَحَدًا - فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :"مَنْ لَّا یَرْحَمْ لَا یُرْحَمْ؟" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۸۹۳: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما (نواسۂ رسولؐ) کو بوسہ دیا۔اس پر اقرع بن حابس نے کہا: میرے دس بیٹے ہیں۔ میں نے ان میں کسی کا آج تک بوسہ نہیں لیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔ اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ (بخاری و مسلم)

قبل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: اس سے ثابت ہوا کہ شفقت و رحمت سے بچوں کو چومنا مستحب ہے۔عشرا: سے مراد دس نفوس۔من الولد: ولا کالفظ مذکر و مؤنث دونوں پر بولا جاتا ہے۔اس کی جمع اولاد ہے یہ فعل بمعنی مفعول ہے (المصباح) ما قبلت منهم احداً: یہ بدویت کے اثرات سے ہے۔جیسا دوسری روایت میں وارد ہے: "من بدء فقد جفا" لا یرحم: پہلا معروف اور یہ فعل مجہول ہے۔رحم نہ کرنا دلیل ہے کہ دل سخت ہے۔ جب مخلوق کے متعلق رحمت سے وہ خالی ہے تو رحمت الٰہی بھی اس سے اٹھ گئی جزائے عمل اس کی جنس سے ہے۔یہ روایت باب تعظیم حرمات المسلمین میں گزری ملاحظہ فرمائیں۔

تخریج: اخرجه البخاری (۵۹۹۷) و مسلم (۲۳۱۸) و ابو داود (۵۲۱۸) والترمذی (۱۹۱۸)

الفوائد: ① کمزوروں پر آپؐ کی شفقت کا تذکرہ ہے۔ ② چھوٹے بچے کو چومنا جائز ہے۔ ③ بدلہ جنس عمل سے ہوتا ہے۔

۱۴۴ : کِتَابُ عِیَادَةِ الْمَرِیْضِ وَتَشْیِیْعِ الْمَیِّتِ وَالصَّلَاةِ عَلَیْهِ وَحُضُوْرِ دَفْنِهٖ وَالْمُکْثِ عِنْدَ قَبْرِهٖ بَعْدَ دَفْنِهٖ

باب: مریض کی عیادت کرنا جنازے کے ساتھ جانا' اس کی نمازِ جنازہ ادا کرنا اور اس کے دفن میں شرکت اور دفن کے بعد اس کی قبر پر کچھ دیر رکنا

عیادۃ المریض: عاد یہ اجوف واوی ہے۔عدت المریض یعنی میں مریض کی ملاقات کو گیا۔عیادت کرنے والے کو عائد اور جمع عواد آتی ہے۔ واؤ کو یا سے بدل دیا جیسے صام وقام۔عیادت مطلقاً ملاقات کے لئے آتا ہے مگر مریض کے لئے استعمال ہو کر اس قدر معروف ہو گیا گویا اسی سے مختص ہے (الذر لسیوطی) تشییع المیت: جنازہ کے ساتھ جانا۔یہ میت کے احترام اور وداع کے لئے ہے' جیسا کہ مہمان کے ساتھ مشایعت الوداع کہنے کے لئے ہے قاموس میں ہے مات یموت ویمات' فهو میت ضدحی او المیت او المائت: جو ابھی فوت نہ ہوا ہو اس کی جمع اموات وموتی آتی ہے اور میتون بھی آتی ہے جیسی بعض نے کہا:

تسائلنی تفسیر میت ومیت ☆ فهاك صحیح القول ان کنت تعقل

فمن كان ذا روح فذلك ميت ☆ وما الميت الا من الى القبر ينقل

والصلوة عليه: صلاۃ کا اس پر اطلاق یہ استعارہ مصرحہ ہے() یا اطلاق مشترک ہے ورنہ صلاۃ کا شرعی معنی معروف وہ اقوال وافعال جس کی ابتداء تکبیر سے ہو اور سلام سے اختتام ہو۔ اس میں وہ افعال کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ تعریف یہاں فٹ نہیں بیٹھتی۔ **وحضور دفنه والمكث:** مکث ٹھہرنا اور رکنا۔ **عند قبره:** قبر جمع قبور مدفن کو کہتے ہیں۔ **قبره و يقبره:** جبکہ قبر میں رکھ دیا جائے۔ **بعد دفنه:** تاکہ اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے سوال قبر کے موقعہ پر ثابت قدمی کی دعا کریں۔

٨٩٤ :عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ وَاِتِّبَاعِ الْجَنَازَةِ وَتَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ ' وَاِبْرَارِ الْمُقْسِمِ ' وَنَصْرِ الْمَظْلُوْمِ وَاِجَابَةِ الدَّاعِيْ ' وَاِفْشَآءِ السَّلَامِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۸۹۴: حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مریض کی عیادت کرنے' جنازے کے ساتھ جانے' چھینکنے والے کی چھینک کا جواب دینے' قسم کو پورا کرنے' مظلوم کی مدد کرنے اور دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرنے اور سلام کو پھیلانے کا حکم فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

امرنا: مامور سے کسی چیز کے کرنے کا مطالبہ کرنا واجب و مستحب ہر دو کو شامل ہے۔ **بعيادة المريض:** یہ سنت کفایہ ہے بعض نے فرض کفایہ کہا۔ پس یہ ہر بیماری اور ہر وقت میں مسنون ہے۔ خاص دنوں کا مقرر کرنا مکروہ ہے اسکی کوئی اصل نہیں' بیماری کے علم کے بعد جانا اگرچہ ملاقات کو زیادہ وقت نہ گزرا ہو۔ اس میں مشہور و غیر مشہور کا فرق نہیں۔ رہی وہ روایت: "لا تزر من لا يزورك": اگر یہ روایت صحیح ہو تو صحت مند لوگوں کی ملاقات سے متعلق حکم اس میں ذکر کیا گیا اور مریضوں کی عیادت میں تو بہت سی احادیث مروی ہیں۔ باقی صحت مند کے متعلق تو جس کو معرض دیکھو بطور سزا تم بھی اعراض کرو۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

زن من وزنك وزن ☆ ك وما وزنك به فزنه
من جاء اليك فرح اليه ☆ او جفاك فصد عنه

عیادت کے آداب میں سے یہ ہے کہ زیادہ دیر اس کے ہاں نہ بیٹھے مگر جبکہ معلوم ہو کہ وہ اس کے گراں خیال نہ کرے گا بلکہ مانوس ہوگا (۲) مریض کے قریب بیٹھ کر اس کے جسم پر ہاتھ رکھے اس سے حالت پوچھے (۳) اور زندگی کے متعلق وہ بات کہے جو اسے خوش کرے (۴) صبر کی تلقین کرے اور اس کو یاد دلائے کہ اگر وہ صبر کرے گا تو بڑا بدلہ ملے گا۔ (۵) اور اسے دعا کے لئے کہے اس کی دعا مقبول ہے (اداب المرضی لابن حجر ہیثمی) **الجنائز:** یہ جنازہ کی جمع ہے جب جیم کو مکسور پڑھیں تو چارپائی پر پڑی میت کو کہا جائے گا۔ بعض نے بالعکس ذکر کیا ہے۔ بعض نے اس کو **جنزه اى ستره:** ڈھانپنے کے معنی میں لیا ہے۔ **تشميت العاطس المقسم:** یہ اسم فاعل ہے۔ ایسا آدمی جو کوئی ایسی قسم اٹھالے جس کو پورا کرنے کی قدرت نہ ہو۔ یہ اس میں اس کی معاونت کرے تاکہ قسم پوری ہو جائے۔ تورپشتی کہتے ہیں بخاری نے یہی لفظ نقل کئے بعض رواۃ نے ابرار القسم بھی لکھا ہے دونوں درست ہیں۔ صحیح میں واقع کے باوجود تمریض کے صیغے سمجھ سے باہر ہیں۔ **ونصر المظلوم:** ظالم سے ظلم کو روکنا۔ **اجابة الداعي:** مثلاً ولیمہ وغیرہ کی پہلے روز دعوت' تیسرے روز کی دعوت ولیمہ میں شرکت مکروہ ہے۔ **وافشاء السلام:** سلام کو ظاہر کرنا۔ پہلے روایت باب السلام میں گزری۔

تخریج : تعظیم حرمات المسلمین و بیان حقوقھم میں گزر چکی۔

الفرائد : ایضاً۔

۸۹۵ :وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :"حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ : رَدُّ السَّلَامِ، وَعِیَادَةُ الْمَرِیْضِ، وَاتِّبَاعُ الْجَنَآئِزِ ، وَاِجَابَةُ الدَّعْوَةِ ، وَتَشْمِیْتُ الْعَاطِسِ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۸۹۵: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں: (۱) سلام کا جواب دینا' (۲) مریض کی عیادت کرنا' (۳) جنازوں کے پیچھے جانے' (۴) دعوت کا قبول کرنا اور (۵) چھینکنے والے کی چھینک کا جواب دینا۔

حق المسلم: امر تاکید کے لئے ہے خمس میں حذف تا خصال مراد لینے کی وجہ سے کیا گیا۔ احمد و مسلم کی روایت میں ہے: "**و اذا استضحك فانصح له**" نیز سات کا عدد ہے مگر مفہوم عدد معتبر نہیں۔ **رد السلام**: اگر ایک مسلمان ہو تو علیک السلام کہے اور اسی بلند آواز سے کہ ابتداء کرنے والا سن سکے اور زیادہ ہو پھر جواب فرض کفایہ ہے۔ **عیادة المریض**...... **الدعوة**: یہ دعوت الناس سے اسم ہے جب تم ان کو کھانے کے لئے بلاؤ۔ کہتے ہیں: **نحن فی دعوة فلان' مدعاته** کا بھی یہی معنی ہے (المصباح) **تشمیت**: جبکہ وہ الحمد للہ کہے۔ احمد و مسلم کی روایت میں ہے: "**و اذا عطس فحمد اللّٰه فشمته**": امام مالکؒ کے ہاں یہ سب وجوب پر محمول ہیں (۲) عند الشافعیؒ عیادت و تشمیت سنت اور اتباع جنائز اگر دفن کا یہ ذمہ دار ہو تو فرض کفایہ۔ دعوت اول یوم کی واجب' یہ روایت باب تعظیم حرمات المسلمین میں گزری۔

تخریج : باب المتقدم الذکر کے تحت گزر چکی۔

الفرائد :ایضاً۔

۸۹۶ :وَعَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ :"اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ :یَابْنَ اٰدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ! قَالَ :یَا رَبِّ کَیْفَ اَعُوْدُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ؟ قَالَ : اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِیْ فُلَانًا مَّرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ! اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْعُدْتَّهٗ لَوَجَدْتَّنِیْ عِنْدَهٗ؟ یَاابْنَ اٰدَمَ اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِیْ! قَالَ :یَا رَبِّ کَیْفَ اُطْعِمُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ؟ قَالَ :اَمَا عَلِمْتَ اَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ! اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ اَطْعَمْتَهٗ لَوَجَدْتَّ ذٰلِكَ عِنْدِیْ؟ یَا ابْنَ اٰدَمَ اسْتَسْقَیْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِیْ! قَالَ یَا رَبِّ کَیْفَ اَسْقِیْكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ؟ قَالَ اسْتَسْقَاكَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهٖ! اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ سَقَیْتَهٗ لَوَجَدْتَّ ذٰلِكَ عِنْدِیْ! رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۸۹۶: حضرت ابو ہریرہؓ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی۔ وہ کہے گا۔اے میرے رب میں آپ کی کس طرح عیادت کرتا' جبکہ آپ رب العالمین ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا۔تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔اگر تو اس کی عیادت کرتا تو تُو مجھے اس کے پاس پاتا۔اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے کھانا مانگا۔تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا' وہ کہے گا۔اے میرے رب میں تجھے کیسے کھلاتا جبکہ آپ رب العالمین ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تجھ سے میرے فلاں بندے نے کھانا مانگا تو نے اس کو کھانا نہیں کھلایا۔اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو یقیناً اسے میرے ہاں پالیتا۔اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی طلب کیا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔وہ کہے گا۔اے میرے رب! میں تجھے کیسے پانی پلاتا تُو تو تمام جہانوں کا رب ہے؟ اللہ فرمائے گا تجھ سے میرے فلاں فلاں بندے نے پانی مانگا تو نے اس کو پانی نہیں پلایا۔کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اگر تو اس کو پانی پلاتا تو یقیناً اس کو میرے ہاں پالیتا۔(مسلم)

ان الله عزوجل يقول: یہ حدیث قدسی کا ایک انداز ہے۔دوسری کیفیت اس طرح ہے: **عن النبی صلی الله علیه وسلم فیما یرویه عن ربه**: جیسا باب المجاہدہ میں گزرا۔وہاں تفصیلی احکام گزر چکے۔**یا ابن آدم**: آدم یہ عربی لفظ ہے۔الف ہمزہ سے بدل کر آئی ہے۔بعض نے عجمہ کہا ہے۔اس صورت میں خاتم کے وزن پر الف اصلی ہے۔**مرضت**: جو بندے سے انجام پاتا ہے تشریف کے طور پر اس کی نسبت بندے کی طرف کر دی جیسے "**یخادعون الله**": ایمان والوں کے دھوکا دینے کو رب العالمین نے اپنے مخادعہ سے تعبیر کیا۔**فلم تعدنی**: یہ عیادت سے ہے۔ابن آدم کہے گا۔**یا رب کیف اعودك**: آپ ﷺ تو مرض سے منزہ ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے۔**انت رب العالمین**: جو پروردگار ہو وہ تو امراض سے پاک ہے پھر اس کی عیادت کیسی۔**فقال**: اللہ تعالیٰ وضاحت کرتے ہوئے فرمائیں گے یہاں مرض کی طرف نسبت تو مجاز عقلی ہے کیونکہ یہ ارادہ ابھی سے ہے۔اس میں بندے کو مشرف بادفرمایا گیا ہے۔**اما علمت**: یہ صرف استفہام تنبیہ مخاطب کے لئے آتا ہے۔عبدی سے مطلق بندہ مراد ہو سکتا ہے جبکہ الف لام عہد کا ہو۔**مرض فلم تعده**: یہاں حرف تنبیہ کو دوبارہ لوٹایا کیونکہ اصل مقصود خبردار کرنا ہی ہے اور اس کا ماقبل وسیلہ کی طرح ہے۔**لو جدتنی**: وجود معنوی مراد ہے۔جیسا فرمایا: ﴿**ما یکون من نجوی ثلاثة**﴾: اللہ تعالیٰ اپنے علم سے ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا علم تمام مکنونات کو حاوی ہے۔اللہ تعالیٰ حلول و مکانیت سے پاک ہے۔اسی طرح اتحاد سے بھی۔اس میں اشارہ کر دیا کہ محسن کو بیدار ہونا چاہئے تاکہ اس سے چمکدار نور کی روشنی ملے اور اچھی ثناء پائے واللہ الموفق۔**یا ابن آدم**: اس کو الگ خطاب سے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا حکم الگ ہے اور اس کا تارک قابل توبیخ ہے۔**استطعمتك**: یہ بھی اسناد مجازی ہے۔**قال**: اس کا قائل مخاطب بندہ ہے۔ماضی سے اس لئے تعبیر کیا کہ اس کا وقوع یقینی ہے۔(۲) اس سے پہلے گزرنے والوں کی اطلاع دی اس لئے ماضی سے تعبیر کیا۔جیسے اس ارشاد میں: "**ونفخ فی الصور**": قطعی وقوع کی وجہ سے ماضی سے تعبیر فرمایا۔**یا رب یا رب...... وانت......**: یہ واؤ عاطفہ ہے جو ماقبل استبعاد پر عطف کے لئے لایا گیا۔موقف کی دہشت نے اس کو حق تعالیٰ نے جوڑ کر فرمایا اس سے غافل کر دیا تو اس نے سخت تعجب سے کہا جو کہا: انه یہ ضمیر شان ہے۔**استطعمك عبدی**: میرے بندے

فلاں نے کھانا مانگا تو نے اسے نہ دیا اس سے روکنا گویا طالب سے حقیقتاً روکنا ہے۔ اسی طرف تعریض فرمائی۔ جیسا اس ارشاد میں ہے: ﴿ويطعمون الطعام على حبه﴾ انك لو اطعمته لوجدت ذلك عندی: ثواب کے لحاظ سے میرے ہاں پا لیتا۔ کئی گنا زیادہ ملتا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وما تقدموا لانفسكم من خير تجدوه عند الله﴾: یعنی اس کا ثواب اس کے ہاں سے مل جائے گا وہ کسی عامل کے عمل کو ضائع نہیں فرماتے اس نے خود فرما دیا ہے: ﴿ان الله لا يظلم مثقال ذرة وان تك حسنة يضاعفها ويؤت من لدنه اجراً عظيما﴾۔ یابن آدم استسقيتك: میں نے اپنے بندے کی زبان سے تجھ سے پانی طلب کیا۔ فلم تسقنی: میرے سائل بندے کو تو نے نہ پلایا۔ یا رب کیف اسقيك: یہ تفنن فی التعبیر کے لئے الگ انداز سے ذکر فرمایا۔ وانت...... لوجدت ذلك: اس سے مراد اس کا ثواب ہے۔ عندی: اس میں دلیل ہے کہ نیکیاں ضائع نہیں ہوتیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا ایک مقام ہے۔

تخریج : اخرجه مسلم (۲۵۶۹)

الفرائد: ① مریض کی عیادت، کھانا کھلانا بڑی سعادت کی بات ہے ② اللہ تعالیٰ کا علم کلیات و جزئیات پر حاوی ہے کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں، اس لئے نیکی میں بخل نہ کرے۔

۸۹۷ : وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "عُوْدُوا الْمَرِيْضَ وَاَطْعِمُوا الْجَآئِعَ ، وَفُكُّوا الْعَانِیَ" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔ "اَلْعَانِیْ" :اَلْاَسِيْرُ۔

۸۹۷: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مریض کی عیادت کرو اور بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور قیدی کو رہائی دلاؤ"۔ (بخاری)

اَلْعَانِیْ :قیدی۔

عودوا المریض: الف لام استغراق کے لئے ہے۔ ہر قسم کا مریض مراد ہے اور کسی وقت بھی عیادت ہو۔ واطعموا الجائع: محتاج کی حاجت کا پورا کرنا خوشحال مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے اور اگر اکیلا ہو تو وہ خود متعین ہو گیا۔ فكوا العانی: کفار کے ہاں قیدی ہو یا قرض میں پھنسا ہو۔ بیہقی میں: "واتبعوا الجنازة تذكر كم الآخره": کے الفاظ زائد ہیں۔ مسند عثمان میں بغوی کے الفاظ یہ ہیں۔ واتبعوا الجنائز: عیادت ٹھہر کر کی جائے۔ اگر مغلوب ہو تو عیادت نہیں ہو سکتی۔ تعزیت صرف ایک مرتبہ ہے (جامع صغیر) العانی: یہ عنا یعنو اس کی جمع عناۃ ہے ایک لغت میں سمع سے عنی آتا ہے۔ عورت کو محبوس عند الزوج کی وجہ سے عانیہ کہا جاتا ہے جمع عوان ہے۔ پہلے باب الوصیۃ بالنساء میں یہ روایت گزری: "استوصوا بالنساء فانهن عوان عندكم"۔

تخریج : اخرجه البخاری (۵۶۴۹)

الفرائد: ② اس میں تین باتوں کا حکم دیا گیا۔ ۱) بھوکے کو کھلانا ۲) قیدی کو رہائی دلانا ۳) مریض کی عیادت کرنا۔

۸۹۸ :وَعَنْ ثَوْبَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ :"اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا عَادَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ

يَزَلْ فِي خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَ قِيْلَ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا خُرْفَةُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ :"جَنَاهَا" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۸۹۸: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ جب مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے۔ وہ واپس لوٹنے تک جنت کے تازہ پھلوں کے چننے میں مصروف رہتا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ: خِرْفَةُ الْجَنَّة کیا چیز ہے؟ تو ارشاد فرمایا: اس کے تازہ پھل چننا!۔ (مسلم)

ثوبان رضی اللّٰہ عنہ: یہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کے حالات پہلے گزرے ملاحظہ کر لئے جائیں باب المجاہدۃ۔ اخاۃ: اخوت اسلامی مراد ہے تو وہ خرفہ جنت میں رہے گا۔ **خرفہ:** چنا ہوا میوہ۔ صحابہ کرام نے سوال کیا: **ما خرفا الجنۃ:** ما سے اس وقت تک سوال ہوتا ہے جب تک پہچان نہیں ہوتی جب پہچان ہو جاتی ہے تو من سے ذات کا سوال ہوتا ہے اور اگر وصف کا سوال کرنا ہو تو پھر ما استعمال کرتے ہیں: **ما زید افقیہ ام طبیب**' اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں بیضاوی نے لکھا: **ادع لنا ربك یبین لنا ماھی:** یعنی حالها و ما صفتها: حالانکہ ان کو کہنا چاہئے تھا ای **بقرۃ ھی او کیف ھی!** کیونکہ ما سے تو عموماً جنس کا سوال ہوتا ہے لیکن جب انہوں نے اس چیز کو جس کا حکم ملا تھا ایک ایسی حالت میں پایا کہ اس کے ساتھ اس جنس کی کوئی چیز نہ تھی تو اس کو ایسے انداز سے ذکر کیا کہ گویا وہ اس کی حقیقت سے واقفیت ہی نہیں رکھتے اور نہ اس جیسی وہ دیکھ پائے ہیں (بیضاوی ج ۱) اسی طرح خرفہ کا معنی صحابہ کرامؓ کو معلوم تھا مگر اسکی اضافت جنت کی طرف کی گئی تو اس کی مراد سے ناواقف ہو گئے اسی لئے انہوں نے ما سے سوال کیا۔ نووی نے اس کا معنی جنی جمع اجن جیسے عصا واعص سے کیا ہے۔ تورپشتی کہتے ہیں یہ شخص عیادت مریض کے لئے کوشش کرنے کی بنا پر جنت اور اس کے میووں کا حقدار ہوگا۔ عیادۃ چونکہ اس کا ذریعہ ہے اسی وجہ سے اس کا نام رکھ دیا گیا۔ ایک روایت میں "**کان لہ خریف فی الجنۃ**": اور خرافہ میں خروف' مخروج اور مخارف کے الفاظ بھی آئے ہیں خریف مخروف کے معنی میں ہے (چنا ہوا پھل)

تخریج : اخرجه احمد (۲۲۴۳٦) و مسلم (۲۵٦۸) والترمذی (۹٦۹)

الفوائد :① مریض کی عیادت کرنے والا جنت کے پھل چنتا ہے جب تک کہ مریض کی عیادت کرتا رہتا ہے۔

۸۹۹ :وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ :"مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَّعُوْدُ مُسْلِمًا غُدْوَةً اِلَّا صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُمْسِيَ ' وَاِنْ عَادَهٗ عَشِيَّةً اِلَّا صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُصْبِحَ ' وَكَانَ لَهٗ خَرِيْفٌ فِي الْجَنَّةِ" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ : حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

"الْخَرِيْفُ" :اَلثَّمَرُ الْمَخْرُوْفُ :اَيِ الْمُجْتَنٰى۔

۸۹۹: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ مسلمان جب صبح کے وقت مسلمان بھائی کی بیمار پرسی کرتا ہے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں اور اگر شام کے

وقت اس کی عیادت کرتا تو ستر ہزار فرشتے صبح تک اس کے لئے دعائیں کرتے ہیں اور اس کے لئے جنت میں چنے ہوئے پھل ہوں گے۔ (ترمذی) اور اس نے کہا حدیث حسن ہے۔

اَلْخَرِیْفُ: چنے ہوئے پھل۔

مامن: من کا صلہ میں استغراق کے لئے لائے۔ غدوہ: نماز صبح اور طلوع شمس کا درمیانی وقت۔ اس کی جمع غدا ہے جیسے مدیہ و مدی۔ صلی علیہ: اس کے لئے فرشتے جن کی تعداد ستر ہزار ہے دعا رحمت کرتے ہیں۔ حتی یمسی: ماء زوال سے نصف لیل تک کا وقت۔ عشیۃ: دن کا پچھلا حصہ۔ بعض نے زوال سے غروب تک کا وقت بتلایا ہے۔ ابن الانباری کہتے ہیں العیشۃ: یہ عشی کی تانیث ہے۔ بس اوقات اس کو بالعش کے معنی میں مذکر شمار کرتے ہیں بعض نے اس کو واحد اور عشی کو جمع بتلایا (المصباح) حتی یصبح: وہ صبح میں داخل ہو جائے۔

اَلنَّحْوُ: حتی کی غایت مقدر ہے جیسا سیاق سے معلوم ہوتا ہے پھر اگر ان ما کے معنی میں مانیں تو الا مقدر ہوگا ورنہ محذوف۔ اس وقت واؤ عاطفہ یا مستانفہ ہوگی (۲) اور اگر ان شرطیہ ہو تو تقدیر کی حاجت نہیں جملہ جواب شرط بنے گا۔ کان لہ خریف: کان تامہ ہو تو خریف فاعل ہے اور ظرف مقدم اسے حال ہے اور مؤخر ظرف صفت ہے (۲) کان ناقصہ اور مرفوع اسم ایک طرف خبر اور دوسرا حال یا صفت اور رابط محذوف۔ ای بسببہ: خریف بروزن ربیع بمعنی مفعول ہے۔

تخریج: اخرجہ احمد (۶۱۲) و ابو داود (۳۰۹۹) والترمذی (۹۷۱) وابن ماجہ (۱۴۴۲) والنسائی (۷۴۹۴) وابن حبان (۲۹۵۸) وابو یعلی (۲۶۲) وابن ابی شیبۃ (۳/۲۳۴) والبزار (۶۲۰) والحاکم (۱/۱۲۶۴) والبیہقی ۳/۳۸۰)

الفرائد: مریض کی عیادت پر دنیا و آخرت میں عظیم اجر ہے۔ ساعت ملاقات جنت کے خریف کے برابر ہے۔

۹۰۰ : وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ غُلَامٌ يَهُوْدِيٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهُ فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَقَالَ لَهُ : "اَسْلِمْ" فَنَظَرَ اِلٰى اَبِيْهِ وَهُوَ عِنْدَهُ؟ فَقَالَ: اَطِعْ اَبَا الْقَاسِمِ فَاَسْلَمَ ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُوْلُ : "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۹۰۰: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا' وہ بیمار ہو گیا۔ نبی اکرمؐ اس کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور اس کے سر کے پاس تشریف فرما ہوئے اور فرمایا "تو مسلمان ہو جا" اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو وہیں موجود تھا۔ اس نے کہہ دیا تو ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لے چنانچہ وہ اسلام لے آیا۔ جب آپؐ باہر تشریف لائے تو آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے: " تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اس کو آگ سے بچالیا"۔ (بخاری)

غلام یہودی: مبہمات بخاری میں جلال بلقینی نے عبد القدوس نام لکھا ہے۔ یعودہ: کافر کی عیادت کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ فقعد عند راسہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھنے کے بعد فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اس کے حال کے متعلق سوال کیا کیونکہ وہ سب سے

اہم مقدم تھا۔آپ ﷺ نے یہ اس خطرہ سے کیا کہ کہیں اسلام لانے سے پہلے موت واقع نہ ہو جائے اور ممکن ہے کہ اس سے سوال کرنے کے بعد آپ ﷺ نے کیا۔ ہر چیز کی تعقیب اس کے حال کے مطابق ہو۔ھو عندہ: الٰی کے مجرور سے جملہ حالیہ ہے یعنی مشورہ حاصل کرنے والے کی طرح۔ فاسلم: انوار نبوت سے اس کا تانبا سونے میں بدل گیا۔ الحمد للّٰہ الذی: صالحین کی صحبت کی برکت کا پھل دنیا و آخرت میں ظاہر ہوتا ہے۔

تخریج : اخرجه احمد (٤/١٣٩٧٩) والبخاری (١٣٥٦) و ابو داود (٣٠٩٥) وابن حبان (٢٩٦٠) والبیهقی (٣/٣٨٣)

الفرائد: ① شرک کی عیادت درست ہے ② موت سے پہلے اس پر اسلام کو پیش کرنا درست ہے ③ مریض کی عیادت کا طریقہ اس کے سر کے پاس بیٹھنا ہے ④ اس کے اسلام قبول کرنے پر آپ کی فرحت نا قابل دید نی تھی۔

۱۴۵ :بَابُ مَا يُدْعٰى بِهٖ لِلْمَرِيْضِ

بَابٌ: مریض کے لئے دُعا کی جائے

یدعی: مجہول ہے۔اس میں مریض کا اپنے لئے اور دوسرے کا اس کے لئے دعا کرنا دونوں شامل ہیں۔

۹۰۱ :عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا اشْتَكَى الْاِنْسَانُ الشَّيْءَ مِنْهُ اَوْ كَانَتْ بِهٖ قَرْحَةٌ اَوْ جُرْحٌ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ بِاِصْبَعِهٖ هٰكَذَا وَوَضَعَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ الرَّاوِيْ سَبَّابَتَهٗ بِالْاَرْضِ ثُمَّ رَفَعَهَا وَقَالَ : "بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا" بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا ' يُشْفٰى بِهٖ سَقِيْمُنَا' بِاِذْنِ رَبِّنَا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۹۰۱:حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ سے جب کوئی بیماری کی شکایت کرتا یا اس کو پھوڑا یا زخم ہوتا تو نبی اکرمؐ اپنی انگلی مبارک سے اس طرح کرتے۔سفیان بن عیینہ نے اپنی شہادت والی انگلی کو زمین پر رکھا۔ پھر اٹھایا (یعنی عمل کر کے دکھایا) حضور ﷺ فرماتے :"بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا" اللہ کے نام سے ہماری زمین کی مٹی ہمارے بعض کے لعاب سے مل کر ہمارے رب کے حکم سے ہمارے مریض کو شفا کا ذریعہ بنے گی"۔(بخاری' مسلم)

الشتکی الانسان الشی منه: تا افتعال مبالغہ کے لئے ہے۔الشی سے عضو یا درد مراد ہے۔قرحة: زخم۔او: یہ راوی کے شک کے لئے ہے کہ کون سا لفظ کہا۔ قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم باصبعه: یہاں فعل کو قول سے تعبیر کیا۔ سبابته: اس کو مسبحہ کہتے ہیں۔اس سے اشارہ تسبیح کیا جاتا ہے اور سبابہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ گالی کے وقت اس سے اشارہ کیا جاتا تھا۔بالارض: یہ وضع سے متعلق ہے۔ثم رفعها : کچھ دیر رکھنے کے بعد اٹھایا۔یا یہ نا معنی میں ہے۔قال باسم اللّٰہ: باسم یہ الف اور بلا الف دونوں طرح لکھا جاتا ہے (خطابی اعراب الغیر) تربه ارضنا: یہ ہذہ مبتداء کی خبر ہے۔بریقة: یہ بائے مصاحبت ہے۔ای ممزوجة معها۔ یشفٰی به: سقیمنا یہ نائب فاعل ہے۔باذن ربنا: یہ خبر سے محل حال میں واقع ہے۔

ملب یہ ہے کہ شفاء اللہ تعالیٰ کے اذن سے حاصل ہوتی ہے۔ ان کی لغۃً وضاحت کر دی کیونکہ ان کا مقصد پڑھ کر برکت و شفاعت حاصل کرنا ہے۔ بعض اوقات ادباء بعض معانی کو دیکھ کر سوء ادب کی طرف نکل جاتے ہیں (اعاذنا اللہ منہ) ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دائیں انگوٹھے میں پوری کو تھوک سے ترک کر کے اس کو زمین پر رکھتے تا کہ اس سے مٹی چمٹ جائے پھر اس کو اٹھا کر مریض کی طرف اشارہ فرماتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کا مطلب **باصبعہ:** سے یہی ہے۔ مگر اس روایت میں اس کا انگشت شہادت ہونا واضح ہے۔ **لفظ تربة :** سے انسان کی فطرت اول کی طرف اشارہ۔ **ریقه بعضنا:** سے نطفہ انسانی کی طرف اشارہ ہے جس سے انسان کو پیدا کیا گیا۔ گویا انسان زبان حال سے گڑگڑا کر یہ پیش کر رہا ہے۔ تو نے اصل کو مٹی سے ایجاد کیا پھر اس کی نسل کو ذلیل پانی سے بنایا تیرے لئے یہ بالکل آسان ہے کہ اس کو شفاء بخشے جس کی فطرت یہ ہو اور تو اس پر عافیت کا احسان فرما دے۔ جس کی بادشاہت میں اس کی موت وحیات دونوں برابر ہیں۔

ایک سوال: تربت وفطرت میں تو تھوڑی بہت مناسبت ثابت ہوگئی مگر نطفہ وتھوک میں کیا مناسبت ہے۔

الجواب: یہ دونوں فضلات انسانی سے ہونے کی بنا پر مشابہ ہو گئے۔ اس قسم کی چیزوں میں آپ کنایات سے کام لیتے تھے۔ اس کی نظیر بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ عنہ والی روایت ہے: **"انه صلى الله عليه وسلم بصق على كفه ثم وضع ليه اصبعه ثم قال يقول الله عزوجل۔ ابن آدم اتعجزني وقد خلقتك من مثل هذا؟ واراد بها النطفه"۔**

تخریج : اخرجه احمد (۹/۲٤٤۷۱) والبخاری (۵۷٤۵) و مسلم (۲۱۹٤) وابو داود (۳۸۹۵) وابن ماجه (۳۵۲۱) وابن حبان (۲۹۷۳)

الفرائد : ① اس ایک نبوی رقیہ کا بیان ہے ② امت کو اللہ تعالیٰ پر یقین کی تعلیم دی ③ رقیہ یا دوائی ان سے اس وقت فائدہ ہوتا ہے جب اللہ چاہے۔

---

۹۰۲ : وَعَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعُوْدُ بَعْضَ اَهْلِهٖ يَمْسَحُ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى وَيَقُوْلُ : "اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ، اَذْهِبِ الْبَاْسَ ، اشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ ، لَا شِفَآءَ اِلَّا شِفَآؤُكَ ، شِفَآءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۹۰۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعض گھر والوں کی بیمار پرسی کرتے تو اپنا دائیاں ہاتھ اس پر پھیرتے اور یوں فرماتے: "اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ" اے اللہ جو لوگوں کا رب ہے تو اس کی تکلیف کو دور فرما یا اور تو اس کو شفا عنایت فرما۔ تو شفا دینے والا ہے تیری ہی شفا اصل شفا ہے۔ ایسی شفا دے جو بیماری کو بالکل ختم کر دے۔ (بخاری، مسلم)

کان یعود بعض اهله: اپنے گھر میں کسی کے بیمار ہونے پر اس کی عیادت فرماتے اور دائیں ہاتھ سے اس کو چھوتے پس نیک آدمی کو اس طرح کرنا مستحب ہے۔ **اللهم رب الناس:** رب یہ منادی وزم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اللہم کی وجہ سے منصوب نہیں ہو سکتا۔ اللہم یعنی اے نعمتوں سے ان کی تربیت کرنے والے اور عدم سے وجود دینے والے۔ **الباس:** عذاب و

حرب میں سختی۔ لا شفاء: ہمزہ منصوب ہے۔ الا شفاؤك: رفع کی صورت میں لامحذوف کی خبر کا بدل ہے (۲) اس کی ضمیر کا بدل ہے (۳) محل لا سے بدل ہے۔ لا شفاء: یہ جملہ معترضہ ہے جو علت کی طرح ہے۔ (۲) شفاء: یہ اشف کا مفعول ہو تو منصوب ہے اور مبتداء محذوف کی خبر ہو تو مرفوع ہے۔ اس صورت میں اس سے پہلا جملہ مستانفہ ہے۔ لا یغادر سقماً: جو کوئی مرض نہ چھوڑے۔ اس قید کا فائدہ یہ ہے کہ بعض دفعہ اس مرض سے تو شفاء میسر آ جاتی ہے مگر دوسرا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ گویا اس میں ایسی شفاء جو مطلق ہو کی دعا کر رہا ہے۔ نہ مطلق شفاء کی۔

تخریج : اخرجه احمد (۹/۲۵۰۰۰) والبخاری (۵۷٤٤) و مسلم (۲۱۹۱) و ابن حبان (۲۹۷۲)

الفرائد: ① درد کی جگہ کو دائیں ہاتھ سے چھونا اور آپ ﷺ کا دم کرنا ثابت ہو رہا ہے۔

۹۰۳ : وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ لِثَابِتٍ رَحِمَهُ اللّٰہُ : "اَلَا اَرْقِیْكَ بِرُقْیَةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ بَلٰی، قَالَ : اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ مُذْهِبَ الْبَاْسِ، اشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ، لَا شَافِیَ اِلَّا اَنْتَ، شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

۹۰۳: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ثابت رحمۃ اللہ سے کہا کیا میں تم کو رسول ؐ کا بتایا ہوا دم نہ کروں۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ تو حضرت انسؓ نے اس طرح پڑھا: اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ۔ اے اللہ جو لوگوں کا رب ہے' دکھ کو دور کرنے والا ہے تو شفا دینے والا ہے۔ شفا عنایت فرما۔ تیرے سوا اور کوئی شفا دینے والا نہیں۔ ایسی شفا دے کہ بیماری کو بالکل ختم کر دے۔ (بخاری)

ثابت: یہ ثابت بنانی ہیں جلیل القدر تابعی ہیں رحمۃ اللہ علیہ۔ رحمۃ اللہ علیہ یہ جملہ دعائیہ مستانفہ ہے۔ برقیة: اس کی جمع رقی جیسے مدیة کی مدی آتی ہے استرقاء رقیہ طلب کرنا۔ قرطبی کہتے ہیں تمام تکالیف میں دم کی اجازت اس سے ثابت ہوتی ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں رقیہ کے جواز پر تمام علماء کا اتفاق ہے مگر اس میں تین شرائط ہیں: (۱) کلام اللہ سے ہو یا اسماء باری تعالیٰ یا صفات باری تعالیٰ سے ہو (۲) عربی زبان میں یا ایسی زبان میں جس کا معنی سمجھ میں آتا ہو (۳) رقیہ کا ذاتی اثر نہیں تقدیر الٰہی موثر بالذات ہے ان شرائط کا لحاظ ضروری ہے (فتح الباری) ربیع کہتے ہیں میں نے شافعیؒ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کتاب اللہ یا معروف ذکر اللہ سے کوئی حرج نہیں پھر میں نے کہا کیا اہل کتاب مسلمانوں کو دم کر سکتے ہیں؟ تو جواباً فرمایا جب وہ کتاب اللہ اور ذکر اللہ سے دم کریں۔ امام مالک سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ ابن عبد السلام سے حروف مقطعات کے متعلق پوچھا تو فرمایا جن کا معنی معلوم نہیں ان سے منع ہے تا کہ کفر نہ ہو جائے۔ رب الناس: ماقبل کی طرح منادی بن سکتا ہے (۲) رب کی صفت بھی بن سکتی ہے۔ رب صفت مشبہ ہو تو یہ اضافت لفظیہ ہو گی (۳) اگر مصدر تو مذہب دوام وثبوت کے معنی میں ہوگا۔ پس اس کی اضافت معنوی بنے گی۔ (۴) ماقبل کے مطابق بدل بھی بن سکتا ہے۔ اشف الا انت الشافی: یہ جملے معترضے ہیں۔

تخریج : اخرجه البخاری (۵۷٤۲) وابو داود (۳۸۹۰) والترمذی (۹۷۵) والنسائی (٤٠۲)

الفرائد: آپ ﷺ دم کرتے اور دم آپ ﷺ کی سنت ہے۔

٩٠٤ :وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِی وَقَّاصٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :عَادَنِی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ :"اَللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا ' اَللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا ' اَللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۹۰۴:حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ عیادت کے لئے تشریف لائے تو اس طرح فرمایا:اے اللہ! تو سعد کو شفا عطا فرما۔اے اللہ تو سعد کو شفا عطا فرما۔اے اللہ! تو سعد کو شفا عطا فرما۔(مسلم)

سعد بن ابی وقاص رضی اللّٰہ عنہ: ابو وقاص یہ مالک بن اہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب القرشی الزہری کی کنیت ہے۔ان کے حالات باب الاخلاص میں گزرے۔**ثلاث مرات:** یہ قال کا ظرف ہے ای کررہ ثلاثا:اس سے مزید اہتمام مقصود ہے۔آپ بوقت حاجت کلام میں کلمات کو تین تین مرتبہ دہراتے اور حدیث میں وارد ہے کہ "**ان اللّٰہ یحب الملحین فی الدعا**"۔

تخریج : بخاری (٥٦٥٩) و مسلم (٨/١٦٢٨) وابن حبان (٤٢٤٩)

الفرائد :اس میں رقیہ کی دوسری قسم کا بیان ہے۔آپ کی رحمت وشفقت کا تذکرہ ہے۔

٩٠٥ :وَعَنْ اَبِی عَبْدِ اللّٰهِ عُثْمَانَ ابْنِ اَبِی الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ شَکَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَجَعًا یَّجِدُهٗ فِیْ جَسَدِهٖ ' فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :"ضَعْ یَدَكَ عَلَی الَّذِیْ یَاْلَمُ مِنْ جَسَدِكَ وَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ ثَلَاثًا – وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ :اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ ' مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۹۰۵:حضرت ابو عبد اللہ عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے جسم میں پائی جانے والی درد کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی۔اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے ہاتھ کو اپنے جسم کے درد والے مقام پر رکھو اور تین مرتبہ بسم اللہ اور سات مرتبہ اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ...... پڑھو۔یعنی میں اللہ تعالیٰ کی عزت اور پناہ میں آتا ہوں۔اس برائی سے جو میں پاتا اور جس کا خطرہ رکھتا ہوں۔(مسلم)

عثمان بن ابی العاص رضی اللّٰہ عنہ: یہ ثقفی طائفی مشہور صحابی ہیں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف پر عامل بنایا۔ان کی وفات خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بصرہ میں ہوئی۔ان سے مسلم اور سنن اربعہ نے روایت لی ہیں۔ نووی کہتے ہیں کہ صدیق و عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو طائف کا امیر بنائے رکھا۔یہ وفد ثقیف میں مسلمان ہوئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۹ روایات نقل ہیں جن میں سے تین کی تخریج مسلم نے کی ہے۔ان کو عمر رضی اللہ عنہ نے عمان و بحرین کا عامل بنایا پھر بصرہ میں اقامت اختیار کی۔ابن قتیبہ کہتے ہیں ان کو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے بارہ ہزار جریب زمین دی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جریب کی پیائش ۱۰ ہزار ہاتھ ہے اور عبد اللہ کا تب کہتے ہیں ۳۶۰۰ سو ذراع اور کھانے کا جریب چار قفیز کا ہوتا ہے (الازہری) **یجدہ:** یہ وجدان سے ہے۔جس کو جسم میں محسوس فرماتے تھے۔**ضع یدك:** اس کو تکلیف کی جگہ پر رکھو۔ **من جسدك:** یہ ماقبل کا بیان ہے۔ظل:تمہارے جسم کا وہ حصہ جس میں تکلیف ہے اس پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہو۔**وقل باسم اللّٰہ**

ثلاثًا: رکھنے کے ساتھ یا بعد متصل یہ کہو اور یہ ہاتھ رکھنا پورے دلی دھیان اور ماسوا کو بھلا کر ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ شفاء کا طالب ہوں۔

النحو: ثلاثا یہ قل کا ظرف ہے۔ **وقل سبع مرات**: یہ پہلے قل کا معطوف ہے۔ **مرة**: بار کے معنی میں ہے۔ **اعوذ بعزة اللّٰہ وقدرته**: میں اللہ تعالیٰ کے غلبے کی پناہ لیتا ہوں اور اس کی اس ازلی صفت سے جس کے ساتھ وہ ہر ممکن پر قدرت رکھتا ہے۔ **ما اجد**: سے درد اور احاذر: احذر (ڈرنا) کے معنی میں ہے اور یہ ذکر اس لئے کیا جائے گا تا کہ اس کا اثر اعضاء میں سرایت کرے۔ طیبی کہتے ہیں اس میں نامناسب چیخ اور درد جس میں وہ مبتلا ہے اور مستقبل میں جس خوف وحزن کے پہنچنے کی توقع ہے اس سے پناہ مانگی گئی ہے۔ احتیاط اسی میں ہے کہ خوف سے بچے۔

تخریج : اخرجه مالك (١٧٥٤) و مسلم (٢٢٠٢) ابوداود (٣٨٩١) والترمذی (٢٠٨٧) والطبرانی (٨٣٤٠/٩) وابن ماجه (٣٥٢٢) وابن حبان (٢٩٦٤)

الفرائد : ① اس میں ایک اور قسم کا دَم مذکور ہے ② جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے اس کا مطلوب حاصل ہو جائے گا جیسا فرمایا: **عند ظن عبدی فابی......**۔

٩٠٦ :وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ عَادَ مَرِيْضًا لَمْ يَحْضُرْ اَجَلُهٗ فَقَالَ عِنْدَهٗ سَبْعَ مَرَّاتٍ :اَسْاَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ، اَنْ يَّشْفِيَكَ :اِلَّا عَافَاهُ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ الْمَرَضِ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ ، وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ :حَدِيْثٌ حَسَنٌ ، وَقَالَ الْحَاكِمُ :حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ۔

٩٠٦: حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی ایسے مریض کی تیمار داری کرے۔ جس کی موت کا وقت نہ آیا ہو۔ اس کے پاس سات مرتبہ یہ کلمات پڑھے: ''اَسْاَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ......'' میں اللہ سے سوال کرتا ہوں جو عظمتوں والا اور عظمت والے عرش کا مالک ہے کہ وہ تم کو شفا دے۔ ان کلمات کے کہنے سے اللہ تعالیٰ اس مرض سے اُس کو شفا دیں گے۔ (ابوداوٗد ترمذی) اور انہوں نے کہا یہ روایت صحیح ہے اور بخاری کی شرط پر ہے۔

لم یحضر اجله: یعنی اس کی مدت عمر ختم نہ ہوئی۔ **عنده سبع مرات**: یہ دونوں قال کے ظرف ہیں۔ **اسال اللّٰہ العظیم**: اس کو لانے کا مقصد یہ ہے کہ اس کی عظمت کی وجہ سے کوئی چیز بھی بڑی نہیں ہو سکتی۔

النحو: **رب العرش العظیم**: جر کے ساتھ یہ عرش کی صفت ہے۔

ان یشفیك: یہ اسال کا دوسرا مفعول ہے۔ **الا عافاه اللّٰہ**: یہ من شرطیہ سے استثناء ہے۔ گویا اس طرح فرمایا۔ جس نے کسی مریض کی عیادت کے وقت یہ کہا وہ صحت یاب ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو عافیت تامہ عنایت فرمائی۔ **من ذلك المرض**: اس وعدے میں وہ بھی شامل ہے جو اس سے پیدا ہو۔ اس میں اس کی عافیت ہے۔ جس کے ہاں اس کی اس مرض میں جس میں وہ

مبتلا ہے اور جو اس کے سبب سے پیدا ہوتی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ اسی پر رکھنے والی ہو بجائے اس کے جو اس سے پیدا ہوتی ہو۔

تخریج: اخرجه احمد (١/٢١٣٧) وابو داود (٣١٠٦) والترمذی (٢٠٩٠) والحاكم (١/٣٤٣) والبخاری (٥٣٦) وابن حبان (٢٩٧٥)

الفرائد: ① اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور رقیہ کا بیان ہے ② بندہ جس قدر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اللہ تعالیٰ اسی طرح کر دینے والے ہیں۔

❁ ❁ ❁

٩٠٧: وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰی عَرَبِیٍّ یَعُوْدُهٗ ' وَکَانَ اِذَا دَخَلَ عَلٰی مَنْ یَّعُوْدُهٗ قَالَ: "لَا بَاْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

٩٠٧: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ ایک دیہاتی کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ آپؐ جب بھی کسی مریض کی تیمارداری کے لئے جاتے تو فرماتے: ''کوئی بات نہیں اللہ نے چاہا تو یہ بیماری گناہوں سے پاک کرنے والی ہے''۔ (بخاری)

اعرابی: یہ اعراب سے اسم منسوب ہے۔ دیہاتی کو کہا جاتا ہے۔ شیخ زکریا نے اس کا نام قیس بن ابی حازم لکھا ہے (تحفہ) طهور: طا کا فتحہ اور ضمہ دونوں جائز ہیں۔ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے: ای مرضك مطهر لذنبك' مكفر لعيبك: اس پر اکتفاء کیا کیونکہ یہ اکثر واقع ہوتا ہے ورنہ آخرت میں بلندی درجات کا سبب ہے۔ یا دنیا میں بلند مقامات کا سبب ہے کیونکہ ریاضتیں حالات وکشوفات پر منتج ہوتی ہے۔ ان شاء اللّٰه تعالیٰ: اگر اس کی تطہیر سے اس کی مشیت متعلق ہوئی۔ وکان کا جملہ دخل کے فاعل سے حال ہے اور جملہ شرطیہ محل نصب میں کان کی خبر ہے۔ ابن جوزی نے روایت کی تخریج میں بخاری ونسائی کی طرف نسبت کی ہے۔ یہ بخاری باب العیادۃ میں ہے' شاید نسائی نے بھی ذکر کی ہے۔

تخریج: اخرجه البخاری (٣٦١٦)

الفرائد: ① امام اگر مریض کی عیادت کرے تو اسکی شان کم نہیں ہوتی ② اسی طرح عالم کی شان میں کمی نہیں آتی ③ عیادت سے اسے صبر کا حکم دیگا اور درد پر تسلی دیگا ④ اس طرح گھر والوں کو تسلی ہوگی ⑤ مریض کو نصیحت قبول کرنی چاہئے۔

❁ ❁ ❁

٩٠٨: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ اَنَّ جِبْرِیْلَ اَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ: "یَا مُحَمَّدُ اشْتَکَیْتَ؟ قَالَ: "نَعَمْ" قَالَ بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْكَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یُّؤْذِیْكَ ' وَمِنْ شَرِّ کُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَیْنٍ حَاسِدٍ ' اَللّٰہُ یَشْفِیْكَ' بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْكَ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

٩٠٨: حضرت ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا ''اے محمدؐ! کیا آپؐ بیمار ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! جبریل علیہ السلام نے کہا میں تمہیں دم کرتا ہوں اور

اس چیز سے جو تمہیں تکلیف دینے والی ہے اور ہر نفس کے شر سے اور ہر حاسد کی آنکھ سے اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفا دے۔ میں اللہ کا نام لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دم کرتا ہوں۔ (مسلم)

فقال یا محمد: اس خطاب جبریلی سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت: ﴿**لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضًا**﴾: کا خطاب جن انس کے لئے ہے۔ اشتکیت: باب افتعال کا استعمال تکلیف میں شدت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ **قال نعم:** اس سے معلوم ہوتا ہے بلا ضجر و اکتاہٹ اپنی بیماری کی اطلاع دی جا سکتی ہے۔ **قال باسم اللّٰہ:** اس کو متعلق **ارقیك:** سے پہلے لا کر اہتمام و تخصیص کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جیسا اس آیت میں: ﴿**بسم اللّٰہ مجراھا**﴾: اور **من کل شئی یوذیك:** یعنی ہر وہ چیز جو ناپسند چیز تک پہنچائے اور سابقہ کے ساتھ اس کو بھی معلق کیا گیا ہے۔ **من شر کل نفس:** یہ شئی کے لفظ میں جو ابہام تھا اس کو زائل کیا۔ نفس سے وہ خبث نفس جو برائی کی طرف جھکنے والا ہو وہ مراد ہے۔ یہ اس آیت کے مخالف نہیں: ﴿**واللّٰہ یعصمك من الناس**﴾: کیونکہ اس آیت میں جس سے حفاظت کا وعدہ کیا گیا ہے وہ ایسی چیز ہے جو ازہاق روح کا باعث ہے مطلق ایذاء مراد نہیں لیکن تھوڑی بہت ایذائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر تک پہنچتی رہیں تا کہ آپ کے درجات کو بلند کیا جائے اور تا کہ آپ کی راہ پر چلنے والوں کے لئے اعلیٰ طریقہ بن جائے۔ **او:** یہاں واؤ کے معنی میں ہے۔ ان دو کا تذکرہ کیا گیا حالانکہ مراد عام ہے اور اگر اپنے ہی معنی میں ہو تو ایذاء کی خاص کو بیان کرنا مقصود ہے۔ **عین حاسدٍ:** یہاں وہ حاسد مراد ہے۔ نظر لگانے والا ہو کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ تمام حاسد نظر لگانے والے ہوں۔ اس سے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ حاسد کی نگاہ اس وقت تک اثر انداز نہیں ہوتی جب تک کہ وہ اپنے خبیث نفس میں اس چیز کو خوبصورت سمجھ کر حسد نہ کرنے لگے۔ نووی کہتے ہیں ممکن ہے کہ نفس سے آدمی کا نفس مراد ہو (۲) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد عین ہو۔ نفس کا اس پر اطلاق ہوتا رہتا ہے اور **عین حاسد:** پھر اس کی تاکید بن جائے۔ جو دو مختلف الفاظ سے لائی گئی او شک راوی کے لئے (شرح مسلم) (۱) یہ بھی ممکن ہے کہ ظرف من کل شی سے بدل البعض ہو (۲) ممکن ہے کہ یوذیک سے متعلق ہو۔ اس صورت میں من ابتدائیہ ہوگا۔ **اللّٰہ یشفیك:** اس کو تاکیداً دوبارہ لائے تا کہ ظاہر کر دیا جائے کہ دم اسماء و صفات باری تعالیٰ سے ہی ہونا چاہئے۔ ان کی برکت سے ضرور دفع ہو جائے گا۔

تخریج : اخرجه مسلم (۲۱۸٦) والترمذی (۹۷٤) وابن ماجه (۳۵۲۳)

الفرائد: ① جبرئیل علیہ السلام کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر شفقت ② فاضل کو مفعول کا رقیہ جائز ہے۔

۹۰۹ : وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ وَاَبُوْهُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهُمَا شَهِدَا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ : "مَنْ قَالَ : لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" صَدَّقَهٗ رَبُّهٗ فَقَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا وَاَنَا اَكْبَرُ – وَاِذَا قَالَ : لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ، قَالَ یَقُوْلُ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا وَحْدِیْ لَا شَرِیْكَ لِیْ – وَاِذَا قَالَ : لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، قَالَ : لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا لِیَ الْحَمْدُ وَلِیَ الْمُلْكُ – وَاِذَا قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ، قَالَ : لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِیْ – وَكَانَ يَقُوْلُ مَنْ قَالَهَا فِیْ مَرَضِهٖ ثُمَّ مَاتَ لَمْ تَطْعَمْهُ النَّارُ" رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

۹۰۹: حضرت ابوسعید الخدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ دونوں حضور ﷺ کے متعلق گواہی دیتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جس نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کہا تو اس کا ربّ اس کی تصدیق فرماتے ہوئے کہتا ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں' میں ہی بڑا ہوں اور جب وہ بندہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ کہتا ہے تو اللہ فرماتے ہیں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' میں اکیلا ہوں۔ میرا کوئی شریک نہیں اور جب وہ یوں کہتا ہے: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کیلئے بادشاہی اور اسی کیلئے ہی تعریفیں ہیں تو اللہ فرماتے ہیں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں میرے ہی لئے بادشاہی ہے اور میرے ہی لئے تمام تعریفیں۔ جب بندہ کہتا ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں گناہوں سے ہٹانے اور نیکی کرنے کی طاقت اسی کی مدد سے ہے تو اللہ فرماتے ہیں میرے سوا کوئی معبود نہیں اور گناہوں سے ہٹانا اور نیکی کرنے کی طاقت دینا میرے ہی قبضہ میں ہے۔ آپ فرماتے جس نے بھی بیماری میں یہ کلمات کہہ لئے اور پھر وہ اسی بیماری میں مرگیا تو اس کو جہنم کی آگ نہ کھائے گی۔ (ترمذی) اور کہا یہ حدیث حسن ہے۔

صدقة ربه: لا الله کے عطف بیان سے تصدیق کی کیفیت واضح کر دی' مطلب یہ ہے کہ وہ بندے کی اس بات کی تصدیق فرماتے ہیں۔ اذا قال: جب وہ بندہ لا الہ الا اللہ کہتا ہے یعنی یہ اقرار کرتا ہے وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے اور اس کی مِلک اور افعال میں اُس کا کوئی شریک نہیں تو اللہ تعالیٰ لا اله الا انا...... الا الله له الملك له الحمد: فرماتے ہیں۔ کائنات کا متصرف وقاہر وہی ہے اور کوئی نہیں۔ تمام اشیاء کا وہی موجد ہے۔ اشیاء تو اس کے فعل کا مظہر ہیں۔ پس تمام کی حمد پھر اسی کی طرف لوٹ کر جاتی ہے اور اسی پر بند ہے۔ قال :تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی تصدیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں: الا الله الا انا...... الا بالله. لا حول کو لا الہ پر عطف سے ذکر کیا کیونکہ دونوں کا مضمون ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ممکن کے لئے موجد چاہئے اور حول وقوۃ والا موجد باری تعالیٰ ہی ہے اور کوئی نہیں۔ پس اس سے لازم آیا کہ قوت واختیار کلی اسی ہی کے پاس ہے۔ قال لا الله الا انا......ابی: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قوت اور اختیار میرے ہی پاس ہے۔ وكان يقول: وہ دونوں فرماتے ہیں جس نے اپنی مرض میں یہ کلمات کہے پھر مرگیا تو لا تعامه النار: یہ عدم دخول نار سے کنایہ ہے۔ اب اس دخول سے ہمیشگی کا دخول مراد ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ حسن خاتمہ کا سبب بن جائے تو ان کا کہنے والا فائزین کے ساتھ جنت میں جائے گا۔ متن حدیث کے یہ مطلب زیادہ موافق ہے۔

تخریج : اخرجه الترمذی (۳٤٤١) والنسائی (٣٥٠) وابن ماجه (۳۷۹٤)

الفرائد :جس نے مرض الموت میں یہ دعا پڑھی اس کو آگ نہ چھوئے گی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت وتوحید کا اقرار ہے اور اپنے حول وقوۃ سے بیزاری ہے۔

۱۴۶: بَابُ اسْتِحْبَابِ سُؤَالِ اَهْلِ الْمَرِيْضِ عَنْ حَالِهٖ

بَابُ: مریض کے گھر والوں سے مریض کے متعلق پوچھنا مستحب ہے

۹۱۰ : عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ خَرَجَ مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ وَجَعِهِ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ فَقَالَ النَّاسُ : يَا اَبَا الْحَسَنِ كَيْفَ اَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَصْبَحَ بِحَمْدِ اللّٰهِ بَارِئًا- رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۹۱۰ : حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے اس بیماری کے دوران باہر نکلے جس میں آپؐ نے وفات پائی۔ ان سے لوگوں نے پوچھا اے ابوالحسن، رسول اللہؐ نے کیسی صبح کی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آپ نے اللہ کے فضل سے تندرستی میں صبح کی۔ (بخاری)

کیف اصبح رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: اس سے ثابت ہوا کہ مریض کے پاس جب پہنچنا کسی عارضہ سے مشکل ہو تو اس کی حالت دریافت کرنا درست ہے مثلاً غلبہ مرض یا دوائی کا استعمال وغیرہ۔ یہ مسنون ہے کیونکہ اس سے مریض کو خوشی ہوگی (ہیثمی) **اصبح بحمد اللّٰہ:** اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے ساتھ صبح کی ہے۔ بارئاً: یہ البرء سے صحت بار ہونا (۱) دوسری خبر ہے (۲) اصبح کی ضمیر سے حال ہے۔ مطلب یہ ہے صحت یاب ہونے کو ہیں (۲) تفاولاً کہا (۳) اس سے مراد یہ ہے کہ مریض کو جو اضطراب و غفلت پیش آتی ہے اس س صحت پا گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مریض کے متعلق ایسا جواب دے جس سے معلوم ہو کہ وہ جس حالت میں ہے رضاء الٰہی کا طلب گار ہے اور حمد وثناء میں مصروف اور شکر یہ میں رطب اللسان ہے۔ شدت مرض نے اس میں تبدیلی نہیں کی اور اس کا مرض خفیف ہونا نظر آ رہا ہے اور عافیت حاصل ہونے کو ہے۔ یہ بالکل واضح ہے۔ حضرت عباس کا قول یہ تھا کہ **واللّٰہ انی لاری رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم سیتوفی من وجعه هذا' وانی لا عرف وجوه بنی عبدالمطلب عند الموت**''۔ (بخاری فی المغازی)

تخریج : اخرجه البخاری (۴۴۴۷)

الفرائد : ① صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپ ﷺ پر شفقت اور آپ ﷺ کے متعلق سوال کا تذکرہ ہے ② مریض کے گھر والوں سے اس کے متعلق سوال کرنا مستحب ہے۔

۱۴۷ : بَابُ مَا يَقُوْلُهُ مَنْ اَيِسَ مِنْ حَيَاتِهٖ!

بَابُ: زندگی سے مایوسی کیا دُعا پڑھے؟

اَیِس: جب کوئی شخص اپنی زندگی سے ظہور علامات کے ذریعے مایوس ہو جائے۔ وہ علامات جو عادۃً علامات موت ہوتی ہیں۔

۹۱۱ : عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ مُسْتَنِدٌ اِلَيَّ يَقُوْلُ : اَللّٰهُمَّ

اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَالْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی" مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

۹۱۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس حال میں سنا کہ آپ میری طرف سے سہارا لگائے ہوئے تھے: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ کہ اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ملا دے۔ (بخاری، مسلم)

وھو مستند الی: یہ سمعت کے مفعول سے جملہ حالیہ ہے اور یقول والا جملہ اس سے حال ہو یہ حال متداخلہ بنے گا اور الی کے مجرور سے حال بنے تو حال مترادفہ بن جائے گا۔ **اللھم اغفرلی**: یہ آپ ﷺ کی طرف سے مقام ربوبیت کے سامنے اظہارِ خشوع ہے ورنہ آپ ﷺ تو سب ذنوب سے معصوم ہیں۔ (۲) امت کو سکھانے کے لئے اور تعلیم کے لئے فرمایا اور اس بات پر خبردار کیا کہ بندے کو کسی وقت غفلت نہ برتنی چاہئے کیونکہ یہ ارتحال وانتقال کی گھڑی ہے۔ **وارحمنی**: ہر چیز کی رحمت اس کے مناسب حال ہوتی ہے۔ بڑی رحمت یہی ہے جو اس نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت فرمائی ہے۔ جس کو بیان میں لایا نہیں جا سکتا اور اس میں رحمت مجاز مرسل ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اسی قسم سے ہے: ﴿اذا قمتم الی لصلاۃ﴾: جب تم قیام کا ارادہ کرو تو ارادہ کو مجازاً قیام فرمایا۔ **والحقنی بالرفیق الاعلی**: اس سے مراد ملائکہ مقربین اور ارواح صالحین یہ زیادہ درست قول ہے اس لئے کہ یوسف علیہ السلام کے ارشاد میں وارد ہے: "**توفنی مسلما والحقنی بالصالحین**": ابن ہمام نے السلاح میں لکھا کہ اس سے انبیاء علیہم السلام صدیقین، شہداء وصالحین مراد ہیں۔ جن کا تذکرہ اس آیت میں ہے: ﴿**وحسن اولئك رفیقًا**﴾: اور اس کی تائید حدیث صحیحہ ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے۔ "**فجعل یقول مع الذین انعمت علیھم من النبیین والصدیقین**": حدیث ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہے۔ ملا علی قاریؒ نے کہا یہی قابل اعتماد ہے اور ان کے رفیق ہونے کا مطلب یہ ہے ان کا اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر باقی رہنا اور ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانا اور اس کلمہ کو مفرد اس لئے لائے تاکہ اس طرف اشارہ ہو کہ اہل جنت ایک آدمی کے دل کی طرح ہوں گے (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ الرفیق اسماء باری تعالیٰ سے ہے اور اعلیٰ باعتبار مرتبہ نہ کہ اعلیٰ باعتبار جگہ۔ حرز میں اس کو آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ کے مطابق دے کر زیادہ مناسب قول قرار دیا گیا۔ آپ ﷺ کی آخری خواہش مولیٰ کی طلب تھی۔ جیسا کہ عالم ارواح میں سب سے پہلے آپ نے جواب دیا۔

تخریج : اخرجه مالك (٥٦٢) واحمد (٦/٢٠٠١٠) والبخاری (٤٤٤٠) و مسلم (٢٤٤٤) والترمذی ٣٤٩٦) والنسائی (١٠٩٥) وابن حبان (٦٦١٨) والبیهقی (٧/٢٠٩)

الفرائد: ① اس کلمہ سے آپ نے کلام کو اس لئے ختم فرمایا کیونکہ یہ توجیہ اور ذکر قلبی پر مشتمل ہے ② اس سے یہ بھی حاصل ہوا کہ اگر دلِ اللہ کی یاد سے آباد ہو تو ذکر لسانی کی اس وقت ضرورت نہیں۔

۹۱۲ : وَعَنْھَا قَالَتْ : رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ وَھُوَ بِالْمَوْتِ عِنْدَہٗ قَدَحٌ فِیْہِ مَآءٌ وَھُوَ یُدْخِلُ یَدَہٗ فِی الْقَدَحِ ثُمَّ یَمْسَحُ وَجْھَہٗ بِالْمَآءِ ثُمَّ یَقُوْلُ : "اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی غَمَرَاتِ الْمَوْتِ

وَسَكَرَاتِ الْمَوْتِ'' رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔

۹۱۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راویت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو موت کے وقت دیکھا کہ آپ ﷺ کے پاس ایک پیالہ جس میں پانی تھا۔ اس میں اپنا ہاتھ داخل فرما کر اس پانی کو چہرے پر ملتے اور فرماتے: ''اے اللہ! موت کی سختیوں اور بے ہوشیوں میں میری مدد فرما۔'' (ترمذی)

هو بالموت: مقدمات موت میں مبتلا ہو۔

[illegible] بالموت و عند قدح: یہ دونوں جملے حال ہیں اور فيه ماء: یہ مبتداء کی صفت [illegible] خبر مقدم مانیں تو ماء مبتداء موخر ہے اور اگر ظرف کو صفت مانیں تو ماء اس کا فاعل ہے [illegible] هو يدخل يده في القدح...... بالماء: پیالے کے پانی کو چہرہ مبارک پر ملتے تھے [illegible] کی وجہ [illegible] حرارت تھی۔ غمرات الموت: موت کی وہ سختیاں جو اپنی شدت کی وجہ چھانے والی تھیں۔ چھانے کی طرح تھیں۔ سکرات: موت کے وہ مقدمات جو روح پر قوت پا کر اس کا ادراک ختم کر دیتے ہیں۔ صحیح روایات میں وارد ہے کہ مرض موت کی وجہ سے آپ پر بیہوشی طاری تھی۔ شیخ محمد بکری نے ایک رسالہ مستقل اسی موضوع پر لکھا ہے القول الاجل في حكمة كرب المصطفى عند حلول الاجل: اس کا خلاصہ شرح الاذکار میں ملاحظہ ہو۔

تخریج: اخرجه احمد (۹/۲٤٤۱۰) والترمذی (۹۸۰) وابن ماجه (۱٦۲۳) والذهبی (۱۸/٤٦٦)

الفرائد: ① وفات کے وقت کی حالت کا بیان ہے۔ محتضر کو اللہ تعالیٰ سے اعانت طلب کرنی چاہئے اور منہ پر ٹھنڈا پانی ملنا اس تکلیف میں تخفیف کیلئے ہے۔

۱۴۸: بَابُ اسْتِحْبَابِ وَصِيَّةِ أَهْلِ الْمَرِيْضِ وَمَنْ يَّخْدِمُهُ بِالْإِحْسَانِ إِلَيْهِ وَاحْتِمَالِهِ وَالصَّبْرِ عَلَى مَا يَشُقُّ مِنْ أَمْرِهِ وَكَذَا الْوَصِيَّةُ بِمَنْ قَرُبَ سَبَبُ مَوْتِهِ بِحَدٍّ أَوْ قِصَاصٍ وَنَحْوِهِمَا

بَاب: بیمار کے گھر والوں اور خدام کو مریض کے اس احسان اور تکلیفوں پر اس کے صبر کرنے کی نصیحت کرنا اور اس طرح قصاص وغیرہ میں قتل والے کا حکم

وصية: مریض کو نصیحت کریں۔ بالاحسان اليه: خادم اس سے نرم گفتگو کرے' مطلوبہ چیز اس کو دے اور اس کی سخت سست بات برداشت کرے۔ بحد: سے حد زنا مراد ہے۔

۹۱۳: عَنْ عِمْرَانَ بْنِ الْحُصَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ امْرَأَةً مِّنْ جُهَيْنَةَ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ حُبْلٰى مِنَ الزِّنَا فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَصَبْتُ حَدًّا فَاَقِمْهُ عَلَيَّ ، فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِيَّهَا فَقَالَ: "اَحْسِنْ اِلَيْهَا ، فَاِذَا وَضَعَتْ فَأْتِنِيْ بِهَا" فَفَعَلَ ، فَاَمَرَ بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشُدَّتْ عَلَيْهَا ثِيَابُهَا ثُمَّ اَمَرَ بِهَا فَرُجِمَتْ ثُمَّ صَلّٰى عَلَيْهَا" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۹۱۳: حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ جہینہ قبیلہ کی ایک عورت آپ ﷺ کی خدمت میں اس حالت میں حاضر ہوئی کہ وہ زنا سے حاملہ تھی۔ اس نے عرض کیا۔ یارسول اللہؐ میں حد کی مستحق ہو چکی ہوں پس وہ مجھ پر قائم فرمائیں۔ اس پر رسول اللہؐ نے اس کے ولی کو بلا کر کہا کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ جب وضع حمل ہو جائے تو میرے پاس لے آؤ۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ نبی اکرمؐ نے اس عورت کے بارے میں حکم دیا کہ اس کے کپڑوں کو اس پر مضبوطی سے باندھ دو پھر اس کی سنگساری کا حکم دیا۔ پس اس کو سنگسار کر دیا گیا۔ پھر آپؐ نے اس پر نماز جنازہ پڑھائی۔ (مسلم)

عمران بن حصین رضی اللہ عنهما: ان کے حالات تفصیل سے گزرے۔ **امراۃ:** اس کی جمع نساء آتی ہے۔ **من جهینه:** یہ ایک عرب کا قبیلہ ہے۔ مسلم میں **من غامد:** کا لفظ بھی ہے یہ جہینہ کی ایک شاخ ہے۔ **من الزنا:** یہ ابتدائیہ یا تعلیلیہ ہے۔ **اصبت حدا:** جس کا مقتضیٰ حد ہے۔ یہ مجاز مرسل ہے۔ **اقمه علی:** اس نے اپنے نفس کو انتہائی طور پر پاک کرنا چاہا ورنہ توبہ سے تطہیر کافی تھی۔ **ولیها:** اس کا قریبی رشتہ دار جو اس کی نگرانی کرے۔ **احسن الیها:** اس پر خطرہ محسوس کیا کیونکہ اقارب کو غیرت آئے گی اور عار کے ڈر سے وہ اس کو ایذاء پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ پس اس خطرے کی وجہ سے اس کے متعلق وصیت فرمائی تا کہ مزید مہربانی کریں کیونکہ لوگوں کے دلوں میں ایسی چیزوں سے نفرت ہوتی ہے۔ وہ اس کو ایذاء کن باتیں سنانے کی کوشش کریں گے۔ ان سب باتوں سے روک دیا۔ **فائتنی بها:** یہ بات اس لئے فرمائی تا کہ وہ حفاظت کا اہتمام کرے اور اس سے مہلکات کا ازالہ کرے۔ **فامر بها:** بچے کے اس سے بے نیاز ہو جانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا۔ **فشدت:** نسائی کی روایت میں **فشکت** ہے۔ کپڑے اس سے باندھ گئے تا کہ سنگ باری کے وقت اس کا جسم ننگا نہ ہو۔ **فرجمت:** نسائی میں فرجمہا۔ دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء فرمائی پھر دوسرے لوگوں نے تکمیل کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لئے امام کی اقتداء کریں۔ **ثم صلی علیها:** مسلم کی روایت میں ہے: **لقد تابت لوبة علی اهل المدینه لو سعتهم وهل وجدت افضل من ان جاء ت بنفسها الحدیث:** اس سے ثابت ہوا کہ حدود پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی حد نے اس کو پاک کر دیا ہے۔ یہ روایت باب التوبہ میں گزری ہے۔

تخریج: اخرجه احمد (۷/۱۹۹۷۴) و مسلم (۱۶۹۶) و ابو داود (۴۴۴۰) والترمذی (۱۴۳۵) والنسائی (۱۹۵۶)

الفرائد: حدود قصاص میں قتل ہو اس کے متعلق بھی احسان کی نصیحت کرنی چاہیے۔

۱۴۹ :بَابُ جَوَازِ قَوْلِ الْمَرِيْضِ :اَنَا وَجِعٌ ، اَوْ شَدِيْدُ الْوَجَعِ اَوْ مَوْعُوْكٌ اَوْ "وَارَاْسَاهُ" وَنَحْوِ ذٰلِكَ وَبَيَانِ اَنَّهُ لَا كَرَاهَةَ فِيْ ذٰلِكَ اِذَا لَمْ يَكُنْ عَلٰى التَّسَخُّطِ وَاِظْهَارِ الْجَزَعِ

باب: مریض کو یہ کہنا بغیر کراہت کے جائز ہے کہ میں تکلیف میں ہوں' سخت درد یا بخار ہے' ہائے میرا سر وغیرہ بشرطیکہ یہ بے صبری اور تقدیر پر ناراضگی کے طور پر نہ ہو

التسخط واظهار الجزع:وجع یہ وجع سے اسم فاعل ہے۔ **شديد الوجع**: صفت کی اضافت موصوف کی طرف کی گئی ہے۔ **موعوك** :بخار میں مبتلا۔ **واراساه**: یہ مندوب ہے۔جس منادیٰ کو آواز دی جائے مثلاً واعمراہ: یا جس پر اظہار دکھ کیا جائے۔ **التسخط**:بتکلف ناراضی کا اظہار کرنے والا نہ ہو اور جو اس سے بغض کی بناء پر کیا وہ گویا تکلف ہے۔ **اظهار الجزع**:انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان پر جو تکلیف آئے افضل و اعلیٰ یہ ہے کہ اس پر ابتدا صبر کرے اور اس کو ظاہر نہ کرے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز اور احکام کی تشریح کے لئے کیا۔جیسا تراوی کا حکم ہے۔اس کا چھوڑنا اعلیٰ ہے۔

٩١٤ :عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ يُوْعَكُ فَمَسِسْتُهُ فَقُلْتُ :اِنَّكَ لَتُوْعَكُ وَعْكًا شَدِيْدًا – فَقَالَ :اَجَلْ اِنِّيْ اُوْعَكُ كَمَا يُوْعَكُ رَجُلَانِ مِنْكُمْ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۹۱۴: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور ﷺ کے پاس اس حال میں حاضر ہوا کہ آپؐ کو بخار تھا۔ میں نے آپؐ کے جسم مبارک پر ہاتھ لگایا اور کہا: آپ کو سخت بخار ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں مجھے اتنا بخار ہوتا ہے۔ جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو ہوتا ہے۔ (بخاری' مسلم)

يوعك: یہ وعک سے ہے بخار آنا۔ **فمسسته** :میں نے آپ ﷺ کے جسم کو چھوا اور کہا۔ **لتوعك**: آپ ﷺ کو سخت بخار ہے۔ **اجل**: تصدیق کے لئے یہ نعم سے بہتر ہے اور استفہام میں نعم اس سے بہتر ہے۔ **كما يوعك رجلان**: یہ بلندی مرتبہ کی وجہ سے تھا۔ میں نے عرض کیا آپ ﷺ کو دو اجر ملتے ہوں گے آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں! یہ تصریح دوسری روایت میں ہے یہاں درج نہیں۔ باب الصبر فی روایت گزری ہے۔

تخریج : اخرجه احمد (٣/٣٦١٨) والبخاری (٥٦٤٧) و مسلم (٢٥٧١) وابن حبان (٢٩٣٧) والدارمی (٢/٣١٦) والبیهقی (٣/٣٧٢)

الفرائد :① مریض کو مانوس کرنے کے لئے اس پر ہاتھ رکھا جائے ② مریض کو اپنے ربّ کی بارگاہ میں اپنی تکلیف کا تذکرہ درست ہے ③ موت کی تکلیف جبلی چیز ہے ④ اس کا ازالہ انسان سے ممکن نہیں۔تکلیف کی حالت میں آہ آہ کا چھوٹنا ممکن

نہیں۔البتہ جزع فزع نہ کرے جوصبر کے خلاف ہےاورزبان سے اللہ کا شکوہ بھی نہ کرے جس کولوگ تقدیر سے اکتاہٹ پر تعبیر کریں۔

٩١٥ :وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :جَآءَ نِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَعُوْدُنِیْ مِنْ وَّجَعٍ اشْتَدَّ بِیْ ' فَقُلْتُ : بَلَغَ بِیْ مَا تَرٰی ' وَاَنَا ذُوْ مَالٍ ' وَلَا یَرِثُنِیْ اِلَّا ابْنَتِیْ ' وَذَکَرَ الْحَدِیْثَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۹۱۵:حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔رسول اللہ ﷺ آپ میرے پاس سخت درد کے موقع پر میری عیادت کے لئے تشریف لائے۔میں نے کہا درد اس حد تک پہنچ گیا ہے۔جو آپ ﷺ دیکھ رہے ہیں اور میں مالدار ہوں اور میری وارث صرف میری ایک بیٹی ہے۔پھر حدیث بیان کی۔(بخاری، مسلم)

سعد بن ابی وقاص رضی اللّٰه عنه:باب الاخلاص میں حالات گزرے ملاحظہ کر لئے جائیں۔**وجع اشتدبی**:ابواب ہجرت میں وضاحت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر مکہ میں یہ معاملہ پیش آیا۔**بلغ بی ما تری** :مایہ بلغ کا فاعل بن سکتا ہے مفعول کوحذف مانیں گے۔(۲)بلغ کا مفعول ہوتو فاعل ضمیر ہوگی۔**ذو مال**:صاحب کی بنسبت ذا کی اضافت زیادہ شاندار ہے۔**ابنتی**:شاید اس سے ان کی بیٹی عائشہ مراد ہیں۔جن کا تذکرہ بخاری باب المرضیٰ میں موجود ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے اقرار پر قائم رکھا اگر اس میں غلطی ہوتی تو آپ ﷺ نشاندہی فرماتے۔جب کہ ان کے ساتھی نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے کیا۔آپ ﷺ نے خود گواہی سے انکار فرمایا۔

تخریج : اخرجه البخاری (٥٦٦٨) و مسلم (١٦٢٨)

الفرائد :① بیماری کی تکلیف بیان کرنا درست ہے② خواہ طبیب کو بتائے یا دوستوں کو③ میری تکلیف وہاں تک پہنچی جو آپ کے سامنے ہے۔

٩١٦ :وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ :قَالَتْ عَآئِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا :وَارَاْسَاهُ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ "بَلْ اَنَا وَارَاْسَاهُ" وَذَکَرَ الْحَدِیْثَ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

۹۱۶: قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔''ہائے!میرے سر کا درد''اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ میں کہتا ہوں۔''ہائے!میرے سر کا درد''اور حدیث ذکر کی ہے۔(بخاری)

قاسم بن محمد:یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔قریش کی شاخ بنو تمیم سے ہیں۔یہ مدینہ کے بڑے فقہاء سے تھے۔ایوب کہتے ہیں اس سے بڑا فاضل میں نے نہیں دیکھا۔یہ کبار تابعین سے ہیں۔ان کی وفات ۱۰۶ھ میں ہوئی۔ان سے اصحاب ستہ نے روایت لی ہے۔فقہاء سبعہ یہ ہیں:(۱) عبیداللہ (۲) خارجہ (۳) عروہ (۴) ابوبکر (۵) سعید (۶) سالم (۷) سلیمان۔روایت کے الفاظ ترجمہ کے عین مطابق ہیں۔

تخریج : اخرجه احمد (۱۰/۲۵۹۶۶) والبخاری (۵۶۶۶) وابن ماجه (۱٤٦٥)

الفرائد :① عورت کی فطرت میں غیرت ہے ② تذکرۂ دردشکوہ نہیں ③ کتنے خاموش دِل سے ناراض اور کتنے زبان سے ظاہر کرنے والے دِل سے راضی ہیں۔

۱۵۰ :بَابُ تَلْقِيْنِ الْمُحْتَضَرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

بَاب: فوت ہونے والے کو لَا اِلٰهَ کی تلقین کرنا

المحتضر: قریب المرگ۔ لا الٰه الا اللّٰه: تا کہ اس کا یہ آخری کلام ہو اور وہ اس وعدہ حق سے کامیابی پائے۔ استحباب کے لئے روایات کی تصریح کافی ہے۔

۹۱۷ :عَنْ مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :"مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالْحَاكِمُ وَقَالَ :صَحِيْحُ الْاَسْنَادِ۔

۹۱۷: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا آخری کلام لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (ابوداؤد وحاکم)

یہ صحیح سند کی حامل ہے۔

اَلنَّحْوُ : کان آخر کلامه: یہ خبر مقدم ہے اور لا الٰه یہ اسم مؤخر ہے۔ لفظ لا الٰہ مراد ہے۔ پس کلمہ بن کر اسم بن گیا۔ دخل الجنة: سزا کے بعد اگر عذاب دیا گیا۔ اس میں لا الٰہ کہنے والے کی اسلام پر موت کی گواہی ہے۔ اس میں ممکن ہے کہ ابتداء اور اس کا خلہ ہو اور ابویعلی کی آئندہ روایت اس کی موحد ہے۔ قاضی عیاض نے اسی کو پختہ کہا ہے۔ طبرانی نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی روایت کی ہے کہ من کان آخر کلامه عند الموت لا اله الا اللّٰه وحده لا شریك له هدمت ما کان قبلها من الذنوب و الخطایا: صحابی زادی مذکور نہیں۔

تخریج : اخرجه احمد (۸/۲۲۰۹۵۰) و ابو داود (۳۱۱٦) والحاکم (۱/۱۲۹۹)

الفرائد : جس کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہو اس کی فضیلت ذکر کی گئی ہے کہ وہ جنتی ہے خواہ اس کو کتنی تکلیف پہنچی ہو۔

۹۱۸ :وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :"لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۹۱۸: حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے مرنے والے کو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تلقین کرو۔ (مسلم)

موتاکم: قریب المرگ۔ مجازاً موتا فرمایا گیا۔ (۲) یہ اموات کے حکم میں ہو چکے (تورپشتی) اور اقرء وا علی موتاکم یٰس: کو اسی پر محمول کیا ہے اور دوسرے مفہوم کے مطابق موت کے بعد گھر اور مدفن پر لا الٰہ الا اللہ۔ بعض نے لفظ کو اپنے حقیقی

معنی میں رکھ کر موت کے بعد تلقین کا جواز لکھا ہے۔ حافظ عراقی نے لقنوا موتا کم: کے بارے میں لکھا کہ آیا اس سے قریب المرگ مراد ہے جو کہ مجاز ہے یا حقیقی میت مراد ہے تو تلقین بعد میں ہوگی۔ ابن حبان نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا: "من کان آخر کلامه لا اله الا الله دخل الجنة": یہ روایت پہلے قول کی تائید کرتی ہے۔ شوافع کے ہاں مختار مسلک تلقین میت بعد الموت ہے۔ اس کو سخاوی ابن عربی اور دیگر ائمہ شوافع نے پسند کیا۔ مالکیہ کا رجحان اسی کی طرف معلوم ہوتا ہے مگر احناف اور حنابلہ کے ہاں یہ صریح روایت قرینہ صارفہ ہے جو حقیقت سے مجاز کی طرف پھیرنے والا ہے (اور یہ زیادہ پختہ ہے) واللہ اعلم۔ ابن حبان میں کلامہ عند الموت کے لفظ صراحت وارد ہیں۔

تخریج ۞ مسلم۔

الفوائد: ① قریب المرگ کو خبردار کرنے کے لئے اس کے پاس لا الٰہ الا اللہ کہا جائے گا تا کہ وہ آخر کلام لا الٰہ اللہ والوں میں شامل ہو جائے۔ ② ایک مرتبہ کہنا کافی ہے۔ ③ قریب المرگ کے پاس تلقین اور آنکھیں بلند کرنے کے لئے ٹھہرنا چاہئے تا کہ مسلمان کے حق کی ادائیگی ہو۔

۱۵۱: بَابُ مَا يَقُوْلُهُ عِنْدَ تَغْمِيْضِ الْمَيِّتِ

بَاب: مرنے والے کی آنکھیں بند کرتے وقت کیا کہے؟

۹۱۹: وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى اَبِىْ سَلَمَةَ وَقَدْ شَقَّ بَصَرُهٗ فَاَغْمَضَهٗ ثُمَّ قَالَ: "اِنَّ الرُّوْحَ اِذَا قُبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ" فَضَجَّ نَاسٌ مِّنْ اَهْلِهٖ فَقَالَ: لَا تَدْعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اِلَّا بِخَيْرٍ، فَاِنَّ الْمَلَآئِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى مَا تَقُوْلُوْنَ" ثُمَّ قَالَ: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَبِىْ سَلَمَةَ، وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِى الْمَهْدِيِّيْنَ، وَاخْلُفْهُ فِىْ عَقِبِهٖ فِى الْغَابِرِيْنَ، وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهٗ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ، وَافْسَحْ لَهٗ فِىْ قَبْرِهٖ وَنَوِّرْ لَهٗ فِيْهِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۹۱۹: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو سلمہ کے پاس تشریف لائے۔ جبکہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی انکھوں کو بند کر دیا۔ پھر فرمایا: "جب روح قبض کی جاتی ہے۔ تو نگاہ اس کا پیچھا کرتی ہے۔" پس ان کے گھر والوں میں سے کچھ لوگ زور سے رونے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے نفسوں کے بارے میں خیر کی دعا کرو۔ بے شک فرشتے جو کچھ تم کہتے ہو اس پر آمین کہتے ہیں۔" پھر فرمایا "اے اللہ! ابی سلمہ کو بخش دے اور ہدایت والوں میں اس کا درجہ بلند فرما اور پسماندگان میں اس کے پیچھے خلیفہ بن جا اور اے رب العالمین ہمیں اور ان کو بخش دے اور ان کی قبر کو وسیع فرما اور ان کی قبر میں روشنی فرما۔ (مسلم)

ابو سلمه رضى الله عنه: ان کا نام عبداللہ بن عبدالاسد المخزومی ہے۔ یہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ وقد شق بصره: نظر کا

پتھرا جانا۔ ابن سکیت کہتے ہیں یہ کہنا درست ہے: شق بصر المیت و لا یقال شق المیت بصرہ: کہنا درست نہیں سکر دوسروں نے دونوں کو درست قرار دیا ہے۔ فاغمضہ: تا کہ اس کے منظر کو برا خیال نہ کریں۔ قبض تبعہ البصر: جب روح جسم سے پرواز کرتی ہے تو نگاہ اسے دیکھنے کے لئے کدھر جاتی ہے اس کا پیچھا کرتی ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں اس مقام پر اشکال یہ ہے کہ نگاہ تو اس وقت دیکھتی ہے جب تک روح جسم میں رہتی ہے۔ جب اس سے معطل ہو جاتی ہے تو حس و نگاہ سب معطل ہو جاتے ہیں۔ مجھ اس کا جواب یہ سمجھ آیا کہ جسم کے اکثر حصہ سے روح جب نکل چکتی ہے اور ابھی سر اور آنکھوں میں باقی ہوتی ہے جب منہ سے نکلی اور باقی نہیں نکلتی تو نگاہ نکلنے والی مقدار کو دیکھتی ہے۔ پس اذا قبض کا معنی ''جب قبض ہونا شروع ہوتی ہے'' اور ابھی تک مکمل طور پر نکلی نہیں ہوتی (۲) بہت سے علماء نے ذکر کیا کہ روح کا جسم سے اتصال ہے اور اگر اس سے نکل جاتی ہے تو وہ دیکھتی اور سنتی اور سلام کا جواب دیتی ہے۔ پس یہ روایت اس کی قوی دلیل ہوگی۔ مگر دونوں باتوں میں قسم ہے: (۱) پہلا معنی مجازی ہے اور (۲) دوسرے میں حاسہ بصر کا ادراک خروج روح کے بعد ماننا پڑتا ہے اور کلام بھی اسی سلسلہ میں ہو رہی ہے۔ ابن حجر ہیثمی نے ایک جواب نقل کیا۔ تبعہ البصر: سے مراد یہ ہو کہ قوت باصرہ خروج روح کے بعد ختم ہوتی ہے۔ اس وقت آنکھ جم جاتی ہے اور اس کا منظر بھدا معلوم ہوتا ہے: (۲) خروج روح کے بعد حاسہ بصرہ میں حرارت غزیری کی جھلک باقی ہو جس سے وہ روح کی طرف دیکھتا ہو کہ وہ کہاں اور اس میں کوئی استبعاد نہیں کیونکہ اس وقت کی حرکت حرکت مذبوحی کے مشابہہ ہے اور وہ حرکت کچھ دیر طاری رہے اس کے ساتھ ساتھ کہ اس پر مردوں کے تمام احکام بھی لاگو ہوں (شرح المنہاج) پہلی وجہ زیادہ بہتر ہے تورپشتی نے بھی یہی بات کہی ہے (شرح المصابیح) اور آنکھیں بند کرنے دینے کی ایک اور وجہ ذکر کی کہ اسی وجہ سے اس کی آنکھیں بند کر دی جاتی ہیں کہ روح کے چلے جانے سے ان کے کھلنے کا فائدہ جاتا رہا۔ (۲) جو آدمی قریب المرگ ہو وہ اپنی روح کی طرف پھٹی نظروں سے دیکھتا ہے اس سے اپنی نگاہ نہیں ہٹاتا یہاں تک کہ بقیہ قوت مضحل نہ ہو جائے۔ اس روح انسانی کے جسم سے جدا ہونے کے بعد جس روح سے ادراک و تمیز حاصل ہوتی ہے۔ اس سے وہ روح حیوانی مراد نہیں جس سے حس و حرکت ہوتی ہے اور قدرت باری تعالیٰ کے لئے کوئی بعید نہیں کہ وہ اس وقت اس پردے کو ہٹا دے جس سے وہ اس چیز کو دیکھے جس کو وہ پہلے نہ دیکھ پاتا تھا۔ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں یہ وجہ ظاہر کی گئی ہے۔ مسلم شریف میں وارد ہے: ''الم تروا ان الانسان اذا مات شخص بصرہ قال بلی؟ قال فذلك حین یتبع بصرہ نفسہ''۔ فضج: اس بات کو سن کر ڈر کی وجہ سے ان کے گھر والوں کے منہ زور سے رونے کی آواز اور ساتھ ہی اپنے متعلق بد دعا کے کلمات نکلے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا تدعوا علی انفسکم: اس طرح مت کہو ویلی' الویل وغیرہ بعض نے کہا اس کا مطلب یہ ہے اگر میت کے متعلق وہ باتیں کہو گے جو اس کو پسند نہ تھیں تو اس کا گناہ تم پر لوٹے گا۔ مگر پہلا معنی درست ہے کیونکہ اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: فان الملائکۃ: (جو موجود ہوتے ہیں) یومنون: قبولیت کے لئے آمین کہتے ہیں اور ان کی دعا مقبول ہے۔ کیونکہ وہ قرب کے اعلیٰ مراتب میں ہیں۔ پس وہ بات کہو جس کے مقبول ہونے کو پسند کرتے ہو۔ ثم قال اللھم اغفر: پھر آپ ﷺ نے ان کے لئے یہ دعا فرمائی۔ دعا کی شاندار ترتیب ہے کہ اول مغفرت سے صفائی ہو اور پھر درجات بلند سے مرتبہ مل جائے اور ان لوگوں میں مرتبہ ہو جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام میں سبقت عنایت فرمائی اور سطر الانام کی طرف ہجرت کی ہمت دی۔ فی المھدیین: کاظرف محل حال میں واقع ہے۔ ای ارفع درجتہ حال کونہ منغمرًا

فی عداد المهدیین المشرفین بالاهتداء: یعنی ان ہدایت والوں میں ان کو شمار فرما جن کو تیری طرف سے دی جانے والی ہدایت سے مشرف کیا گیا ہے۔ **واخلفه فی عقبه:** ان کی بقیہ اولاد میں بہتر خلیفہ عنایت فرمایا۔

النحو: یہ ماقبل سے حال بھی بن سکتا ہے۔ **واغفرلنا:** یہ مقام ربوبیت کے سامنے اظہارِ خضوع ہے۔ (۲) علو مرتبہ سے یہ مجاز ہے۔ لازم کو ذکر کر کے ملزوم مراد لیا۔ **یا رب العالمین:** صفات باری تعالیٰ میں سے موقعہ کے مناسب صفت ذکر فرمائی کہ تو عالم کا موجد اور ان کے امور کا مالک و مصلح ہے اور اس سے یہ چیز طلب کی جا سکتی ہے۔ **العالمین:** یہ اسم جمع ہے عالم کی جمع نہیں۔ اس سے انسان، جن، ملک مراد ہیں البتہ عالم ماسوی اللہ سبی کو شامل ہے اور جمع اپنے مفرد سے اخص نہیں ہوئی۔ بعض نے اس کو جمع قرار دیا اور کہا کہ مراد عموم ہے۔ عقلاء کو شرف کی وجہ سے غلبہ دیا گیا ہے۔ **وافسح:** تو وسعت عنایت فرما۔ وسعت عنایت فرما یہ **فسحت له:** جگہ کو وسیع کرنا (المصباح) **نور له فیه:** عظیم نور عنایت فرما۔

تخریج: اخرجه احمد (۴/۱۰۹۹۳) و مسلم (۹۱۶) و ابو داود (۳۱۱۷) والترمذی (۹۷۸) والنسائی (۱۸۲۵) وابن ماجه (۱۴۴۵) وابن حبان (۳۰۰۳) وابن ابی شیبة (۳/۳۳۸) والبیهقی (۳/۳۸۳)

الفرائد: ① موت کے وقت میت کے لئے دعاء مستحب ہے اسی طرح اس کے اہل و عیال کے لئے جو امور دنیا و آخرت سے متعلق ہوں ② موت فناء نہیں بلکہ انتقال ہے۔ ③ محتضر کے پاس بد دعا نہ کرے فرشتے آمین کہہ رہے ہوتے ہیں۔

۱۵۲: بَابُ مَا يُقَالُ عِنْدَ الْمَيِّتِ وَمَا يَقُوْلُهُ مَنْ مَّاتَ لَهُ مَيِّتٌ

باب: میت کے پاس کیا کہا جائے اور میت کے گھر والا کیا کہے؟

ما یقال: میت کے پاس ہر آنے والا کیا کہے اور جن کے ہاں میت ہو جائے وہ کیا کہے۔

۹۲۰: عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "اِذَا حَضَرْتُمُ الْمَرِيْضَ اَوِ الْمَيِّتِ فَقُوْلُوْا خَيْرًا فَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى مَا تَقُوْلُوْنَ قَالَتْ: فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْ سَلَمَةَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اِنَّ اَبَا سَلَمَةَ قَدْ مَاتَ، قَالَ: "قُوْلِيْ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَلَهُ وَاَعْقِبْنِيْ مِنْهُ عُقْبٰى حَسَنَةً" فَقُلْتُ، فَاَعْقَبَنِيَ اللّٰهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ لِّيْ مِنْهُ: مُحَمَّدًا ﷺ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ هٰكَذَا: "اِذَا حَضَرْتُمُ الْمَرِيْضَ اَوِ الْمَيِّتَ" عَلَى الشَّكِّ، وَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَغَيْرُهٗ. "الْمَيِّتَ" بِلَاشَكٍّ۔

۹۲۰: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم بیمار یا میّت کے پاس جاؤ تو اچھی بات کہو کیونکہ فرشتے جو تم کہتے ہو اس پر آمین کہتے ہیں۔ ام سلمہ کہتی ہیں۔ جب ابو سلمہ فوت ہوئے تو میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ابو سلمہ فوت ہو گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یوں دعا کیا کروں: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ کہ اے اللہ مجھے بھی بخش اور اس کو بھی بخش اور مجھے اس سے بہتر بدل

عنایت فرما۔ میں یہ کلمات پڑھتی رہی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے بہتر بدل محمد صلی اللہ علیہ وسلم عنایت فرما دیئے۔ (مسلم)
مسلم نے اس کو اس طرح روایت کیا ہے جب تم مریض یا میّت کے پاس جاؤ۔ شک کے الفاظ کے ساتھ روایت کیا اور ابوداؤد نے شک کے الفاظ کے بغیر روایت کی ہے۔
''اَلْمَیِّتَ'': بلاشک۔

المریض: سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے قریب المرگ مراد ہے۔ او: راوی کو شک ہے کہ المیت کا لفظ فرمایا یا المریض کا۔ لمیت وہ ہے جس کے جسم سے روح جدا ہو جائے۔ فتح الدلہ میں حافظ نے کہا کہ اس سے مراد پہلا ہے۔ اس کی دلیل دوسری روایت میں ہے: لقنوا موتاکم: یہ مجاز ہے۔ فقولوا خیراً: لا الٰہ الا اللہ کہو اور میت کو دعا دو یا اس سے دعا کے لئے کہو جیسا باب العیادت میں گزرا۔ فان الملائکۃ: وہ ملائکہ جو ایمان کے لئے استغفار پر مقرر ہیں وہ ان کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں یا جو تم دعائیں کرتے ہو ان پر دعا کرتے ہیں۔ فلما مات ابو سلمہ: یہ ۴ھ، ۳ھ کی بات ہے۔ باقی ابن عبداللہ کا یہ قول کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ۲ھ میں شادی کی۔ اس کو ابو محمد عبداللہ بن علی نے وہم شفیع قرار دیا اور کہا کہ ابوسلمہ احد میں حاضر ہوئے اور یہ ۳ھ کا واقعہ ہے۔ اسی میں زخمی ہوئے ان کے زخم مندمل ہو کر پھر پھوٹ پڑے جن کی وجہ سے ۴ھ جمادی کے تین دن باقی تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا اس کو استیعاب میں ابن عبدالبر نے ذکر کیا (المفہم للقرطبی)
قدمات: ام سلمہ رضی اللہ عنہا بلا اتصال وانفصال ان کی موت کی اطلاع دی اور اللھم اغفرلی: اس سے معلوم ہوا دعا میں اپنے سے ابتداء کرنی چاہیے۔ واعقبنی: اس کا بدلہ عنایت فرما جو بہتر بدل ہو۔ میں نے آپ کی بات پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے من ھو خیر لی منہ: ان سے بہتر محمد صلی اللہ علیہ وسلم عنایت فرما دیئے۔
فرق روایت: مسلم نے او کے ساتھ نقل کی ہے خواہ دونوں لفظوں میں تعیین کا شک ہو یا میت کا مجازی معنی مراد ہو قریب المرگ پھر او تنویع کے لئے ہے (کذا قال الحافظ)

تخریج: اخرجہ احمد (۱۰/۲۶۶۰۵) و مسلم (۹۲۰) و ابو داود (۳۱۱۸) و ابن ماجہ (۱۴۵۴) والبیھقی (۴/۶۳)

الفرائد: مسلمان تکلیف کے وقت عمدہ عوض کی دعا کرتا ہے۔

۹۲۱ : وَعَنْهَا قَالَتْ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ :"مَا مِنْ عَبْدٍ تُصِيْبُهُ مُصِيْبَةٌ فَيَقُوْلُ : اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ : اَللّٰهُمَّ اَوْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا : اِلَّا اَجَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مُصِيْبَتِهٖ وَاَخْلَفَ لَهٗ خَيْرًا مِّنْهَا قَالَتْ : فَلَمَّا تُوُفِّيَ اَبُوْ سَلَمَةَ قُلْتُ كَمَا اَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاَخْلَفَ اللّٰهُ لِيْ خَيْرًا مِّنْهُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

۹۲۱: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس بندے کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ یوں کہے: اِنَّا لِلّٰهِ..... کہ بے شک ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ میری مصیبت میں مجھے اجر دے اور اس سے بہتر بدل میری مصیبت میں مجھے عنایت فرما۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس کی

مصیبت میں اجر دیتے ہیں اور اس سے بہتر بدل عنایت فرماتے ہیں۔ اُم سلمہ کہتی ہیں جب ابو سلمہ کی وفات ہوئی۔ تو میں نے اسی طرح کہا۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے بہتر بدل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنایت فرمادیئے۔ (مسلم)

ما من عبد تصیبه مصیبة: من زائد جو تاکید کے لئے لایا گیا ہے عبد سے مسلم مراد ہے جیسا مشکات میں صراحت ہے۔ مصیبت میں چھوٹی بڑی سب شامل ہے کیونکہ نفی میں عموم کے لئے مفید ہے۔ **فیقول**: دوسری روایت "ما امر اللّٰہ به": کے الفاظ زائد ہیں۔ اس سے کہنے والے کی مدح کی طرف اشارہ فرمایا۔ **انا**: سے ہماری ذات اور جو ہماری طرف منسوب ہو مراد ہے۔ **ﷲ**: ہم خلق و ملک و تصرف میں اسی کے تابع وہ جیسے چاہے تصرف کرنے والا ہے۔ **الیه راجعون**: مصائب میں ہم پر صبر لازم ہے۔ اس آیت کے حقائق کو سامنے رکھا جائے تا کہ مصیبت کو سہنے میں آسانی ہو۔ فقط زبان سے دہرانے کا فائدہ نہیں۔ اس میں تدبر سے فائدہ میسر ہوگا۔ یہ کمال صبر رضا پر آمادہ کرنے کی کامل دعا ہے۔ **اللھم**: یہ دعا بھی منجملہ ان میں ہے جن پر اگلا اجر میسر ہوگا۔ **اوجرنی**: اس کا معنی مجھے اجر عنایت فرما۔ ابن حجر ہیثمی کہتے ہیں ہمزہ سے بھی اور اس کے بغیر بھی آتا ہے۔ **فی مصیبتی**: یہ فی سببیہ ہے۔ مصیبت انسان پر اترنے والی ہر تکلیف دہ چیز کو کہا جاتا ہے یعنی مجھے تکلیف سے متصل اجر وثواب عنایت فرما۔ **واخلف لی**: اجر یہ ثواب کے معنی میں آتا ہے جیسے کہتے ہیں آجرہ اللہ۔ یہ مد سے بھی آتا ہے۔ **اخلف لی خیرًا منھا**: کیونکہ اس نے قضاء وقدر کے فیصلے کو مان لیا اور جو کچھ اس کی طرف سے آیا اس پر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ صابر کے اجر کو ضائع نہیں فرماتے نیکی والے کو اس سے بہتر ملے گا۔ **فلما توفی**: ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ابوسلمہ سے بہتر کون ہو سکتا ہے۔ یہ سب سے پہلا خاندان ہے جس نے آپ کی طرف ہجرت کی پھر میں نے ارشاد کے مطابق یہ کلمات کہے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عنایت فرمادی۔

النحو: **رسول اللّٰہ**: یہ عطف بیان یا اخلف کے مفعول کا بدل ہے۔

تخریج: اخرجه مسلم (۱۹۱۸)

الفرائد: ① مصیبت کے وقت صبر کے لئے بہترین دعا ہے جو اس دعا کو کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بہترین بدلہ عنایت فرماتے ہیں جیسا ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو زوجیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مل گئی۔

۹۲۲: وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی لِمَلَآئِکَتِهٖ: قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِیْ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ، فَیَقُوْلُ قَبَضْتُمْ ثَمَرَةَ فُؤَادِهٖ؟ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ- فَیَقُوْلُ: فَمَا ذَا قَالَ عَبْدِیْ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: حَمِدَكَ وَاسْتَرْجَعَ، فَیَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی: ابْنُوْا لِعَبْدِیْ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَابْنُوا لِعَبْدِیْ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَسَمُّوْهُ بَیْتَ الْحَمْدِ" رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ: حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

۹۲۲: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی بندے کا بیٹا فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں۔ تم نے میرے بندے کے بیٹے کو قبض کیا۔ تو وہ کہتے ہیں۔ جی

ہاں! پھر اللہ فرماتے ہیں۔تم نے اس کے دل کے پھل کو قبض کیا۔ وہ کہتے ہیں۔ جی ہاں! اللہ فرماتے ہیں میرے بندے نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں تیری تعریف کی اور اِنَّا لِلّٰہِ کہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے کے لئے ایک گھر بنادو' جنت میں' اور اس کا نام ''بیت الحمد'' رکھ دو۔ (ترمذی) حدیث حسن ہے۔

ولد العبد: شرعاً تو مکلّف کو کہا جاتا ہے خواہ آزاد ہو یا غلام اور عموم چھوٹے بڑے سب کو شامل ہے۔ **قبضة:** یہاں ہمزہ استفہام تقریری کا محذوف ہے تاکہ خبر کی اہمیت ہو۔ ولد کا لفظ واؤ لام کے فتحہ او واؤ کے ضمہ اور لام کے سکون سے استعمال ہوتا ہے۔ عبدی میں نسبت تشریفی ہے تاکہ مصیبت پر صبر کرنے کی وجہ سے اس کے دل پر مرہم لگ جائے۔ **فیقول قبضتم:** بندے کے عظیم صبر پر فرشتوں کو خبردار کرنے کے لئے۔ **ثمرة فواده:** لب لباب کیونکہ دل وہ لطیف مرکز ہے جو اللہ تعالیٰ نے قالب انسانی میں رکھا ہے۔ جو ان کمالات وعلوم کا ادراک کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے پیدا کئے اور ان سے مشرف فرمایا۔ لڑکے کی طرف یہ لطیفہ قلب بہت مائل تھا اس وجہ سے اسے ثمرہ اور مقصود قلب کہہ دیا۔ اس جملے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ مصیبت بھی بہت بڑی اور اس پر صبر بھی بہت بڑے اجر کا باعث ہے۔ **فیقولون نعم:** بندے نے مقام صبر سے ترقی کر کے مقام رضا پر فائز ہو کر الحمد للہ کہا ہے اور انا للہ بھی کہا ہے۔ **فیقول اللّٰہ:** یہ فا تفریعیہ ہے۔ اس سے اشارہ کیا کہ یہ ایک طرف اگر مصیبت ہے تو دوسری طرف سے عطیہ ہے جس پر اس نے حمد کی ہے۔ پس حمد کرنے کے بالمقابل اس مکان کا نام بیت الحمد رکھنا مناسب ہے۔

تخریج : اخرجه احمد (۷/۱۹۷٤٦) والترمذی (۱۰۲۳) والطیالسی (۵۰۸) وابن حبان (۲۹٤۹)

الفوائد: اس میں حمد واسترجاع کی فضیلت ذکر کی گئی ہے۔ جنت میں اس کو حمد کا ایک محل ملے گا۔ یہ محل حمد کی وجہ سے ملا ہے۔

۹۲۳ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی مَا لِعَبْدِی الْمُؤْمِنِ عِنْدِیْ جَزَآءٌ اِذَا قَبَضْتُ صَفِیَّهٗ مِنْ اَهْلِ الدُّنْیَا ثُمَّ احْتَسَبَهٗ اِلَّا الْجَنَّةُ'' رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

۹۲۳: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے اس بندے کے لئے میرے ہاں ہی بدلہ ہے۔ جس کی میں دنیا کی سب سے زیادہ پسندیدہ چیز لے لوں۔ پھر وہ اس پر ثواب کی نیت کرلے کہ میں اس کو جنت دوں۔ (بخاری)

عندی: یہ جزاء کا ظرف ہے۔ وہ مبتداء ہے اور اس کی خبر ماقبل مجرور ہے اور عندیت سے شرف مرتبہ مراد ہے نہ مکان۔ **اذا قبضت:** یہ ظرفیہ جملہ ہے (۲) ممکن ہے کہ شرط کا معنی پایا جائے اور جزاء محذوف ہو۔ **الصفی:** خالص محبت والا۔

النَّحْوُ: یہ فعیل بمعنی فاعل یا مفعول ہے۔

من اهل الدنیا: یہ حال ہے جو بیان واقع کے لئے لائے ہیں۔ **ثم احتسبه:** اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب کا امیدوار ہو اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ذخیرہ کرنے والا ہو اور یہ اس کے مزید تسلیم وصبر کی خبر دی گئی ہے۔

الا الجنة: یہ مستثنیٰ ہو تو منصوب ہے اور اگر مبتداء سے بدل ہو تو مرفوع ہے۔

تخریج : اخرجه البخاری (٦٤٢٤)

الفرائد : ① صفی بیٹا بھی ہوسکتا ہے اور دوسرا بھی ② ثواب کو اس بات پر مرتب کیا کہ ثواب کے یقین پر اس کی موت آئی ③ مرنے والا بیٹا جنت کے ہر دروازے پر ملے گا۔

٩٢٤ : وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : اَرْسَلَتْ اِحْدٰى بَنَاتِ النَّبِيِّ ﷺ اِلَيْهِ تَدْعُوْهُ وَتُخْبِرُهُ اَنَّ صَبِيًّا لَّهَا - اَوِ ابْنًا - فِي الْمَوْتِ فَقَالَ لِلرَّسُوْلِ : ارْجِعْ اِلَيْهَا فَاَخْبِرْهَا اَنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى مَا اَخَذَ وَلَهُ مَا اَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِاَجَلٍ مُّسَمًّى ، فَمُرْهَا فَلْتَصْبِرْ وَالْتَحْتَسِبْ" وَذَكَرَ تَمَامَ الْحَدِيْثِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۹۲۴: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کی بیٹیوں میں سے ایک نے پیغام بھیج کر بلوایا اور آپ ؑ کو اطلاع دی کہ ان کا بچہ یا بیٹا فوت کی حالت میں ہے۔ آپ ﷺ نے پیغام لانے والے کو فرمایا: تم اس کے پاس واپس جاؤ اور ان کو یوں کہو: '' اَنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى ......الاسمه کہ بے شک اللہ ہی کے لئے ہے جو اس نے لیا اور اسی کے لئے ہے جو اس نے دیا۔ ہر ایک چیز کا اسی کے ہاں ایک وقت مقررہ ہے' پھر اس کو یہ بھی کہہ دو کہ وہ صبر کرے اور ثواب کی امید رکھے اور پوری روایت ذکر کی۔ (بخاری و مسلم)

احدی بنات: ابن ابی شیبہ کی صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ **صبیا او ابنا**: یہ امامہ بنت ابی العاص تھیں۔ مگر اس پر اشکال یہ ہے صبی کا اطلاق اس پر کیسے۔ راجح بات یہ ہے کہ دونوں بیٹے بیٹی میں سے ایک بیمار تھا۔ بیٹے کا نام علی تھا اور حدیث میں انہی کی طرف اشارہ ہے اور دوسری بیٹی تھی اور مراد نہیں کیونکہ زینب رضی اللہ عنہا کی اولاد یہی دو بچے تھے۔ پھر امامہ سے تفسیر اس کے منافی نہیں کیونکہ امامہ تو زندہ رہیں اور ان سے علی رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا کیونکہ روایت میں **فی الموت**: سے قریب الموت مراد ہے۔ **ان للّٰہ ما اخذ**: یہ دعا اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿انا للّٰہ﴾ سے ماخوذ ہے۔ **کل شیء**: اجل ورزق میں سے ہر چیز جو وہ لے اور باقی رکھے وہ اس کی مرضی پر ہے۔ **عندہ**: علم کے اعتبار سے پاس ہونا مراد ہے۔ یا ملائکہ کے پاس ہونا مراد ہے کیونکہ جو فرشتوں کے پاس ہے بطور شرف اس کو اپنی طرف منسوب فرمایا جیسا اس ارشاد میں: ''**واللّٰہ یدعوا الی دار السلام**'': یعنی اللہ تعالیٰ کے اولیاء جنت کی طرف دعوت دیتے ہیں تو ان کی دعوت کو بطور شرف اپنی دعوت قرار دیا جیسا بیضاوی نے کہا۔ **باجل مسمی**: وقت مقرر ہے جو نہ آگے ہوسکتا ہے نہ پیچھے پس بے جا گھبراہٹ کا کوئی فائدہ نہیں' اسی وجہ سے فرمایا۔ **فلتصبر**: گھبراہٹ کی کسی نوع کا اظہار کئے بغیر اسے اس کی گمشدگی پر ثواب کی امید سے صبر کرنا چاہئے۔ **ولتحتسب**: اس کے گم ہو جانے کا ثواب ذخیرہ بنائے اور اس پر صبر کرے۔ یہ شخص کا اعتبار کر کے تذکیر اور سیاق سے اور سیاق کے لحاظ سے مونث ہے۔ اس میں مصیبت کے وقت صبر کی وصیت کی گئی ہے تاکہ آدمی اس کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھے۔ باب الصبر میں روایت گزری۔

تخریج : فی اول کتاب الصبر کے تحت گزر چکی۔

الفرائد :ایضاً۔

۱۵۳ :بَابُ جَوَازِ الْبُکَآءِ عَلَی الْمَیِّتِ بِغَیْرِ نَدْبٍ وَّلَا نِیَاحَةٍ

باب: میّت پر رونے کا جواز مگر اس میں نوحہ و بین نہ ہو

اَمَّا النِّیَاحَةُ حَرَامٌ وَسَیَاتِیْ فِیْهَا بَابٌ فِیْ کِتَابِ النَّهْیِ ، اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی – وَاَمَّا الْبُکَآءُ فَجَآءَ تْ اَحَادِیْثُ بِالنَّهْیِ عَنْهُ وَاَنَّ الْمَیِّتَ یُعَذَّبُ بِبُکَآءِ اَهْلِهٖ ، وَهِیَ مُتَاَوَّلَةٌ اَوْ مَحْمُوْلَةٌ عَلٰی مَنْ اَوْصٰی بِهٖ ، وَالنَّهْیُ اِنَّمَا هُوَ عَنِ الْبُکَآءِ الَّذِیْ فِیْهِ نَدْبٌ اَوْ نِیَاحَةٌ وَالدَّلِیْلُ عَلٰی جَوَازِ الْبُکَآءِ بِغَیْرِ نَدْبٍ وَّلَا نِیَاحَةٍ اَحَادِیْثُ کَثِیْرَةٌ مِّنْهَا :

امام نووی فرماتے ہیں کہ نوحہ حرام ہے۔ کتاب النہی میں باب آئے گا ان شاءاللہ- رونے کی ممانعت میں احادیث وارد ہیں اور میت کو اس پر رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔ ایسی روایت کی تاویل کی گئی ہے اوران کو میت کی پسندیدگی پر محمول کیا۔ واقعتہً ممانعت اس رونے کے متعلق ہے جس میں بین یا نوحہ ہو اور رونے کا جواز ان دونوں باتوں سے خالی ہونے کی صورت میں ہے۔ اس پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں۔

النیاحة: نوحہ حرام ہے۔ جیسا باب النہی میں آئے گا۔ رونا درست ہے اور گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہے۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ جب اس نے وصیت کی ہو یا وہ زندگی میں اس پر راضی تھا۔ یہ وہ رونا ہے جس میں ندبہ اور نوحہ ہو۔ اس کے علاوہ رونا درست ہے۔ **ندب:** میت کے محاسن کو شمار کرنا۔ **نیاحة:** محاسن میت کے وقت آواز کو بلند کرنا۔ رونے میں بھی زیادہ چیخنا درست نہیں (فتح الدلہ) **ان المیت یعذب:** اس کے متعلق باب النہی میں یہ روایت بھی لائے ہیں: "**المیت یعذب فی قبرہ بما نیح علیه**": اسی طرح نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ پر بے ہوشی طاری ہوئی تو ان کی بہن رو رو کر کہنے لگی: **واجبلاہ واکذا:** جب ان کو افاقہ ہوا تو انہوں نے بہن کو مخاطب کر کے کہا جب تم نے واجبلاہ وغیرہ کہا تو مجھے ہر دفعہ پوچھا گیا تو اس طرح ہے، جب ان کی شہادت ہوئی پھر ان کی بہن ان پر نہ روئی (بخاری) ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا مکہ میں انتقال ہوا۔ ہم بھی گئے وہاں ابن عمرؓ ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عمرو بن عثمان کو کہا تم رونے سے کیوں منع نہیں کرتے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ان المیت لیعذب فی قبرہ ببکاہ اهله:** چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہنے لگے جب عمر رضی اللہ عنہ کو زخم پہنچا تو صہیب رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے **وا اخاہ:** عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کیا تم مجھ پر روتے ہوئے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ان المیت لیعذب ببکاء اهله علیه**": ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں جب عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی تو میں نے یہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ذکر کی تو وہ کہنے لگیں۔ **رحم اللّٰه عمر واللّٰه ما حدث رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان اللّٰه لیعذب المؤمن ببکاہ اهله علیه:** بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ان اللّٰه لیزید الکافر عذابا ببکاء اهله**

علیه: اور پھر کہنے لگیں تمہارے لئے قرآن مجید کافی ہے۔ ﴿ولا تزر وازرة وزر اخری﴾ : یہ بات سن کر ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک بات بھی نہیں کہی (متفق علیہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ان المیت یعذب لا بحدیث: ذکر کیا گیا کہ وہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہتے ہیں تو انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمٰن کی مغفرت کرے اس نے تو جھوٹ نہیں بولا مگر وہ بھول گئے یا ان کو غلطی لگی۔ واقعہ اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک یہودیہ کے پاس سے ہوا جس پر وہ لوگ رو رہے تھے تو آپ نے فرمایا: "انهم ليبكون عليها وانها لتعذب في قبرها": (بخاری، مسلم) اور ایک روایت میں ہے: "انه ليعذب بخطيئته او بذنبه وان اهله ليبكون عليه الان": اس کو گناہوں اور غلطیوں سے عذاب ہو رہا ہے اور اس کے گھر والے اس پر ابھی رو رہے ہیں۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ما من ميت يموت فيقوم باكيهم فيقول واجبلاه واسيداه ونحو ذلك الا وكل الله به ملكين يلهز انه اهكذا انت؟: (ترمذی) لهز: سینے پر دونوں ہاتھوں سے ضرب لگانا۔ ابن جریر نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ عذاب دینے سے مراد وہ رقت ہے جو ان کی بکاء سن کر اس پر طاری ہوتی ہے۔ قاضی عیاض نے اس کو بہتر قول کہا اور دلیل میں یہ روایت پیش کی۔ ان النبي صلى الله عليه وسلم زجر امراة على البكاء على ابنها وقال ان احدكم اذا بكى استعبر له صو يحبه فيا عباد الله لا تعذبوا اخوانكم": یا جس طرح عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "ان الكافر او غيره من اصحاب الذنوب يعذب في حال بكاء اهله عليه بذنبه لا ببكائهم او بانهم كانوا ينوحون على الميت ويندبونه بتعديد شمائله ومدحه في زعمهم": شریعت یہ وہ قبائح ہیں جن کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے جیسا کہا کرتے تھے: يامر مل النسوان ومخرب العمران ميتم الوالدان: وغیرہ جو باتیں بطور فخر اور شجاعت سمجھ کر وہ کہتے تھے۔ یہ سب حرام ہیں۔ او محموله على: اس نے وصیت کی ہو۔ یہ تاویل نووی نے جمہور سے نقل کی یا اس نے وصیت میں سستی کی اس کے سستی کرنے پر اس کو عذاب ہوتا ہے یا بالکل وصیت نہیں کی تو ترک کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے اور اگر کسی نے ترک کی وصیت کی مگر لوگوں نے پھر بھی لوگوں نے ندبہ کیا تو اس کو اس سے عذاب نہ ہوگا کیونکہ اس کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ حاصل کلام یہ ہے ندبہ کے چھوڑنے کی وصیت واجب ہے اور جس نے اس سے سستی کی یا کرنے کی وصیت کی اس کو عذاب ہوگا۔ والنهي: اس بات پر اتفاق ہے کہ جب رونے سے عذاب ہوتا ہے وہ مندرجہ بالا شرائط سے مشروط ہے اور وہ نوحہ ہے مطلقاً آنسو بہانا اس میں داخل نہیں بلکہ اس کا جواز بہت سی روایات سے ثابت ہے۔

۹۲۵ : عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَادَ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ وَمَعَهٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَسَعْدُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ، فَبَكٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ، فَلَمَّا رَاَى الْقَوْمُ بُكَآءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بَكَوْا – فَقَالَ: "اَلَا تَسْمَعُوْنَ؟ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَيْنِ وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ، وَلٰكِنْ يُّعَذِّبُ بِهٰذَا اَوْ يَرْحَمُ" وَاَشَارَ اِلٰى لِسَانِهٖ – مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۹۲۵: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سعد بن عبادہ کی عیادت کی۔ جب کہ آپ ﷺ کے ساتھ عبدالرحمٰن بن عوف' سعد بن ابی وقاص' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم تھے' پس رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے رونے کو دیکھا۔ تو وہ بھی رو دیئے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا اچھی طرح سنو۔ بے شک اللہ آنکھ کے آنسو اور دل کے غم سے عذاب نہیں دیتے لیکن اس کی وجہ سے عذاب دیتے یا رحم کرتے ہیں اور اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔ (بخاری' مسلم)

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ: یہ ہجرت کے ابتدائی زمانے کا واقعہ ہے جیسا کہ عبداللہ بن ابی کا قبیح کلام اس سلسلہ میں موجود ہے۔ **ومعہ عبدالرحمان** : (۱) ممکن ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی ساتھ ہوں کیونکہ ان کی مفارقت تو کم و بیش ہی ہوتی تھی۔ (۲) یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واقعہ عیادت ان کی غیر موجودگی میں پیش آتا۔

اَلنَّحْوُ : یہ جملہ حالیہ ہے۔ **فبکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:** آپ صلی اللہ علیہ وسلم سعد رضی اللہ عنہ کی یہ حالت دیکھ کر آب دیدہ ہو گئے اور یہ رحمت و شفقت کے آنسو تھے۔ **فلما رأی القوم:** جب حاضرین نے آپ ﷺ کا رونا دیکھا تو اقتداء پیروی میں وہ بھی رو دیئے۔ پھر فرمایا: **الا تسمعون ان اللّٰہ لا یعذب:** آنکھ کے رونے یا دل کے غم سے عذاب نہیں دیتے خواہ دونوں ہوں۔ **ولکن یعذب بھذا:** یعنی جب وہ چیزیں اختیار کرے جن کو شرع نے حرام قرار دیا مثلاً ندبہ' نوحہ رونے میں چیخنا' اسی طرح دل سے اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اکتاہٹ کا اظہار کرنا اور اس کی دلیل وہ ہے جو آپ ﷺ کی زبان سے صادر ہو رہا ہے کیونکہ آپ اپنی حالت بیان فرما رہے ہیں۔ بھذا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان کی طرف اشارہ فرمایا۔ یعنی اگر بندے نے زبان سے نافرمانی کے کلمات نہ کہے بلکہ صبر کیا اور انا للہ پڑھی اور اللہ تعالیٰ کی تعریف کی تو اس پر رحم کیا جاتا ہے ورنہ بے صبری و نافرمانی پر عذاب ہوتا ہے۔

تخریج : اخرجه البخاری (١٣٠٤) ومسلم (٩٢٤) وابن حبان (٣١٥٩) والبیهقی (٤/٦٩)

الفرائد : ① مریض کی عیادت مستحب ہے ② فاضل مفضول کی عیادت کر سکتا ہے۔ امام' قاضی عالم رعایا کی عیادت کریں تو شان کم نہیں ہوتی۔ ③ موت سے پہلے اور بعد رونا درست ہے ④ دل کا غمگین ہونا بھی درست ہے ⑤ میت پر نوحہ حرام ہے جس سے اس کو سزا ملتی ہے۔

٩٢٦ : وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رُفِعَ اِلَيْهِ ابْنُ ابْنَتِهٖ وَهُوَ فِي الْمَوْتِ فَفَاضَتْ عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ، فَقَالَ لَهٗ سَعْدٌ : مَا هٰذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ : "هٰذِهٖ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ قُلُوْبِ عِبَادِهٖ وَاِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَآءَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۹۲۶: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ ﷺ کا نواسہ لایا گیا جو موت کے قریب تھا۔ پس رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس پر سعد نے کہا۔ یا رسول اللہ ﷺ یہ کیا معاملہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ رحمت ہے۔ جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے دل میں رکھا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے رحم کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

رفع: یہ معروف ومجہول دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ ابنته: سے مراد زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔ فی الموت: سے مقدمات موت مراد ہیں۔ یہ اس کے خلاف نہیں کہ اس واقعہ کے بعد انہوں نے طویل عرصہ زندگی پائی۔ ففاضت عینا: آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو تیزی سے بہنے لگے۔ فاض یفیض: آنسو بہنا' پانی کا وادی میں بہنا۔ سعد: یہ ابن عبادہ ہیں نہ کہ ابن معاذ' ابن وقاص رضی اللہ عنہما۔ ما هذا: اس سے سبب وحکمت اور کیفیت دریافت کرنا مقصود ہے نہ کہ حقیقت اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا یہ رحمت کے آنسو ہیں۔ جیسا باب الصبر میں گزرا۔ جعل: یہ صبر کے معنی میں ہے۔ جیسا باب الصبر کی روایت میں ہے۔ انما یرحم الله: اس سے رحمت کاملہ مراد ہے۔ حرف لانے کا یہی فائدہ ہے۔ الرحماء: رحیم کی جمع ہے جیسے کرماء اور کریم۔

تخریج : اخرجه احمد (٨/٢١٨٣٨) والبخاری (١٢٨٤) و مسلم (٩٢٣) والطیالسی (٦٣٦) و عبدالرزاق (٦٦٧٠) وابن حبان (٣١٥٨) وابن ابی شیبة (٣/٣٩٢)

الفرائد: ① نوحہ وندبہ کے بغیر میت پر رونا درست ہے ② اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے ساتھ ہے جو مخلوق پر رحمت کرنے والا ہے ③ فضیلت والے لوگوں کو محتضر کے پاس ہونا چاہئے تاکہ ان کی برکت حاصل ہو ④ تعزیت وعیادت کے لئے چل کر جانا درست ہے ⑤ سلام کلام سے مقدم ہے ⑥ بچے اور مفعول کی بھی عیادت کی جائے گی ⑦ ''یارسول'' کے لفظ کو مقدم کیا تاکہ حسن ادب ظاہر ہو۔

٩٢٧ : وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ دَخَلَ عَلَى ابْنِهٖ اِبْرٰهِیْمَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ یَجُوْدُ بِنَفْسِهٖ، فَجَعَلَتْ عَیْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ تَذْرِفَانِ ، فَقَالَ لَهٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ : وَاَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ فَقَالَ :''یَا ابْنَ عَوْفٍ اِنَّهَا رَحْمَةٌ'' ثُمَّ اَتْبَعَهَا بِاُخْرٰی، فَقَالَ :''اِنَّ الْعَیْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ یَحْزَنُ ، وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا یُرْضِیْ رَبَّنَا، وَاِنَّا لِفِرَاقِكَ یَا اِبْرَاهِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ''. رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ ، وَرَوٰی بَعْضَهٗ مُسْلِمٌ - وَالْاَحَادِیْثُ فِی الْبَابِ كَثِیْرَةٌ فِی الصَّحِیْحِ مَشْهُوْرَةٌ ، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

۹۲۷: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بیٹے ابراہیمؑ کے پاس تشریف لائے۔ جب کہ وہ جاں کنی کی حالت میں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (روتے ہیں)۔ آپ صلی اللہ علی وسلم نے فرمایا' اے ابن عوف! یہ رحمت ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری مرتبہ رو پڑے اور فرمایا ''بے شک آنکھ آنسو بہاتی ہے جس سے دل غمگین ہوتا ہے اور ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہو۔ بے شک تیری جدائی پر اے ابراہیمؑ! ہم غم زدہ ہیں۔ (بخاری) اور مسلم نے اس کا بعض حصہ روایت کیا ہے۔

اور اس سلسلے میں بہت سی احادیث صحیح ہیں جو مشہور ہیں۔

علی ابنه ابراهیم رضی الله عنه: عوالی مدینہ میں ابوسیف کے گھر یہ دودھ پیتے تھے۔ یجود بنفسه: جہاد بالمال' مال صرف کرنا۔ ابن حجر کہتے ہیں اس کا معنی جان کو حوالے کر رہے تھے۔ جیسا آدمی مال کی سخاوت کے وقت حوالے کرتا ہے۔ یہ ۱۰ھ کی بات ہے۔ ان کی عمر ۱۸ ماہ تھی۔ ان کی ولادت ۸ھ ذی الحجہ میں ہوئی تھی۔ ان کی وفات ۲۰ ربیع الاول ۱۰ھ میں ہوئی (تہذیب نووی) یہ واقدی کا قول ہے۔ ابن حزم کہتے ہیں آپ ﷺ کی وفات سے تین ماہ قبل وفات پائی۔ اس بات پر تمام کا اتفاق ہے کہ ان کی ولادت ذی الحجہ ۸ھ میں ہوئی۔

النحو : فجعلت عینا رسول الله تذرفان: جب اصل فعل پر جعل وغیرہ آ جائے تو استمرار کا فائدہ دیتا ہے۔ تذرفان: آنسو ٹپکانا۔ وانت یا رسول الله: طیبی کہتے ہیں اس میں تعجب کا معنی ہے اور واؤ عاطفہ کا عطف مقدر پر ہے۔ لوگ صبر نہیں کرتے اور آپ ﷺ انہی کی طرح کر رہے ہیں گویا اس پر تعجب کرتے ہوئے کہا کیونکہ وہ آپ ﷺ کی طرف سے صبر کی تاکید اور جزع سے ممانعت کو بار بار سن چکے تھے۔ یابن عوف: اے ابن عوف یہ حالت جس کا تم نے مشاہدہ کیا۔ یہ جزع کے نہیں بلکہ بیٹے پر رحمت کے آنسو ہیں۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ فقلت یا رسول الله تبکی؟ او لم تنه عن البکاء: اور یہ بھی اضافہ ہے: انما نهیت وصوت عند مصیبة' خمش وجوه وشق جیوب ورنة شیطان۔ انما هذه رحمه ومن لا یرحم لا یرحم۔ ثم اتبعها باخری: اس کا ایک معنی یہ ہے کہ پھر مزید آنسو آنے لگے۔ (۲) دوسرا معنی یہ ہے کہ اس کلمہ کے بعد دوسری بات فرمائی۔

ان العین...... والقلب یحزن: دمامینی کہتے ہیں قلب کو رفع' نصب سے پڑھ سکتے ہیں۔ ابن منیر کہتے ہیں یہ چیز قدرت میں نہیں انسان اپنی حد تک مکلّف ہے۔ اسی وجہ سے فعل کی اضافت جوارح کی طرف کی گئی ہے۔ گویا انہوں نے اس کو روک ڈال دی اور وہ خود فاعل بن گئے۔ اسی لئے فرمایا: ولا نقول الا...... لمحزونون: یہاں مفعول کا صیغہ لائے فاعل نہیں یعنی حزن ہمارے فعل کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسروں کی طرف سے آیا ہے اور ہم دوسروں کے فعل کے ذمہ دار نہیں۔ حدیث انس رضی اللہ عنہ میں ہے یکید بنفسه: اس کا معنی یسوق بنفسه: (فتح الباری)

تخریج : اخرجه احمد (۱۳۰۱۳/۵) والبخاری (۱۳۰۳) ومسلم (۲۳۱۵) وابو داود (۳۱۲۶) وابن حبان (۲۹۰۲) والبیهقی (۶۹/۴)

الفرائد : ① اس سے اپنے بال بچوں پر آپ کی انتہائی شفقت ظاہر ہو رہی ہے کہ آنکھیں پرنم ہوگئیں ② ضبط نفس کے ساتھ بکاء و حزن جائز نہیں۔

۱۵۴ : بَابُ الْکَفِّ عَنْ مِمَّا یَرٰی مِنَ الْمَیِّتِ مِنْ مَّکْرُوْهٍ

بَابٌ : میّت کی ناپسندیدہ چیز دیکھ کر زبان کو اس کے بیان سے روکنا

مکروه: مثلاً رنگ بدلنا' صورت میں بگاڑ البتہ اگر کسی بدعتی میں یہ حالت پیش آئے تو ظاہر کرنا درست ہے تاکہ لوگوں کو اس کی

بدعت سے محفوظ کریں۔ البتہ اگر کسی میت میں چمک' چہرے کی رونق دیکھیں تو اس کا تذکرہ لوگوں میں کریں۔ البتہ اگر کسی بدعتی میں دیکھیں تو لوگوں کے بدعت میں مبتلا ہونے کے خطرے سے اس کا تذکرہ نہ کیا جائے۔

۹۲۸ :عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ اَسْلَمَ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : "مَنْ غَسَّلَ مَیِّتاً فَکَتَمَ عَلَیْهِ غَفَرَهُ اللّٰهُ لَهٗ اَرْبَعِیْنَ مَرَّةً" رَوَاهُ الْحَاکِمُ وَقَالَ.: صَحِیْحٌ عَلٰی شَرْطِ مُسْلِمٍ۔

۹۲۸: حضرت ابورافع اسلم جو رسول اللہ ﷺ کے غلام ہیں وہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی میت کو غسل دیا پھر اس کے کسی عیب کو چھپایا تو اللہ تعالیٰ اس کو چالیس مرتبہ معاف فرمائیں گے۔ حاکم نے اس کو روایت کیا ہے اور کہا مسلم کی شرط پر یہ صحیح ہے۔

ابو رافع اسلم: یہ قبطی ہیں ان کا نام بعض نے ابراہیم بعض سے ثابت بعض نے ابو ہرمز بتلایا ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی سے ہیں۔ احد' خندق اور بعد والے تمام غزوات میں حاضر رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اپنی لونڈی سلمٰی سے کر دیا۔ جن سے یہ عبداللہ بن رافع پیدا ہوئے۔ ابورافع فتح مصر میں موجود تھے۔ انہوں نے مدینہ منورہ میں عثمانؓ سے پہلے اور بعض نے کہا بعد میں وفات پائی۔ ابورافع یہ عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے انہوں نے رسول اللہؐ کو ہبہ کر دیا۔ جب عباسؓ مسلمان ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا (تہذیب نووی) انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ۶۸ روایات نقل کی ہیں۔ ابن جوزیؒ نے برقی سے نقل کیا کہ انہوں نے ۱۱۸ احادیث روایت کی ہیں۔ بخاری نے ایک اور مسلم نے تین نقل کی ہیں۔ فکتم علیه: اس کا مقدر پر عطف ہے۔ و رای منه سوءً فکتم علیه۔ اربعین مرة: اس کو چالیس مرتبہ بخشا جاتا ہے۔ طبرانی نے جامع کبیر میں روایت نقل کی ہے من غسل میتا فستره ستره اللّٰه من الذنوب: (طبرانی) دوسری روایت میں ہے: من غسل میتاً فکتم علیه طهره اللّٰه من ذنوبه فان هو کفنه کساه اللّٰه من السندس: اور ابویعلی اور بیہقی کی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح ہے: من غسل میتا فادی فیه الامانة ولم یفش علیه ما یکون منه عند ذلك خرج من ذنوبه کیوم ولدته امه لیله اقربکم منه ان کان یعلم فان لم یعلم فمن ترون عنده حظا من ورع وامانة": اور جامع کبیر میں بھی ہے اور ابن ماجہ نے علیؓ سے نقل کی ہے۔ من غسل میتا وکفنه وحنطه وحمله وصلی علیه ولم یغش علیه ما رأی منه خرج من خطیئته کیوم ولدته امه"۔

تخریج : اخرجه الحاکم (۱۳۰۷/٤)

الفرائد : جس نے میت کو غسل دیا اور اس کی ستر پوشی کی اللہ تعالیٰ قیامت کو اس سے ستاری کا معاملہ فرمائیں گے۔

۱۵۵ :بَابُ الصَّلَاةِ عَلَی الْمَیِّتِ وَتَشْیِیْعِهٖ وَحُضُوْرِ دَفْنِهٖ وَکَرَاهَةِ اِتِّبَاعِ النِّسَآءِ الْجَنَائِزَ وَقَدْ سَبَقَ فَضْلُ التَّشْیِیْعِ

باب: میّت پر نماز پڑھنا اور اس کے جنازے کے ساتھ چلنا' اس کی فضیلت پہلے گزری اور عورتوں کا جنازہ کے ساتھ جانے کی کراہت جنازہ کے ساتھ چلنے کی فضیلت کا بیان گزر گیا ہے۔

اتباع: یہ تشدید وتخفیف دونوں طرح درست ہے۔ اتبعہ اس وقت کہتے ہیں جب وہ سبقت کرے اور یہ اس کو مل جائے۔ اگر تخفیف پڑھیں تو دوسرے کو ساتھ ملانا (القاموس) عورتوں کا جنائز کے پیچھے جانا۔ کتاب عیادت المریض میں براء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "امرنا بسبع": ان کی گنتی میں "اتباع الجنائز": کا بھی ذکر فرمایا اور حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں مسلمانوں کے حقوق میں من جملہ اتباع جنائز: کا بھی ذکر ہے۔

۹۲۹ :عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :"مَنْ شَهِدَ الْجَنَازَةَ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا فَلَهٗ قِيْرَاطٌ، وَمَنْ شَهِدَهَا حَتّٰى تُدْفَنَ فَلَهٗ قِيْرَاطَانِ" قِيْلَ :وَمَا الْقِيْرَاطَانِ؟ قَالَ : "مِثْلُ الْجَبَلَيْنِ الْعَظِيْمَيْنِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۹۲۹: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو آدمی جنازے پر اس کی نماز پڑھے جانے تک حاضر رہا۔ اس کے لئے ایک قیراط اجر ہے اور جو دفن تک موجود رہا اس کے لئے دو قیراط''۔ آپ سے عرض کیا گیا قیراط کیا ہے؟ آپ صلی اللہ عیہ وسلم نے فرمایا: ''دو بڑے پہاڑوں کے برابر۔'' (بخاری' مسلم)

یصلی: یہ فعل مجہول ہے۔ علیها فله قیراط: اس کا نائب فاعل ہے۔ قیراط: اس کی جمع قراریط اور تصغر قریریط ہے۔ ہیثمی کہتے ہیں۔ یہ قیراط ثواب تب ملے گا جب گھر سے اس کے ساتھ چلے گا۔ ابن حجر کہتے ہیں جو بات مجھے سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ فقط جنازہ پڑھنے والے کو بھی یہ ثواب مل جائے گا کیونکہ نماز سے ماقبل جو کچھ بھی ہے وہ نماز کا ذریعہ ہے۔ لیکن مشایعت کرنے اور نماز پڑھنے والے کا قیراط فقط نماز والے کے قیراط سے بڑھ جائے گا (فتح الباری) اور اگر ایک بار کئی جنازے ادا کئے تو ثواب کئی قیراط ملے گا۔ ومن شهدها حتى تدفن: دفن کے اختتام تک کا وقت مراد ہے۔ امام شافعیؒ کا صحیح قول یہی ہے اور یہ قول ہی درست ہے کیونکہ مسلم کے الفاظ یہ ہیں: "حتى يتفرغ منها": اور آئندہ روایت میں بھی: ويفرغ من دفنها": کے الفاظ ہیں۔ فله قیراطان: ایک نماز کا قیراط جیسا حدیث طبرانی میں ہے: من تبع جنازة حتى يقضى دفنها كتبت له ثلاث قراريط": پہلا نماز سے پہلے گھر سے آنے کا اور دوسرا جنازے اور تیسرا ساتھ چلنے کا ہوگا۔ ابن حجر کہتے ہیں اس سے اس اجر کی مقدار کی طرف اشارہ ہے جو غسل' تجہیز اور تمام متعلقات کو ادا کرنے سے ملے گا۔ جنازہ پڑھنے والے کو ایک قیراط ملے گا اور دفن میں شریک کو ایک قیراط اور قیراط کا تذکرہ سمجھانے کے لئے ہے کیونکہ آدمی قیراط کے مقابلے میں کام کرتا ہے۔ معروف چیز سے وعدہ کیا گیا اور معلوم سے اس کے لئے مثال بیان کی گئی۔ اس کو ابن جوزی سے عن ابن عقیل نقل کیا گیا ہے اور یہ قول بعید از قیاس نہیں۔ طبرانی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت نقل کی کہ: "من اتى جنازه فى اهلها فله قيراط'

فان اتبعها فله قیراط' فان صلی علیها فله قیراط": اور اگر قیراط کی مقداریں مختلف ہوں خاص طور پر عمل میں مشقت اور سہولت کا بھی فرق ہوگا۔ پس اس طرح کہا جائے گا کہ نماز اور دفن کے دو قیراط تو مقرر ہیں کیونکہ یہ دونوں مقصود ہیں۔ بقیہ چیزیں وسائل ہیں مگر یہ بات بخاری کتاب الایمان کی روایت کے خلاف ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں: "ان لمن کان معها حتی یصلی علیها ویفرغ من دفنها قیراطین": اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مذکورہ قیراط اس کے لئے ہے جو دونوں موقعوں پر موجود ہو اور جس کا تذکرہ ابن عقیل نے کیا وہ اس کے متعلق ہے جس نے وہ کام انجام دیئے جن کی میت کے سلسلے میں ضرورت ہے (غسل' کفن وغیرہ) پس دونوں الگ الگ ہو گئے۔ نووی کہتے ہیں دونوں اعمال میں قیراط کے تذکرے سے برابر لازم نہیں آتی کیونکہ شریعت نیکی کی عظمت مقابل کے لحاظ سے ہے۔ قیل ما القیراطان: قیراط کے مبہم ہونے کی وجہ سے ان کی تعیین کے متعلق سوال کیا گیا۔ مسلم میں اس طرح الفاظ ہیں: وما القیراطان یا رسول اللّٰہ" اور دوسری روایت میں "سئل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم عن القیراط" کے الفاظ ہیں۔ بقول ابوعوانہ یہ پوچھنے والے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ قال مثل الجبلین العظیمین: بخاری کی روایت "مثل احد": اور نسائی میں "کل واحد منهما اعظم من احد": اور مسلم کی روایت میں "اصغرها مثل احد": اور واثلہ عن ابن عدی سے اس طرح نقل کیا: "کتب له قیراطان من اجر اخفهما فی میزانه یوم القیامة اثقل من جبل احد": ابن المنیر کہتے ہیں اصل بات ثواب کی عظمت بیان کرنا مقصود ہے۔ اسی لئے اس کی مثال دو عظیم پہاڑوں سے دی ہے۔

تخریج : اخرجه البخاری (۱۳۲۵) و مسلم (۹۴۵) والنسائی (۱۹۹٤) واحمد (۳/۹۲۱۹) وابن حبان (۳۰۷۸) والبیهقی (۴۱۲/۳) والترمذی (۱۰۴۲)

الفوائد: ① نمازِ جنازہ اور دفن میت میں حاضری کی فضیلت ذکر کی گئی ② اعمال کا اندازہ فہم کے قریب کرنے کیلئے ارزاق کی نسبت سے بیان کیا گیا ہے کیونکہ قیراط تین دانے کے برابر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بڑھا کر احد پہاڑ کے برابر کر دیا۔

۹۳۰ : وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ :"مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا وَّكَانَ مَعَهٗ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا وَيُفْرَغَ مِنْ دَفْنِهَا فَاِنَّهٗ يَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِيْرَاطَيْنِ كُلُّ قِيْرَاطٍ مِثْلُ اُحُدٍ ' وَمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ اَنْ تُدْفَنَ فَاِنَّهٗ يَرْجِعُ بِقِيْرَاطٍ رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ۔

۹۳۰: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے راویت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ ایمان اور ثواب کی نیت سے جائے گا اور نماز پڑھنے اور دفن سے فارغ ہونے تک اس کے ساتھ رہے گا۔ اس کو دو قیراط اجر ملے گا۔ ہر قیراط احد کے برابر ہے' اور جس نے نماز پڑھی اور دفن سے پہلے لوٹ آیا۔ تو وہ ایک قیراط لے کر لوٹا۔ (بخاری)

ایمانا: اس وعدے کو سچا قرار دیتے ہوئے جو اس سلسلے میں کیا گیا ہے۔

اللغۃ: کان معه: ہ کی ضمیر مضاف الیہ کی طرف لوٹتی ہے۔ اس وجہ سے مذکر ہے۔ یفرغ من دفنها: قبر پر مٹی کے برابر کئے جانے تک۔ من الاجر بقیراطین: ایک مشایعت اور دوسرا اس پر نماز اور تکمیل دفن تک رکھنے کا۔ مثل احد: طیبی کہتے ہیں۔

یہ کلام کے مقصد کی تفسیر ہے کیونکہ قیراط دو لحاظ سے مبہم ہے۔ پس من الاجر کہہ کر موزون کو بیان کیا اور مقدار کو مثل احد کہہ کر ذکر کیا۔ علامہ ابن المنیر کہتے ہیں اس میں ثواب کو بڑا کر کے ظاہر کرنا مقصود ہے۔ پس اس کی مثال خلقت کے اعتبار سے بڑے اور ایمان والوں کے محبوب پہاڑ سے دی۔ احد کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "احد جبل یحبنا و نحبه" اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مخاطبین کے قریب تر ہے اکثریت اس کو جانتی ہے اور قیراط کا خصوصاً کیونکہ قلیل ترین اوزان میں سے تھا۔ جو اس زمانے میں مستعمل تھے یا عادت کے مطابق تعلیل عمل کو تقلیل اجر کے ساتھ ذکر کیا۔ علیھا: (۱) جنازہ کے لفظ کا لحاظ کر کے ضمیر لوٹائی۔ خواہ میت ہو یا نعش کے لحاظ سے ہو تو پھر تانیث نفس کی تاویل سے ہوگی۔

تخریج : اخرجه احمد (۳/۹۵۵۵) والبخاری (۴۷) وابن حبان (۳۰۸۰) النسائی (۱۹۹۵)

الفرائد : ① میت کے لئے جمع ہونے اور اس کے معاملات انجام دینے کا حکم ہے ② جو موت کے بعد کفن دفن کا انتظام کرے اللہ تعالیٰ اس کو بہت ثواب عنایت فرمائیں گے۔

۹۳۱ : وَعَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: نُهِيْنَا عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَلَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَمَعْنَاهُ" : وَلَمْ يُشَدَّدْ فِي النَّهْيِ كَمَا يُشَدَّدُ فِي الْمُحَرَّمَاتِ۔

۹۳۱: حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہمیں جنازوں کے پیچھے جانے سے روکا گیا لیکن ہم پر اس سلسلے میں سختی نہیں کی گئی۔ (بخاری، مسلم) مراد اس سے یہ ہے کہ یہ ممانعت اس شدت سے نہیں کی گئی جس طرح کہ محرمات سے روکنے میں کی جاتی ہے۔

لم یعزم: کا معنی ممانعت میں محرمات کی طرح سختی نہیں کی گئی۔ نھینا: ہمیں جنازوں کے ساتھ جانے سے روکا گیا اور اس کی وجہ ان کے لئے ستر کا حکم ہے اور اتباع جنائز کا تقاضا ستر کا ظاہر ہونا ہے۔ لم یعزم: تاکید نہیں کی گئی۔ جیسا کہ دیگر ممنوعات میں کیا گیا۔ گویا ام عطیہ اس ممانعت کو غیر محرم قرار دیتی ہیں۔ قرطبی کہتے ہیں جمہور کا قول ممانعت تنزیہی ہے۔ طبری کہتے ہیں لم یعزم کا معنی یہ ہے کہ ہمیں قیراط وغیرہ کے ثواب سے زور سے ترغیب نہیں دی گئی۔

تخریج : اخرجه البخاری (۳۱۳) و مسلم (۹۳۸) وابن ماجه (۱۵۷۷)

الفرائد : عورتوں کا جنائز کے لئے نہ نکلنا افضل ہے کیونکہ ممانعت موجود ہے اور موجودہ زمانے میں مفاسد کی کثرت ہے۔

۱۵۶ : بَابُ اسْتِحْبَابِ تَكْثِيْرِ الْمُصَلِّيْنَ عَلٰى جَنَازَةٍ وَجَعْلِ صُفُوْفِهِمْ ثَلَاثَةً فَاَكْثَرَ

بَابٌ: جنازہ پڑھنے والوں کا زیادہ تعداد میں ہونا مستحب ہے اور ان کی صفوں کا

تین یا تین سے زیادہ ہونے کی پسندیدگی

تکثر المصلین: کیونکہ وہ سفارشی بنیں گے۔ **صفوفھم ثلاثه:** یہ جعل کا دوسرا مفعول ہے وہ اپنے مفعول اول کی طرف مضاف ہے۔ **او:** یہ بل کے معنی میں ہے۔

۹۳۲ : عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَت : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "مَا مِنْ مَيِّتٍ يُّصَلِّيْ عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَبْلُغُوْنَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لَهٗ إِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۹۳۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس مسلمان میت کا مسلمانوں کی اتنی تعداد جو سو تک پہنچ جائے۔ وہ نماز ادا کریں اور اس کے لئے سفارش کریں۔ تو ان کی سفارش قبول کی جاتی ہے۔

مامن: من نفی کی تاکید کے لئے لائے۔ **میت:** مسلم میت مراد ہے۔

اَلنَّحْوُ :**امة من المسلمین:** جملہ فعلیہ ماقبل کی صفت ہے اور ظرف امت کی صفت ہے اور من بیانیہ ہے اور یبلغون یہ جملہ یصلی کے فاعل سے محل حال میں واقع ہے۔ **کلھم یشفعون له:** (۱) کلھم مبتداء اور یشفعون خبر (۲) یبلغون کے فاعل کی تاکید معنوی اور یشفعون اس سے حال ہے یا امت سے حال ہے۔ پس وہ حال متداخلہ یا متدادفہ بنے گا۔ (۳) جملہ مستانفہ بیانیہ ہوگا۔ **الا شفعوا:** یہ مجہول ہے۔ یہ مستثنیٰ مفرغ ہے۔ مطلب یہ ہے جس میت کا بھی مذکورہ حال ہوگا اس کے لئے مسلمانوں کی سفارش ہوگی۔

تخریج : اخرجه احمد (۹/۲٤۰۹۳) و مسلم (۹٤۷) والترمذی (۱۰۳۱) والنسائی (۱۹۹۰) وابن حبان (۳۰۸۱) والطیالسی (۱۵۲٦) وابن ابی شیبة (۳/۳۲۱)

الفرائد : ① اللہ تعالیٰ کا ایمان والوں پر کس قدر احسان ہے کہ سو آدمی جنازہ پڑھنے والے ہوں تو اس کی بخشش کر دی جاتی ہے۔ الحمدللہ۔

۹۳۳ : وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : "مَا مِنْ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ عَلٰى جَنَازَتِهٖ أَرْبَعُوْنَ رَجُلًا لَّا يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا إِلَّا شَفَّعَهُمُ اللّٰهُ فِيْهِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۹۳۳: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جو مسلمان فوت ہو جائے اور اس کے جنازہ پر چالیس آدمی ایسے ہوں جو اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراتے ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت اس کے حق میں قبول فرماتے ہیں۔ (مسلم)

من رجل: رجل کی تخصیص اشرف ہونے کی وجہ سے ہے۔

اَلنَّحْوُ :**یموت:** یہ جملہ رجل کی صفت ہے۔ **اربعون رجلا:** اس پر نماز جنازہ میں استشفاع کریں۔ **لا یشرکون باللّٰه شیئاً:** ذرہ بھر کسی کو بھی معبود بنانے والے نہ ہوں۔ پہلی روایت اور اس روایت میں کوئی مخالفت نہیں۔ پہلے مائۃ کی خبر دی گئی پھر

فضل میں اضافہ فرما کر چالیس کردی گئی۔(۲) عدد خاص کا اعتبار نہیں۔

تخریج : اخرجه احمد (۱/۲۵۰۹) و مسلم (۹٤۸) و ابو داود (۳۱۷۰) وابن ماجه (۱٤۸۹) وابن حبان (۳۰۸۲) والبیهقی (٤/۳۰)

الفرائد : چالیس مؤمن جنازوں میں سفارش کردیں تو اس کی بخشش کردی جاتی ہے۔ یہ مؤمن بندوں پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے۔

۹۳٤ : وَعَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْيَزَنِيِّ قَالَ : كَانَ مَالِكُ بْنُ هُبَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِذَا صَلّٰى عَلَى الْجَنَازَةِ فَتَقَالَّ النَّاسَ عَلَيْهَا جَزَّاَهُمْ عَلَيْهَا ثَلَاثَةَ اَجْزَآءٍ ثُمَّ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "مَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ ثَلَاثَةُ صُفُوْفٍ فَقَدْ اَوْجَبَ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ ، وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ : حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

۹۳۴: حضرت مرثد بن عبداللہ الیزنی کہتے ہیں کہ مالک بن ہبیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی میت پر نماز ادا کرنے لگتے۔ پھر لوگوں کو تھوڑی تعداد میں پاتے تو ان کو تین حصوں میں تقسیم فرماتے۔ پھر کہتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص کے جنازہ میں تین صفیں بن جائیں تو اس نے خود پر جنت کو واجب کرلیا۔(ابوداؤد، ترمذی) حدیث حسن ہے۔

مرثد بن عبداللہ الیزنی: یہ کبار تابعین سے ہیں ابوالخیر مصری ان کا لقب ہے۔ ان کی وفات ۹۰ھ میں ہوئی۔ اصحاب ستہ نے ان سے روایت لی ہے۔(تقریب حافظ) **مالك بن هبيره رضی الله عنه**: ان کا سلسلہ نسب یہ ہے: بن خالد بن مسلم سکونی کندی۔ بقول حافظ یہ حمص و مصر میں ٹھہرے۔ مروان کے زمانہ میں وفات پائی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چار روایات نقل کی ہیں (مختصر التلقیح) بقول برقی ان کی روایتیں دو ہیں۔ **فتقال**: ان کی تعداد کم ہو۔ **علیها**: یہ ظرف ہے اس کا متعلق محذوف ہے ای مصلین۔ **جزاهم ثلاثة اجزاء**: ان کو تین حصوں میں بانٹ دو اور ہر ایک ایک حرف بن جائے گی۔ **صفوف**: یہ قروٗ کی طرح جمع قلت ہے۔ **اوجب**: لسان نبوت سے اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدے میں تخلف نہیں۔

تخریج: اخرجه احمد (٥/١٦٧٢٤) وابو داود (٣١٦٦) والترمذی (١٠٣٠) ابن ماجه (١٤٩٠) والحاکم (١/١٣٤١)

الفرائد :مسلمانوں کی تین صفیں جس پر جنازہ پڑھیں خواہ وہ قلیل ہوں یا کثیر اس کی بخشش کردی جاتی ہے۔

۱۵۷ : بَابُ مَا يُقْرَأُ فِيْ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ

باب: نمازِ جنازہ میں کیا پڑھا جائے؟

يُكَبِّرُ اَرْبَعَ تَكْبِيْرَاتٍ : يَتَعَوَّذُ بَعْدَ الْاُوْلٰى ، ثُمَّ يَقْرَاُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ ، ثُمَّ يُكَبِّرُ الثَّانِيَةَ ، ثُمَّ يُصَلِّيْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَيَقُوْلُ : اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ ۔ وَالْاَفْضَلُ اَنْ يُّتِمَّهٗ بِقَوْلِهٖ : كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ - اِلٰى قَوْلِهٖ - حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ - وَلَا يَقُوْلُ مَا يَفْعَلُهٗ كَثِيْرٌ مِّنَ الْعَوَامِّ مِنْ قِرَآءَتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ الْاٰيَةَ - فَاِنَّهٗ لَا تَصِحُّ صَلٰوتُهٗ اِذَا اقْتَصَرَ عَلَيْهِ ، ثُمَّ يُكَبِّرُ الثَّالِثَةَ وَيَدْعُوْا لِلْمَيِّتِ وَلِلْمُسْلِمِيْنَ بِمَا سَنَذْكُرُهٗ مِنَ الْاَحَادِيْثِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى ، ثُمَّ يُكَبِّرُ الرَّابِعَةَ وَيَدْعُوْا - وَمِنْ اَحْسَنِهٖ ، اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ ، وَلَا تُفْتِنَّا بَعْدَهٗ وَاغْفِرْلَنَا وَلَهٗ وَالْمُخْتَارُ اَنَّهٗ يُطَوِّلُ الدُّعَآءَ فِي الرَّابِعَةِ خِلَافَ مَا يَعْتَادُهٗ اَكْثَرُ النَّاسِ : لِحَدِيْثِ ابْنِ اَبِيْ اَوْفٰى الَّذِيْ سَنَذْكُرُهٗ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى - وَاَمَّا الْاَدْعِيَةُ الْمَاْثُوْرَةُ بَعْدَ التَّكْبِيْرَةِ الثَّالِثَةِ فَمِنْهَا :

جنازہ میں چار تکبیرات کہے۔ پہلی تکبیر کے بعد اعوذ باللہ پڑھے پھر فاتحہ الکتاب پڑھے۔ پھر دوسری تکبیر کہہ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اس طرح پڑھے: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ افضل یہ ہے کہ مکمل حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ تک پڑھے اور اس طرح نہ کہے جس طرح عوام کی اکثریت کرتی یعنی ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ نہ پڑھے۔ اگر اس نے اس آیت پر اکتفاء کیا تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ پھر تیسری تکبیر کہے اور میت کے لئے دعا کرے اور مسلمانوں کے لئے جس کے سلسلہ کی احادیث ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پھر چوتھی تکبیر کہے اور یہ دعا کرے۔ بہتر دعا یہ ہے: اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ ، وَلَا تُفْتِنَّا بَعْدَهٗ وَاغْفِرْلَنَا وَلَهٗ اور بہتر بات یہ ہے کہ چوتھی تکبیر میں لمبی دعا کرے۔ جیسا کہ حدیث ابن ابی اوفی جو باب میں آ رہی ہے' ان شاء اللہ ہم اس کو ذکر کریں گے۔ عام لوگوں کی طرح نہ کرے۔ تیسری تکبیر کے بعد مسنون دعائیں جو منقول ہیں۔ ان میں سے بعض ہم ذکر کر رہے ہیں۔ (دعا تیسری تکبیر کے بعد ہے نہ کہ چوتھی کے بعد جیسا کہ احادیث آ رہی ہیں)۔

یقرأ: یہ مجہول ہے۔ **یکبر:** پھر نمازی کندھوں کے برابر اپنے ہاتھ بلند کرے جیسا تکبیر تحریمہ میں کیا جاتا ہے۔ **اربع تکبیرات:** یہ مفعول مطلق ہے۔ **یتعوذ بعد الاولٰی:** اور تکبیر تحریمہ کے بعد اعوذ باللہ پڑھے۔ **ثم یقرأ:** پھر سبحانک اللہ کے بغیر سورہ فاتحہ پڑھے۔ بہتر یہ ہے کہ یہ تکبیر اولیٰ کے بعد ہو۔ اس سے الگ پڑھنا بھی جائز ہے اور تکبیر دوم کے یا دعا کے ساتھ تیسری تکبیر کے بعد بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ **ثم یکبر الثانیه:** پھر دوسری مرتبہ ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہے۔ **ثم یصلی:** پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے یہ واجب ہے اور مکمل پڑھے جو کہ **انك حمید مجید:** ہے اور عوام کی طرح ﴿**ان اللّٰه و ملائكته**﴾: نہ پڑھے کیونکہ یہ خبر ہے اور صلاۃ واجبہ نہیں ہے اور خود اپنی طرف سے تجویز کردہ ہے۔ **ویکبر الثالثه:** اور میت کے لئے دعا کرے۔ اس میں کم از کم **اللهم اغفرله:** ہے۔ **وللمسلمین:** مسلمانوں کے لئے دعا مستحب ہے کیونکہ ایک مسلمان کی کمی ہوگئی۔ **اللهم لا تحرمنا:** اے اللہ تو اس کا اجر ہم سے نہ روک۔ **اجره:** وہ جو مصیبت پر صبر سے ملنے والا ہے۔ **ولا تفتنا:** تو ہمیں امتحان میں مت ڈال۔ **بعده:** اس کی وفات کے بعد۔ **انه یطول الدعاء:** چوتھی تکبیر میں میت کے لئے طویل دعا کرے نہ کہ مختصر۔ جیسا

عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی روایت ہم ذکر کریں گے۔

۹۳۵ : عَنْ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَوْفِ ابْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰی جَنَازَةٍ فَحَفِظْتُ مِنْ دُعَآئِهٖ وَهُوَ یَقُوْلُ : اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ ، وَاَکْرِمْ نُزُلَهٗ ، وَوَسِّعْ مُدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ ، وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا نَقَّیْتَ الثَّوْبَ الْاَبْیَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَیْرًا مِنْ دَارِهٖ ، وَاَهْلًا خَیْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ ، وَزَوْجًا خَیْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ ، وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ حَتّٰی تَمَنَّیْتُ اَنْ اَکُوْنَ اَنَا ذٰلِكَ الْمَیِّتَ — رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۹۳۵: حضرت ابوعبدالرحمٰن بن عوف ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔رسول اللہ ﷺ نے ایک جنازہ پرنماز پڑھی۔ مجھے آپ کی وہ دعایاد ہے کہ آپ اسی طرح فرمارہے تھے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ ...... وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ " کہ ''اے اللہ! اس کو بخش دے' اس پر رحم فرما' اس کو عذاب سے امن دے' معاف فرما' اس کی اچھی مہمانی فرما' اس کے داخلے کی جگہ وسیع فرما اور اس کو پانی' برف اور اولوں سے صاف کردے۔اس کو غلطیوں سے پاک فرما جس طرح سفید کپڑے کو تو میل کچیل سے صاف کرتا ہے اور اس کے گھر سے بہتر گھر اس کو عنایت فرما اور گھر والوں سے بہتر گھر والے عنایت فرما اور بیوی سے بہتر بیوی عنایت فرمایا اور اس کو جنت میں داخل فرما اور عذاب قبر سے پناہ میں رکھ اور آگ کے عذاب سے بچا۔'' میں نے یہ تمنا کی کہ میں ہی وہ میت ہوتا۔ (مسلم)

عوف بن مالك: ان کی کنیت ابوعبدالرحمان بعض نے ابوعمرو بعض نے ابوعبداللہ بعض نے ابومحمد بعض نے ابوحماد نقل کی ہے۔ ان کے حالات باب القناعت میں گزرے۔**صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم علی جنازة**: سے شاید آپ ﷺ نے جہراً دعا پڑھی۔اسی وجہ سے انہوں نے یاد کر لی۔**اللهم اغفرله**: مفعول کو تعمیم کے لئے حذف کیا گیا۔**وارحمه**: اپنے سے جس خاص فیض سے اس کو ملے گا اس پر رحم فرما۔**وعافه**: اس کو قبر کی وحشت وظلمت' عذاب اور فتنے سے محفوظ فرما۔**واعف عنه**: اور جو اس سے تقصیر ہوئی اس کو معاف فرما۔عفو گناہ کے مٹانے اور عافیہ بیماریوں اور مصائب سے بچنے کو کہتے ہیں۔**نزله**: مہمان کو پیش کیا جانے والا کھانا یعنی جنت میں اس کا حصہ عمدہ عنایت فرما۔اصل تو مہمان کی مہمانی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور یہاں اجر و ثواب اور مغفرت کے ساتھ اکرام کی دعا ہے۔**مدخله**: اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں بھی اسی طرح پڑھا گیا ہے: ﴿**مدخلا كريما**﴾: ابن الجزری کہتے ہیں اس سے قبر مراد ہے جہاں اسے داخل کیا جائے گا۔عموماً مفتوح پڑھتے ہیں۔ صاحب صحاح کہتے ہیں المدخل داخل ہونا اور داخل ہونے کی جگہ پر بولتے ہیں۔جیسے کہو **دخلت مدخلا وادخلته مدخل صدق**: (الصحاح للجوہری) داخلے کی جگہ (الحرز) **واغسله**: اس کے گناہ دھو کر اس کو گناہوں سے پاک کردے۔**بالماء**: اس سے اصل مقصد رحمت و مغفرت میں تعمیم ہے جو کہ معصیت وغفلت کی اصناف کے مقابل ہو۔**نقه**: اس کو پاک کردے۔**من الخطایا**: یعنی غلطیوں کے اثرات سے۔یہ خطیئة کی جمع ہے اس کا ورفعائل ہے۔**الدنس**: میل کچیل۔ابن جزری کہتے ہیں کہ اصل مقصود تطہیر میں مبالغہ ہے۔**وابدله**: عوض عنایت فرمایا۔ **داراً**: قصور جنت یا وسعت قبور۔**من داره**: سے دنیا کا فانی

گھر۔ و اھلاً: اولاد و خدام۔ خیراً من اھله: تاکہ وہ ان سے مانوس ہو اور وحشت دور ہو۔ زوجاً: جنت میں دنیا والی بیوی یا حور عین۔ خیراً من زوجه: جو دنیا میں تھی اگر میت عورت ہو۔ دنیا کا خاوند جو حقیقت و حکم کے لحاظ سے اس سے بہتر ہو۔ ادخله الجنة: ابتدائی طور پر کامیاب ہو کر نجات پانے والے۔ واعذه: اس کو چھٹکارا عنایت فرما۔ یہ اعاذہ سے ہے۔ عذاب القبر: عالم برزخ میں فتنہ قبر سے پیدا ہوتا ہے۔ من النار: بعث کے بعد ابتداً اس سے بچا کر (۲) خلود نار سے بچا کر۔ حتی تمنیت: عوف بن مالک کہتے ہیں کاش میں ان مقبول و مستجاب دعاؤں کو پانے والا ہوتا۔

تخریج: اخرجه احمد (۹/۲٤۰۳۰) و مسلم (۹٦۳) والترمذی (۱۰۲٥) والنسائی (٦۲) وابن ماجه (۱٥۰۰) وابن حبان (۳۰۷٥) وابن الجارود (٥۳۸) والطیالسی (۹۹۹) والطبرانی (۷۸/۱۸) والبیهقی (٤۰/٤) والنسائی (٦/۱۰۹۲٦)

الفوائد: ① میت کے لئے مخلصانہ دعا ہو خیر کے تمام معانی کو شامل ہو۔ میت کے حوال کی درستی والی ہو ② امت کے لئے زندگی و موت دونوں حالتوں میں آپ کی شفقت ہے ③ مسنون دعائیں اولیٰ ہیں۔

۹۳٦ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَاَبِیْ قَتَادَةَ وَاَبِیْ اِبْرَاهِیْمَ الْاَشْهَلِیِّ عَنْ اَبِیْهِ - وَاَبُوْهُ صَحَابِیٌّ - رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ صَلّٰی عَلٰی جَنَازَةٍ فَقَالَ: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا، وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا، وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا، وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا، اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَهٗ مِنَّا فَاَحْیِهٖ عَلَی الْاِسْلَامِ، وَمَنْ تَوَفَّیْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَی الْاِیْمَانِ، اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ، وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ مِنْ رِّوَایَةِ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَالْاَشْهَلِیِّ، وَرَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ مِنْ رِّوَایَةِ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَاَبِیْ قَتَادَةَ - قَالَ الْحَاکِمُ: حَدِیْثُ اَبِیْ هُرَیْرَةَ صَحِیْحٌ عَلٰی شَرْطِ الْبُخَارِیِّ وَمُسْلِمٍ، قَالَ التِّرْمِذِیُّ: قَالَ الْبُخَارِیُّ: اَصَحُّ رِوَایَاتِ هٰذَا الْحَدِیْثِ رِوَایَةُ الْاَشْهَلِیِّ - قَالَ الْبُخَارِیُّ: وَاَصَحُّ شَیْءٍ فِیْ هٰذَا الْبَابِ حَدِیْثُ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ۔

۹۳٦: حضرت ابو ہریرہ اور ابو قتادہ اور ابو ابراہیم الاشہلی نے اپنے والد سے بیان کیا اور ان کے والد صحابی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک جنازے پر نماز پڑھی اور یوں دعا کی: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا، وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا، وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا، وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا، اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَهٗ مِنَّا فَاَحْیِهٖ عَلَی الْاِسْلَامِ، وَمَنْ تَوَفَّیْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَی الْاِیْمَانِ، اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ، وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ۔ ''اے اللہ ہمارے زندہ اور مردہ کو بخش دے چھوٹے اور بڑے مرد و عورت موجود اور غائب سب کو بخش دے اے اللہ جس کو تو ہم میں سے زندہ رکھ اس کو اسلام پر زندہ رکھ اور جس کو تو ہم میں سے وفات دے۔ اس کو ایمان پر فوت فرما اے اللہ ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ فرما اور اس کے بعد آزمائش میں نہ ڈال۔ ترمذی نے ابو ہریرہ اور الاشہلی کی روایت سے اور ابو داؤد نے ابو ہریرہ اور ابو قتادہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ حاکم نے کہا کہ ابو ہریرہ والی روایت بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ ترمذی نے کہا کہ امام بخاری

نے کہا کہ اس حدیث کی صحیح روایت الاشہلی والی ہے اور کہا کہ اس باب میں سب سے زیادہ صحیح حدیث عوف بن مالک کی ہے۔

رضی اللّٰہ عنه۔ ابو قتادہ: ان کا نام ربعی بن النعمان ہے۔ **ابو ابراھیم الاشھلی:** یہ کبار تابعین سے ہیں (تقریب حافظ) بعض نے کہا یہ عبداللہ بن ابی قتادہ ہیں مگر یہ درست نہیں ہے۔ ترمذی نے اس کو غلط قرار دیا ہے۔ ابوابراہیم یہ بنی عبدالاشہل سے ہیں اور ابوقتادہ بنوسلمہ سے ہیں یہ اشہلی یہ عبدالاشہل کی طرف نسبت ہے جو انصار کا ایک خاندان ہے۔ ابراہیم کے والد کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ صحابی کے نام سے ناواقفیت مضر نہیں وہ سب کے سب عدول ہیں۔ **اللھم اغفر لحینا:** ہمارے تمام زندوں اور تمام مسلمان مردوں کو بخش دے۔ **شاھدنا:** موجودین کو بخش دے۔

تورپشتی کا قول: چھوٹے بچوں کے استغفار کا مطلب طحاوی نے ذکر کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باری تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ ان کے اس گناہ کو بخش دے جسے وہ بڑے ہونے کے بعد کریں گے۔ پس قول کے مطابق **صغیرنا:** عام نہیں بلکہ اس سے وہ مراد ہیں جو بڑے ہوں گے۔ بعض نے کہا صغار سے جوان اور کبار سے بوڑھے لئے جائیں گے۔ یہ بات واضح ہے۔

برک کا قول یہ ہے: ترکیب کے مفردات کو دیکھ کر اور قرائن اربعہ کو دیکھ کر حدیث سے شمول واستیعاب معلوم ہوتا ہے پس تخصیص نہ کی جائے گی۔ گویا مطلب یہ ہوا 'اے اللہ تو تمام مسلمانوں کو بخش دے۔ یہ رموز ہیں جن پر جمع دلالت کرتی ہے **من احییه منا**'' الحرز میں بھی عموم کو بے غبار کہا گیا۔ **علی الاسلام:** ترمذی میں ایمان کے لفظ ہیں۔ **من توفیته:** سے مراد قبض روح ہے۔ پہلے اسلام اور پھر وفات کے ساتھ ایمان کا تذکرہ زیادہ اوفق روایت ہے۔ **اجرہ:** اس میں جو مصیبت پہنچی اس کا اجر۔ **ولا تفتنا:** دوسری روایت میں **تضلنا:** ہے۔ **بعدہ** سے موت کے بعد مراد ہے۔

تخریج : اخرجه احمد (۳/۸۸۱۷) وابو داود (۳۲۰۱) والترمذی (۱۰۲۶) وابن ماجه (۱۴۹۸) وابن حبان (۳۰۷۰) والحاکم (۱/۱۳۲۶) والنسائی (۶/۱۰۹۱۸)

الفرائد :یہ دعا تمام مسلمانوں کو شامل ہے خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے' مذکر ہوں یا مؤنث' حاضر ہوں یا غائب۔

۹۳۷ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: ''اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلَی الْمَیِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَآءَ'' رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ۔

۹۳۷: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا: ''جب تم میّت پر نمازِ جنازہ پڑھو تو اس کے لئے اخلاص سے دعا کرو۔'' (ابوداؤد)

فاخلصوا له الدعا: اخلاص فی الدعاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور کم سے کم درجہ اس کی بارگاہ میں مغفرت طلب کی۔ اگرچہ بچہ ہو اس کے لئے دعا کرے۔ (علقمی)

تخریج : اخرجه ابو داود (۳۱۹۹) وابن ماجه (۱۴۹۷) وابن حبان (۳۰۷۶) والبیهقی (۴/۴۰)

الفرائد :میت کے لئے مخلصانہ دعا کا حکم ہے اور رحمت وثواب کی دعا کرے۔

۹۳۸ : وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى الْجَنَازَةِ "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّهَا ، وَاَنْتَ خَلَقْتَهَا ، وَاَنْتَ هَدَيْتَهَا لِلْاِسْلَامِ ، وَاَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَهَا ، وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِسِرِّهَا وَعَلَانِيَتِهَا ، وَقَدْ جِئْنَاكَ شُفَعَآءَ لَهٗ فَاغْفِرْ لَهٗ" رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ ۔

۹۳۸: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جنازہ کی نماز میں یہ دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّهَا ...... فَاغْفِرْ لَهٗ ''اے اللہ تو سب کا رب ہے تو نے اس کو پیدا فرمایا' تو نے اسے اسلام میں ہدایت دی' تو نے ہی اس کی روح قبض کی' تو ہی اس کی پوشیدہ اور ظاہر حالت کو جانتا ہے' ہم اس کے سفارشی بن کے آئے ہیں۔ پس تو اس کو بخش دے۔ (ابوداؤد)

علی الجنازہ سے مراد نماز جنازہ ادا کرتے وقت۔ اللھم انت ربھا: اے اللہ تو اس کا مربی ہے کہ تم عدم سے وجود اور پھر وجود غذا کی نعمتوں سے عنایت کیا۔ خلقتھا: مضاف' مضاف الیہ کے شرف سے مشرف ہوگا۔ ھدیتھا الی الاسلام: اسلام تک پہنچا دیا اگر تیرا ارادہ شامل حال نہ ہوتا تو راہ نہ پا سکتا تھا۔ قبضت روحھا : ملائکہ موکلین کے ذریعہ اس کو جسم سے نکالا اور پھر فرشتے نے تیری بارگاہ میں پیش کر دیا۔ انت اعلم بسرھا: جو وہ اعتقاد و نیت دل سے چھپائے ہوئے تھا۔ علانیتھا: جو وہ ظاہر کرتا تھا یہ جملہ ماقبل پر معطوف ہے۔ یہ ہدیت کے فاعل سے حال بھی بن سکتا ہے مطلب یہ ہوگا ہم نے اس کی ہدایت کا حکم اسی کے مطابق لگایا جو وہ ہمارے سامنے ظاہر کرتا تھا۔ اس کے اندرون کا معاملہ تیرے حوالے ہے۔ جئنا شفعاء: ہم سفارشی بن کر حاضر ہوئے ہیں۔ فاغفر لہ: آپ اس کے تمام گناہوں کو معاف فرما دیں۔

تخریج : اخرجه ابو داود (۳۲۰۰) والنسائی (۱۰۹۱۵/۶)

الفرائد :اس میں جنازہ اور نوع کی دعا ہے۔

۹۳۹ : وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ : "اَللّٰهُمَّ اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِيْ ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ فَقِهٖ فِتْنَةَ الْقَبْرِ ، وَعَذَابِ النَّارِ ، وَاَنْتَ اَهْلُ الْوَفَآءِ وَالْحَمْدِ ، اَللّٰهُمَّ فَاغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ" رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ ۔

۹۳۹: حضرت واثلة بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ میں نے آپ کو یہ کہتے سنا: اَللّٰهُمَّ اِنَّ .... الرَّحِيْمُ ''اے اللہ! فلاں ابن فلاں تیری ذمہ داری میں ہے اور تیرے پڑوس کی پناہ میں ہے۔ پس اس کی قبر کو آزمائش اور آگ کے عذاب سے بچا لے۔ آپ وعدے کو پورا کرنے والے اور تعریفوں والے ہیں۔ اے اللہ! اس کو بخش دے اور رحم فرما۔ بے شک آپ بخشنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔ (ابوداؤد)

واثلة بن اسقع رضی اللہ عنہ: ان کے حالات باب الرؤیا میں گزرے۔ فلان بن فلان: یہ اس آدمی کے نام سے کنایہ

ہے۔ فی ذمتك: تیرے اس عہد میں شامل ہے جس کا اس ارشاد میں ذکر ہے: ﴿واوفوا بعهدی اوف بعهدكم﴾ حوارك: تیری امان کے کڑے میں ہے جیسا فرمایا: ﴿واعتصموا بحبل الله﴾ :بقول طیبی حبل سے عہد وامان اور ذمہ داری مراد ہے یعنی وہ تیری حفاظت کے خیمے اور طاعت کے عہد میں ہے۔ ابن الجزری کہتے ہیں وہ تیری ذمہ داری میں ہے تجھ سے بخشش کا طالب ہے۔ عربوں کی عادت تھی کہ جب وہ سفر کا ارادہ کرتے تو ہر قبیلے کے سردار سے عہد کرتے اور جب تک اس کی حدود میں رہتے اسی کے ذریعہ امن حاصل کرتے یہاں تک کہ دوسرے کے پاس پہنچتے تو اس کی پناہ میں آتے۔ یہ حبل الجوار ہے یعنی جب تک اس کی سرزمین کے پڑوس میں مقیم رہا اور یہ اجارہ سے ماخوذ ہوسکتا ہے۔ اس وقت اس کا معنی امان ونصرت ہوگا۔ فقه: اس کی حفاظت فرما۔ من فتنة القبر: یعنی قبر کے امتحان یا عذاب قبر سے۔ وعذابه: یہ عطف ردیف یا عطف المسبب علی السبب سے ہے۔ یعنی فتنہ قبر جو عذاب کا سبب ہے۔ وانت اهل الوفاء: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اوف بعهدكم﴾: تو آپ کو آپ ہی کا عہد یاد دلاتا ہوں۔ والحمد: آپ ہی حمد وثناء اور تزکیہ اور شکر کے حقدار ہیں اور اس کو بدلہ عنایت کرنے والے ہیں جو ایمان پر ثابت قدم رہے اور قرآن کے حق کو پورا کرنے والا ہو۔

اَلنَّحْوُ: یہ جملہ قہ کے فاعل سے حال ہے۔ یا مستانفہ ہے۔ اللهم فاغفرله: فا سببیہ اس لئے لائے کہ جو ذات قابل تعریف اور وفا والا ہے۔ اسی ہی سے مغفرت اور گناہوں کے مٹانے کا سوال کیا جا رہا ہے۔ وارحمه: اس کے درجات کو بلند کرکے رحم فرما۔ انك انت: اس سے پہلے لام تعلیلیہ مقدار ہے یہ ماقبل کے لئے بمنزلہ دلیل ہے کہ سوال مغفرت اس لئے ہے کیونکہ آپ مغفرت ورحمت والے ہیں دونوں صفات کا تذکرہ اس کی رحمتوں کی وسعت اور مغفرت وعظمت کے شمول کی وجہ سے کیا۔

تخریج: اخرجه احمد (۱۶۰۱۸/۵) وابو داود (۳۲۰۲) وابن ماجه (۱۴۹۹) وابن حبان (۳۰۷۴)

الفرائد: میت کے لئے خالص دعا ہو۔ دوسروں کے لئے بالکل نہ ہو۔

۹۴۰ : وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهٗ کَبَّرَ عَلٰی جَنَازَةِ ابْنَةٍ لَّهٗ اَرْبَعَ تَکْبِیْرَاتٍ فَقَامَ بَعْدَ الرَّابِعَةِ کَقَدْرِ مَا بَیْنَ التَّکْبِیْرَتَیْنِ یَسْتَغْفِرُلَهَا وَیَدْعُوْا ثُمَّ قَالَ : کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَصْنَعُ هٰکَذَا ، وَفِیْ رِوَایَةٍ : "کَبَّرَ اَرْبَعًا فَمَکَثَ سَاعَةً حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَیُکَبِّرُ خَمْسًا ثُمَّ سَلَّمَ عَنْ یَّمِیْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ – فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْنَا لَهٗ :مَا هٰذَا؟ فَقَالَ :اِنِّیْ لَا اَزِیْدُکُمْ عَلٰی مَا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ یَصْنَعُ ، اَوْ هٰکَذَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ – رَوَاهُ الْحَاکِمُ وَقَالَ :حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ۔

۹۴۰: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیٹی کے جنازے پر چار تکبیریں کہیں، چوتھی تکبیر کے بعد اتنی دیر رُکی کہ جتنا دو تکبیروں کے درمیان رکتے ہیں اور بیٹی کے لئے استغفار اور دعا کرتے رہے، پھر نماز کے بعد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کیا کرتے تھے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں

نے چار تکبیریں کہیں پھر تھوڑی دیر کے لئے رکے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ وہ پانچویں تکبیر کہیں گے۔ پھر انہوں نے اپنی دائیں اور بائیں سلام کیا۔ پھر جب واپس لوٹے' ہم نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا میں تمہارے سامنے اس میں اضافہ نہیں کرتا جو میں نے رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا' یا اس طرح کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کیا۔ حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

عبداللہ بن ابی اوفی: رضی اللہ عنہ ان کا نام علقمہ بن خالد بن حارث اسلمی رضی اللہ عنہ ہے۔

اَللُّغَۃ: **ابنة له**: یہ عبداللہ سے بدل الاشتمال ہے۔

اربع تکبیرات: یہ کبر کا مفعول مطلق ہے۔ **مابین التکبیرتین**: چوتھی تکبیر کے بعد اتنی دیر ٹھہرے' جتنی دیر ثالثہ وار بعہ کے درمیان ٹھہرے۔ **یستغفرلها ویدعوا** :اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے مغفرت کا سوال کرتے رہے اور مراتب جنت پانے کی دعا کرتے رہے۔ **یصنع هکذا**: جیسا میں چوتھی تکبیر کے بعد وقفہ کیا۔ دوسری روایت میں ہے۔ **ساعة**: کچھ دیر رکے جس سے ہم نے گمان کیا کہ وہ پانچویں تکبیر کہیں گے۔ **ثم سلم**: پھر انہوں نے نماز سے پھرنے کی طرح دائیں بائیں سلام پھیرا۔ **قلنا له ما هذا**: میں اس سے اضافہ نہیں کرتا جس طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا۔

تخریج : اخرجه احمد (۷/۱۹۴۳۴) وابن ماجه (۱۵۰۳) حاکم' رافعی نے احمد کی طرف نسبت کی ہے۔

الفرائد :سلام سے قبل طویل دعا میت کے حق میں کی جائے۔

۱۵۸ :بَابُ الْاِسْرَاعِ بِالْجَنَازَةِ

باب: جنازہ کو جلد لے جانا

الاسراع:امام شافعی فرماتے ہیں عام چلنے میں جو چال اختیار کی جاتی ہے اس سے کچھ تیز چلیں گے (بیہقی) ابن منذر اور ابن بطال نے نقل کیا کہ عادت والی چال چلیں گے۔ عراقی کہتے ہیں پہلا قول زیادہ درست ہے۔ رافعی ونووی کہتے ہیں تیز چلنے کا مطلب عام چال سے زیادہ مگر دوڑ سے کم ہو۔ اس طرح چلیں کہ میت کو حرکت نہ آئے۔ کذا فی الہدایہ۔

۹۴۱ : عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ : "اَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَةِ فَاِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَیْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا اِلَیْهِ ' وَاِنْ تَكُ سِوٰی ذٰلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهٗ عَنْ رِقَابِكُمْ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ ' وَفِیْ رِوَایَةٍ لِّمُسْلِمٍ : "فَخَیْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا عَلَیْهِ".

۹۴۱: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جنازہ میں جلدی کرو' اس لئے کہ اگر وہ نیک ہوگا تو ایک نیکی ہے جس کی طرف تم اس کو بڑھا رہے ہو اور اگر وہ اس کے علاوہ ہے تو ایک برائی ہے جس کو تم اپنی گردنوں سے اتار لوگے۔ (بخاری ومسلم)

اسرعوا: قبر کی طرف اس طرح جلدی لے جائیں کہ جس میں گرنے کا خطرہ نہ ہو اور نہ میت کے پھٹنے کا خطرہ ہو۔

اَللُّغَۃُ : **فخير تقدمونها اليه**: خیر یہ مبتداء محذوف ھو کی خبر ہے اور خیر کو خیر مطلوب کی طرف جلد پہنچانا چاہئے۔ **وان تك**: اور اگر وہ جنازہ اس کے علاوہ ہے۔ **ذلك**: یہ مذکر اشارہ میت کے لحاظ سے لایا گیا۔ فشر کی ترکیب ایسے **فهو شهرٌ**۔ مسلم کی روایت میں **فخير تقدمونها عليه**: اس کو تم خیر کی طرف لے جانے والے ہوتا کہ وہ اپنے لئے تیار کی جانے والی نعمتیں پا لے اور مؤخر کرنے سے وہ فوت نہ ہو جائے۔

تخریج : اخرجه مالك (٥٧٤) والبخارى (١٣١٥) و مسلم (٩٤٤) والترمذى (١٠١٥) وابو داود (٣١٨١) والنسائى (١٩٠٨) وابن ماجه (١٢٧٧) والحميدى (١٠٢٢) وابن الجارود (٥٢٧) وابن حبان (٣٠٤٢) والبيهقى (٤/٢١)

الفرائد : ① میت کو جلد دفن کرنا مستحب ہے ② وہ جس چیز کا منتظر اور حقدار ہے اسے پا لے ③ اس میں اشارہ کر دیا کہ اہل معاصی سے بچا جائے۔

❁ ❁ ❁

٩٤٢ : وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَقُوْلُ : "اِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَۃُ فَاحْتَمَلَھَا الرِّجَالُ عَلٰی اَعْنَاقِھِمْ فَاِنْ کَانَتْ صَالِحَۃً قَالَتْ قَدِّمُوْنِیْ ، وَاِنْ کَانَتْ غَیْرَ صَالِحَۃٍ قَالَتْ لِاَھْلِھَا : یَا وَیْلَھَا اَیْنَ تَذْھَبُوْنَ بِھَا؟ یَسْمَعُ صَوْتَھَا کُلُّ شَیْءٍ اِلَّا الْاِنْسَانُ ، وَلَوْ سَمِعَ الْاِنْسَانُ لَصَعِقَ" رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ۔

۹۴۲: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: "جب چارپائی رکھ دی جائے اور لوگ اس کو اپنی گردنوں پر اٹھا لیں" اگر وہ میت نیک ہے تو یوں کہتی ہے: مجھے آگے بڑھاؤ اور اگر وہ بری ہے تو کہتی ہے: ہائے افسوس! تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔ اس کی آواز کو انسان کے سوا ہر چیز سنتی ہے۔ اگر انسان سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں۔ (بخاری)

وضعت: یہ فعل مجہول ہے۔ **الجنازة**: اس کا نائب فاعل ہے۔ جیم کے فتحہ سے میت اور کسرہ جیم سے چارپائی یا اس کا عکس۔ (۲) کسرہ سے چارپائی بمع میت (شرح مشارق القاموس) **اعناقهم**: کندھوں پر اٹھائیں، مجاورت کی وجہ سے اعناق کہہ دیا گیا۔ **فان كانت صالحة**: اگر وہ اپنی زندگی میں اوامر کو پورا کرنے والا اور نواہی سے بچنے والا تھا یا ایسا نہ تھا مگر موت سے پہلے پہلے تائب ہو گیا۔ **قالت قدمونی**: مقدم الیہ کو حذف کر دیا کیونکہ عبارت اس کے بیان سے قاصر ہے۔ **یاویلها**: ممکن ہے کہ وہ یا ویلی کہتا ہو مگر تعبیر میں ضمیر غائب لائی گئی کیونکہ حالت قبیح کی تعبیر اہل عرب اسی طرح کرتے تھے۔ جیسا اس روایت کو ملاحظہ کرو: "**فكان آخر ما قال! هو على ملة عبد المطلب**' **وقعة وفات ابى طالب**): یہ اس لئے تاکہ قباحت کے بیان میں صورت لفظ تو قبیح نہ ہو۔ (۲) عذاب خوف کے وقت اسی طرح کہا جاتا ہے یا **ویلها**۔ بقول ابن مالک اگر جنازہ سے چارپائی مراد ہو تو یا ویلہا کی ضمیر اپنے مقام پر ہوگی دو مقام پر مجاز ماننا پڑے گا۔ اس لئے میت مراد لینا ہی بہتر ہے اور یہ زبان حال کی حکایت ہو کر استعارہ بنے گا یعنی گویا وہ زبان حال سے اس طرح کہہ رہا ہوتا ہے۔ اہل مکاشفہ کہتے ہیں یہ حقیقت

پرمحمول ہوگا اگر انسانوں کو سنائی نہ دے۔ روایت کے اگلے الفاظ اسی کی تائید کررہے ہیں۔ جب تک کوئی قرینہ صارفہ نہ ہو۔ ظاہر سے نہ پھیرا جائے گا۔ لصعق: ان پر غشی طاری ہوجاتی بعض نے کہا اس کا معنی مرجانا ہے۔ اسی آواز کو لوگوں سے روک دیا گیا تاکہ یہ جہاں رنگ و بو بگڑ نہ جائے۔

تخریج : اخرجه احمد (٤/١١٥٥٢) والبخاری (١٣١٤) والنسائی (١٩٠٧) وابن حبان (٣٠٣٨) و عبدالرزاق (٦٢٥٠) والبیهقی (٤/٢١)

الفرائد : ① جنازہ کو مرد اٹھائیں ② میت کو اپنا انجام معلوم ہوتا ہے ③ وہ قابل مبارکباد ہے جس کے عمل صالح سے پہلے جانے والے ہوں۔

١٥٩ : بَابُ تَعْجِيلِ قَضَآءِ الدَّيْنِ عَنِ الْمَيِّتِ وَالْمُبَادَرَةِ اِلٰى تَجْهِيْزِهٖ اِلَّا اَنْ يَّمُوْتَ "فَجْاءَةً" فَيُتْرَكَ حَتّٰى يُتَيَقَّنَ مَوْتَهٗ

باب : میّت کے قرض کی ادائیگی میں جلدی کرنا اور اس کے کفن دفن میں عجلت کرنا' مگر یہ کہ اس کی موت اچانک ہوئی ہو تو موت کا یقین ہونے تک چھوڑ دیں گے

تعجیل قضاء: جلدی اس لئے کی جائے تاکہ وہ بلند مقام تک پہنچ جائے۔ المبادرة: اس سے کفن' نماز جنازہ اور دفن مراد ہے کہ اس میں جلدی کی جائے۔ الا ان یموت: یہ مستثنیٰ مفرغ ہے کہ اچانک موت میں موت کے یقین تک انتظار کیا جائے گا وہ تاخیر میں شامل نہ ہوگا۔ باقی موت کی کیفیت سے بدن میں خصوصی تغیرات خود موت کو ظاہر کردیتے ہیں۔

٩٤٣ : عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ: "نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهٖ حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ" رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَقَالَ : حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

۹۴۳: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مؤمن کی جان اس کے قرضے کے سبب لٹکتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کو اس کی طرف سے ادا نہ کردیا جائے۔'' ترمذی یہ حدیث حسن ہے۔

معلقة: سیوطی کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو معزز مقام سے روک لیا جاتا ہے۔ عراقی کہتے ہیں اس کے معاملے کو موقوف کردیا جاتا ہے نہ نجات کا فیصلہ نہ ہلاکت کا اور قرض کی ادائیگی تک انتظار کیا جاتا ہے۔ حتی یقضی عنه: خواہ میت نے قرض کی ادائیگی کے لئے کوئی چیز چھوڑی ہو یا نہ چھوڑی ہو۔ جیسا کہ فقہاء نے وضاحت کی۔ عموم روایت اس کی تائید کرتا ہے مگر ماوردی نے کہا روایت ان لوگوں کے لئے ہے جس نے قرض کی ادائیگی کے لئے کچھ نہ چھوڑا ہو۔ مگر ظاہر روایت یہ ہے کہ جس نے قرض لینے کا گناہ کیا یا ادائیگی میں کوتاہی کی یہ اس کا حال ہے۔ باقی بارگاہِ الٰہی میں عفو کی امید اور قرض خواہ کو راضی کرنے کی امید ہے۔

تخریج : اخرجه احمد (۳/۱۰۱۶۰) والدارمی (۳۵۹۱) والترمذی (۱۰۸۰) وابن حبان (۳۰۶۱) وابن ماجه (۲۴۱۳) والطیالسی (۲۳۹۰) والحاکم (۲۲۱۹) والبیهقی (۷٦/٦)

الفرائد :① موت سے قبل جلد قرض ادا کر دینا چاہئے ② قرضہ انتہائی مجبوری کے علاوہ نہ لیا جائے ③ قرض کی کراہیت ثابت ہوتی ہے۔

٩٤٤ :وَعَنْ حُصَيْنِ بْنِ وَحْوَحٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ طَلْحَةَ بْنَ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا مَرِضَ' فَاَتَاهُ النَّبِىُّ ﷺ يَعُوْدُهُ فَقَالَ :اِنِّىْ لَا اُرٰى طَلْحَةَ اِلَّا قَدْ حَدَثَ فِيْهِ الْمَوْتُ فَاٰذِنُوْنِىْ بِهٖ وَعَجِّلُوْا بِهٖ فَاِنَّهُ لَا يَنْبَغِىْ لِجِيْفَةِ مُسْلِمٍ اَنْ تُحْبَسَ بَيْنَ ظَهْرَانَىْ اَهْلِهٖ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ۔

۹۴۴:حضرت حصین بن وحوح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ طلحہ بن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیمار ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور فرمایا: میرا خیال یہ ہے کہ طلحہ میں موت کے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔ پس مجھے ان کی اطلاع دینا اور ان کو جلد دفن کا کہا۔ اس لئے کہ کسی مسلمان میّت کے لئے مناسب نہیں کہ اس کو اس کے گھر والوں کے درمیان روکا جائے۔(ابوداؤد)

حصن بن وحوح رضی اللہ عنہ: واؤ مفتوح ہے۔ یہ انصاری مدنی ہیں۔ ابن کلبی نے ذکر کیا۔ یہ قادسیہ میں حاضر تھے۔ ان سے ابوداؤد نے روایت نقل کی ہے (تقریب حافظ) **طلحه بن البراء رضی الله عنه**: بن عمیر بن وبرہ بن ثعلبہ بن غنم بن سری (سین مضموم اور راء مفتوح) بن سلمہ بن اسد بلوی انصاری رضی اللہ عنہ۔ **فقال**: انہوں نے اپنے گھر والوں کو کہا جیسا کہ ابن اثیر کی روایت میں ہے۔ اس کی تخریج ابن عبدالبر اور مدینی اور ابونعیم۔ **اری** : یہ اظن کے معنی میں ہے۔ **حدث فيه الموت**: یعنی نزع کا وقت شروع ہو چکا اور ابن اثیر والی روایت میں "**انی اری طلحة**": ہے۔ **فاذنونی**: ابن اثیر کی روایت میں: "**فاذا مات فاذنونی**": یعنی مجھے موت کی اطلاع دے دینا۔ ابن اثیر کی روایت میں "**اصلی علیه**"۔ **لا ینبغی لجیفه مسلم**: مناسب نہیں کہ اس کو زیادہ دیر رکھا جائے۔ ابن اثیر کی روایت میں ہے کہ **انه توفی لیلاً فقال (قبل الموت) ادفنونی لیلا والحقونی بربی ولا تدعو رسول الله صلی الله علیه وسلم فانی اخاف علیه من الیهود ان یصاب فی سببی فاخبر رسول الله صلی الله علیه وسلم حین اصبح' فجاء حتی وقف علی قبره وصف الناس معه ثم رفع یدیه وقال' اللهم الق طلحة وانت تضحك الیه وهو یضحك الیك**": اور طلحہ بن براء رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی۔

اَلنَّحْوُ : اخرجه الثلاثة: تحبس کی ضمیر مضاف کی طرف لوٹنے کی وجہ سے مونث ہے اور اهله کی ضمیر مذکر مضاف الیہ کی طرف راجع ہونے کی وجہ سے مذکور ہے۔

تخریج : اخرجه ابو داود (۳۱۵۹)

الفرائد: ① آپ اپنے اصحاب کے احوال کی خبر گیری رکھتے تھے ② میت کے کفن دفن کا فوراً انتظام کرنا چاہئے۔

۱۶۰: بَابُ الْمَوْعِظَةِ عِنْدَ الْقَبْرِ

بَابٌ: قبر کے پاس نصیحت

الموعظه: یہ مصدر میمی ہے اور وعظ کے معنی میں آتا ہے۔ اس کا معنی اللہ تعالیٰ کے عذاب کے ذریعہ نصیحت کرنا جو اس کی مخالفت سے روکنے والی ہو اور ثواب کے سبب اس کی طاعت پر آمادہ کرنے والی ہو۔ **عند القبر:** کیونکہ اس وقت یہ زیادہ کامیاب ہوگی کیونکہ میت کو دیکھنا اور موت کا تذکرہ دل کی سختی کا ازالہ کرتا اور اس کو نرم کرتا ہے۔

٩٤٥ : عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا فِيْ جَنَازَةٍ فِيْ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ فَاَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَعَدَ وَقَعَدْنَا حَوْلَهٗ وَمَعَهٗ مِخْصَرَةٌ فَنَكَّسَ وَجَعَلَ يَنْكُتُ بِمِخْصَرَتِهٖ – ثُمَّ قَالَ :"مَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ" فَقَالُوْا :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نَتَّكِلُ عَلٰى كِتَابِنَا؟ فَقَالَ :"اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهٗ" وَذَكَرَ تَمَامَ الْحَدِيْثِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۹۴۵: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم بقیع الغرقد کے قبرستان میں ایک جنازے کے ساتھ شریک تھے۔ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ ﷺ کے اردگرد بیٹھ گئے۔ آپ کے پاس ایک چھڑی تھی۔ آپ ﷺ نے سر جھکایا اور چھڑی سے زمین کو کریدنے لگے۔ پھر فرمایا: تم میں سے ہر شخص کے دوزخ یا جنت کا ٹھکانہ لکھا جا چکا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم اپنے لکھے ہوئے پھر بھروسہ نہ کر لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں عمل کئے جاؤ ہر ایک کو وہی عمل میسر ہوگا جس کے لئے وہ پیدا ہوا اور پوری حدیث بیان کی۔ (بخاری و مسلم)

الغرقد: یہ جعفر کے وزن پر ہے۔ غرقد ایک کانٹے دار درخت کو کہتے ہیں اس کا واحد غرقدۃ ہے۔ یہ مدینہ منورہ کا معروف قبرستان ہے اس کا نام غرقد اسی درخت کی وجہ سے ہے۔ جسے کاٹ کر قبرستان کے لئے اس زمین کو استعمال کیا گیا (النہایہ) **نحصرۃ:** میم مکسورہ اس لاٹھی کو کہتے ہیں جس کو پکڑنے کے لئے آدمی مٹھی بنا لیتا ہے۔ (النہایہ) **فنکس وجعل ینکت بمخصرته:** آپ ﷺ نے سر مبارک جھکایا زمین پر اس کے ایک جانب کو مارنے اور چھونے لگے۔ جیسا کہ غمزدہ وسوچ و بچار والا آدمی کرتا ہے۔ **ما منکم من احد الا وقد کتب مقعده:** من تاکید کے لئے زائد ہے۔ کتب فعل مجہول ہے۔ **من النار:** ٹھکانے کا ذکر پہلے کر دیا کیونکہ موقعہ نصیحت ہے۔ ڈرانا بشارت سے زیادہ کامیاب اور فائدہ مند ہوتا ہے۔ اس وجہ سے آگ کے تذکرے کو مقدم کیا گیا۔ **ومقعده من الجنة۔** مطلب یہ ہے۔ اہل جنت واہل دوزخ کا مقام ازل سے لکھا ہے۔ یہ مقام دلالت کر رہا ہے کہ الا کے مابعد جملہ محل حال میں ہے یہ عام احوال سے مستثنیٰ مفرغ ہے۔ یعنی تم میں سے کوئی آدمی کسی بھی حال میں نہیں ہوتا مگر اس حال میں کہ اس کا جہنم و جنت کا ٹھکانہ ازل میں لکھا ہوتا ہے۔ **افلا نتکل:** امتکال اعتماد کو کہتے

ہیں یعنی کیا اس کے باوجود ہم عمل کریں اور بھروسہ نہ کریں۔ علی کتابنا : جو کہ ہماری سعادت وشقاوت پر سبقت کر چکی ہے۔ شیخ زکریا کہتے ہیں کہ یہ کہنے والے سراقہ بن جعشم یا ابوبکر یا عمر یا علی رضی اللہ عنہم تھے۔ ان تمام کے سوال سے بھی کوئی چیز مانع نہیں کیونکہ روایت میں قالوا: کا لفظ جمع آ رہا ہے۔ **فقال اعملوا**: ارشاد فرمایا جن کاموں کا حکم ملا وہ کرتے جاؤ۔ **لما خلق له**: ہر ایک سعادت وشقاوت کے مطابق عمل میسر ہوتا ہے۔ اہل سعادت کو اچھا اور بدبختوں کو برا کام آسان ہوتا ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿**فاما من اعطی واتقیٰ وصدق بالحسنی**﴾ یہاں تک کہ ﴿**فسنیسره للعسری**﴾ تک تلاوت فرمائی۔

تخریج: اخرجه احمد (۶۲۱) والبخاری (۱۳۶۲) و مسلم (۲۶۴۷) والترمذی (۲۱۳۶) والنسائی (۱۱۶۷۸) وابن ماجه (۷۸) وابن ماجه (۷۸) وابن حبان (۳۳۴) والبزار (۵۸۴) والبیهقی (ص : ۸۶ و ۸۷)

الفرائد: ① قبرستان میں یہ نصیحت فرمائی کیونکہ اس میں نصیحت نفوس زیادہ موثر ہے ② سعادت وشقاء اللہ تعالیٰ کی تقدیر و تقدیم سے ہیں۔ ﴿كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا﴾ [احزاب : ۳۸]

۱۶۱ : بَابُ الدُّعَآءِ لِلْمَيِّتِ بَعْدَ دَفْنِهٖ وَالْقُعُوْدِ عِنْدَ قَبْرِهٖ سَاعَةً لِّلدُّعَآءِ لَهٗ وَالْاِسْتِغْفَارِ وَالْقِرَاءَةِ

بَابٌ: دفن کے بعد میّت کے لئے دُعا کرنا اور اس کی قبر کے پاس دُعا واستغفار و قراءت کے لئے کچھ دیر بیٹھنا

یہ دعا اس لئے ہے کیونکہ وہ دنیا سے نیا جدا ہو کر ایک ایسی منزل پر پہنچا جہاں سے مانوس نہیں اور نہ اس کو جانتا ہے میں اس کے لئے معافی ومغفرت اور ثابت قدمی اور خوف کے دور ہونے کی دعا مناسب ہے۔ القعود: دفن کے بعد اس کی قبر کے پاس اتنی دیر ٹھہرنا جس میں اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم ہوتا کہ دعا واستغفار و قرأت کی جائے۔ قرآن مجید کی قرأت کے وقت برکت اترتی اور اس کی عام برکت کا اثر اس کو بھی پہنچتا ہے۔

۹۴۶ : عَنْ اَبِیْ عَمْرٍو – وَقِيْلَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ، وَقِيْلَ اَبُوْلَيْلٰى عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا فُرِغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ وَقَالَ : "اسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ وَسَلُوْا لَهُ التَّثْبِيْتَ فَاِنَّهُ الْاٰنَ يُسْاَلُ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ۔

۹۴۶: حضرت ابوعمرو، بعض نے کہا ابوعبداللہ، بعض نے کہا ابو لیلیٰ۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب میّت کو دفن سے فارغ ہو جاتے، قبر پر ٹھہر جاتے اور فرماتے: ''اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور ثابت قدمی کی دعا کرو پس اس سے سوال ہوگا۔'' (ابوداؤد)

عثمان بن عفان: رضی اللہ عنہ ان کی کنیت ابو عمرو' ابو عبداللہ' ابو لیلیٰ بیان کی جاتی ہے۔عبداللہ ان کے بیٹے ہیں جو رقیہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے پیدا ہوئے۔بلوغت کے قریب پہنچے تھے کہ مرغ نے آنکھ میں چونچ ماری جس سے ان کی وفات ہوگئی۔باب فضل الزہد میں ان کے حالات گزرے۔**فرغ**: یہ معروف کا صیغہ ہے۔**استغفروا**: اللہ تعالیٰ سے اس کے گناہوں کی معافی طلب کرو۔**لاخیکم**: دعا کے سبب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ تمہارا مسلمان بھائی ہے اور بھائی اپنے بھائی کو فائدہ پہنچانے کا اہتمام کرتا ہے۔**التثبیت**: یعنی اللہ تعالیٰ نکیرین کے سوال کے وقت اس کو ثابت قدمی عنایت فرمائے۔**الان یسال**: الان ظرف مقدم ہے۔یسال فعل مجہول ہے ثابت قدمی کی دعا سے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو فتنہ قبر اور جواب کے لئے دلیل بنادے۔

تخریج : ابو داؤد۔

الفرائد :دفن کے بعد میت کے لئے استغفار کیا جائے اور ثابت قدمی کی دعا کی جائے۔

۹۴۷ :وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :اِذَا دَفَنْتُمُوْنِيْ فَاَقِيْمُوْا حَوْلَ قَبْرِيْ قَدْرَ مَا تُنْحَرُ جَزُوْرٌ وَّيُقَسَّمُ لَحْمُهَا حَتّٰى اَسْتَاْنِسَ بِكُمْ وَاَعْلَمَ مَا ذَا اُرَاجِعُ بِهٖ رُسُلَ رَبِّيْ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ -

وَقَدْ سَبَقَ بِطُوْلِهٖ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ :وَيُسْتَحَبُّ اَنْ يُّقْرَاَ عِنْدَهٗ شَيْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ ' وَاِنْ خَتَمُوا الْقُرْاٰنَ كُلَّهٗ كَانَ حَسَنًا۔

۹۴۷:حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب تم مجھے دفن کر چکو' تو میری قبر کے گرد اتنی دیر ٹھہرو جتنی دیر میں ایک اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے۔تا کہ میں تم سے انس حاصل کروں اور جان لوں کہ اللہ کے قاصدوں کو کیا جواب دوں۔(مسلم)

یہ حدیث تفصیل کے ساتھ گذری۔امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قبر کے پاس قرآن کا کچھ حصہ پڑھا جائے۔یا سارا قرآن پڑھے تو مناسب ہے۔

فاقیموا: ٹھہرو۔**ینحر جزور**: یہ فعل مجہول ہے۔جزور ذبح شدہ اونٹ خواہ مذکر ہو یا مؤنث۔**ویقسم لحمها**: یہ بھی فعل مجہول ہے۔**حتی استانس بکم**: یہ حتیٰ تعلیلیہ۔**ما اراجع**: ماالذی کے معنی میں ہے۔قبر کے پاس ٹھہرنے میں حکمت یہ ہے کہ انسان انسان سے مانوس ہوتا ہے خواہ دیوار کے پیچھے ہی ہو۔جب انس حاصل ہو تو دل پُرسکون اور نفس مطمئن ہوتا ہے تو ایسی حالت میں پوچھا جائے وہ اس میں پختگی ظاہر کرے گا۔اس کے برخلاف جب وحشت اور اضطراب اور خوف تو جواب میں اکھڑ جاتا ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے اس کے پاس کچھ قرآن مجید پڑھیں اور اگر تمام پڑھیں تو مناسب ہے۔

تخریج : کتاب الادب میں یہ تخریج گزر چکی۔

الفرائد :امت احمد کے ہاں **قراءت علی المیت بدعت** ہے۔(ابو جمرہ من المالکیہ) ملاعلی القاریؒ کہتے ہیں قبور کے

پاس قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔ یہی مالک' شافعی' ابوحنیفہ کا مسلک ہے۔ کوئی روایت اس میں وارد نہیں۔

۱۶۲ : بَابُ الصَّدَقَةِ عَنِ الْمَيِّتِ وَالدُّعَآءِ لَهٗ

بَاب: میّت کی طرف سے صدقہ کرنا

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُ وْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ :رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ﴾

[الحشر: ۱۰]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وہ جولوگ جو ان کے بعد آئے' وہ کہتے ہیں: اے رب ہمارے ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جنہوں نے ایمان میں ہم سے پہل کی''۔ (حشر)

والذین: اس کا عطف فقراء یا والذین تبوء وا: پر ہے یعنی مال فئی ان تین جماعتوں مہاجرین' انصار اور جو ان کے بعد آئے یعنی تابعین کے لئے۔ سبقونا بالایمان: یہ جملہ حالیہ ہے اور فئی کے مستحقین کا ذکر کیا گیا۔ اسی وجہ سے امام مالک کہا کرتے تھے۔ جو شخص صحابہ کرام کو گالیاں بکتے ہیں ان کا مال فئی میں کوئی حصہ نہیں۔ یہ دلیل ہے کہ میت کے لئے دعا مانگنی چاہئے اسی لئے اس کو صدقہ پر قیاس کیا جائے گا۔ جب دعا پر مدح کی گئی تو صدقہ پر بدرجہ اولیٰ مدح کے قابل ہوں گے۔

۹۴۸ : وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ :اِنَّ اُمِّيْ افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَاُرَاهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ ' فَهَلْ لَّنَا مِنْ اَجْرٍ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ :"نَعَمْ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۹۴۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔ ''بے شک میری والدہ اچانک وفات پا گئی میرا خیال ہے کہ اگر وہ بات کرتیں تو صدقہ کرتیں۔ کیا اس کو اجر ملے گا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کر دوں؟ فرمایا''ہاں''۔ (بخاری و مسلم)

رجلاً: اس سے مراد سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ افتلتت نفسها: اچانک فوت ہو جانا۔ لو تکلمت : یہ جملہ شرطیہ رأی کا دوسرا مفعول ہے۔ ان تصدقت؟: اس سوال کی وجہ یہ ارشاد باری تعالیٰ تھا: ﴿وان لیس للانسان الا ما سعی﴾: جو عمل خود کرے اسی کا فائدہ ہے جو عمل اس کے لئے کیا جائے وہ اس تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ جواب محذوف ہے۔ کیا اس کو فائدہ پہنچے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قال نعم: اس کو فائدہ ہوگا۔

آیت بعض نے کہا یہ کافر سے متعلق ہے۔ اگر چہ انسان کا لفظ عام ہے مگر مراد خاص ہے اور اگر مومن سے متعلق ہو تو معنی یہ ہے کہ مومن کے لئے عدل کے لحاظ سے تو اس کے عمل کا بدلہ ہے مگر فضل کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کریم ہیں۔ اس کی سیئات سے تجاوز فرما کر نیکی کو کئی گنا کر دیں گے اور اس کا ثواب بھی دیں گے جو نیکی کے کام اس کی طرف سے کئے جائیں گے۔

تخریج : اخرجه البخاری (۱۳۸۸) و مسلم (۱۰۰٤) وابن ماجه (۲۷۱۷) وابن حبان (۳۳۵۳) وابن خزیمة (۲٤۹۹)

الفرائد :① میت کی طرف سے صدقہ اس لئے فائدہ مند ہے ② قضاء دین بھی اس کی طرف سے درست ہے۔

۹٤۹ :وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ :صَدَقَةٍ جَارِیَةٍ ' اَوْ عِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِهٖ ' اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُوْ لَهٗ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۹۴۹: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا: ''جب کوئی انسان مرجاتا ہے تو اس کے سارے عمل منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین: (ا) صدقہ جاریہ (۲) وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جارہا ہو (۳) نیک لڑکا (اولاد) جو اس کے لئے دعا کرتا ہو''۔ (مسلم)

انقطع عمله: کیونکہ موت کے سبب اس کا مکلّف ہونا ختم ہو گیا اور وہ عالم تکلیف سے عالم برزخ میں منتقل ہو گیا چونکہ محل عمل نہیں یہاں مراد لازم عمل ہے یعنی انسان کے لئے اس کی موت کے ساتھ اپنے نفس کے لئے ثواب کی تحصیل مکمل ہو جاتی ہے۔ **الا من ثلاث**: اس روایت اور ابن ماجہ کی روایت میں منافات نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ان مما یلحق المؤمن من عمله وحسناته بعد موته علما نشره وولدًا صالحًا ترکه ومصحفا ورثه ومسجداً بناه وبیتا لابن السبیل بناه ونهراً اجراه وصدقة اخرجها من ماله فی صحته وحیاته تلحقه من بعد موته**'': کیونکہ عدد حجت نہیں۔ (۲) پہلے وہ اطلاع دی پھر یہ بعد میں اطلاع دی۔ سیوطی کہتے ہیں حدیث ابن ماجہ میں سات خصلتوں کا تذکرہ ہے۔ میں نے شمار سے تین مزید کا اضافہ کیا ہے۔ (۸) کنواں کھودادیا۔ (۹) سرحد اسلام کی حفاظت کی۔ (۱۰) ذکر کے لئے مکان بنایا۔ نووی نے ایک کا اضافہ کیا: (۱۱) تعلیم قرآن کا انتظام کردیا۔ **صدقة جاریه**: وقف کیا یا فقیر کے لئے وصیت کی۔ **علم** شرعی علوم یا اس کے ذرائع۔ **ینتفع به**: اس نے تالیفات کی ہیں یا کتابیں وقف کی ہیں یا طلباء کو علوم پڑھا کر فارغ کیا یا علم حاصل کر کے اس پر عمل کیا جارہا ہے۔ **ولد صالح**: نیک مسلمان بیٹا۔ **یدعو له**: کیونکہ وہ گویا اس کی کمائی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا محض فضل ہے کہ اولاد کی نیکیاں تو والدین کے نامہ عمل میں لکھ دیں مگر گناہ درج نہیں کئے۔

تخریج : اخرجه احمد (۳/۸۸۵۳) و مسلم (۱۶۳۱) و ابو داود (۲۸۸۰) والترمذی (۱۳۸۱) والنسائی (۵۶۵۳) وابن حبان (۳۰۱۶) والبیهقی (۲۷۸/٦)

الفرائد :① وقف کا عظیم ثواب ہے نیز علم کی فضیلت بھی بہت زیادہ ہے ② علم کی وراثت چھوڑے ③ نیک اولاد کے لئے شادی کرے ④ اولاد کی اسلام پر تربیت کرلے۔

۱۶۳ :بَابُ ثَنَاءِ النَّاسِ عَلَی الْمَیِّتِ

باب ۱۴۸: لوگوں کا میت کی تعریف کرنا

الثناء: اگر چہ ثناء تو اچھی تعریف کو کہا جاتا ہے مگر یہاں عام ہے۔

۹۵۰: عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: مَرُّوْا بِجَنَازَةٍ فَاَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْرًا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: "وَجَبَتْ"، ثُمَّ مَرُّوْا بِاُخْرٰى فَاَثْنَوْا عَلَيْهَا شَرًّا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: "وَجَبَتْ" فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: مَا وَجَبَتْ؟ فَقَالَ: "هٰذَا اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا فَوَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، وَهٰذَا اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ شَرًّا فَوَجَبَتْ لَهُ النَّارُ، اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۹۵۰: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں کا گذر ایک جنازے کے پاس سے ہوا۔ انہوں نے اس کی اچھی تعریف کی۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا: ''واجب ہوگئی'' پھر دوسرے جنازے کے پاس سے ان کا گذر ہوا۔ انہوں نے (لوگوں نے) اس کی بری تعریف کی۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا: ''واجب ہوگئی'' عمرو بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا چیز واجب ہوگئی؟ آپؐ نے فرمایا جس کی تم نے اچھی تعریف کی تو اس کے لئے جنت اور جس کی تم نے بری تعریف کی تو اس کے لئے جہنم واجب ہوئی تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔ (بخاری، مسلم)

مروا بجنازة: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزرا۔ **خیرا**: یہ بخیر تھا منصوب بنزع خافض ہے۔ (۲) مفعول مطلق ہے مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ ای ثناء خیر: یا خیر بھی ثناء کی ایک قسم ہے پس قعدت جلوساً کی طرح ہو گیا۔ **فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم**: آپ ﷺ نے ان کی تعریف سن کر فرمایا۔ **وجبت**: اس کی ضمیر جنت کی طرف راجع ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جنازہ فقط آپ ﷺ کے پاس سے گزرا اور صحابہ کرام نے اس کی تعریف کی۔ **ثم مروا باخری**: دوسرا جنازہ مراد ہے۔ **فاثنوا علیها شرا**: یہ روایت ابن عبدالسلام کی مؤید معلوم ہوتی ہے کہ ثناء خیر و شر میں حقیقت ہے۔ جمہور فرماتے ہیں ثناء فقط خیر میں حقیقت ہے پس ان کے مطلق مجاز مرسل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بری تعریف پر اس کو برقرار رکھا حالانکہ میت کے گناہوں کے تذکرہ کی ممانعت کی گئی ہے۔ [illegible] یہ ممانعت کافر اور منافق متجاہر الفسق کے علاوہ میں ہے اور صحابہ کرام کی یہ بات ان تینوں میں سے ایک تھی۔ **فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجبت**: اس کی ضمیر بھی نار کی طرف راجع ہے۔ خفاء کی تعیین ہونی چاہئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا۔ **ما وجبت**: اس کا مطلب کیا ہے۔ **هذا اثنیتم**: زبانوں سے اچھی تعریف وجوب جنت کی علامت ہے اور دوسرے کے لئے جہنم اور اگر یہ بد تعریفی غرض و ہویٰ سے ہو تو پھر ایسا نہیں۔ **انتم**: اس سے خاص صحابہ مراد ہوں یا عام مؤمنین مراد ہوں دوسرے قول کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں المؤمنون کا لفظ وارد ہے۔ **شهداء اللہ**: جب تمہاری زبانوں پر خیر و شر کی تعریف جاری ہوتی تو وہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ اس کے مطابق ہے۔ عموماً باری تعالیٰ زبانوں کو ہر انسان کے متعلق آزاد چھوڑتے ہیں جس سے اس کے راز معلوم ہو جاتے ہیں جس کی اطلاع دوسروں کو نہیں اور جو کچھ اس انسان کے اعمال صالحہ یا سائیہ ظاہر ہوتے ہیں۔ گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو کے متعلق قطعی طور پر جنت و نار کا استنباط فرمایا۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے وحی سے بتلا دیا یہ دونوں باطنی طور پر اسی طرح ہیں جیسے لوگوں نے تعریف کی ہے۔ پس اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس سے یہ مراد نہیں کہ جو جنت کے لئے پیدا ہوا وہ ان کے کہنے

سے جہنمی بن جائے گا اور اسی طرح اس کا عکس بلکہ کبھی ثناء خیر وشر باطن کے خلاف بھی واقع ہوگی۔ پس مراد یہ ہوئی کہ علامت مطابقی ہے اور ایسی علت ہے جو غالب حالات میں پیش آنے والی حالت پر دلالت کرنے والی ہے۔ جیسا کہ ترتیب سے ظاہر ہوتا ہے۔ علامت بننے والی تعریف پر واجب کرنا دلیل ہے کہ ثناء علت ہے۔ اسی لئے اعلیٰ تعریف کرنے والوں کو شہداء اللہ الصادقین کا لقب دیا کہ ان کی زبان پر وہ بات جاری ہوئی جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہونے والے معاملات کے ساتھ غالب حالت میں مطابق ہوگئی۔ اس سے امت کی بڑی فضیلت نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی زبانوں پر جب کوئی بات جاری فرماتے ہیں تو وہ اغلبًا واقع کے مطابق ہوتی ہے۔ جیسے دعا' شفاعت' اس کے اس وعدے کے مطابق جس میں تخلف نہیں یا اترنے والوں کی عادت کو واجب الوقوع کے قائم مقام اتارا گیا۔ اسی لئے ثناء پر وجوب کو مرتب فرمایا اور یہاں واجب کا یہی معنی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ پر تو کوئی چیز واجب نہیں نہ عمل نہ شہادت اور نہ اور کچھ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند و بالا ہے۔

تخریج : اخرجه احمد (٤/١٢٩٣٧) والبخاری (١٣٦٧) و مسلم (٩٤٩) والترمذی (١٠٥٨) والنسائی (١٩٣١) والطیالسی (٢٠٦٢) وابن حبان (٣٠٢٣) والبیهقی (٤/٧٤) والحاکم (١/١٣٩٧)

الفرائد : ① سیرت بھی اچھی اور باطن بھی صاف ② اہل ایمان زمین پر اللہ کے گواہ ہیں ③ معاشرت اچھی رکھے اور ایمان والوں سے نرمی کرے۔

٩٥١ : وَعَنْ اَبِی الْاَسْوَدِ قَالَ : قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ فَجَلَسْتُ اِلٰی عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَمَرَّتْ بِهِمْ جَنَازَةٌ فَاُثْنِیَ عَلٰی صَاحِبِهَا خَيْرًا فَقَالَ عُمَرُ : وَجَبَتْ ، ثُمَّ مُرَّ بِاُخْرٰی فَاُثْنِیَ عَلٰی صَاحِبِهَا شَرًّا فَقَالَ عُمَرُ : وَجَبَتْ ، ثُمَّ مُرَّ بِالثَّالِثَةِ فَاُثْنِیَ عَلٰی صَاحِبِهَا شَرًّا فَقَالَ عُمَرُ : وَجَبَتْ ، قَالَ اَبُو الْاَسْوَدِ : فَقُلْتُ : وَمَا وَجَبَتْ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ؟ قَالَ : قُلْتُ كَمَا قَالَ النَّبِیُّ ﷺ : "اَيُّمَا مُسْلِمٍ شَهِدَ لَهٗ اَرْبَعَةٌ بِخَيْرٍ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ" فَقُلْنَا : وَثَلَاثَةٌ؟ قَالَ : "وَثَلَاثَةٌ" فَقُلْنَا : وَاثْنَانِ؟ قَالَ : "وَاثْنَانِ" ثُمَّ لَمْ نَسْاَلْهُ عَنِ الْوَاحِدِ - رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

٩٥١ : ابوالاسود کہتے ہیں کہ میں مدینہ میں آیا تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ پس ان کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو لوگوں کی طرف سے اس کے متعلق اچھے کلمات کہے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا واجب ہوگئی۔ پھر دوسرا جنازہ گزرا تو لوگوں نے اس کی بری تعریف کی۔ پس عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: واجب ہوگئی۔ پھر تیسرا جنازہ گزرا تو لوگوں نے اس کی مذمت کی۔ پس عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: واجب ہوگئی۔ ابولاسود کہتے ہیں میں نے کہا: اے امیر المؤمنین کیا چیز واجب ہوئی؟ فرمایا: میں نے اسی طرح کہا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان کے متعلق چار آدمی بھلائی کی گواہی دیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرما دیتے ہیں۔ پھر ہم نے کہا اور تین؟ تو فرمایا تین بھی۔ پھر ہم نے کہا اور دو؟ تو فرمایا دو بھی۔ پھر ہم نے ایک کے متعلق سوال نہ کیا۔ (بخاری)

ابو لاسود دیلی: ان کو دوئلی (دال کا ضمہ) کہا جاتا ہے۔ یہ بصرہ کے باشندے ہیں۔ ان کا نام ظالم بن عمرو بن سفیان ہے۔ بعض نے ظالم بن عمر کہا اور بعض نے عمیر بن ظلیم اور بعض نے عمرو بن عثمان بن عمر۔ یہ فاصل ثقہ ہیں مخضرمی ہیں۔ ۶۹ھ میں وفات پائی۔ سب نے ان سے روایت لی (تقریب للحافظ) **فاتنی علی صاحبها:** یہ فعل مجہول ہے۔ صاحب سے وفات پانے والا مراد ہے۔ **فقال ابو الاسود:** ابوالاسود نے وجبت کا مطلب دریافت کیا تو انہوں نے کہا میں نے اسی طرح کہا جیسا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی موقعہ پر فرمایا کہ جنہوں نے ایک کی تعریف کی تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور جس کی بدتعریفی کی گئی اسکے لئے جہنم واجب ہوئی۔ پس اس کے مطابق مشبہ فاروق رضی اللہ عنہ کا قول اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مشبہ بہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مشبہ بہ وہ ہے جس پر **ایما مسلم** اور **شهد له:** ہو۔ یہ دونوں جملے شرط و جواب اپنے مدلول کے لحاظ سے اس کے لئے جنت کو واجب کر رہے ہیں جس کے متعلق اچھی تعریف کی گئی ہے اور اپنے مفہوم کے لحاظ سے اس کے لئے آگ کو لازم کر رہے ہیں جس کے متعلق بدتعریفی نکلی ہے۔ احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: **تشهد له اربعة ابيات من جيرانه الادنين الاقال الله تعالىٰ قد قبلت علمهم فيه وغفرت له ما لا يعلمون"۔ فقلنا وثلاثه:** ہم نے عرض کیا جس کے لئے تین گواہی دیں تو آپ نے فرمایا اور تین جس کے لئے گواہی دیں اور پھر ہم نے کہا اور **فقلنا واثنان۔ ثم لم نسئاله عن الواحد:** ایک کے متعلق ہم نے سوال نہیں کیا یہ معاملہ توقیفی ہے اس میں رائے کو دخل نہیں ہے۔ حافظ لکھتے ہیں مسلمان کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کے لئے فضل و رحمت کے بہت مظاہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے ہاں کی بھلائیاں کسی ادنیٰ سبب یا دعا یا شفاعت سے عنایت فرما دیتے ہیں اسی لئے علماء نے فرمایا جب کسی مسلمان کے پاس سے جنازہ گزرے تو وہ اس کی اچھی تعریف کرے اگر میت اس کی اہلیت رکھتی ہو مگر اس میں بڑھائی نہ ہو۔ (فتح الدلہ)

تخریج : اخرجه احمد (۱/۱۳۹) والبخاری (۱۳۶۸) والترمذی (۱۰۶۱) والطیالسی (۲۲) و ابو یعلی (۱۴۵) وابن حبان (۳۰۲۸) والبیهقی (۴/۷۵)

الفرائد : ① ظاہر پر حکم لگائیں گے ② برے آدمی کا خیر و شر کا تذکرہ ضرورۃ درست ہے ③ یہاں ثناء کا استعمال شر میں مواخاۃ و مشاکلت کی وجہ سے ہے ورنہ وہ تو خیر میں ہے۔

۱۶۴ : بَابُ فَضْلِ مَنْ مَّاتَ لَهٗ اَوْلَادٌ صِغَارٌ

باب : اس شخص کی فضیلت جس کے چھوٹے بچے فوت ہو جائیں

صغار: یہ صغیر کی جمع ہے اس سے مراد نابالغ اولاد خواہ مذکر ہو یا مونث۔

۹۵۲ : عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَمُوْتُ لَهٗ ثَلَاثَةٌ لَّمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهٖ اِيَّاهُمْ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۹۵۲: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس مسلمان کے تین

نابالغ بچے فوت ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس کو ان بچوں کی وجہ سے جنت میں داخل فرمائے گا''۔(بخاری، مسلم)

ثلاثة لم يبلغوا الحنث: الحنث حاء کے کسرہ سے تمام رواہ نے نقل کیا۔ داؤدی نے الخبث ذکر کیا اور اس کی تفسیر عدم بلوغ اور عدم علم معاصی سے کی مگر دوسروں نے یہ ذکر نہیں کیا۔ پہلا محفوظ ہے خلیل کہتے ہیں: **بلغ الغلام الحنث ای جری علیه القلم**: تقدیر کا قلم چل چکا۔ حنث گناہ کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**وكانوا يصرون على الحنث العظيم**﴾: راغب کہتے ہیں بلوغت کو حنث سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے انسان گناہ کے ارتکاب پر ماخوذ ہوتا ہے مگر اس سے پہلے نہیں اور گناہ کا خاص طور پر تذکرہ کیا کیونکہ عموماً بلوغ سے یہ پیش آتا ہے اور کبھی بچہ اس کا ارتکاب کرتا ہے۔ صغیر کو اس سے خاص کیا کیونکہ اس پر شفقت زیادہ اور اس کی محبت سخت ہوتی ہے اور اس پر اور اس کے لئے مہربانی وافر مقدر میں ہوتی ہے اور یہ ثواب اس کو ملے گا جو بلوغت کو پہنچا اور جو نہ پہنچا اس کو ثواب نہ ملے گا۔ اگرچہ لڑکے کے فوت ہونے پر فی الجملہ اجر ضرور ہوگا اور بہت سے علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے اور بالغ اور نابالغ میں تفریق کی ہے کہ اسی سے نافرمانی کا تصور ہے جو عدم رحمت کا مقتضی ہے۔ برخلاف صغیر کے اس سے اس بات کا تصور بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ مخاطب ہی نہیں۔ ابن المنیر نے کہا بلکہ بڑا تو اس میں بذاتِ خود داخل ہوگا کیونکہ یہ چیزیں اس بچے کے متعلق ثابت ہیں جو اپنے والدین پر بوجھ ہے تو بڑے کے متعلق آخر کیوں نہ ہوگا جو والد کے ساتھ کوشش میں شریک ہے اور والد کو اس سے نفع بھی پہنچ رہا ہے اور خطاب کی وجہ سے وہ حقوق کا مخاطب بھی بن چکا ہے۔ ابن حجر نے پہلے قول کی تائید کی ہے اور کہا کہ **الا ادخله الله الجنة...... بفضل رحمته اياهم**: کا قول اس کی تائید کر رہا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ رحمت چھوٹوں پر زیادہ ہوتی ہے کیونکہ ان سے گناہ صادر نہیں ہوتا۔ ایک اشکال یہ ہے کہ جو چھوٹے بچے جنون کی حالت میں بلوغت کو پہنچے اور پھر اسی حالت میں ان کا انتقال ہوا وہ اس میں داخل ہوں گے یا نہیں؟ اس میں قابل غور بات یہ ہے کہ اگر عدم گناہ کو دیکھیں تو شامل ہونا چاہئے اور ان کی آزمائش ان کی موت کی وجہ سے مزید ہلکی ہوگئی اس کی مقتضی یہ ہے کہ وہ اس میں داخل نہ ہوں اور حدیث کی تمام اسناد میں شدت محبت اور عدم شدت کی کوئی قید نہیں ہے اور قیاس اس کا تقاضا کرتا ہے اس لئے کہ ضیق الحال لوگوں میں ایسے بچوں کے متعلق کراہت و بیزاری پائی جاتی ہے لیکن جب کہ لڑکائی محبت وشفقت کا مقام ہے تو حکم کا مدار اسی پر رہا۔ اگرچہ بعض افراد میں محبت کا فقدان ہو اور ابن ماجہ میں عقبہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے۔ جس میں یہ اضافہ ہے: ''**الا تلقوه من ابواب الجنة الثمانية من ايها شاء دخل**'': اور اس کی شاہد نسائی کی وہ روایت ہے جو معاویہ بن قرہ نے اپنے والد سے مرفوعاً نقل کی ہے۔ اس میں فرمایا: ''**اما يسرك انك لا تاتي بابا من ابواب الجنة الا وجدته عنده يسعى يفتح لك؟**'' اور ''**بفضل رحمته اياهم**'' میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ **ای بفضل رحمة الله للاولاد**: اور ابن التین کہتے ہیں یہ ضمیر ''الاب'' کی طرف لوٹتی ہے کہ کیونکہ والد دنیا میں ان پر رحمت کرتا تھا تو اس کو آخرت کی رحمت سے بدلہ دیا گیا۔ ابن حجرؒ کہتے ہیں پہلا قول بہترین ہے۔ اس کی مؤید ابن ماجہ کی روایت ہے: ''**من هذا الوجه يفضل رحمة الله اياهم**'': اور نسائی میں حدیث ابوذر رضی اللہ عنہ ''**الا غفر الله لهما بفضل رحمته**'': اور اياهم: کی ضمیر اولاد کی طرف راجع ہے۔ کرمانی کو اس میں وہم ہوا۔ انہوں نے مسلم کی طرف لوٹائی ہے۔ رہا اشکال جمع کا تو اس کا جواب یہ ہے جمع عموم کے اعتبار سے ہے کیونکہ سیاق نفی میں واقع ہے۔ سیوطی نے فقط بخاری کی طرف نسبت کی شاید لفظ کے اعتبار سے کی ہو۔

تخریج : اخرجه احمد (۴/۱۲۵۳۷) والبخاری (۱۲۴۸) والنسائی (۱۸۷۲) وابن ماجه (۱۶۰۵) وابن حبان (۲۹۴۳) والبیهقی (۴/۷۶)

الفرائد :① جس کے تین بچے فوت ہو جائیں اور اس سے اس پر صبر کیا اللہ تعالیٰ اس کے اس عمل کی وجہ سے اسے جنت میں داخل فرمائیں گے۔

۹۵۳ :وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :"لَا یَمُوْتُ لِاَحَدٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْوَلَدِ لَا تَمَسُّهُ النَّارُ اِلَّا تَحِلَّةَ الْقَسَمِ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

"وَتَحِلَّةُ الْقَسَمِ" قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰی : "وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا" وَالْوُرُوْدُ : هُوَ الْعُبُوْرُ عَلَی الصِّرَاطِ ، وَهُوَ جِسْرٌ مَّنْصُوْبٌ عَلٰی ظَهْرِ جَهَنَّمَ عَافَانَا اللّٰهُ مِنْهَا۔

۹۵۳: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مؤمن کے تین بچے فوت ہو جائیں تو اس کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔ مگر صرف قسم پوری کرنے کے لئے۔ (بخاری، مسلم)

تَحِلَّةُ الْقَسَمِ: مراد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا﴾۔

وُرُوْدُ: پل صراط سے گزرنے کو کہتے ہیں۔ یہ پل جہنم پر رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے عافیت میں رکھے۔

من الولد: یہ اسم جنس ہے واحد و جمع پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس سے مطلقاً تین مراد ہوں یا جو بالغ نہ ہوئے ہوں وہ مراد ہوں۔ **لا تمسه النار**: کرمانی کہتے ہیں یہ **لا یموت**: سے بدل کے حکم میں ہے۔ گویا اس طرح عبارت ہے: **لا تمس النار من مات له ثلاث من الاولاد من المسلمین**"۔ **تحلة القسم**: مگر اتنی مقدار جس سے قسم پوری ہو۔ **حلل الیمین** کا مطلب کفارہ دینا ہے۔ تحلۃ القسم اس وقت بولتے ہیں جب کوئی فعل اتنی مقدار میں کیا جائے جس سے قسم پوری ہو۔ مبالغہ نہ ہو۔ اس سے اس آیت کی طرف اشارہ ہے: ﴿**وان منکم الا واردها**﴾: کرمانی کہتے ہیں۔ اس قسم کی مراد میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا یہ غیر معین ہے۔ جمہور کہتے ہیں اس سے مراد یہی آیت والی قسم ہے۔ بعض نے کہا اس سے مراد ورود کے زمانے کی قلت بیان کرنا ہے۔ عرب کا محاورہ ہے: **ما نام فلان الا تحلة الا لية**": یعنی وہ معمولی مقدار میں سویا۔ بعض نے کہا استثناء واؤ کے معنی میں ہے کہ اس کو بالکل آگ نہ چھوئے گی اور نہ قسم ٹوٹے گی اخفش وفراء نے واؤ کو اسی معنی میں درست قرار دیا ہے مگر پہلا جمہور کا قول ہے۔ ابوعبیدہ نے اسی پر جزم کا اظہار کیا ہے۔ خطابی کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آگ میں داخل نہ ہوگا کہ اس سے اس کو سزا دی جائے بلکہ گزرگاہ کے طور پر اس میں داخل ہوگا یا گزرنا اتنی دیر میں ہوگا جس سے قسم پوری ہو اور اس کی دلیل عبدالرزاق کی وہ روایت ہے جس کے آخر میں "**الا تحلة القسم**": یعنی الورود کے الفاظ ہیں اور سعد بن منصور کی سنن میں وارد ہے کہ سفیان بن عیینہ نے پھر یہ آیت پڑھی: ﴿**وان منکم الا واردها**"﴾: زمعہ کی روایت میں ہے: "**قیل وما تحلة القسم؟ قال قوله تعالیٰ ان منکم الا واردها**": امام مالک نے بھی اس حدیث کی تفسیر اسی طرح فرمائی اور طبرانی میں عبدالرحمان بن بشیر انصاری رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے: "**من مات له ثلاثة من الولد لم**

یبلغوا الحنث لم یرد النار الاعابر سبیل": پل صراط پر گزرتے ہوئے۔ آیت میں قسم کے مقام کے متعلق اختلاف ہے۔ (۱) قسم مقدر ہے: واللہ ان منکم الا واردھا: (۲) پہلی آیت میں قسم پر اس کا عطف ہے: فوربك لنحشرنهم: (۳) حتما مقضیاً: یعنی قسماً واجباً سے ماخوذ ہے۔ کذا رواہ الطبرانی وغیرہ۔

طیبی کہتے ہیں ممکن ہے کہ قسم سے مراد وہ چیز ہو جو قطعیت پر دلالت کرنے والی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿کان علی ربك حتما مقضیا﴾: یہ "وان منکم الا واردھا" کی تقریر اور تتمہ ہے اور وہ بمنزلہ قسم بلکہ اس سے بلیغ تر ہے کیونکہ استثناء نفی و اثبات کے ساتھ آیا ہے۔

ورود کا مطلب: نووی کہتے ہیں پل صراط سے گزرنے کو کہا گیا۔ اس قول کو طبرانی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔ اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور کعب بن حبار رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے اور یہ اضافہ بھی ہے کہ اس کی پشت پر تمام سوار ہو جائیں گے تو ایک منادی اعلان کرے گا تو اپنے دوستوں کو روک اور میرے دوستوں کو چھوڑ پس مسلمان اس حالت میں نکال لئے جائیں گے کہ ان کے جسم تر ہوں گے (۲) اس کا معنی داخلہ ہے۔ نسائی و حاکم نے جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے: "الورود الدخول لا یبقی بر ولا فاجر الا دخلها فتکون علی المؤمنین برداً و سلاماً": اور ترمذی اور ابن ابی حاتم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً نقل کیا: یردونها او یلجونها ثم یصدرون عنها باعمالهم": عبدالرحمان بن مہدی کہتے ہیں میں نے شعبہ سے کہا کہ اس روایت کو اسرائیلی اس کو مرفوعاً بیان کرتے ہیں تو کہنے لگے اس نے سچ کہا میں تو عمداً اس کو ترک کرتا ہوں۔ پھر ترمذی نے اسرائیل مرفوعاً روایت نقل کی چنانچہ فتح الباری میں حافظ لکھتے ہیں کہ یہ دونوں قول اس سلسلے میں سب سے زیادہ درست ہیں اور ان میں کوئی منافات نہیں کیونکہ جس نے داخل ہونے سے تعبیر کیا تو اس نے مرور سے اس کو مجاز کے طور پر ذکر کیا اور اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ جہنم پر گزرنے والا پل کے اوپر ہے اور اس میں داخلے کا یہی معنی ہے لیکن گزرنے والوں کے حالات اعمال کے لحاظ سے مختلف ہوں گے سب سے اونچا درجہ اس کا ہوگا جو برق رفتاری سے گزرے گا اور پہلے قول کی تائید مسلم کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یدخل احد ممن شهدا الحدیبیة النار": کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: ﴿وان منکم الا واردھا﴾: تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿ثم ننجی الذین اتقوا﴾: اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا قول کمزور ہے جنہوں نے کہا ورود کفار کے ساتھ خاص ہے اور جنہوں نے کہا اس کا معنی دنو و قرب ہے اور جنہوں نے کہا اس کا معنی جھانکنا ہے اور جنہوں نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے: " ما یصیب المؤمن من الحمی فی الدنیا": جس طرح کسی مومن کو دنیا میں بخار ہوتا ہے۔ یہ آخری قول بعید نہیں اور بقیہ احادیث کے خلاف بھی نہیں (کیونکہ اس میں ورود کی کیفیت مذکور ہے)

تخریج : اخرجه احمد (۴/۱۱۲۹۶) والبخاری (۱۰۱)

الفوائد: ① مسلمانوں کی اولاد جوان سے پہلے فوت ہو جائے وہ جنت میں جائے گی ② اہل جنت کی قسم پوری کرنے کے لئے جہنم کے گھاٹ پر اتارا جائے گا یا اس میں سے گزریں گے۔

۹۵۴ : وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : جَآءَتِ امْرَاَةٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلّٰی

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ذَهَبَ الرِّجَالُ بِحَدِيْثِكَ فَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ نَّفْسِكَ يَوْمًا نَّاتِيْكَ فِيْهِ تُعَلِّمُنَا مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ ، قَالَ :اجْتَمِعْنَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا" فَاجْتَمَعْنَ ، فَاَتَاهُنَّ النَّبِيُّ فَعَلَّمَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَهُ اللّٰهُ ثُمَّ قَالَ: مَا مِنْكُنَّ مِنِ امْرَاَةٍ تُقَدِّمُ ثَلَاثَةً مِّنَ الْوَلَدِ اِلَّا كَانُوْا لَهَا حِجَابًا مِّنَ النَّارِ فَقَالَتِ امْرَاَةٌ: وَاثْنَيْنِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "وَاثْنَيْنِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۹۵۴: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرد تو آپ کی باتیں لے گئے۔ پس آپ اپنی ذات کا ایک دن ہمارے لئے مقرر فرمادیں۔ جس میں آپ ہمیں تعلیم دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعلیم دی۔ آپ نے فرمایا: تم فلاں فلاں دن جمع ہو جاؤ۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور ان کو وہ علم سکھایا' جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا تھا۔ پھر فرمایا: تم میں سے جس عورت کے تین بچے فوت ہو جائیں۔ وہ اس کے لئے آگ کے درمیان پردہ بن جائیں گے۔ ایک عورت نے عرض کیا۔ دو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اور دو بھی۔

(بخاری و مسلم)

جاء ت امرأة: حافظ کہتے ہیں یہ انصار کی عورتوں میں تھیں (فتح الباری) **ذهب الرجل بحديثك**: صرف مرد ہی آپ کی باتوں سے اکیلے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ **من نفسك يوما**: اس میں تجرید ہے یا مضاف محذوف ہے: **اى اوقات نفسك**: اپنے ان اوقات سے جو آپ ﷺ اپنی ذات کے لئے ان سے الگ تھلگ مقرر فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ شمائل کی روایت کے مطابق اپنے اوقات کو تین حصوں میں بانٹتے تھے۔ **ناتيك**...... : یوم سے مراد مطلق وقت ہے۔ دونوں جملوں کو الگ لائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان میں سے ہر ایک طلب میں کفایت کرنے والا اور مستقل ہے۔

اَلنَّحْو: یہ جملے مستانفہ ہیں۔ **اجتمعن يوم**: دن مقرر فرمایا تاکہ اس کے لئے تیاری کرلیں اور طلب سے جو نصیحت حاصل ہو وہ دل کو زیادہ متاثر کرتی ہے۔ اس نصیحت کی بنسبت جو بلا مشقت حاصل ہو۔ **فعلمهن**: ان کی ضرورت کے احکامات سکھائے۔ **ثم قال ما منكن**: پھر ان کے مطلب پر بطور خوشخبری اضافہ فرمایا۔ **ما منكن من امراة**: سے مراد مسلمان عورتوں میں سے کوئی ایک عورت ہے۔ **من الولد**: یہ مفرد و جمع مذکر و مونث سب کو شامل ہے۔ **الا كانوا**: بعض رواۃ بخاری میں کن کا لفظ ذکر کر دیا وہ باعتبار نفس یا نسمہ کے ہے۔ **لها حجابا من النار**: پہلا ظرف کان سے متعلق لغو ہے اور حجابا سے حال بھی بن سکتا ہے۔ یہ اس کا وصف تھا مقدم ہونے کی وجہ سے حال کا اعراب دیا گیا۔ (۲) دوسرا ظرف محل صفت میں ہے۔

قرطبی کا قول: تین سے خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کثرت کا یہ پہلا مرتبہ ہے۔ جتنی مصیبت بڑی اتنا اجر زیادہ اور اگر اس سے زیادہ ہوں گے تو عادت کی طرح ہونے سے مصیبت آسان ہو جائے گی۔ مگر ابن حجرؒ نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا تین کی موت پر کلام کو بند کرنا درست نہیں جس کے چار یا پانچ مر گئے تین تو اس کے ضرور فوت ہوئے۔ جب تین پر اجر ثابت ہے تو چوتھے کی موت اگر اجر کو نہ بڑھائے تو کم تو نہ کرے گی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ تین سے اوپر والے تو بدرجہ شامل ہیں۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ انہوں نے چار یا اس سے زائد کا سوال نہیں کیا کیونکہ وہ معلوم و معروف کی طرح ہے۔ **فقالت امراة**

و اثنین: یہ عورت ام سلیم والدہ انس رضی اللہ عنہ ہیں۔ جیسا طبرانی کی روایت میں ہے کہ اسی نے دو کے متعلق دریافت کیا اور ام مبشر انصاریہ کی طرف سے بھی یہ سوال مذکور ہے وہ بھی طبرانی نے نقل کیا ہے اور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ام ایمن کا تذکرہ بھی ملتا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے سوال منقول ہے اور ابن بشکوال نے نقل کیا کہ ام ہانی رضی اللہ عنہا بھی سوال کرنے والیوں میں شامل ہیں۔ ابن حجرؒ کہتے ہیں ممکن ہے کہ سب نے سوال کیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ مواقع وواقعات متعدد ہوں کیونکہ جب آپ ﷺ سے تین کے بعد دو کا سوال ہو تو آپ ﷺ نے دو کا ذکر کیا اور ظاہر یہ ہے کہ یہ وحی کے ذریعہ تھا۔ ابن بطال نے اس کو زیادہ پختہ بات قرار دیا۔ اگر یہ اسی طرح ہو تو پھر تین پر اکتفاء بعید بات ہے کیونکہ مفہوم تو دو کو بھی خارج کر رہا ہے اور یہ بات ان کے ہاں ہے جو مفہوم عدد کو معتبر قرار دیتے ہیں۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں وارد ہے کہ وہ ان لوگوں میں شامل ہیں جنہوں نے اس کے متعلق سوال کیا' اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ بھی اور ان کی روایت حاکم و بزاز نے نقل کی ہے۔ اس میں کوئی استبعاد نہیں کہ واقعات کئی ہوں کیونکہ عورتوں کے خطاب کا علم ضروری نہیں کہ مردوں کو بھی ہو۔ اثنین کا لفظ مسلم میں وارد ہے بخاری میں اثنان ہے۔ اصل عبارت یہ ہے: **وما حکم اثنین؟ ای اذا مات اثنان ما الحکم؟**: یہ اس بناء پر جبکہ مفہوم کا عدد کا اعتبار نہ کیا جائے اگر اس کا اعتبار ہو تو تین کے علاوہ کا حکم اٹھ جائے گا لیکن اس نے اس کو جائز قرار دے کر سوال کیا (کذا قالہ العیاض) مگر ابن حجرؒ نے اس کی تردید کی کہ ظاہر کلام سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے مفہوم عدد کا اعتبار کیا اگر اعتبار نہ کرتیں تو دو کا سوال نہ کرتیں مگر درست بات یہ ہے کہ مفہوم عدد کی دلالت قطعی نہیں بلکہ محتمل ہے۔ اسی وجہ سے اس نے یہ سوال کیا۔ **فقال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم واثنین**: یہ مسلم کے الفاظ ہیں۔ دو کا حکم بھی اس طرح ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے: **اذا مات اثنان فالحکم کذلک**: یہ ثلاثہ اور اثنین کے حکم میں برابری کو ظاہر کرتا ہے۔ ابن بطال کی یہ بات پہلے گزری کہ اسی وقت یہ آپ ﷺ کو وحی کی گئی اور وحی کا ہونا کچھ بعید نہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو پہلے معلوم ہو لیکن آپ ﷺ نے ان کے بھروسہ کر لینے کے خطرہ سے ان کو واضح نہ فرمایا کیونکہ تین کی بجائے دو کی موت تو کثرت سے پائی جاتی ہے۔ جیسا حدیث معاذ رضی اللہ عنہ میں شہادت بالتوحید کے سلسلہ میں واقع ہوا۔ پھر جب آپ ﷺ سے سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے بتلا دیا۔ (فتح الباری)

تخریج: اخرجه احمد (٤/١١٢٩٦) والبخاری (١٠١) و مسلم (٢٦٣٤) وابن حبان (٢٩٤٤) والبیهقی (٦٧/٤)

الفرائد: ① بعض سبق عورتوں سے مخصوص ہیں ② جس عورت کے تین چھوٹے بچے مر جائیں اس کی عظیم فضیلت بشرطیکہ ثواب کی نیت اور صبر کرنے والی ہو۔

١٦٥ : بَابُ الْبُكَآءِ وَالْخَوْفِ عِنْدَ الْمُرُوْرِ بِقُبُوْرِ الظَّالِمِيْنَ مَصَارِعِهِمْ وَاِظْهَارِ الْاِفْتِقَارِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَالتَّحْذِيْرِ مِنَ الْغَفْلَةِ عَنْ ذٰلِكَ

بَاب: ظالموں کی قبور اور ان کے تباہ شدہ مقامات سے گزرتے ہوئے رونے اور خوف کی کیفیت اور اس سے غفلت میں مبتلا ہونے سے پرہیز کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف احتیاج کا اظہار

مصارعھم: جہاں ان پر عذاب اترا۔ یعنی دل میں خوف ہو اور اس کے آثار ظاہری بدن پر خضوع و بکاء کی صورت میں ہو۔ **الا فتقار:** انتہائی محتاجی کو ظاہر کرنا۔ **التحذیر:** غفلت سے بچنا۔

۹۵۵ :عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ لِاَصْحَابِہٖ – یَعْنِیْ لَمَّا وَصَلُوا الْحِجْرَ : دِیَارَ ثَمُوْدَ – ”لَا تَدْخُلُوا عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ الْمُعَذَّبِیْنَ اِلَّا اَنْ تَکُوْنُوْا بَاکِیْنَ، فَاِنْ لَّمْ تَکُوْنُوْا بَاکِیْنَ ، فَلَا تَدْخُلُوْا عَلَیْھِمْ لَا یُصِیْبُکُمْ مَّا اَصَابَھُمْ“ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ – وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ : لَمَّا مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِالْحِجْرِ قَالَ :”لَا تَدْخُلُوْا مَسَاکِنَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ اَنْ یُّصِیْبَکُمْ مَا اَصَابَھُمْ اِلَّا اَنْ تَکُوْنُوْا بَاکِیْنَ“ ثُمَّ قَنَّعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ رَاْسَہٗ وَاَسْرَعَ السَّیْرَ حَتّٰی اَجَازَ الْوَادِیَ۔

۹۵۵: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فرمایا: جب کہ وہ حجر کے مقام پر پہنچے۔ ”یہ قوم ثمود کا علاقہ ہے۔“ ”تم ان معذب قوموں کے علاقوں میں داخل نہ ہو۔ مگر یہ کہ تم رو رہے ہو۔ اگر تم رونے والے نہ ہو تو ان پر مت داخل ہو۔ کہیں تم کو وہ عذاب نہ پہنچ جائے جو ان کو پہنچا۔ (بخاری و مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر مقامِ حجر سے ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تم ان لوگوں کے گھروں میں داخل نہ ہو۔ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ مگر یہ کہ تم رونے والے ہو۔ پھر آپؐ نے سر ڈھانپ لیا اور اونٹنی کی رفتار کو تیز کر دیا۔ یہاں تک کہ وادی کو عبور کر لیا۔

وصلوا الحجر دیار ثمود: الحجر کا عطف بیان ہے۔ یہ قوم صالح کا وطن ہے جو کہ مدینہ اور شام کے درمیان میں واقع ہے۔ یہ ۹ھ سفر تبوک کا موقعہ تھا۔ **لا تدخلوا:** ان کے مکانات میں یا ان کے قبرستانوں میں۔ **الا ان تکونوا:** کا استثناء عام اموال سے ہے یعنی تم کسی حال میں بھی داخل مت ہو مگر یہ کہ تم رو رہے ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسی پر اکتفاء کرو بلکہ داخلے کے ہر جزو میں یہ حالت طاری رہنی چاہئے اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ وہاں بالکل نہ اترے۔ ان میں داخلے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کے نزول کے مقامات ہیں۔ **لا یصیکم:** یہ لان لا یصبکم: ہے تا کہ کہیں تمہیں وہ عذاب نہ پہنچ جائے۔ جیسا ان کو پہنچا۔ (۲) یہ نہی بمعنی خبر بھی ہو سکتی ہے اور بخاری نے کتاب التفسیر اور الانبیاء

میں ان یصبکم: کے الفاظ نقل کئے ہیں: ای خشیة ان یصیبکم: اس سے وجہ اول کی تائید ہوتی ہے۔ وجہ خشیت یہ ہے کہ ابتداء میں رونا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس کی وجہ تفکر وعبرت حاصل ہوگی گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان احوال میں تفکر و سوچ و بچار کا حکم دیا جو تقدیر الٰہی سے بکاء کو لازم کرنے والے ہیں کہ ان لوگوں کو زمین میں اقتدار ملا طویل مدت مہلت میسر آئی پھر ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ٹوٹ پڑا۔ اللہ تعالیٰ دلوں کو پلٹنے والے ہیں پس اس سے بے خوف نہ ہونا چاہئے جیسے کہ اس کا انجام بھی انہی کی طرح ہو جائے۔ جو آدمی وہاں سے گزرا اور اس بات کو نہ سوچا جو رونے کو لازم کرنے والی ہے اور ان کے حال سے عبرت نہ پکڑی تو وہ بے پروائی میں ان جیسا ہو گیا کیونکہ یہ چیز اس کی سخت دلی اور عدم خشوع پر دلالت کرتی ہے۔ پس کیا معلوم کہ یہ چیز اس کو ان جیسے عمل کی طرف کھینچ لے جائے اور وہ انہی جیسے عذاب کا حقدار بن جائے۔ پس اب یہ اعتراض بالکل ختم ہو گیا کہ جو ظالم نہیں اس کو ظالموں والا عذاب کس طرح پہنچ سکتا ہے کیونکہ اس طرح وہ بے خوف نہیں کہ ظالم قرار پائے اور اس پر اس کو عذاب پیش آ جائے۔ (فتح الباری)

روایت کا فرق: ظلموا انفسهم: یعنی اللہ تعالیٰ کا انکار اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کر کے انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ انہوں نے صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تو گویا سب انبیاء علیہم السلام کو جھٹلایا کیونکہ ان کی دعوت و پیغام ایک ہے۔ شرائع میں اختلاف نقصان دہ نہیں۔ ثم قنع رأسه والسرع السیر حتی اجاز الوادی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک کو ڈھانپ لیا اور رفتار کو تیز کر لیا۔ یہاں تک کہ وادی کو عبور کر لیا۔ اس میں اس بات کی ممانعت فرمائی کہ عبرت کے علاوہ معذب مقامات پر آدمی داخل ہو اور اگر گزرنا پڑے تو جلدی سے گزر جائے۔ وادی کی جمع اودیہ ہے دو ٹیلوں اور پہاڑوں کے درمیان راستہ اور پانی کی گزرگاہ۔

تخریج: اخرجه احمد (۲/۵۲۲۵) والبخاری (۳۳۸۰) و مسلم (۲۹۸۰) وابن حبان (۶۱۹۹) والبیهقی (۲/۴۵۱)

الفرائد: ① ظالموں کے علاقہ سے گزرتے ہوئے ان کے عذاب کا مراقبہ کر لے اس مقام سے ڈرتا اور روتا ہوا گزرے ② اگر ان پر شفقت یا عذاب سے رونے والا نہ ہوگا تو قاسی القلب ہے۔ (خطابی)

کتاب آداب السفر

۱۶۶: بَابُ اسْتِحْبَابِ الْخُرُوْجِ يَوْمَ الْخَمِيْسِ وَاسْتِحْبَابِهٖ اَوَّلَ النَّهَارِ

بَابٌ: جمعرات کے دن نکلنا مستحب ہے اور سفر بھی دن کے شروع میں کرنا

السفرو: یہ سافر کا اسم مصدر ہے قطع مسافت کو کہتے ہیں۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب انسان کوچ کرے یا دوڑ کی مسافت سے زیادہ کا قصد رکھتا ہو۔ عرف عام میں گھڑ دوڑ کی مسافت کو سفر نہیں کہتے (المصباح) اس کو سفر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کے اخلاق سے پردہ اٹھاتا ہے۔ سفر اصل تو ایک دن کا ہے گویا یہ اس آیت سے لیا گیا: ﴿ربنا باعد بین اسفارنا﴾: تفسیر میں ہے کہ ان کا قلیل ترین سفر ایک دن کا تھا ایک مقام میں قیلولہ اور دوسرے مقام پر رات گزارتے اور زادِ راہ کی ضرورت نہ پڑتی

اس کی جمع اسفار ہے۔

الخمیس: اس کوخمیس کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ہفتے کا پانچواں روز ہے۔اول النھار: اگر وہ نکلے تو صبح سویرے ورنہ جس دن اور جس وقت نکلے درست ہے۔

٩٥٦ : وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ خَرَجَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ ، وَكَانَ يُحِبُّ اَنْ يَّخْرُجَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فِي الصَّحِيْحَيْنِ ، لَقَلَّمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَخْرُجُ اِلَّا فِيْ يَوْمِ الْخَمِيْسِ۔

۹۵۶: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے لئے جمعرات کے دن روانہ ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات کے دن ہی سفر پسند فرمانے لگے۔(بخاری' مسلم)

بخاری ومسلم کی روایت میں ہے کہ بہت کم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات کے علاوہ کسی اور دن میں سفر فرماتے۔

و کان یحب: یہ جملہ حالیہ ہے۔آپ نے چونکہ اسی دن سفر شروع کیا اسلئے افضل یہ ہے کہ اسی دن نکلے پھر سوموار پھر ہفتہ۔

دوسری روایت: فلما: یہ ما کافہ ہے تا کہ وہ جملہ فعلیہ پر داخل ہو سکے۔الا یوم الخمیس: یہ پہلی روایت کے بعد اس لئے لائے تا کہ یہ ثابت کریں کہ جمعرات کے دن نکلنا مستحب ہے اور محبت نبوی کا تقاضا ہے۔

تخریج : اخرجه البخاری (۲۹۵۰) و ابو داود (۲۶۰۵)

الفرائد : ① جمعرات کو سفر مستحب ہے۔ بقول تورپشتی اس دن کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ اس دن اعمالِ عباد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوئے ہیں اور آپ کے تمام اسفار اللہ تعالیٰ کے لئے تھے اور اسی کی طرف تھے۔پس اس میں عمل کا اٹھایا جانا پسندیدہ بات ہے ② ہفتہ کے دنوں کا تکمیل دن ہے ③ خمیس اچھے اسماء میں سے ہے آپ اسماء سے اچھا گمان لیتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کی حفاظت بقول قاضی عیاض اس سے آپ دشمن پر غلبہ کا تفاول لیتے تھے یا اس میں غنیمت کا خمس لیا جاتا ہے۔

٩٥٧ : وَعَنْ صَخْرِ ابْنِ وَدَاعَةَ الْغَامِدِيِّ الصَّحَابِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِاُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا" وَكَانَ اِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً اَوْجَيْشًا بَعَثَهُمْ مِّنْ اَوَّلِ النَّهَارِ - وَكَانَ صَخْرٌ تَاجِرًا' وَكَانَ يَبْعَثُ تِجَارَتَهُ اَوَّلَ النَّهَارِ فَاَثْرٰى وَكَثُرَ مَالُهُ - رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ :حَدِيْثٌ حَسَنٌ ۔

۹۵۷: حضرت صخر بن وداعة الغامدی صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: ''کہ اے اللہ! میری امت کے صبح سویرے میں برکت عنایت فرما۔'' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی چھوٹے لشکر یا بڑے لشکر کو بھیجتے تو ان کو دن کے پہلے حصے میں روانہ فرماتے۔یہ حضرت صخر تاجر تھے۔یہ بھی اپنے مال تجارت کو دن کے پہلے حصے میں بھیجتے۔(اس کی برکت سے) مالدار ہوگئے اور ان کا مال بہت بڑھ گیا۔(ابوداؤد' ترمذی)

یہ حدیث حسن ہے۔

صخر بن وداعه غامدی: رضی اللہ عنہ یہ غامد کی طرف نسبت ہے جو کہ ازد کا ایک قبیلہ ہے۔اس کا نام عمرو بن کعب بن حارث بن کعب بن عبداللہ بن مالک بن نضر بن ازد ہے۔بعض نے کہا کہ انہی کو غامد کہا جاتا ہے کیونکہ قوم میں اختلاف تھا اس نے ان میں صلح کرادی اور وہ آپس میں جڑ گئے۔ابن حجرؒ کہتے ہیں۔یہ صخر حجازی ہیں طائف میں اقامت اختیار کر لی۔ان سے عمارہ بن حدید سے ہی روایت نقل کی ہے۔سنن اربعہ نے ان سے روایت لی ہے۔ان سے دو احادیث مروی ہیں (مختصرا للتلقیح) برقی نے کہا ان کی صرف ایک روایت ہے۔ان کا عام وفات معلوم نہیں۔**اللهم بارك:** اے اللہ عظیم و کثیر برکت نازل فرما۔ **بكورها:** بکر بکورا اور غدا غدوا یہ ابتداء دن کے لئے استعمال ہوتے ہیں (المصباح) اس کا صلہ علیٰ الیٰ فی کے ساتھ جس صورت میں آئے معنی ایک ہے۔**اتاه بكرة:** کہ وہ صبح سویرے آیا۔بکرہ وغدوہ میں ضمہ اول آتا ہے۔**يبعث تجارته:** حصولِ برکت کے لئے تجارتی قافلہ صبح سویرے روانہ کرتے۔**فاثرىٰ:** وہ مالدار ہو گئے۔

ایک تعقیب: ترمذی نے تو یہ کہہ دیا ان کی اور کوئی روایت معروف نہیں مگر ابن حجر کہتے ہیں طبرانی نے روایت نقل کی جس کے آخر میں ہے:"**لا تسبوا الاموات**"۔

تخریج : ترمذی، احمد، نسائی فی السیر، ابن ماجه فی التجارات، یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بھی ترمذی نے نقل کی ہے (اطراف)

الفرائد : ① خیر کی راہوں مثلاً علم، کسب، سفر سفر اول دن میں تلاش کرنا چاہئے کیونکہ وہ برکت کا وقت ہے ② دن کے شروع میں آپ لشکر روانہ فرماتے ③ جس نے اس مبارک طریقہ کو پایا اس نے خیر کو پالیا۔

۱۶۷ :بَابُ اسْتِحْبَابِ طَلَبِ الرُّفْقَةِ وَ تَأْمِيْرِهِمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَاحِدًا يُّطِيْعُوْنَهٗ

بَابٌ: رفقاءِ سفر کا تلاش کرنا اور اپنے میں سے ایک کو امیر سفر مقرر کرنے کا استحباب

طلب الرفقه: مسافر ساتھی تلاش کرے جس کے ساتھ سفر کر سکے رفقہ کو رفقہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے دوسروں کو سہولت ملتی ہے۔**تاميرهم:** اس کو امیر بنانا بہتر ہے جو سفر کے معاملات سے واقف ہو اور سمجھ دار ہو۔**يطيعونه:** امیر بنانے کی حکمت کے لئے یہ جملہ مستانفہ لایا گیا ہے۔یہ جملہ واحد کی صفت بھی بن سکتا ہے۔یعنی مناسب یہ ہے امیر وہ ہو جو اپنی ہیبت و جلال کی وجہ سے مطاع ہو۔

۹۵۸ :عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :"لَوْ اَنَّ النَّاسَ يَعْلَمُوْنَ مِنَ الْوَحْدَةِ مَا اَعْلَمُ مَا سَارَ رَاكِبٌ بِلَيْلٍ وَحْدَهٗ" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۹۵۸: حضرت بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر لوگ اکیلے سفر کرنے کا

نقصان اتنا جان لیتے جتنا میں جانتا ہوں کبھی کوئی سوار رات کو اکیلا سفر نہ کرتا۔ (بخاری)

الوحدة: یعنی اکیلے سفر اختیار کرنا۔ **ما اعلم:** جو چیز میں جانتا ہوں۔ (۲) جہاں مجھے علم ہے۔ اس عبارت میں اکیلے سفر کرنے کے متعلق کس قدر احتیاط بتلائی گئی ہے۔ وہ بیان میں نہیں آ سکتیں۔ ان اپنے مدخول کے ساتھ فعل شرط کا فاعل ہے۔ ای لو **ثبت علم الناس ما اعلم من ضرر الوحدة الدنیوی و الدینی کحرمانه من الصلاة بالجماعة وعدم من یعینه فی حوائجه:** اگر لوگوں کو وہ دینی دنیوی ضرر معلوم ہو جائے جو میں جانتا ہوں تو کبھی اکیلے سفر نہ کریں۔ جیسے جماعت سے محرومی، ضروریات میں مددگار کا میسر نہ ہونا اور راستے میں بسا اوقات بیمار پڑ جانا۔ پھر وہاں اس کی تیمارداری والا کوئی نہیں، اگر فوت ہو جائے تو اس کے معاملات وراثت کا کون ذمہ دار ہو جو سامان اس کے گھر والوں تک پہنچائے۔ اگرچہ یہ باتیں دوسرے ساتھی سے حاصل ہو جاتی ہیں مگر تین بہتر ہیں۔ حدیث میں فرمایا: "الثلاثة رکب"۔ **سار راکب بلیل:** رات کی قید اضافہ ضرر کی وجہ سے لگائی گئی کہ ایک تو اکیلا ہے اور دوسرا رات کا اندھیرا بھی اپنے ضرر کے ساتھ شامل ہے۔ **وحده:** یہ راکب سے حال ہے حال چونکہ نکرہ آتا ہے تو ضمیر کی طرف اضافت کی وجہ سے اس میں تعریف نہیں آتی۔ یہ جمہور کا قول ہے۔ بعض نے لیل کے لفظ سے یہ مفہوم لیا کہ اکیلے سفر رات کو درست نہیں دن کو درست ہے۔ حدیث میں علم معرفت کے معنی میں ہے (شرح للمشارق مثال)

تخریج : اخرجه احمد (۲/٤٧٧٠) والبخاری (۲۹۹۸) والترمذی (۱٦٧٩) والدارمی (۲/۲۸۷) وابن حبان (۲۷۰٤) وابن خزیمة (۲٥٦۹) والنسائی (۸۸٥۱) والحاکم (۲٤۹۳) والبیهقی (٥/۲٥٧) وابن ماجه (۳٧٦۸) وابن ابی شیبة (۹/۳۸)

الفرائد : اکیلئے رات کو سفر میں ہلاکت کا خدشہ ہے کیونکہ مسافر کو خوف و وحشت پیش آتا ہے۔

۹٥۹ : وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "الرَّاكِبُ شَيْطَانٌ ، وَالرَّاكِبَانِ شَيْطَانَانِ ، وَالثَّلَاثَةُ رَكْبٌ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ ، وَالتِّرْمِذِيُّ ، وَالنَّسَآئِيُّ بِاَسَانِيْدَ صَحِيْحَةٍ ، وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ : حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

۹٥۹: حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اکیلا سوار ایک شیطان ہے اور دو سوار، دو شیطان ہیں اور تین سوار ایک قافلہ ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی نے صحیح سندوں سے روایت کیا ہے۔

ترمذی نے کہا یہ روایت حسن ہے۔

جده: سے شعیب کے دادا عبداللہ بن عمرو مراد ہیں۔ **الراکب الشیطان:** راکب کا یہاں مفہوم مقصود نہیں جیسا ذکورت کا مفہوم مقصود نہیں۔ عورت، چلنے والا سب یہی حکم رکھتے ہیں۔ **یقول عراقی:** معنی یہ ہے کہ سوار کے ساتھ ایک شیطان ہے یا شیطان سے تشبیہ مقصود ہے کیونکہ اس کی عادت وادیوں اور غسل خانوں، طہارت خانوں میں الگ رہنے کی ہے۔ خطابی کہتے ہیں اکیلے سفر شیطانی حرکت ہے اور اس پر شیطان آمادہ کرتا ہے۔ اسی لئے اس کے کرنے والے کو شیطان کہہ دیا۔ اسی طرح دو جن

کے ساتھ تیسرا نہ ہو۔ والثلاثة رکب: جب تین ہوں گے تو مصائب سفر پر ایک دوسرے کے معاون ہونگے اور ایک دوسرے کی تکلیف کا ازالہ کرینگے۔ اصل میں رکب اونٹ والوں کو کہتے ہیں۔ اونٹ گھوڑے اور خچر والوں کا ایک ہی حکم ہے۔

تخریج : اخرجه مالك (۱۸۳۱) واحمد (۲/۲۷۶۰) و ابو داود (۲۶۰۷) والنسائی (۵/۸۸۴۹) والحاکم (۲/۲٤۹٦)

الفرائد : تین جماعت ہے اور برکت ان کے ساتھ ہے۔

۹٦۰ : وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَّاَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَا : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِیْ سَفَرٍ فَلْیُؤَمِّرُوْا اَحَدَهُمْ حَدِیْثٌ حَسَنٌ ، رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ بِاِسْنَادٍ حَسَنٍ۔

۹٦۰: حضرت ابوسعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تین آدمی سفر پر جائیں تو ایک کو وہ امیر بنالیں۔'' حدیث حسن ہے۔

ابوداؤد نے احسن سند سے روایت کی ہے۔

ابوسعید رضی اللہ عنہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس لئے مقدم کیا کہ وہ پہلے اسلام لائے۔ اگر چہ روایات ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زیادہ ہیں۔ اذا خرج ثلاثة: ظاہر حدیث سے مفہوم عدد کا اعتبار معلوم ہوتا ہے۔ بعض نے اس کو لازم قرار دیا ہے۔ بعض نے کہا کہ دو کو تین پر قیاس کرنا بعید نہیں اور اس بات کے منافی نہیں کہ وہ دونوں دو شیطان ہوں یعنی اس کی طرح ہوں۔ فی سفر: اگر وہ کراہیت والا سفر ہو۔ فلیو مروا: انہیں اسباب سفر مہیا کرنے کو کہا جائے گا وہ اپنے میں سے ایک کو امیر بنالیں اگر وہ فاسق ہو کیونکہ یہ امارت دونوں ساتھیوں کی رضا سے ہے۔ فاسق فلایت شرعیہ میں مستحق ولایت نہیں اور بوقت ضرورت اس کی ولایت ختم نہ ہوگی۔ اگر چہ افضل کی ولایت زیادہ بہتر ہے۔ جس کی رائے بھی اچھی ہو۔ جب تعارض ہو تو ذی رائے کو مقدم کیا جائے گا کیونکہ سفر میں امارت کا مقصد مصائب سفر سے حفاظت ہے۔ یہ امیر انقطاع سفر سے معزول ہو جائے گا یا کسی شدید غلطی سے بھی معزول ہو جائے گا یا اقامت اختیار کرنے سے بھی معزول ہو جائے گا۔

تخریج : اخرجه ابو داود (۲٦۰۸)

الفرائد : تین ہوں گے تو ان پر ایک امیر بنایا جائے گا۔

۹٦۱ : وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ : "خَیْرُ الصَّحَابَةِ اَرْبَعَةٌ وَخَیْرُ السَّرَایَا اَرْبَعُ مِائَةٍ ، وَخَیْرُ الْجُیُوْشِ اَرْبَعَةُ الَافٍ ، وَلَنْ یُّغْلَبَ اثْنَا عَشَرَ اَلْفًا مِّنْ قِلَّةٍ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ : حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

۹٦۱: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بہترین ساتھی چار ہیں' بہترین چھوٹا لشکر چار سو کا ہے' بہترین بڑا لشکر چار ہزار کا ہے اور بارہ ہزار کا لشکر محض تعداد کی کمی سے ہرگز مغلوب

نہ ہوگا۔'' (ابوداؤد)

ترمذی نے کہا حدیث احسن ہے۔

الصحابة: یہ صاحب کی جمع ہے اس کی جمع صحب' اصحاب' صحابہ آتی ہے (المصباح) ازہری کہتے ہیں صاحب اور صحب اس کو کہتے ہیں جس کو مجلس میسر ہو۔ **اربعة:** غزالی کہتے ہیں کہ یہ چیز بلاعیب وریب ہے کہ چار کی تخصیص کا فائدہ یہ ہے کہ مسافر کو محافظ اور معاون کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر تین ہوں گے تو آنے جانے والا سفر میں اکیلا آئے جائے گا۔ پس وہ دلی تنگی سے تو محفوظ نہیں رہ سکتا اور اگر دو چلے جائیں تو سامان کے پاس اکیلا رہ جائے گا۔ یہ بات بھی خطرے سے خالی نہیں اور دلی تنگی سے بچا ہوا نہیں۔ چار سے کم میں مطلب پورا نہیں ہوتا اور اس نے زائد تو ضرورت سے زائد ہیں اور جو اس سے استغناء اختیار کرتا' ہمت اس کا رخ نہیں کرتی پس بہترین ساتھی چار ہیں اور ابن رسلان کہتا ہے کہ الف لام عہد کا بھی ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سب سے بہتر چار ہیں۔ اس سے مراد خلفاء راشدین ہوں مگر پہلا مطلب راجح ہے۔ عاقولی نے خلفاء ہی مراد لئے ہیں اور ان چار کی برکت چار ساتھیوں میں سرایت کرے گی۔ پس مطلق چار بھی خیریت والے ہوں گے واللہ اعلم۔ **خیر الروایا:** یہ سریہ کی جمع لشکر کا چھوٹا حصہ یہ لشکر سے نکل کر اسی کی طرف لوٹتا ہے۔ ابراہیم حربی کہتے ہیں سریہ چار سو سواروں کا دستہ۔ اس کو خیر السرایا فرمایا گیا۔ سری۔ یسری رات کو چلنا۔ یہ فعیلہ بمعنی فاعلہ ہے۔ اسی وجہ سے اس کو سریہ کہتے ہیں مگر ابن اثیر نے اس کو ضعیف قرار دیا اور کہا کہ ان کو اس لئے سریہ کہتے کیونکہ یہ لشکر کا خلاصہ ہوتا ہے۔ السری۔ نفس' سردار۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سے تحدید عدد مقصود نہیں اہل بدر خیر السرایا اور اصحاب طالوت خیر السرایا۔ ان کی تعداد تین سو سے چار سو اور پانچ سو تک ہے۔ (ابن رسلان) مگر مقصود سے یہ بات بعید ہے بس اس قدر کہا جائے گا کہ سریہ کی تعداد کا بہترین مرتبہ یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے کم ہو تو مقصد حاصل نہیں اور زیادہ تو حالت سے زائد ہے اور اس کی فضیلت امور خارجیہ کی وجہ سے ہے جو کہ تحدید کے خلاف نہیں۔ **اربعة الآف:** کو خاص کرنے کی وجہ بھی وہی ہے جو اربعہ مالہ میں ذکر کی گئی اور لشکر کے یہ اجزاء ماقبل کی مناسبت سے ہیں۔ **من قلة:** یہ من تعلیلیہ ہے۔ یہ قلت تعداد سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔ البتہ اور وجہ مغلوبیت کی ہو سکتی ہے مثلاً خود پسندی' تزیین شیطان وغیرہ عسکری کی روایت میں خیر الطلائع اربعون کے الفاظ بھی ہیں۔

تخریج : اخرجه احمد (۱/۲۶۸۲) و ابو داود (۲۶۱۱) والترمذی (۱۵۶۱) وابن حبان (٤٧١٧) وابن خزيمة (۲۵۳۸) والحاكم (۲/۲٤۸۹) و ابو يعلی (۲۵۸۷)

الفوائد : ① خیریت اس امت کی کثرت میں ہے اور اس کے اللہ تعالیٰ کی محبت پر جمع ہونے میں ہے ② اگر بارہ ہزار لڑنے والے جمع ہو جائیں تو وہ قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں اور کوئی وجہ مغلوبیت کی بن جائے تو الگ بات ہے۔ مثلاً جیسا کہ منافقت وغیرہ۔

۱۶۸ : بَابُ آدَابِ السَّيْرِ وَالنُّزُوْلِ وَالْمُبِيْتِ وَالنَّوْمِ فِي السَّفَرِ وَاسْتِحْبَابِ

السُّرٰی وَالرِّفْقِ بِالدَّوَابِّ وَمُرَاعَاةِ مَصْلِحَتِهَا وَجَوَازِ الْاِرْدَافِ عَلَی الدَّآبَّةِ اِذَا کَانَتْ تُطِیْقُ وَاَمْرِ مِنْ قَصَّرَ فِیْ حَقِّهَا بِالْقِیَامِ بِحَقِّهَا

بَابٌ: سفر میں چلنے، ستانے، رات گزارنے اور سفر میں سونے کے آداب اور رات کو چلنے اور جانوروں کے ساتھ نرمی کرنے اور ان کے آرام وراحت کا خیال رکھنے کا استحباب اور جب جانور میں طاقت ہو تو پیچھے سواری بٹھا لینے کا جواز اور اس کا معاملہ جو جانور کے حقوق میں کوتاہی کرے

المبیت: رات گزارنا یہ مصدر میمی ہے۔ فی السفر: ظرف کائنات فیہ سے متعلق ہے۔ السریٰ: رات کو سفر کرنا۔ الرفق بالدواب: طاقت سے زیادہ نہ ان پر بوجھ ڈالیں اور نہ طاقت سے زیادہ تیز چلائیں۔ مصلحتھا: جو اس کے لئے مناسب ہوں۔ بالقیام بحقھا: واجب حق میں کوتاہی ہو وجوباً پورا کریں اور استحبابی امر میں کوتاہی تو استحباباً پورا کریں۔ الارداف: ضرورت کے وقت رضائے الٰہی کے لئے دوسرے کو پیچھے سوار کرلیں۔ تطیق به: اگر جانور طاقت رکھتا ہو ورنہ نہ بٹھائیں۔

٩٦٢: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "اِذَا سَافَرْتُمْ فِی الْخِصْبِ فَاَعْطُوا الْاِبِلَ حَظَّهَا مِنَ الْاَرْضِ، وَاِذَا سَافَرْتُمْ فِی الْجَدْبِ فَاَسْرِعُوْا عَلَیْهَا السَّیْرَ وَبَادِرُوْا بِهَا نِقْیَهَا، وَاِذَا عَرَّسْتُمْ فَاجْتَنِبُوا الطَّرِیْقَ فَاِنَّهَا طُرُقُ الدَّوَآبِّ وَمَاْوَی الْهَوَآمِّ بِاللَّیْلِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

مَعْنٰی "اَعْطُوا الْاِبِلَ حَظَّهَا مِنَ الْاَرْضِ" اَیْ اَرْفُقُوْا بِهَا فِی السَّیْرِ لِتَرْعٰی فِیْ حَالِ سَیْرِهَا۔ وَقَوْلُهٗ، "نِقْیَهَا" هُوَ بِکَسْرِ النُّوْنِ وَاِسْکَانِ الْقَافِ وَبِالْیَآءِ الْمُثَنَّاةِ مِنْ تَحْتِ وَهُوَ: الْمُخُّ، مَعْنَاهُ اَسْرِعُوْا بِهَا حَتّٰی تَصِلُوا الْمَقْصِدَ قَبْلَ اَنْ یَّذْهَبَ مُخُّهَا مِنْ ضَنْكِ السَّیْرِ۔ "وَالتَّعْرِیْسُ" النُّزُوْلُ فِی اللَّیْلِ۔

٩٦٢: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم خوشحالی کے زمانے میں سفر کرو تو اونٹ کو زمین میں چلنے کا موقع دو اور جب خشک سالی میں سفر کرو تو اس پر تیزی سے سفر کرو اور اس کا گودہ ختم ہونے سے پہلے منزل تک پہنچنے میں جلدی کرو اور جب تم رات کو ٹھہرو تو راستے سے ہٹ کر ٹھہرو۔ کیونکہ وہ جانوروں کے راستے ہیں اور رات کیڑوں مکوڑوں کا ٹھکانہ ہے۔ (مسلم)

اَعْطُوا الْاِبِلَ حَظَّهَا: چلنے میں اس کے ساتھ نرمی کرو۔ تاکہ سفر کے دوران چر سکے۔

نِقْيَهَا: مغز اور گودہ پہ نون کے ساتھ اور ق کے سکون اور اس کے بعد یا کے ساتھ ہے۔

مفہوم ان کا یہ ہے کہ ان کو تیز لے جاؤ تا کہ تم منزل تک ان کا گودہ ختم ہونے سے پہلے وہاں پہنچ جاؤ جو کہ راستے میں تنگی کی وجہ سے ختم ہوتا ہے۔

تَعْرِيْسُ رات کو پڑاؤ ڈالنے اور آرام کرنے کو کہتے ہیں۔

الخصب: یہ سمع باب سے ہے۔ وہ مکان جہاں گھاس وغیرہ خوب ہو۔ **حظها من الارض**: ان کو وقتاً فوقتاً چرنے دو۔ **الجدب**: خشک زمین۔ **فاجتبوا الطريق**: راہ سے ہٹ کر اترو۔ آگے **فانها**: سے اس کی علت بیان کی گئی ہے کیونکہ ان کو بنے ہوئے راستہ پر چلنے میں سہولت ہے۔ بسا اوقات اترنے والے کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ **ماوی**: وہ کیڑوں کے ٹھہرنے کی جگہ وہ فطرۃً اس کے قریب بیٹھتے ہیں تا کہ گری پڑی خوراک کو حاصل کریں پس اس کی تلاش میں حملہ آور ہوتے ہیں۔ **ارفقوا بها**: کا مطلب ان سے نرمی کرو چرنے میں رکاوٹ نہ کرو تا کہ چلتے چلتے وہ خوراک و سفر پورا کرلیں۔ **نقيها**: کا معنی مخ والی ہڈی یعنی قحط زدہ سرزمین تیزی سے سفر کرو تا کہ اونٹوں کا مخ برقرار رہتے ہوئے وہ اسے عبور کرلیں۔ **نزول في الليل**: سے نیند یا استراحت یا کسی بھی وقت میں نزول۔

تخریج : اخرجه مالك (١٨٣٤) و مسلم (١٩٢٦) وابو داود (٢٥٦٩) والترمذی (٢٨٥٨) وابن حبان (٢٧٠٣) وابن خزيمة (٢٥٥٠) والبيهقی (٥/٢٥٦) واحمد (٣/٨٤٥٠)

الفرائد: ① جانوروں سے بھی نرمی اور ان کی خبر گیری کرنی چاہیے ② راستہ میں پڑاؤ نہ ڈالے تا کہ اس کو تکلیف و ایذاء نہ پہنچ جائے۔

❁ ❁ ❁

٩٦٣ : وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَانَ فِيْ سَفَرٍ فَعَرَّسَ بِلَيْلٍ اضْطَجَعَ عَلٰى يَمِيْنِهٖ وَاِذَا عَرَّسَ قُبَيْلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَهٗ وَوَضَعَ رَاْسَهٗ عَلٰى كَفِّهٖ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

قَالَ الْعُلَمَآءُ :اِنَّمَا نَصَبَ ذِرَاعَهٗ لِئَلَّا يَسْتَغْرِقَ فِي النَّوْمِ فَتَفُوْتَ صَلٰوةُ الصُّبْحِ عَنْ وَقْتِهَا اَوْ عَنْ اَوَّلِ وَقْتِهَا۔

۹۶۳: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے اور کسی جگہ رات کو ٹھہرتے وہی کروٹ پر لیٹتے اور جب صبح سے تھوڑی دیر پہلے ٹھہرتے تو اپنا دایاں بازو کھڑا کر لیتے اور اپنا سر مبارک ہتھیلی پر رکھ لیتے۔ (مسلم)

علماء نے فرمایا کہ بازو کو کھڑا کرنا یعنی صراز کرنا اس لئے تھا تا کہ دین میں استغراق نہ ہو۔ جس سے صبح کی نماز اپنے وقت یا اصل وقت سے رہ جائے۔

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے نام سے متعلق اختلاف ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ ان کا نام حارث بن نعمان رضی اللہ عنہ ہے۔ **فعرس**

بلیل: لیل کا تذکرہ کیا تا کہ معلوم ہو کہ رات کا کچھ حصہ باقی رہتے ہوئے تعریس فرماتے۔ **اضطجع علی یمینہ**: کیونکہ نفس اپنا نیند والا حق بقاء لیل کی صورت میں کر سکتا ہے۔ دائیں جانب بہترین جانب ہے جس پر سویا جاتا ہے۔ اس جانب دل معلق ہونے کی وجہ سے نیند میں مستغرق نہیں ہوتا پس نیند میں ڈوبتا نہیں۔ **قبیل الصبح**: جب رات کا صرف اتنا حصہ باقی ہوتا جس سے بدن کا نیند والا حصہ پورا نہ ہو سکتا تھا۔ **نصب ذراعہ**: اپنے دائیں بازو کو کھڑا کر کے سر مبارک اپنی ہتھیلی پر رکھتے۔ علماء کا قول نوم استغراق سے بچنے کے لئے یہ تدابیر اختیار فرماتے اور اس لئے بھی تا کہ نماز صبح فوت نہ ہو اگر کوئی بیدار کرنے والا ہو تو اس وقت سونا ممنوع نہیں اسی طرح نیند کا شدید غلبہ ہو کہ جس سے احساس ہی غائب ہے تو سو سکتا ہے یا اس کی عادت مسترہ پہلے جیسی ہو یا اسے کوئی بیدار کرنے والا ہو۔

تخریج : اخرجہ مسلم (٦٨٣) والحاکم (١٦٣١/١)

الفرائد :اس روایت میں آپ ﷺ کے شروع رات اور آخر رات سفر میں آرام کی کیفیت ذکر کی گئی ہے۔

❁ ❁ ❁

٩٦٤ : وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :"عَلَیْکُمْ بِالدُّلْجَۃِ ، فَاِنَّ الْاَرْضَ تُطْوٰی بِاللَّیْلِ" رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ بِاِسْنَادٍ حَسَنٍ۔

"اَلدُّلْجَۃُ" اَلسَّیْرُ فِی اللَّیْلِ۔

۹۶۴: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم رات کو سفر کرو اس لئے کہ زمین رات کو لپیٹ دی جاتی ہے"۔ (ابوداؤد)

صحیح سند سے۔

اَلدُّلْجَۃُ :رات کو سفر کرنا۔

بالدلجۃ: رات کو سحری تک یا اس کے علاوہ ہو چلنا۔ **تطوی باللیل**: یہ فعل مجہول ہے۔ بافی کے معنی میں ہے یا سببیہ ہے۔ لپٹنا حقیقت میں ہے۔ اس کے بعض حصے بعض میں داخل ہو جاتے ہیں اور یہ ارشاد بھی وارد ہے: **"علیکم بالدلجۃ فان للّٰہ ملائکہ یطوون الارض للمسافر کم تطوی القراطیس"** (طبرانی): بعض نے کہا یہ مجاز ہے کہ اس میں جانور جتنا سفر کرتے ہیں دن میں اتنا طے نہیں کرتے کیونکہ رات کی ٹھنڈک کی وجہ سے وہ چستی میں ہوتے ہیں۔ خصوصاً رات کا آخری حصہ کہ جس میں کی جانے والی عبادات اور مباحات میں بہت برکت ہوتی ہے کیونکہ یہ تجلیات الٰہیہ کا وقت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"ما سر باھلك بقطع من اللیل"**: ساری رات کی سیاہی میں چلنا جبکہ ابھی رات کا کچھ حصہ باقی ہو۔ ابن رواحہ کہتے ہیں:

عند الصباح یحمد القوم السری ☆ وتنجلی عنھم غیابات السکری

حاصل: رات چلنے کی لوگ صبح تعریف کرتے ہیں اور نیند کے نشے ان سے چھٹ جاتے ہیں۔

پھر رات کے اول حصہ میں چلنے کی ممانعت وارد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"لا ترسلوا مواشیکم وصبیانکم اذا غابت الشمس حتی تذھب فحمۃ العشاء"**: یہ صحیح کی روایت ہے۔ بیہقی نے رات کے اول حصہ میں

سفر کو مکروہ قرار دیا ہے۔ مگر نووی کہتے ہیں مطلق کراہت تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ بہتر قول یہ ہے کہ کراہت نہیں۔ شیخ عبدالرؤف مکی نے کہا مواشی چھوڑنے کے کراہت سے بلا محافظ چھوڑنا مراد ہے۔

تخریج: اخرجه ابو داود (۲۵۷۱) والحاکم (۱۶۳۰/۱)

الفرائد: ① رات کو سفر کرنا چاہئے کیونکہ رات کو زمین مسافر کے لئے سمیٹ لی جاتی ہے ② تضیع وقت اور مشقت سے کافی قدر بچ جاتا ہے۔

٩٦٥ :وَعَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ النَّاسُ اِذَا نَزَلُوْا مَنْزِلًا تَفَرَّقُوْا فِی الشِّعَابِ وَالْاَوْدِیَةِ – فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :اِنَّ تَفَرُّقَكُمْ فِیْ هٰذِهِ الشِّعَابِ وَالْاَوْدِیَةِ اِنَّمَا ذٰلِكُمْ مِّنَ الشَّیْطَانِ؟" فَلَمْ یَنْزِلُوْا بَعْدَ ذٰلِكَ مَنْزِلًا اِلَّا انْضَمَّ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ' رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ بِاِسْنَادٍ حَسَنٍ۔

۹۶۵: حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب لوگ کسی مقام پر اترتے ہیں تو وہ گھاٹیوں اور وادیوں میں بکھر جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارا یہ وادیوں اور گھاٹیوں میں بکھرنا شیطان کی شرارت ہے۔''

اس کے بعد جس مقام پر بھی اترے تو ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہے۔ (ابوداؤد)
صحیح سند کے ساتھ۔

ابو ثعلبه خشینی: رضی اللہ عنہ یہ اپنی کنیت سے معروف ہیں ان کا نام بعض نے جرثوم بعض نے جرثومہ بعض نے جرثم یا جرہم یا لاشر یا لاش یا لاسومۃ یا ناسب یا یاسر یا عروق یا سواء یا زید یا اسود ہے۔ ان کے والد کے نام میں بھی اختلاف ہے۔ ان کی وفات ۷۵ھ میں ہوئی۔ بعض نے اس سے بہت پہلے خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ میں ۴۰ھ میں انتقال کیا۔ صحاح ستہ نے ان کی روایت ذکر کی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے چالیس روایات نقل کی ہیں۔ جن میں بخاری و مسلم میں چار ہیں تین متفق علیہ اور ایک میں مسلم منفرد ہیں۔ **نزلوا منزلا**: منازل سفر میں سے کسی جگہ اترتے۔ **تفرقوا فی اشعاب**: جمع شیعب۔ پہاڑ میں گزرگاہ کو کہا جاتا ہے (المصباح) **اودیه**: یہ وادی کی جمع ہے۔ دو پہاڑوں میں کھلی جگہ۔ ٹیلوں میں پانی بہنے کا راستہ۔ **ان تفرقکم فی هذه الشعاب**: یہ ظرف لغو مصدر سے متعلق ہے یا ظرف مستقر ہو تو حال یا صفت ہے یعنی تمہارا بکھرنا جب کہ وہ واقع ہو۔ اضافت تعریف جنس کو ظاہر کرتی ہے۔ **انما ذلکم**: ظرف کی وجہ سے فاصل زیادہ ہو گیا تو دوبارہ کم ضمیر لائے جیسا اس ارشاد میں: ﴿ایعدکم انکم اذا متم و کنتم ترابا وعظاما انکم مخرجون﴾: مشار الیہ تفرق ہے کم خطاب کا جمع مخاطبین کے لئے ہے اور من الشیطان یہ اس کی خبر ہے۔ یہ شیطان کے وسوسے اور اغواء کی وجہ سے ہے کیونکہ رفاقت کا مقصد تو سفر سواری نہ ہونے کی وجہ سے اور یا دوسرے مصائب پیش آ جاتے ہیں ان میں مدد کی خاطر ہے اور منتشر ہونا اس سے مانع ہے۔ **فلم ینزلوا**: اس کے بعد آپ ﷺ کے حکم کی اطاعت میں اکٹھے اترتے اور شیطان کی شرارت سے بھی محفوظ ہو گئے اور

رحمان کے حکم کی تعمیل بھی ہوگئی۔

تخریج : اخرجه احمد (٦/١٧٧٥١) وأبو داود (٢٦٢٨) وابن حبان (٢٦٩٠) والحاكم (٢٥٤٠) والبيهقى (١٥٢/٩)

الفرائد :سفر میں اجتماعیت کو برقرار رکھنے میں بے شمار فائدے ہیں۔سفر میں تفرق شیطانی حرکت ہے۔

٩٦٦ :وَعَنْ سَهْلِ بْنِ عَمْرٍو – وَقِيْلَ سَهْلِ بْنِ الرَّبِيْعِ بْنِ عَمْرٍو الْاَنْصَارِيِّ الْمَعْرُوْفِ بِابْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ ، وَهُوَ مِنْ اَهْلِ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِبَعِيْرٍ قَدْ لَحِقَ ظَهْرُهُ بِبَطْنِهِ فَقَالَ: اتَّقُوا اللّٰهَ فِيْ هٰذِهِ الْبَهَآئِمِ الْمُعْجَمَةِ فَارْكَبُوْهَا صَالِحَةً وَكُلُوْهَا صَالِحَةً رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ۔

۹۶۶: حضرت سہل بن عمرو اور بعض نے سہل بن الربیع بن عمرو انصاری جو ابن الحنظلیہ کے نام سے مشہور تھے اور وہ بیت رضوان والوں میں سے ہیں (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک ایسے اونٹ کے پاس سے ہوا جس کی پشت پیٹھ سے لگی ہوئی تھی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرو اور ان پر سواری کرو اس حال میں کہ یہ ٹھیک ہوں اور ان کا گوشت کھاؤ۔ اس حال میں کہ یہ تندرست ہوں۔ ابوداؤد صحیح سند کے ساتھ۔

سهل بن عمرو :بعض نے سہل بن الربیع بن عمرو بن عدی بن زید انصاری بتلایا۔ یہ خاندان اوس کی شاخ بنو حارثہ سے ہیں۔
ابن الحنظلیه: یہ ان کی والدہ کا نام ہے یا دادیوں میں سے کسی کا نام ہے۔ اسد الغابہ میں یہ لقب ذکر کیا مگر والد کے متعلق اختلاف ذکر نہیں کیا۔ (اسد الغابہ) **هو من اهل بيعة الرضوان**: یہ بیعت حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے پیش آئی۔ یہ لوگوں سے الگ تھلگ رہنے والے ذکر و نماز کثرت سے کرنے والے تھے۔ جب تک مسجد میں رہتے نفل پڑھتے رہتے۔ جب واپس ہوتے تو تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے یہاں تک کہ گھر پہنچتے۔ دمشق میں سکونت اختیار کی خلافت معاویہ کی ابتداء میں وفات پائی۔ کوئی اولاد نہ چھوڑی۔ ابن حجر نے ان کے والد کا نام ربیع ذکر کیا بعض نے عبید اور بعض نے عقیب بن عمرو اور بعض نے عدی لکھا ہے۔ یہ زیادہ مشہور ہے۔ یہ عدی بن عمرو بن مالک بن اوس انصاری اوسی ہیں۔ ابن ابی خیثمہ کہتے ہیں کہ حنظلیہ ان کی والدہ ہیں بعض نے دادی بتلائی ہے۔ بعض نے کہا عمرو ان کی ام جدہ کا بیٹا ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں حنظلیہ یہ عمرو بن عدی کی والدہ ہے اور اس کا نام ام ایاس بن وارم تمیمیہ ہے۔ چنانچہ عمرو کی تمام اولاد کو ابن حنظلیہ کہا جاتا ہے۔ ان کے اولاد نہ تھی۔ یہ بدر کے علاوہ تمام مشاہد میں موجود تھے (ابن سعد) مزی کہتے ہیں ان کو حنظلیہ کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی دادی بنی حنظلہ سے تھی جو کہ تمیم قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اطراف میں ان کی پانچ احادیث مذکور ہیں بخاری و مسلم میں ان کی کوئی روایت نہیں۔ ابن جوزی نے مختصرا تلقیح میں ان کو ان لوگوں میں شامل کیا جن سے تقی بن مخلد کی مسند میں ۱۹ احادیث روایت کی گئی ہیں۔ (التلقیح)
بعیر : یہ لفظ انسان کی طرح ہے نر و مادہ دونوں کے لئے آتا ہے اور جمل مذکر کے ساتھ خاص ہے اور ناقہ مونث کے لئے مخصوص

ہے (المصباح) لحق ظهره ببطنه: بھوک اور مشقت کی وجہ سے اس کا پیٹ کمر سے لگا ہوا تھا۔ اتقوا اللّٰہ: تقویٰ تو ہر ہر موقعہ پر لازم ہے۔ مگر یہاں خصوصاً بہائم کے سلسلہ میں تاکید فرمائی کہ ان کو تمہاری سواریاں بنایا گیا۔ بهائم: یہ بہیمہ کی جمع ہے کیونکہ وہ بات نہیں کر سکتے اور جو انسان اپنی بات پوری واضح نہ کر سکے اس کو اعجم، معجم و مستعجم کہتے ہیں (دمیری)۔ فار کبوها: یہ امر اباحت کے لئے ہے کہ جب یہ سواری کے لائق ہوں تو ان پر سواری کرو۔

النَّحْو: صالحة: یہ ضمیر مفعولی سے حال ہے۔ و کلوها: جب شرعی تذکیہ کرلو۔ صلاح اشارہ کیا جو اسباب کے تحت کھائے جانے کے لائق ہوں۔ البتہ وہ وقتی طور پر مستثنیٰ رہیں گے جو ہدی و نذر کے جانور ہوں، وہ ہدی بھیجنے والے کو کھانے درست نہیں۔ یہاں دو عام فائدے ذکر فرمائے سواری اور کھانا یا صلاحیت کے یہ دو نشان بتلائے جو کہ اہم ترین ہیں۔

تخریج : اخرجه احمد (٦/١٧٦٤٢) و ابو داود (٢٥٤٨) وابن حبان (٥٤٥)

الفرائد : ① جانوروں کی نگہبانی کرو تا کہ وہ سفر میں تمہارے کام آ سکیں ② اگر سفر کے لئے سوار ہو جاؤ تو ایسی حالت میں سواری کرو کہ وہ چلنے کے قابل ہوں۔ اگر چارہ کھانے کے لئے چھوڑنا چاہتے ہو تو دوڑاؤ تا کہ کھانے کے لائق ہو جائے۔

٩٦٧ : وَعَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ جَعْفَرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ، قَالَ : اَرْدَفَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ یَوْمٍ خَلْفَهٗ وَاَسَرَّ اِلَیَّ حَدِیْثًا لَّا اُحَدِّثُ بِهٖ اَحَدًا مِّنَ النَّاسِ ، وَکَانَ اَحَبَّ مَا اسْتَتَرَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِحَاجَتِهٖ هَدَفٌ اَوْ حَآئِشُ نَخْلٍ - یَعْنِیْ حَآئِطَ نَخْلٍ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ هٰکَذَا مُخْتَصَرًا ، وَزَادَ فِیْهِ الْبَرْقَانِیُّ بِاِسْنَادِ مُسْلِمٍ هٰذَا بَعْدَ قَوْلِهٖ : حَآئِشُ نَخْلٍ - فَدَخَلَ حَآئِطًا لِّرَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَاِذَا فِیْهِ جَمَلٌ ، فَلَمَّا رَاٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جَرْجَرَ وَذَرَفَتْ عَیْنَاهُ ، فَاَتَاهُ النَّبِیُّ ﷺ فَمَسَحَ سَرَاتَهٗ - اَیْ سَنَامَهٗ - وَذِفْرَاهُ فَسَکَنَ ، فَقَالَ : "مَنْ رَّبُّ هٰذَا الْجَمَلِ؟ لِمَنْ هٰذَا الْجَمَلُ؟" فَجَآءَ فَتًی مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ : هٰذَا لِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ - قَالَ : "اَفَلَا تَتَّقِی اللّٰهَ فِیْ هٰذِهِ الْبَهِیْمَةِ الَّتِیْ مَلَّکَکَ اللّٰهُ اِیَّاهَا؟ فَاِنَّهٗ یَشْکُوْا اِلَیَّ اَنَّکَ تُجِیْعُهٗ وَتُدْئِبُهٗ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ کَرِوَایَةِ الْبَرْقَانِیِّ۔

قَوْلُهٗ "ذِفْرَاهُ" هُوَ بِکَسْرِ الذَّالِ الْمُعْجَمَةِ وَاِسْکَانِ الْفَآءِ ، وَهُوَ لَفْظٌ مُفْرَدٌ مُؤَنَّثٌ - قَالَ اَهْلُ اللُّغَةِ : الذِّفْرٰی : الْمَوْضِعُ الَّذِیْ یَعْرَقُ مِنَ الْبَعِیْرِ خَلْفَ الْاُذُنِ - وَقَوْلُهٗ "تُدْئِبُهٗ" اَیْ تُتْعِبُهٗ۔

٩٦٧: حضرت ابو جعفر عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے سواری پر بٹھالیا اور میرے ساتھ رازداری سے ایک بات کی۔ جو میں لوگوں میں سے کسی سے بیان نہیں کرتا، رسول اللہ ﷺ کو اپنی قضائے حاجت کے لئے کسی بلند چیز یا کھجور کے جھنڈ سے پردہ کرنا سب سے زیادہ پسند تھا۔ مسلم نے اس کو مختصراً روایت کیا ہے۔ اس طرح روایت کیا ہے علامہ برقانی سے مسلم کی روایت میں حَآئِشُ نَخْلٍ کے لفظ

فَدَخَلَ حدیث کے آخر تک یہ الفاظ نقل کیے۔ پھر آپ انصاری کے باغ میں داخل ہوگئے۔ جس میں ایک اونٹ تھا۔ جب اس اونٹ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو گڑگڑایا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور اس کی کوہان اور کان کے پچھلے حصے پر ہاتھ پھیرا تو وہ پرسکون ہوگیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ یہ اونٹ کس کا ہے' اسی وقت ایک انصاری نوجوان آیا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ میرا اونٹ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس جانور کے بارے میں جس کا اللہ نے تجھے مالک بنایا ہے۔ کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا؟ وہ مجھے شکایت کررہا ہے کہ تو اس کو بھوکا رکھتا ہے اور اس کو تھکاتا ہے۔ ابو داؤد نے برقانی جیسی روایت کی ہے۔

'' ذِفْرَاهُ '': یہ لفظ ذال کے کسرہ اور فا کے سکون کے ساتھ ہے۔ یہ لفظ مفرد مؤنث ہے۔

اہل لغت نے کہا کہ یہ اونٹ کے کان کے اس حصے کو کہتے ہیں جہاں پر اس کو پسینہ آتا ہے۔

تُدْئِبُهُ :تھکا دینا۔

ابو جعفر عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما: یہ قریشی ہاشمی ہیں ان کی والدہ اسماء بنت عمیس خثعمیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہ اپنے والد کے ساتھ حدیبیہ سے مدینہ آئے۔ یہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں اور یحییٰ بن علی بن ابی طالب کے بھی بھائی ہیں کیونکہ ان کی والدہ یہی اسماء تھیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پچیس روایات بیان کی ہیں' دو متفق علیہ ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ان کی عمر دس سال تھی۔ ان کی وفات ۸۵ھ میں ہوئی ان کی عمر ۸۰ سال تھی (تقریب حافظ)

اردفنی : مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے سوار کیا۔ **ذات :** کا لفظ نفس شئی پر بولا جاتا ہے۔ صفات واخلاق پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہ اصل میں اسم اشارہ مؤنث ہے کبھی اس کو مستقل اسم بنالیتے ہیں مثلاً ذات الشئی۔ (مقدمہ فتح الباری) **خلفه :** یہ اردف کی تاکید ہے اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے لائے کہ اردف سے مطلقاً سوار کرنا نہیں۔ **اسر الی حدیث :** میرے کان میں خفیہ بات کہی جو میں کسی کے سامنے ظاہر نہ کروں گا۔ **کان احب :** یہ کان کی خبر مقدم ہے۔ **ما استتر به :** قضاء حاجت کے لئے لوگوں کی آنکھ سے جہاں چھپا جا سکے۔ **ھدف :** بڑا بلند ٹیلہ' جمع اھداف (ابن فارس' المصباح) **حائش نخل:** کھجوروں کا احاطہ۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ یہ درختوں کا احاطہ کرلیتی ہے۔ **جر جر :** آواز نکالی اور آپ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ معجزۂ نبوت ہے۔ **مسح سرتہ:** آپ نے اس کی کوہان پر تھپکی دی تو اس سے آواز بلند کردی اور فرمایا: **من رب ھذا لجمل :** اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رب کا لفظ اضافت کے ساتھ دوسروں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ البتہ جب اس پر الف لام ہو تو پھر یہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر بولا جاتا ہے۔ **لمن ھذا لجمل :** شاید آپ نے سوال کا اعادہ فرمایا کہ اس اونٹ نے آپ کو پہچان لیا اور آپ کو اس کی حالت پر بہت رحم آیا۔ **فجاء فتی من الانصار :** احمد کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا دیکھو! یہ کس کا اونٹ ہے وہ کہتے ہیں میں نکلا اور اس کے مالک کو تلاش کرنے لگا۔ چنانچہ ایک انصاری جو اس کا مالک تھا وہ مل گیا' میں اس کو بلا لایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اس اونٹ کا کیا حال ہے؟ اس نے عرض کیا: اس کا کیا حال ہے' مجھے معلوم نہیں۔ اللہ کی قسم مجھے معلوم نہیں اس کا کیا حال ہے۔ ہم نے اس سے کام لیا اور اس پر پانی لاد کر لاتے' یہاں تک کہ اس سے عاجز آ گیا۔ گزشتہ رات ہم نے مشورہ کیا کہ اس کو ذبح کرکے اس کا گوشت بانٹ لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ایسا مت کرو۔ابن رسلان کہتے ہیں اس روایت میں تصریح ہے کہ جب اونٹ بوڑھا ہو جائے اور کام کے قابل نہ رہے تو اس کو ذبح نہ کیا جائے سوائے اس کے کہ اس کا گوشت کھانا ہو مگر شوافع سے اس کا ثبوت نہیں ملا۔ **فقال هذا ابی** : آپ نے فرمایا اس کی خدمت کے سلسلہ میں کیا تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔ازہری کہتے ہیں **بھیمه** کا معنیٰ عقل و تمیز سے مبہم ہو۔مطلب یہ ہوا کیا بے زبان کے متعلق تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔وہ اپنی زبان سے بھوک' پیاس کی شکایت پیش نہیں کر سکتا۔یہ اتق ربکہ سے زیادہ بلیغ ہے۔ **التی ملکك الله ایاها** :ضمیر کی بجائے اظہار تقویٰ پر مزید آمادگی کے لئے ہے۔اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا معصیت کی بجائے شکریئے واحسان سے سامنا کرو تا کہ انعام باقی رہے۔اس نے مجھے شکایت کی ہے (یہ معجزۂ نبوت ہے) کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور اس سے خوب مشقت لیتے ہو۔ **تدئبه** : کام میں تھکاتے ہو۔احمدؒ کی روایت میں اس سے چارے کی قلت اور عمل کی کثرت کی شکایت کی۔ **ذفاره** : کان کا پچھلا حصہ جہاں اسے پسینہ آتا ہے۔یہ لفظ مفرد مؤنث ہے۔

تخریج : اخرجه احمد (۱/۱۷٤٥) و مسلم (۳٤۲) و ابو داود (۲٥٤۹) وابن ماجه (۳٤٠) وابن ابی شیبة (۱۱/٤۹۳) و ابو یعلی (٦۷۸۷) وابن حبان (۱٤۱۱) وابن خزیمة (٥۳) والدارمی (٦٦۳) والحاکم (۲/۲٤۸٥) والبیهقی (۱/۹٤)

الفرائد :① یہ معجزۂ نبوت ہے۔اونٹ کی شکایت کو سن کر اس کی سفارش کی ② بہائم پر آپ کی شفقت کا یہ نمونہ ہے ③ قضاء حاجت کے وقت دور چھپ کر ضرورت پوری کرے ④ پیچھے بٹھانا جائز ہے۔

۹٦۸ :وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :كُنَّا اِذَا نَزَلْنَا مَنْزِلًا لَّا نُسَبِّحُ حَتّٰى نَحُلَ الرِّحَالَ– رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ بِاِسْنَادٍ عَلٰى شَرْطِ مُسْلِمٍ۔

وَقَوْلُهٗ "لَا نُسَبِّحُ" :اَیْ لَا نُصَلِّی النَّافِلَةَ ' وَمَعْنَاهُ اَنَّا مَعَ حِرْصِنَا عَلَى الصَّلٰوةِ– لَا نُقَدِّمُهَا عَلٰى حَطِّ الرِّحَالِ وَاِرَاحَةِ الدَّوَآبِّ۔

۹٦۸: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جب کسی مقام پر تو ہم اس وقت تک نفلی نماز نہ پڑھتے جب تک اونٹوں کے پالان نہ اتار لیتے۔ابوداؤد نے اپنی سند اور شرط مسلم کے ساتھ بیان کیا۔

لَا نُسَبِّحُ :ہم نفلی نماز ادا نہ کرتے۔مطلب یہ ہے کہ نماز کا اتنا شوق رکھنے کے باوجود ہم اس کو کجاووں اور جانوروں کو آرام پہنچانے پر مقدم نہ کرتے۔

کنا اذا نزلنا: جماعت صحابہؓ کہتے ہیں جب سفر میں ہم کہیں اترتے ہیں۔ **لا نسبح**: نفلی نماز پڑھنا۔ **نحل الرحال**: جمع رحل۔ہر وہ چیز سفر کے لئے تیار کی جاتی ہے (المصباح) مطلب یہ ہے کہ اونٹوں کو راحت پہنچانے کو نفلی نماز سے مقدم کرتے ہیں۔سفر میں مطلق نفل مستحب ہیں۔یہ عہد نبوی کے ساتھ خاص نہیں۔

تخریج : اخرجه ابو داود (۲٥٥۱)

الفرائد :یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جانوروں پر رحمت کا نمونہ ہے۔ان کو کس طرح وہ راحت پہنچاتے اور ان کی خبر گیری کرتے تھے۔

۱۶۹ : بَابُ اِعَانَةِ الرَّفِيْقِ

باب : رفیق سفر کی معاونت

فِي الْبَابِ اَحَادِيْثُ كَثِيْرَةٌ تَقَدَّمَتْ كَحَدِيْثِ : "وَاللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ" وَحَدِيْثِ : "كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ" وَاَشْبَاهِهِمَا :

اس سلسلہ میں بہت سی احادیث پہلے گزر چکی ہیں

مثلاً وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ (الحدیث) اور حدیث "ہر نیکی صدقہ ہے"۔

اور اسی طرح دیگر روایات۔

اعانت رفیق سے مراد ساتھ والے ساتھی کی معاونت کرنا اور سفری ساتھی کی اعانت کرنا۔ **ما كان العبد**: جتنی مدت یہ اپنے بھائی کی اعانت کرتا رہا۔ **معروف**: جو مطلوب ہو اور شرعاً معروف ہو۔ اس باب میں **والله فى عون العبد**: اور **كل معروف صدقة**: جیسی بہت سی روایات ہیں۔

۹۶۹ : وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : بَيْنَمَا نَحْنُ فِيْ سَفَرٍ اِذْ جَآءَ رَجُلٌ عَلٰى رَاحِلَةٍ لَّهٗ ، فَجَعَلَ يَصْرِفُ بَصَرَهٗ يَمِيْنًا وَّشِمَالًا ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "مَنْ كَانَ مَعَهٗ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْ بِهٖ عَلٰى مَنْ لَّا ظَهْرَ لَهٗ ، وَمَنْ كَانَ لَهٗ فَضْلُ زَادٍ فَلْيَعُدْ بِهٖ عَلٰى مَنْ لَّا زَادَ لَهٗ" فَذَكَرَ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ مَا ذَكَرَهٗ حَتّٰى رَاَيْنَا اَنَّهٗ لَا حَقَّ لِاَحَدٍ مِّنَّا فِيْ فَضْلٍ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۹۶۹: حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں تھے جبکہ ایک سوار آیا اور دائیں بائیں اپنی نگاہ پھیرنے لگا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں۔ جس کے پاس بچا ہوا سفرخرچ ہے وہ اس کو دے دے جس کے پاس سفرخرچ نہیں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کی کئی قسموں کا ذکر کیا۔ یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ کسی بھی بچی ہوئی چیز میں ہمارا کوئی حق نہیں۔ (مسلم)

نحن فى سفر: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ایک سفر میں تھے۔ **يحصرف بصره**: دائیں بائیں نظر دوڑانے لگے جو مدد کے خواہش مند ہوں۔ **فضل ظهر**: اپنی ضرورت سے زائد سواری۔ **فليعد به**: یعنی وہ ضرورت مند کو سوار کر کے ہمدردی کرے۔ اگر یہ عود سے ہو تو اپنی سواری کو لوٹا کر دوسرے کو سوار کرے۔ **فضل زاد**: ضرورت سے زائد زادِ راہ ہو۔ اس سے مراد بطور احسان اس کو زادِ راہ میں شریک کرنا ہے۔ **احناف المال**: یعنی جس کے پاس مال ہو وہ اس کو دے جس کے پاس نہ ہو۔ **للاحق لاحدمنا**: بچے ہوئے مال وغیرہ میں ہمارا حق نہیں رہ جاتا سے محتاج کو دینا واجب ہو جاتا ہے۔

تخریج : مسلم، احمد، ابو داود، ابو یعلی، ابن حبان (جامع کبیر)

الفرائد: باب الایثار والمواساة پر فرائد گزر چکے۔

۹۷۰ : وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهُ اَرَادَ اَنْ يَّغْزُوَ فَقَالَ : يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ ، اِنَّ مِنْ اِخْوَانِكُمْ قَوْمًا لَيْسَ لَهُمْ مَالٌ وَّلَا عَشِيْرَةٌ فَلْيَضُمَّ اَحَدُكُمْ اِلَيْهِ الرَّجُلَيْنِ اَوِ الثَّلَاثَةَ ، فَمَا لِاَحَدِنَا مِنْ ظَهْرٍ يَّحْمِلُهُ اِلَّا عُقْبَةً كَعُقْبَةِ يَعْنِىْ اَحَدِهِمْ قَالَ : فَضَمَمْتُ اِلَيَّ اثْنَيْنِ اَوْ ثَلَاثَةً مَالِيْ اِلَّا عُقْبَةٌ كَعُقْبَةِ اَحَدِهِمْ مِّنْ جَمَلِيْ – رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ ۔

۹۷۰: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوے کا ارادہ کرتے تو فرماتے: ''اے مہاجرین وانصار کی جماعت تمہارے بھائیوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں، جن کے پاس نہ مال ہے نہ خاندان ہیں تم میں سے کوئی ایک ایک، دو دو یا تین تین اپنے ساتھ ملالے۔ چنانچہ ہم میں سے جس کے پاس سواری تھی۔ وہ بھی اس پر باری سے سوار ہوتا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بھی اپنے ساتھ دو یا تین آدمیوں کو ملالیا۔ میرے اونٹ پر میری باری بھی اسی طرح تھی جیسے ان میں سے کسی ایک کی تھی۔ (ابوداؤد)

یا معشر: معشر، قوم، رہط نفر، جماعت مردوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں عورتوں کے لئے نہیں۔ اس کی جمع معاشر ہے۔ **المهاجرين والانصار**: ان کو سبقت فی الاسلام کی فضیلت کی وجہ سے مقدم کیا گیا۔ **عشيرة**: اس کا معنی قبیلہ ہے اس کا واحد لفظاً نہیں آتا، جمع عشیرات وعشائر آتی ہے۔ **فليضم احدكم اليه**: تنگی ووسعت کے حساب سے۔ **لاحدنا**: وہ مالدار جن کے پاس سواریاں پائی جاتی تھیں۔ **عقه احدهم**: یعنی مالک ومسکین باری میں برابر ہوتے ہیں۔ **وما لي الا**: یہ جملہ ضممت کے فاعل سے حال ہے۔ **من جملي**: سے مراد اونٹ پر سواری ہے۔

تخریج : أخرجه اخرجه أبو داود (٢٥٣٤)

الفرائد: تنگ دست لوگوں کی معاونت کی شاندار صورت اور صحابہ کرام کی تعمیل کا عمدہ نمونہ ہے۔

۹۷۱ : وَعَنْهُ قَالَ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَخَلَّفُ فِي الْمَسِيْرِ فَيُزْجِي الضَّعِيْفَ وَيُرْدِفُ وَيَدْعُوْ لَهٗ – رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ بِاِسْنَادٍ حَسَنٍ۔

۹۷۱: حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کے دوران پیچھے رہتے اور کمزور کو چلاتے یا اپنے پیچھے بٹھاتے اور اس کے لئے دعا فرماتے۔ (ابوداؤد)
صحیح سند کے ساتھ۔

المسير: یہ مصدر میمی ہے مراد سفر میں چلنا۔ **فيزجي الضعيف**: کمزور کو چلاتے۔ **ويردف**: اور پیچھے سوار ہو جاتے اور برکت دعوت کے ذریعہ اس کی مدد کرتے۔

تخریج : أخرجه ابو داود (٢٦٣٩) والحاكم (٢/٢٥٤١)

الفرائد : اس کمزور وضعیف پر آپ کی شفقت ومہربانی کا تذکرہ ہے۔

۱۷۰ : بَابُ مَا یَقُوْلُ اِذَا رَکِبَ الدَّابَّۃَ لِلسَّفَرِ!

بَاب: سواری پر سوار ہوتے وقت کیا کہے؟

اذا رکب: سفر کے لئے سواری پر سوار ہوتے ہوئے۔ سفر سے ہر سفر مراد ہے خواہ وہ کسی بھی نیت سے کیا جائے اور سفر کے علاوہ میں یہ دعائیں نہ پڑھی جائیں مگر آیت کا تقاضا یہ ہے۔ اس وقت بھی ذکر کرنا چاہئے اور سفر کا تذکرہ تو غالب جہت کے لحاظ سے ہے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی :

﴿وَجَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْفُلْکِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْکَبُوْنَ – لِتَسْتَوُوْا عَلٰی ظُھُوْرِہٖ ثُمَّ تَذْکُرُوْا نِعْمَۃَ رَبِّکُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْہِ وَتَقُوْلُوْا : سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾[الزخرف:۱۲-۱۳]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اور تمہارے لئے کشتیاں اور چوپائے بنائے تاکہ تم ان کی پشتوں پر سوار ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کو یاد کرو۔ جب تم ان پر ٹھیک ہو کر بیٹھ جاؤ اور کہو پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لئے تابع کر دیا ان کو ہم ان کو تابع بنانے والے نہ تھے اور ہم اپنے ربّ کی طرف لوٹنے والے ہیں۔''

جعل: یہاں خلق کے معنی میں ہے۔ **ما ترکبون**: خواہ کشتیاں ہوں یا چوپائے۔ انعام کا واحد نعم ہے۔ اونٹ' گائے' بکریاں سب کو شامل ہے مگر یہاں اونٹ مراد ہیں۔ ماالذی کے معنی میں ہے ضمیر محذوف ہے۔ **ظھورہ**: جمع ظہر۔ لفظ جمع لائے اور ضمیر مفرد تو معنی کے لحاظ سے لائے۔ **نعمۃ ربکم**: اس کا وہ انعام جو اس نے تم پر کیا۔ **اذا استویتم علیہ**: یہ تذکروا کا ظرف ہے اے وقت استوائکم علیہ۔ **تقولوا سبحان الذی**: سوار ہوتے وقت کہو وہ ذات ان سب چیزوں سے پاک ہے جو حوادث سے متعلق ہیں یعنی سواری پر سوار ہونے اور شئی پر استقرار اختیار کرنے سے۔ **لہٗ**: ان چوپایوں کی تسخیر پر طاقت نہ رکھتے تھے۔ **لمنقلبون**: یہ غافل کو متنبہ کرنے کے لئے ذکر کیا کہ موت تو کبھی کبھی جانور سے گرنے اور جانور کے پھسلنے سے بھی پیش آ جاتی ہے۔ موت کی یہ یاد اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور تمام مخالفتوں میں توبہ پر آمادہ کرے گی۔

۹۷۲ : وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ اِذَا اسْتَوٰی عَلٰی بَعِیْرِہٖ خَارِجًا اِلٰی سَفَرٍ کَبَّرَ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ :"سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ ' وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ – اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ فِیْ سَفَرِنَا ھٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی' وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی –

اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَهٗ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ ' وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ - اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَآءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَالْاَهْلِ وَالْوَلَدِ" وَاِذَا رَجَعَ قَالَ هُنَّ وَزَادَ فِيْهِنَّ : "اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

مَعْنٰى "مُقْرِنِيْنَ" مُطِيْقِيْنَ - "وَالْوَعْثَاءُ" بِفَتْحِ الْوَاوِ وَاِسْكَانِ الْعَيْنِ الْمُهْمَلَةِ وَبِالثَّآءِ الْمُثَلَّثَةِ وَبِالْمَدِّ وَهِيَ : الشِّدَّةُ۔ وَالْكَآبَةُ بِالْمَدِّ' وَهِيَ : تَغَيُّرُ النَّفْسِ مِنْ حُزْنٍ وَّنَحْوِهٖ۔ "وَالْمُنْقَلَبُ" : الْمَرْجِعُ۔

۹۷۲: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جب اونٹ پر سفر کے لئے سیدھا بیٹھ جاتے۔ پھر تین دفعہ اللہ اکبر کہتے پھر کہتے ﴿سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا...... لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾ پاک ہے وہ ذات جس نے ان جانوروں کو ہمارے تابع کر دیا' ہم ان کو تابع کرنے والے نہ تھے' بے شک ہم نے اپنے ربّ کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اے اللہ' ہم آپ سے اس سفر کی بھلائی اور تقویٰ مانگتے ہیں اور وہ عمل جس کو آپ پسند کرتے ہیں۔ اے اللہ ہم پر ہمارے سفروں کو آسان فرما اور اس کی مسافت کو لپیٹ دے۔ اے اللہ تو اس سفر کا ساتھی ہے اور اہل کا تو ہی خلیفہ ہے۔ اے اللہ سفر کی مشقت سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں' منظر کی پریشانی سے' مال میں بڑی تبدیلی سے' اہل اور اولاد میں بُری تبدیلی سے۔ جب واپس لوٹتے تو انہیں کلمات کو دہراتے اور کچھ اضافہ فرماتے۔ ''ہم سفر سے لوٹنے والے' توبہ کرنے والے' اپنے ربّ کی عبادت اور تعریف کرنے والے ہیں''۔ (مسلم)

مُقْرِنِيْنَ :طاقت رکھنے والے اور وَالْوَعْثَآءِ واپر زبر' عین پر سکون اور اس کے بعد ثا اور الف مدہ ہے یہ سختی کو کہتے ہیں اور الْكَآبَةُ مد کے ساتھ۔ کم کی وجہ سے نفس میں تبدیلی کو کہتے ہیں۔

مُنْقَلَبُ :لوٹنا۔

علی بعیرہ: یہ مقید کرنے کے لئے نہیں بلکہ ہر سواری پر سوار ہوتے ہوئے یہی پڑھنے کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ **السفر:** جو سفر بھی ہو مراد ہے۔ **کبر:** سے تین مرتبہ اللہ اکبر کہنا مراد ہے۔

النحو: وما كنا له مقرنين: یہ ضمیر مجرور سے جملہ حالیہ ہے۔

وانا الى ربنا لمنقلبون: یہ اسم کان سے جملہ حالیہ ہے یا اس کی خبر کی ضمیر سے۔ پہلی صورت میں حال مترادف اور دوسری میں متداخل ہے۔ **البر:** خیر و فضل یا طاعت والا عمل۔ **والتقوى:** یہ عطف عام علی الخاص کی قسم سے ہے جبکہ اس سے مراد فعل طاعت اور مخالفت سے باز رہنا ہو اور اگر اس سے مراد معصیت سے رکنا ہو تو پھر عطف مغایر کی قسم سے ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے اس لئے سوال کیا جا رہا ہے کہ سفر میں عموماً بر و تقویٰ چھوٹ جاتا ہے اگر اس کی توفیق شامل حال ہو تو یہ چیز برقرار رہ سکتی ہے۔ **ما ترضى:** جس کو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پسند فرماتے اور قبول کرنے والے ہیں۔ ضمیر عائد محذوف ہے۔ **هون علينا السفر:** یعنی سفر کی

مشقت کو آسان فرما۔ اطوعنا بعده: اس کی دوری کو حقیقتاً یا حکماً دفع فرما۔ انت الصاحب: آپ حفظ وعنایت سے ہماری مصاحبت فرما اور سفر کے مصائب میں حفاظت کو شامل حال کر دے۔ ہیثمی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر صاحب کا اطلاق فی السفر کی قید کے ساتھ درست ہے۔ اس کے علاوہ نہیں کیونکہ اسماء حسنیٰ تمام تر توقیفی ہیں اور ان تمام کا حکم بھی یہی ہے جو قید کے ساتھ وارد ہوتے ہیں۔ والخليفة: جس پر معاملات میں اعتماد و بھروسہ کیا جائے۔ فی الاهل: اللہ تعالیٰ پر صاحب وخلیفہ کا اطلاق بلا قید درست نہیں۔ تورپشتی کہتے ہیں خلیفہ جو اصل کا نائب ہو مطلب یہ ہے کہ آپ ہی وہ ذات ہیں جس پر بھروسہ کرتا اور گھر سے غیر موجودگی میں جس پر امید رکھتا ہوں کہ آپ ﷺ ان کی گندگی کا ازالہ فرمائیں گے اور ان کے بیمار کا علاج فرمائیں گے اور ان کے دین و امانات کی حفاظت فرمائیں گے۔ اعوذ بك من وعثاء السفر وكابة المنظر: اس میں ہر ایسے منظر سے پناہ طلب کی گئی ہے جس کے نتیجہ میں اکتاہٹ پیش آئے۔ گویا یہ اضافت مسبب الی السبب کی قسم سے ہے۔ سوء المنقلب: منقلب یہ مصدر میمی ہے۔ یعنی سفر سے پلٹنا اور وطن کی طرف آنا۔ اس بات سے پناہ طلب کی گئی کہ میں وطن واپس لوٹ کر کوئی برا منظر سامنے نہ دیکھوں۔ الاهل: اس سے مراد بیوی' خدام' نوکر وغیرہ۔ میرک کہتے ہیں اس میں اس بات سے پناہ مانگی گئی ہے کہ وہ اپنے وطن کی طرف اس حال میں لوٹے کہ وہاں اس چیز کا سامنا ہو جس سے وہ تکلیف کی وجہ سے پریشان ہو جو اسے سفر میں پہنچی یا پیش آنے والی ہے مثلاً سفر سے اس کا مقصود حاصل نہ ہو یا اس کے مال میں آفت پہنچے یا اپنے گھر میں آئے اور ان کو بیمار پائے یا بعض کو گم پائے (فوت شدہ) الحرز میں کہا گیا کہ یہ بھی اس میں شامل ہے کہ بعض کو معصیت میں مبتلا پائے۔ واذا رجع قالهن: جب لوٹنے لگے تو ان کلمات کو کہے اور اس کے شروع یا آخر میں یہ الفاظ بڑھائے۔ آئبون: یعنی ہم ساتھی لوٹ رہے ہیں۔

یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ تائبون: گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ غفلت سے ہم توبہ کرتے ہیں۔ اوّاب یہ انبیاء علیہم السلام کی صفات سے ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿انه اوّاب﴾: اور ایمان والوں کی صفات میں فرمایا: ﴿انه كان للاوابين غفوراً﴾ عابدون لربنا: ظرف ماقبل عوامل کا تابع ہے۔ (۲) مابعد سے متعلق ہو سکتا۔ الوعثاء: شدت وسختی' كابة سخت رنج۔

تخریج : أخرجه احمد (۲/۶۳۱۰۹) و مسلم (۱۳۴۲) و ابو داود (۲۵۹۹) والترمذی (۳۴۵۸) وابن حبان (۳۶۹۵) والبيهقي (۲/۲۵۱)

الفرائد: یہ ابتداء' انتہاء سفر کی دعا ہے۔ سفر میں بر و تقویٰ کی طلب کی گئی۔ سفر کی صعوبتوں سے پناہ مانگی گئی۔

❀ ❀ ❀

۹۷۳ : وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا سَافَرَ يَتَعَوَّذُ مِنْ وَعْثَآءِ السَّفَرِ ، وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ ، وَالْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْنِ ، وَدَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ ، وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ- رَوَاهُ مُسْلِمٌ - هٰكَذَا هُوَ فِيْ صَحِيْحِ مُسْلِمٍ : "اَلْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْنِ" بِالنُّوْنِ ، وَكَذَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ : وَيُرْوٰى "الْكَوْرُ" بِالرَّآءِ وَكِلَاهُمَا لَهٗ وَجْهٌ - قَالَ الْعُلَمَآءُ :

وَمَعْنَاهُ بِالنُّوْنِ وَالرَّآءِ جَمِيْعًا : الرُّجُوْعُ مِنَ الْاِسْتِقَامَةِ اَوِ الزِّيَادَةِ اِلَى النَّقْصِ : قَالُوْا : وَرِوَايَةُ الرَّآءِ مَاْخُوْذَةٌ مِنْ تَكْوِيْرِ الْعِمَامَةِ ، هُوَ كَفُّهَا وَجَمْعُهَا ، وَرِوَايَةُ النُّوْنِ مِنَ الْكَوْنِ ، مَصْدَرُ كَانَ يَكُوْنُ كَوْنًا : اِذَا وُجِدَ وَاسْتَقَرَّ۔

۹۷۳: حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر پر روانہ ہوتے تو سفر کی سختی ' ناپسندیدہ واپسی ' کمال کے بعد زوال ' مظلوم کی بددعا ' اہل وعیال اور مال میں بُرے منظر سے پناہ مانگتے تھے۔
(مسلم)

صحیح مسلم میں اسی طرح ہے۔ الْحُوْرِ بَعْدَ الْكَوْنِ ترمذی اور نسائی میں اسی طرح ہے۔
ترمذی نے کہا یہ الْكَوْرُ کے ساتھ بھی ہے اور دونوں کا معنی ایک ہے۔
علماء نے فرمایا دونوں کا معنی استقامت یا اضافے سے کمی کی طرف ہے۔
علماء نے فرمایا کہ راوالا لفظ تَكْوِيْرِ الْعِمَامَةِ سے لیا گیا جس کا معنی لپیٹنا اور جمع کرنا ہے۔
نون والی روایت میں وہ الْكَوْنِ کا مصدر ہے جس کا معنی پانا اور قرار پکڑنا ہے۔

عبداللہ بن سرجس: رضی اللہ عنہ یہ نرجس کے وزن پر ہے اس کا منصرف وغیر منصرف دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ یہ بصرہ میں مقیم صحابی ہیں ان کی روایت ائمہ ستہ نے لی ہے۔ **المزنی**: قبیلہ مزینہ کی طرف نسبت ہے۔ یہ بنومخزوم کے حلیف تھے (تقریب) بقول ابن حزم وابن جوزی انہوں نے سترہ روایات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہیں۔ مسلم نے منفرد تین روایات بیان کی ہیں۔ **اذا سافر**: (۱) ارادہ سفر مراد ہو (۲) سفر کا حقیقت میں شروع کرنا مراد ہو۔ **الحور**: بلندی کے بعد پستی سے اس لئے پناہ طلب کی کیونکہ بسااوقات یہ جانور پر ظلم کرنے سے پیدا ہوتی ہے وہ اس طرح کہ اس پر طاقت سے زیادہ بوجھ لاد دیا پھر اس کو مارا پیٹا۔ یا قدرت سے بڑھ کر اس کو تیز چلنے پر آمادہ کیا یا اونٹ والے یا نوکروں کو مزدوری سے محروم کر دیا یا طے کر کے کم دی یا پھر اس وجہ سے استعاذہ کیا کہ اس مظلوم مسافر کی بددعا جو مددگار نہ پائے اور نہ فریاد کے وقت قریبی وقت اجابت پائے۔ **وسوء المنظر**: یعنی میں وہ دیکھوں جو مجھے برا معلوم ہو۔ **فی الاھل**: بیماری ' موت یا اللہ کی معصیت میں مبتلا ہونا۔ **کون**: یہ لفظ کور بھی منقول ہے۔ معنی ایک ہے۔ مطلب اقبال سے ادبار ہی ہے اور کور تکویر عمامہ سے لیا گیا جماعت سے الگ ہونا ' درستی کے بعد بگاڑ ' کثرت کے بعد قلت یا ایمان سے کفر کی طرف رجوع یا طاعت سے معصیت یا حضور سے غفلت مراد ہو کیونکہ جس نے پگڑی کو بل دیا وہ سر پر جمع رہے گی اگر بل کھل گیا تو وہ بکھر جائے گی۔ تورپشتی نے کہا کور کا لفظ تو عام جماعت کے لئے نہیں آتا بلکہ صرف اونٹوں کے لئے آتا ہے مگر صاحب الحرز نے کہا استعارات کو ایک بات میں بند نہیں کیا جا سکتا مثلاً عطن کا لفظ اونٹ کے ساتھ خاص ہے مگر تنگی اخلاق سے کنائے کے لئے آتا ہے اور کون استقرار کے معنی میں ہے اور کان تامہ ہے۔ صاحب فائق نے کہا اس کا معنی اچھی حالت سے خراب کی طرف لوٹنا ہے۔

تخریج : أخرجه مسلم (۱۳۴۳) والترمذی (۳۴۵۰) والنسائی (۵۵۱۳) وابن ماجه (۳۸۸۸)

الفرائد: یہ سفر کے شروع کرنے کی دعا ہے۔اس میں بتلایا گیا کہ اپنی تمام حاجات میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔

٩٧٤ : وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ : شَهِدْتُّ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اُتِيَ بِدَآبَّةٍ لِيَرْكَبَهَا ، فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهُ فِي الرِّكَابِ قَالَ : بِسْمِ اللّٰهِ فَلَمَّا اسْتَوٰى عَلٰى ظَهْرِهَا قَالَ : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ ، وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ، ثُمَّ قَالَ : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، ثُمَّ قَالَ : اَللّٰهُ اَكْبَرُ – ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، ثُمَّ قَالَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ اِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ثُمَّ ضَحِكَ فَقِيْلَ : يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ، مِنْ اَيِّ شَيْءٍ ضَحِكْتَ؟ قَالَ : رَاَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَعَلَ كَمَا فَعَلْتُ ثُمَّ ضَحِكَ فَقُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ ضَحِكْتَ؟ قَالَ : "اِنَّ رَبَّكَ سُبْحَانَهُ يَعْجَبُ مِنْ عَبْدِهِ اِذَا قَالَ : اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ ، يَعْلَمُ اَنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ غَيْرِيْ – رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ ، وَالتِّرْمِذِيُّ ، وَ قَالَ : حَدِيْثٌ حَسَنٌ – وَفِيْ بَعْضِ النُّسَخِ : حَسَنٌ صَحِيْحٌ ، وَهٰذَا لَفْظُ اَبِيْ دَاوُدَ۔

۹۷۴: حضرت علی بن ربیعہ کہتے ہیں کہ میں علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا جبکہ آپ کے پاس سواری کا جانور لایا گیا۔آپ نے رکاب میں پاؤں رکھ کر کہا۔بسم اللہ۔جب اس کی پشت پر سیدھے بیٹھ گئے تو کہا الحمد للہ۔پھر کہا ﴿سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾۔"تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے ہمارے لئے اس کو مسخر کیا اور ہم اس کو فرمانبردار بنانے والے نہ تھے بے شک ہم پروردگار کی طرف جانے والے ہیں"۔پھر الحمد للہ تین مرتبہ کہا۔پھر اللہ اکبر تین مرتبہ کہا۔پھر یہ دعا پڑھی سُبْحَانَكَ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ ...... اِلَّا اَنْتَ۔ اے اللہ تو پاک ہے میں نے اپنے پر ظلم کیا۔پس تو مجھے بخش دے۔تیرے سوا گناہوں کو کوئی بخشنے والا نہیں۔پھر آپ ہنسے۔آپ سے عرض کیا اے امیر المومنین آپ کیوں ہنسے؟ انہوں نے کہا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا جیسا کہ میں نے کیا۔پھر آپؐ ہنسے تو میں نے عرض کیا۔یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ کیوں ہنسے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"بے شک تمہارا ربّ اپنے بندے پر خوش ہوتا ہے۔جب وہ یوں کہتا ہے کہ "اے اللہ میرے گناہ مجھے بخش دے۔" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا بندہ جانتا ہے گناہوں کو میرے سوا اور کوئی نہیں بخشے گا۔(ابوداؤد' ترمذی) اور کہا یہ حدیث حسن ہے اور بعض نسخوں میں حسن صحیح کہا۔یہ ابوداؤد کے الفاظ ہیں۔

علی بن ربیعہ: ان کے والد کا نام نھلہ والبی' ابوالمغیرہ ان کا لقب ہے یہ کوفہ کے باشندے ہیں ثقہ تابعین سے ہیں۔
شھدت: موجود ہونے کے معنی میں ہے۔**الدابة**: یہ اصل میں تو زمین پر رینگنے والے کے لئے تھا پھر عرف نے چار ٹانگوں والے کے ساتھ مخصوص کر دیا۔پس حمار' فرس' جمل کے لئے بولا جانے لگا۔**استوی**: جب اس کی پشت پر جم کر بیٹھ گئے تو اس

نعمت کے شکریہ ادا کرتے ہوئے الحمدللہ کہا کہ جس نے اس کو مطیع بنایا اور اس کے شر سے بچا کر کامل مطیع کر دیا۔ سخر لنا: جس نے ہمارے لئے تابع کر دیا۔ لام اجلیہ ہے۔ لہ مقرنین: ہم اس کو مسخر کرنے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ ثم قال: اس انعام پر حمد وثناء کے بعد کہا الحمدللہ۔ یہ حمد غیر مقید ذکر کی تا کہ یہ ظاہر ہو کہ حمد کے مقابلے میں نعمت ضروری نہیں اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لحاظ سے حمد کے حقدار ہیں اور اس کی تاکید کے لئے تین مرتبہ دہرایا تا کہ ظاہر فرما دیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حق کو ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا بس وہ تو حسب طاقت اطاعت پر مامور ہے۔ بعض نے کہا کہ تکرار اس لئے فرمایا پہلی مرتبہ الحمدللہ تو حصول نعمت پر دوسری مرتبہ دفع عذاب پر اور تیسری مرتبہ عام عطیے پر۔ ثم قال: مکان میں استقرار اور رکوب ان چیزوں سے اس کی تنزیہ کرتے ہوئے تین مرتبہ اللہ اکبر کہا۔ پہلی بار سے اس کی کبریائی وعظمت ذاتی کی طرف اشارہ کیا اور دوسری مرتبہ کبریائی و عظمت صفاتی ثابت کی اور تیسری بار کہہ کر ظاہر کیا کہ وہ استواء مکانی سے منزہ و پاک ہے اور "الرحمان علی العرش استوی": اس کا ظاہری معنی تو بالاجماع مراد نہیں سلف میں امام مالک نے فرمایا: استواء تو برحق کیفیت نامعلوم اور اس کے متعلق سوال بدعت ہے۔ متاخرین نے اس کی تاویل کی ہے۔ سبحانك: ای اقدسك تقديسا مطلقاً: میں آپ کی تقدیس مطلق کرتا ہوں یعنی جو چیزیں اس کی ذات کے لائق نہیں وہ اس سے بلند و بالا ہے۔ اسی طرح جوانب حوادث سے بھی۔ ظلمت نفسی: تیرے حق کو ادا نہ کر کے میں نے اپنے اوپر ظلم کیا کیونکہ میں اس بڑی نعمت کے شکریہ میں کوتاہی میں مبتلا ہوں خواہ وہ کوتاہی غفلت کی بناء پر ہو یا وسوسے کی وجہ سے یا سوچ و فکر کی وجہ سے۔ فاغفرلی: تو میرے گناہوں کو سزائے مواخذہ نہ کر کے ڈھانپ دے۔ انه لا یغفر: یہ جملہ مستانفہ غفران کی علت کو بیان کرنے کے لئے ہے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آپ کے انعام تو کثرت سے ہیں۔ میں اس میں شکریے کی تقصیر کا معترف ہوں۔ ثم ضحك: پھر آپ ہنس دیئے تو میں نے سوال کیا آپ اے امیر المؤمنین کیوں ہنسے۔ (امیر المؤمنین سے اشارہ ہے کہ یہ واقعہ ایام خلافت مرتضوی کا ہے) تو آپؓ نے فرمایا میں نے آپ کو اس طرح کرتے دیکھا۔ قال ان ربك سبحانه يعجب: ترمذی نے لیعجب نقل کیا۔ اس سے مراد غایت ہے یعنی رضا جو کہ ثواب کو لازم کرنے والی ہے۔ یہی رضامندی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے۔ علی رضی اللہ عنہ کو جب یہ بات یاد آئی اس پر مزید شکریہ واجب ہو جس سے وہ خوشخبری کے حقدار بنے اور ہنسے اور اگر غیر اختیاری تقلید کے طور پر ہنسی ہو تو وہ بھی اتباع نبوت کی وجہ سے قابل اجر ہے۔

تعجب کا معنی: کسی چیز کو بڑا سمجھنا اس کے ساتھ ساتھ کہ اس کا سبب مخفی ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے اغفرلی کہنے پر راضی ہوتے ہیں جبکہ بندہ یہ جانتے ہوئے کہتا ہے: اے اللہ مجھے بخش دے۔

تخریج : أخرجه احمد (۱/۷۵۳) و ابو داود (۲۶۰۲) والترمذی (۳٤۵۷) وابن حبان (۲٦۹۸) والطیالسی (۱۳۲) والحاکم (۲/۲٤۸۲)

الفرائد: ① اللہ تعالیٰ بندے سے استغفار اور اپنی رحمت کی طلب چاہئے خواہ اس سے کتنے گناہ ہوئے ہوں ② اس دعا کے بعد آپ کا ہنسنا بھی مذکور ہے ③ سوار ہوتے وقت کی دعا ہے۔

۱۷۱ : بَابُ تَكْبِيْرِ الْمُسَافِرِ اِذَا صَعِدَ الثَّنَايَا وَشِبْهَهَا وَتَسْبِيْحِهٖ اِذَا هَبَطَ الْاَوْدِيَةَ وَنَحْوَهَا وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُبَالَغَةِ بَرَفْعِ الصَّوْتِ بِالتَّكْبِيْرِ وَنَحْوِهٖ

بَاب: مسافر کو بلندی پر چڑھتے' تکبیر اور گھاٹیوں وغیرہ سے اُترتے ہوئے تسبیح کرنا اور تکبیر و تسبیح میں آواز کو بلند کرنے کی ممانعت

الثنایا: جمع ثنیۃ گھاٹی۔ شبھھا: اس کے مشابہ ٹیلے' پس تا کہ بلندی سے عظمت الٰہی کو یاد کرے اور اس کی بلندی تو معنوی ہے جو اس کی ذات کے مناسب ہے اور اس کی ذات کے غیر مناسب سب چیزوں سے پاک ہے۔ وتسبیحہ: سبحان اللہ کہنا۔ ھبط: جب اترے تا کہ پستی سے اس کی ذات کے پاک ہونے کا اعتراف کرے۔ نحوھا: غار اور گہرے مقامات۔ والنھی: بہت زور سے آواز بلند کرنا ممنوع ہے مگر جن مقامات پر حکم ہے یا جہاں ایذاء کی وجہ سے ممانعت ہے نمازی' نائم کے پاس۔

۹۷۵ : عَنْ جَابِرٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا اِذَا صَعِدْنَا كَبَّرْنَا ' وَاِذَا نَزَلْنَا سَبَّحْنَا – رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

۹۷۵: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم کسی بلندی پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب نیچے اترتے تو سبحان اللہ پڑھتے۔ (بخاری)

کبر: اللہ اکبر کہتے یا اللہ تعالیٰ کی کبریائی وعظمت کی شہادت دیتے تا کہ علو حسی سے علو معنوی کی طرف منتقل ہوں۔ سبحنا: سبحان اللہ کہتے یا اس کی ان چیزوں سے پاکیزگی کی گواہی دیتے جو اس کے لائق نہیں۔

تخریج : أخرجه البخاری (۲۹۹۳)

الفرائد : ① وادیوں میں تسبیح عظمت الٰہی کے مناظر پر لفظ پڑھنے کی وجہ سے کی ② وادیاں گہری جگہیں ہیں وہ ذات عیوب سے پاک ہے اور بلند مقامات پر اس کی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ ہر چیز سے بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف جہالت علو کی نسبت معنی کے لحاظ سے ہے۔

۹۷۶ : وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : كَانَ النَّبِیُّ ﷺ وَجُيُوْشُهٗ اِذَا عَلَوُا الثَّنَايَا كَبَّرُوْا ' فَاِذَا هَبَطُوْا سَبَّحُوْا – رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ۔

۹۷۶: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے لشکر جب پہاڑیوں پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب نیچے اترتے تو سبحان اللہ کہتے۔ ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

جیوشہ: یہ جیش کی جمع ہے' لشکر۔ اذا علوا الثنایا: ثنایا فاعل ہے اس کو حرکت متجانسہ دی ہے۔ کبروا واذا اھبطوا: جب

اس مقام سے اترتے یا مطلقاً اللہ اکبر کہتے۔

تخریج : أخرجه ابو داود (۲۵۹۹)

الفرائد : ① تا کہ کل قیامت کے دن ہر بلندی و پستی گواہی دے ② بلندی و پستی کا خالق ایک ذات ہے اور یہ سب اس کی قدرت کے نظارے ہیں۔

۹۷۷ :وَعَنْهُ قَالَ :كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا قَفَلَ مِنَ الْحَجِّ اَوِ الْعُمْرَةِ كُلَّمَا اَوْفٰى عَلٰى ثَنِيَّةٍ اَوْ فَدْفَدٍ كَبَّرَ ثَلَاثًا ، ثُمَّ قَالَ :"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اٰيِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ ، صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ، وَنَصَرَ عَبْدَهٗ ، وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ :اِذَا قَفَلَ مِنَ الْجُيُوْشِ اَوِ السَّرَايَا اَوِ الْحَجِّ اَوِ الْعُمْرَةِ –

قَوْلُهٗ :"اَوْفٰى" :اَيِ ارْتَفَعَ وَقَوْلُهٗ "فَدْفَدٍ" هُوَ بِفَتْحِ الْفَآءَيْنِ بَيْنَهُمَا دَالٌ مُهْمَلَةٌ سَاكِنَةٌ وَاٰخِرُهٗ دَالٌ اُخْرٰى وَهُوَ :الْغَلِيْظُ الْمُرْتَفِعُ مِنَ الْاَرْضِ۔

۹۷۷: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حج یا عمرے سے واپس لوٹتے جب بھی کسی پہاڑی یا اونچی جگہ پر چڑھتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر پڑھتے۔ پھر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ.....وَحْدَهٗ تک پڑھتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کے لئے بادشاہی اور سب تعریفیں ہیں۔ وہ ہر چیز پر قدرت والا ہے۔ ہم لوٹ کر آنے والے ہیں اور توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے سجدہ کرنے والے اور اپنے ربّ کی حمد بیان کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دیا اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تمام گروہوں کو اس اکیلے نے شکست دی۔ (بخاری و مسلم)

مسلم کی روایت میں یہ لفظ ہیں۔ جب لشکر کے چھوٹے دستوں یا حج یا عمرے سے لوٹتے۔

اَوْفٰى : بلند ہونا۔ فَدْفَدٍ دونوں فا پر زبر اور دال ساکن ہے۔ اونچی زمین اس کا معنی ہے۔

قفل: جب لوٹتے۔ او: ممکن ہے یہ شک راوی کے لئے ہو۔ یا تنویع کے لئے حج وعمرہ کی قسم کا سفر ہو یا کوئی سفر ہو۔ جیسا مسلم کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے۔ کلما: یہ کبر کا ظرف ہے۔ او فی: بلند ہوتے۔ ثنية: صاحب المغرب کہتے ہیں ثنیہ گھاٹی کو کہتے ہیں کیونکہ یہ راستے میں پہلے سامنے آتی ہے یا اس وجہ سے کہ یہ چلنے والے کو پھیرتی اور موڑتی ہے۔ لا اله الا الله: یہ توحید ذات ہے۔ وحده: یہ توحید صفات ہے۔ لا شريك الا: یہ جملہ حالیہ ہے اور توحید افعال ہے یعنی ایجاد مصنوعات میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ له الملك وله الحمد: وہ ملک و حمد میں منفرد ہے۔ جیسا کہ جار مجرور کا مقدم ہونا اشارہ کر رہا ہے۔ شئی: سے مراد ممکنات ہیں۔ قدیر: قدرت کا واجب و مستحیل سے تعلق نہیں رکھتی۔ آئبون.....لربنا: یہ چاروں میں سے کسی

طرح ظرف بن سکتا ہے۔ یا آخری کا متعلق ہے اور دوسروں کا متعلق دلالت کی وجہ سے حذف کر دیا۔ **وعدہ:** جو وعدہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے اور جو ایمان والوں سے کئے۔ یہ مصدر مضاف الی الفاعل ہے۔ **ونصر عبدہ:** یہ اضافت تشریفی یعنی عبد کامل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ارتباط کے بغیر مثلاً کثرت عدد عدد مدد فرمائی۔ جیسا بدر' احد' خندق۔ **ھزم الاحزاب وحدہ:** جنہوں نے کفار قریش کے ساتھ مل کر جتھا بندی کی یہود احابیش وغیرہ۔ ان کے مکر کو ان پر واپس کر دیا۔ وہ صباء کی ہوا تھی۔ مخلوق کا اس میں ذرہ بھی دخل نہیں۔ **فدفد:** یہ سخت اور بلند زمین کو کہتے ہیں۔ حدیث میں یہی مراد ہے مگر لغت میں جنگل اور برابر سخت زمین کو بھی کہتے ہیں (القاموس)

تخریج: أخرجه مالك (٩٦٠) واحمد (٢/٥٢٩٥) والبخاری (١٧٩٧) و مسلم (١٣٤٤) و ابو داود (٢٧٧٠) والترمذی (٩٥٢) وابن حبان (٢٧٠٧) وابن ابی شیبة (١٠/٣٦١) و عبدالرزاق (٩٢٣٥) والبیهقی (٥/٢٥٩)

الفرائد: حج' عمرہ یا غزوہ سے ہر بلندی و پستی پر اس دعا کو آپ پڑھتے تھے۔

٩٧٨ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا قَالَ : یا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اُسَافِرَ فَاَوْصِنِیْ ، قَالَ : "عَلَیْكَ بِتَقْوَی اللّٰهِ ، وَالتَّكْبِیْرِ عَلٰی كُلِّ شَرَفٍ" فَلَمَّا وَلَّی الرَّجُلُ قَالَ : "اَللّٰهُمَّ اطْوِلَهُ الْبُعْدَ ، وَهَوِّنْ عَلَیْهِ السَّفَرَ" رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ :حَدِیْثٌ حَسَنٌ ۔

٩٧٨: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سفر کا ارادہ رکھتا ہو۔ مجھے نصیحت فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کا تقویٰ لازم پکڑو اور ہر اونچی جگہ پر اللہ اکبر کہو۔'' جب آدمی پیٹھ پھیر کر چل دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعا فرمائی۔ ''اے اللہ اس کے لئے فاصلے کو سمیٹ دے اور سفر آسان کر دے۔ (ترمذی) اور کہا یہ حدیث حسن ہے۔

فاوصنی: اس سے اس بات کا استحباب معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص سفر میں جائے وہ صالح و متبرک شخصیت کے ہاں جا کر اپنے ارادے کا اظہار کرے تاکہ وہ ضروری مشورہ و نصائح کر لے۔ **علیك بتقوی اللّٰہ:** تقویٰ لازم کرو یہ سفر و حضر میں محفوظ قلعہ ہے۔ **کل مشرف:** ہر بلند مقام پر اللہ اکبر کہو۔ اترنے کے وقت تسبیح کا حکم شاید اس کے جاننے کی وجہ سے ترک فرمایا یا آپ نے تذکرہ فرمایا اور راوی سے اس کا تذکرہ رہ گیا۔ **اللھم اطولہ البعید:** آپ نے دعا فرمائی اے اللہ اس کے لئے مسافت کو سمیٹ دے۔ حسی سمٹنا ہو یا معنوی کہ مشکلات سفر آسان ہوں۔ اچھی سواری' اچھے ساتھی میسر ہو جائیں۔ **وھون علیہ السفر:** سفر کی ایذاؤں اور غموں کو دور کر دے۔

تخریج : أخرجه احمد (٢/٨٣١٧) والترمذی (٣٤٥٦) وابن ماجه (٢٧٧١) والحاكم (٢/٢٤٨١) وابن ابی شیبة (١٢/٥١٧) وابن حبان (٢٦٩٢) والنسائی فی الكبری (٦/١٠٣٣٩) والبیهقی (٥/٢٥١)

الفرائد: ① جو سفر کا ارادہ رکھتا ہو اسے تقویٰ والے لوگوں سے دعا طلب کرنی چاہئے ② مسافر کی غیر موجودگی میں مانگی

جانے والی دعا ہے وہ سفر کے لیئے دعا کا زیادہ محتاج ہے۔

۹۷۹ :وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ :کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فِیْ سَفَرٍ ' فَکُنَّا اِذَا اَشْرَفْنَا عَلٰی وَادٍ هَلَّلْنَا وَکَبَّرْنَا وَارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُنَا ' فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ :یَا اَیُّهَا النَّاسُ :اَرْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ فَاِنَّکُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَآئِبًا ' اِنَّہٗ مَعَکُمْ اِنَّہٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ" مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

"اِرْبَعُوْا" بِفَتْحِ الْبَآءِ الْمُوَحَّدَةِ :اَیِ ارْفَقُوْا بِاَنْفُسِکُمْ۔

۹۷۹: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ جب ہم کسی وادی پر چڑھتے تو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے اور ہماری آوازیں بلند ہو جاتیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے لوگو! اپنے آپ کو آسانی دو' تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے' بے شک وہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ ہر بات کو سننے والا اور قریب ہے۔" (بخاری و مسلم)

اَرْبَعُوْا :با کے زبر کے ساتھ ہے۔ جس کے معنی اپنے آپ کو آرام پہنچانا۔

صلی اللہ علیہ وسلم۔ هللنا و کبرنا: لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہتے تا کہ زمین کے وہ حصے گواہی دیں۔

النحو :جملہ شرطیہ اور اس کا جواب کان کی خبر ہے اور ارتفعت اصواتنا: یہ هللنا: کے فاعل سے جملہ حالیہ ہے (۲) یا جملہ مستانفہ (۳) اذا کا جواب (۴) هللنا: جملہ شرطیہ سے بدل یا حال ہے۔ اربعوا علی انفسکم: زیادہ آواز بلند کرنے پر فرمایا کہ اس کا فائدہ نہیں اور اس کی علت فانکم لا تدعون: سے ذکر فرمائی کہ تم تو اس کو پکارتے ہو جو شاہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ انه معکم: اگر اس پر لام تعلیلیہ لائیں تو جملے کا حصہ بن جائے گا۔ معیت سے معنوی معیت مراد ہے۔

تخریج : أخرجه احمد (۷/۱۹۶۱۶) والبخاری (۲۹۹۲) و مسلم (۲۷۰۴) و ابو داود (۱۵۲۶) والترمذی (۳۳۸۵) وابن ماجه (۳۸۲٤)

الفرائد : چیخ کر دعا و ذکر کرنا مکروہ ہے۔ (طبری) دعا کی عظمت و توقیر کا تقاضا یہ ہے کہ ہلکی آواز سے ہو۔ فرض نماز سے فراغت کے بعد صحابہ کرامؓ اللہ اکبر بلند آواز سے کہتے۔

۱۷۲ :بَابُ اسْتِحْبَابِ الدُّعَآءِ فِی السَّفَرِ

باب: سفر میں دُعا کا استحباب

۹۸۰ : عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : "ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَکَّ فِیْهِنَّ :دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ ' وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ ' وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلٰی وَلَدِہٖ"

رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ : حَدِيْثٌ حَسَنٌ - وَلَيْسَ فِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوٗدَ : "عَلٰى وَلَدِهٖ"۔

۹۸۰: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''تین دعائیں ایسی ہیں جن کی قبولیت میں شک نہیں: (۱) مظلوم کی دعا' (۲) مسافر کی دعا' (۳) والد کی دعا بیٹے کے خلاف۔'' (ابوداؤد' ترمذی)

حدیث حسن ہے۔

ابوداؤد کی روایت میں عَلٰی وَلَدِهٖ کے الفاظ ہیں۔

لاشك فيهن: یعنی ان کی قبولیت میں شک نہیں۔ **دعوة المظلوم:** مظلوم کی بددعا۔ یہاں مفرد لانے کا یہ مقصد نہیں کہ ایک دعا قبول ہوتی ہے بلکہ جنس ظلم کی سب دعاؤں کا یہی حکم ہے۔ مفرد اضاف عموم کے لئے مفید ہے۔ بزاز کی روایت کے مطابق غلبہ پانے تک قبول ہوتی رہتی ہے۔ **دعوة السافر:** مباح سفر مراد ہے۔ یہ دعا کی قبولیت' سفر کی مشقتوں سے حفاظت کا صلہ ہے۔ بزار کی روایت میں حتی یرجع کے لفظ بھی ہیں کہ واپسی تک یہ سلسلہ قائم رہتا ہے۔ **ودعوة الوالد علی ولده:** جب کہ اس نے اس پر زیادتی کی ہو اور ماقبل پر عطف یہ عطف خاص علی العام کی جنس سے ہے اور اس کے خصوصی اہتمام کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ بزار کی روایت میں **والصالم حتی یفطر:** اور ابن ماجہ میں **"دعوة الوالد لولده"**: کے الفاظ وارد ہیں۔ دعائیں دعا کرنے والے اور اوقات دعا اور مقامات دعا کے اعتبار سے قبول ہوتی ہیں۔ سیوطی نے اس میں ایک عمدہ رسالہ لکھا ہے۔ **"سهام الاصابه فی الدعوات المجابه"**۔

تخريج : أخرجه احمد (۳/۷۵۱۳) و ابو داود (۱۵۳۶) والترمذی (۱۹۱۲) وابن ماجه (۳۸۶۲) والبخاری (۳۲) وابن حبان (۲۶۹۹) والطیالسی (۲۵۱۷) والقضاعی (۳۰۶)

الفرائد : مظلوم کی بددعا سے بچنے کا حکم فرمایا۔ اسی طرح مسافر کی بددعا اور والد کی بیٹے کے خلاف دعا ان سب سے بچنا چاہئے ان سے دعا کروانی چاہئے۔

۱۷۳ :بَابُ مَا يَدْعُوْ اِذَا خَافَ نَاسًا اَوْ غَيْرَهُمْ

بَابٌ: جب لوگوں سے خطرہ ہو تو کیا دُعا کرے

غیرهم: درندہ وغیرہ اصل تو دعا روایت میں لوگوں سے متعلق ہے۔ دوسرے دشمنوں کو ان پر قیاس کیا گیا ہے اور مسافر کی مشکلات میں یہ شامل ہے۔

۹۸۱ :عَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا خَافَ قَوْمًا قَالَ: "اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ ' وَالنَّسَآئِيُ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ۔

۹۸۱: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی قوم کی طرف سے خطرہ ہوتا تو یہ دعا پڑھتے: ''اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ ...... شُرُوْرِهِمْ'' تک اے اللہ! ہم تجھے ان کے سامنے کرتے ہیں اور ان کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔ (ابوداؤد' نسائی) صحیح سند کے ساتھ۔

كان اذ اخاف قوماً: خوف امر طبعی ہے اس میں کوئی چیز خلاف نبوت نہیں۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے متعلق وارد ہے: ﴿قالا ربنا اننا نخاف ان يفرط﴾ **نجعلك:** ہم آپ کا بچاوا لیتے ہیں۔ **نحورهم:** ان کی تدابیر ہم سے ہٹا کر ان کے سینوں میں لوٹا دے۔ **ونعوذ زبلك من شرورهم:** ان کے شرور سے تیری پناہ میں آتے ہیں۔ دعا میں آخری حروف کا متوازن ہونے میں حرج نہیں۔ ہاں تکلف منع ہے یا جو سجع خشوع میں رکاوٹ ہو وہ ممنوع ہے۔ اس میں جو آدمی حسد کے سانپوں اور باغیوں کے تیروں کا شکار ہو اس کا معالجہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی کو تھام لے اور دل کو اسی کی طرف جھکائے۔

تخریج : أخرجه احمد (۷/۱۹۷۴۰) وابو داود (۱۵۳۷) والنسائی (۶۰۱) وابن حبان (۴۷۶۵) والحاكم (۲/۲۶۲۹) والبیهقی (۵/۲۵۳)

الفرائد : ① ہر شر جو مسلمان کو پہنچ سکتا ہے اس سے پناہ طلب کی گئی ہے ② اس میں اللہ تعالیٰ کی بندوں پر عظیم رحمت ہے کہ تکلیف کا خالق وہی ہے تو اس کی پناہ میں آ جانے سے تکلیف کی کیا مجال کہ اس تک پہنچ جاتے۔

۱۷۴: بَابُ مَا يَقُوْلُ اِذَا نَزَلَ مَنْزِلاً

بَابٌ: جب کسی مقام پر اُترے تو کیا کہے؟

منزلا: سفر کا ذکر اس لئے کیا کیونکہ سفر میں عموماً مقامات بدلتے ہیں البتہ یہ سفر و حضر میں کسی جگہ اترے تو یہ دعا کرے۔

۹۸۲ : عَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيْمٍ قَالَتْ :سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ :مَنْ نَزَلَ مَنْزِلاً ثُمَّ قَالَ : اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ :لَمْ يَضُرُّهٗ شَيْءٌ حَتّٰى يَرْتَحِلَ مِنْ مَّنْزِلِهٖ ذٰلِكَ'' رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۹۸۲: خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے سنا جو کسی مقام پر اترا۔ پھر یہ دعا پڑھ لی: ''اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ'' کہ میں اللہ کے کامل کلمات سے مخلوق کے شر سے پناہ مانگتا ہوں'' تو اس کو اس مقام پر کوئی چیز کوچ کرنے تک نقصان نہیں پہنچائے گی۔ (مسلم)

خولہ بنت حکیم: یہ امیہ کی بیٹی ہیں یہ سلمیہ ہیں۔ ان کا لقب ام شریک تھا یہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں۔ بعض نے خویلہ کہا بعض نے ذکر کیا کہ انہوں نے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا۔ ان کی روایت مسلم نے ذکر کی اور سنن اربعہ نے بھی۔ انہوں نے پندرہ روایات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہیں۔ مسلم ان کی روایات میں منفرد ہیں۔ ثم

قال: یعنی اترنے کے کچھ وقت بعد۔ اعوذ بکلمات اللّٰہ: یعنی اللہ تعالیٰ کی ازلی اور اس کے ساتھ قائم صفت کے ساتھ۔ صفت ازلی میں تعدد نہیں متعلق کے متعدد ہونے سے جمع لائے۔ التامات: جو حوادث کے سبب نقص کے اترنے سے پاک ہے۔ ما خلق: سے یہاں شر والی مخلوق مراد ہے ورنہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام وہ شر سے بالکل پاک ہیں۔ ماعام مخصوص البعض ہے۔ شئی: اس میں تمام اندرونی' خارجی' نفسانی شیطانی ضرر سب شامل ہیں۔

تخریج : أخرجه احمد (۲۷۱۹۰ / ۱۰) و مسلم (۲۷۰۸) والترمذی (۳۴۴۸) والنسائی (۵۶۰) وابن حبان (۲۷۰۰) والدارمی (۲/۲۸۷) و مالك (۱۸۳۰) وابن ماجه (۳۵۴۷) وابن خزيمة (۲۵۶۶) والبیهقی (۵/۲۵۳)

الفرائد : ہر شر سے پناہ طلب کی گئی جس سے مسلمان کو ایذاء پہنچ سکتی ہے۔

۹۸۳ : وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا سَافَرَ فَاَقْبَلَ اللَّيْلُ قَالَ :"يَا اَرْضُ! رَبِّيْ وَرَبُّكِ اللّٰهُ ، اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّكِ وَشَرِّ مَا فِيْكِ ، وَشَرِّ مَا خُلِقَ فِيْكِ ، وَشَرِّ مَا يَدِبُّ عَلَيْكِ ، وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ اَسَدٍ وَّاَسْوَدٍ، وَمِنَ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ ، وَمِنْ سَاكِنِ الْبَلَدِ ، وَمِنْ وَّالِدٍ وَّمَا وَلَدَ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ۔

"وَالْاَسْوَدُ" : الشَّخْصُ – قَالَ الْخَطَّابِيُّ: "وَسَاكِنُ الْبَلَدِ" : هُمُ الْجِنُّ الَّذِيْنَ هُمْ سُكَّانُ الْاَرْضِ – قَالَ :وَالْبَلَدُ مِنَ الْاَرْضِ مَا كَانَ مَاْوَى الْحَيَوَانِ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْهِ بِنَآءٌ وَّمَنَازِلُ : قَالَ: وَيَحْتَمِلُ اَنَّ الْمُرَادَ: "بِالْوَالِدِ" اِبْلِيْسُ :"وَمَا وَلَدَ" الشَّيَاطِيْنُ۔

۹۸۳: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر پر ہوتے اور رات آ جاتی تو یوں دعا فرماتے: "یَا اَرْضُ ...... مَا وَلَدَ :" کہ اے زمین میرا اور تیرا رب اللہ ہے' تیرے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اور ان چیزوں کے شر سے جو تجھ میں ہیں اور ان کے شر سے جو تجھ میں پیدا کی گئی ہیں اور ان کے شر سے جو تجھ پر چلتی ہیں' میں شیر اور سانپ کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اور سانپ اور بچھو اور علاقے کے رہنے والے اور والد اور اس کی اولاد سے پناہ مانگتا ہوں۔" (ابوداؤد)

اَلْاَسْوَدُ : سے مراد شخص ہے۔

خطابی نے کہا سَاكِنُ الْبَلَدِ سے مراد وہ جن ہیں جو زمین پر رہتے ہیں اور بَلَدُ زمین کے اس حصے کو کہتے ہیں جہاں حیوان ہوں خواہ وہاں تعمیر اور مکانات نہ ہوں اور ممکن ہے وَالِدِ سے مراد ابلیس اور وَلَدَ سے مراد شیاطین ہوں۔

سافر: سفر شروع فرماتے۔ یا ارض ربی وربك اللّٰہ: زمین میں عین ممکن ہے معجزاتی طور پر اللہ تعالیٰ آپ کی کلام سننے کا ادراک پیدا فرما دیتے ہوں۔ صاحب الحرز کہتے ہیں معلوم ہے زمین داعی کے کلام کو سننے کا ادراک پایا جاتا ہے اور جس کا رب

ایک ہوتو اسے ایک دوسرے کو تکلیف نہ دینی چاہئے یا اس کو اس لئے ذکر کیا کہ جو استعاذہ کرے اسے اس کی ربوبیت پر اس طرح یقین ہونا چاہئے۔ شرك: اس سے مراد وہ شر جو زمین سے متصل ہے۔ مثلاً گہرے کھڈ میں گر پڑے یا کسی بلند چیز سے لڑھک جائے۔ مافیك: موذی دینے والا حشرات وغیرہ۔ ما خلق فیك: مثلاً پہاڑ' ٹیلے' درخت کھائیاں جن سے انسان کا ٹکراؤ ہوتا ہے۔ ما یدب: زمین پر حرکت کرنے والے۔ ابن جوزی کہتے ہیں اس سے مراد جو زمین پر چلتے خواہ دابہ ہو یا دبیب۔ اعوذبك: استعاذہ کو عظمت کے لئے لوٹایا۔ اسود: یہ اسم جنس ہے نہ کہ صفت۔ یہ غیر منصرف ہے۔ بڑا سیاہ سانپ بعض نے سیاہ شخص مراد لیا ہے۔ من الحیة والعقرب: عموم کے اندر تمام شامل ہیں مگر یہ خصوصاً نقصان دینے والے ہیں اس لئے ان کا ذکر کر دیا۔ ولا لشیاطین: بقول خطابی اس سے معلوم ہوا کہ ابلیس کی اولاد ہے اور وہ شیاطین ہیں۔

تخریج : أخرجه احمد (۲/٦١٦٩) و ابو داود (۲٦٠٣) والحاكم (۲/۲٤۸۷) تهذيب الكمال (٦/۲۹۲)

الفرائد :مخلوق کے شر سے پناہ کے لئے رات آنے پر مسافر کو یہ دعا سکھائی گئی۔

۱۷۵ :بَابُ اسْتِحْبَابِ تَعْجِيْلِ الْمُسَافِرِ الرُّجُوْعِ اِلٰى اَهْلِهِ اِذَا قَضٰى حَاجَتَهٗ

بَابٌ: مسافر کو اپنی ضرورت پوری کر کے جلدی لوٹنا مستحب ہے

اهله: یہ قید غالب کے اعتبار سے ہے ورنہ مراد وطن لوٹنا ہے۔ خواہ اہل ہوں یا نہ ہوں۔ جب ان کا مقصد پورا ہو جائے۔

٩٨٤ :عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ : يَمْنَعُ اَحَدَكُمْ طَعَامَهٗ ، وَشَرَابَهٗ ، وَنَوْمَهٗ فَاِذَا قَضٰى اَحَدُكُمْ نَهْمَتَهٗ مِنْ سَفَرِهٖ فَلْيُعَجِّلْ اِلٰى اَهْلِهٖ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

"نَهْمَتَهٗ "نَهْمَتَهٗ" مَقْصُوْدَهٗ۔

۹۸۴: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سفر عذاب کا ٹکڑا ہے' سفر کرنے والے کو وہ کھانے پینے اور نیند سے روکتا ہے۔'' جب تم میں کوئی اپنے سفر کا مقصد پورا کر لے' چاہئے کہ وہ اپنے گھر جلدی لوٹے۔ (بخاری' مسلم)

''نَهْمَتَهٗ'' :مقصد۔

السفر قطعة من العذاب: (۱) یہ حقیقت ہو کیونکہ اس میں جسم کو دکھ پہنچتا اور نفس تھکتا ہے (۲) ممکن ہے تشبیہ بلیغ ہو۔

ایک لطیفہ: امام الحرمین سے ان کے والد کی وفات کے بعد کسی نے پوچھا سفر کیونکر قطعہ عذاب ہے تو انہوں نے برجستہ فرمایا کیونکہ اس میں فراق احباب ہے۔

یمنع احدکم: یہ عذاب کے لئے بطور علت ذکر فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ نفس کی سہولیات سے یہ مانع ہے کیونکہ اس میں مشقت' تعب' گرمی' سردی کو برداشت کرنا' وطن' اہل سے علیحدگی' درشت زندگی سب کچھ ہوتا ہے۔ فلیعجل الی

اھلہ: حدیث کا مقصد یہ ہے کہ ضرورت کے پورے ہونے پر لوٹنا مستحب ہے۔ باقی جوان پریشانیوں میں نہ ہو وہ تاخیر کر سکتا ہے۔ نھمة: مقصود و حاجت کو کہا جاتا ہے۔

تخریج : احمد (۳/۷۲۲۹) والبخاری (۱۸۰٤) و مسلم (۱۹۲۷) وابن ماجه (۲۸۸۲) وابن حبان (۲۷۰۸) والدارمی (۲/۲۸٤) والبیهقی (۵/۲۵۹)

لطیفہ : امام حرمین جب والد کے قائم مقام بنے تو کسی نے سوال کیا: لم کان السفر قطعة فی العذاب؟ تو انہوں نے برجستہ کہا: لان فیه فرق الاحباب۔

الفرائد: ① اس سے بلاضرورت سفر کی کراہت ظاہر ہوتی ہے ② اسی وجہ سے جلد واپسی کا حکم ہے ③ گھر میں قیام راحت دینی و دنیوی کا باعث ہے۔

۱۷۶: بَابُ اسْتِحْبَابِ الْقُدُوْمِ عَلٰی اَهْلِهٖ نَهَارًا وَّ كَرَاهَتِهٖ فِی اللَّيْلِ لِغَيْرِ حَاجَتِهٖ

باب: اپنے گھر میں سفر سے دن میں واپس لوٹنا چاہئے رات کو بلاضرورت گھر آنے کی کراہت

اھلہ: بیوی مراد ہے۔ کراھته فی اللیل: جبکہ اس کی آمد کی اطلاع نہ ہو۔ ورنہ اطلاع بھیجی ہو تو رات پہنچنے میں حرج نہیں اسی وجہ سے لغیر حاجت کی قید لگائی گئی ہے اگر رات کو داخل ہونے سے دفع ضرر وغیرہ مقصود ہو تو کوئی حرج نہیں۔

۹۸۵ : عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: "اِذَا اَطَالَ اَحَدُكُمُ الْغَيْبَةَ فَلَا يَطْرُقَنَّ اَهْلَهٗ لَيْلًا" وَفِیْ رِوَايَةٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰی اَنْ يَّطْرُقَ الرَّجُلُ اَهْلَهٗ لَيْلًا۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۹۸۵: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کو گھر سے غائب ہوئے عرصہ گزر جائے تو وہ اپنے گھر والوں کے پاس رات کو نہ آئے۔'' ایک روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ رات کو آدمی اپنے گھر والوں کے پاس آئے۔ (بخاری، مسلم)

الغیبة: روایت ہذا اور پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سفر مختصر ہو تو تب بھی رات کے وقت آنے میں کراہت نہیں اور اسی طرح گھر کے لوگ اگر آمد کے منتظر ہوں تو تب بھی حرج نہیں۔ فلا یطرقن: وہ رات کو نہ آئے۔ یہ رات کے ابتدائی اور آخری حصے دونوں کو شامل ہے۔ دن کو آئے تاکہ زوجہ کنگھی وغیرہ کر لے۔

تخریج : أخرجه البخاری (۵۲٤٤) و مسلم (۷۱۵) و ابو داود (۲۷۷۷) و مسلم (۷۱۵) واحمد

(۵/۱۵۲۸۵) والترمذی (۲۷۱۲) وابن حبان (۱۲۷۱۳) و ابو داود (۲۷۷۶) والطیالسی (وابن ابی شیبة (۵۲۳/۱۲) والبیهقی (۲٦۰/۵)

الفرائد: جوآدمی زیادہ دن گھر سے غائب رہنے پرلوٹے اسے گھر میں اطلاع دے کر دن کے وقت آنا چاہئے۔

۹۸٦: وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا یَطْرُقُ اَھْلَہٗ لَیْلًا، وَکَانَ یَاْتِیْھِمْ غُدْوَۃً اَوْعَشِیَّۃً، مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

"الطُّرُوْقُ": اَلْمَجِیْءُ فِی اللَّیْلِ۔

۹۸٦: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں رات کونہیں آتے تھے بلکہ صبح کے وقت یا شام کے وقت تشریف لاتے۔ (بخاری ومسلم)

الطُّرُوْقُ: رات کو آنا۔

فلا یطرق اھله لیلًا: جب وہ سفر سے واپس لوٹے۔ **غدوہ او عشیة**: دن کے ابتدائی یا آخری حصہ میں آئے۔ طروق میں لیل کی قیدرات کے تمام اجزاء میں کراہیت کے ثبوت کے لئے ہے۔

تخریج: أخرجه البخاری (۱۸۰۰) و مسلم (۱۹۲۸)

الفرائد: اس میں آپ کے عظیم اخلاق کا تذکرہ ہے جس میں زوجین کے مابین باہمی محبت وکشش کے پہلو کو برقرار رکھا گیا تاکہ زندگی راحت سے گزرے اور ایک دوسرے کے عیب کی اطلاع نہ ہو۔

۱۷۷: بَابُ مَا یَقُوْلُ اِذَا رَجَعَ وَاِذَا رَاٰی بَلْدَتَہٗ

بَابٌ: جب واپس لوٹے اور شہر کو دیکھے تو کیا پڑھے؟

فِیْہِ حَدِیْثُ ابْنِ عُمَرَ السَّابِقُ فِیْ بَابِ تَکْبِیْرِ الْمُسَافِرِ اِذَا صَعِدَ الثَّنَایَا۔

اس میں ایک تو ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث ہے جو باب تَکْبِیْرِ الْمُسَافِرِ اِذَا صَعِدَ الثَّنَایَا میں گزری۔

اس باب سے گزشتہ باب کی روایت اذا صعد الثنایا: بھی مناسبت رکھتی ہے۔ اسی طرح حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی مزید روایت آتی ہے۔

۹۸۷: وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: اَقْبَلْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اِذَا کُنَّا بِظَھْرِ الْمَدِیْنَۃِ قَالَ: "اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ، لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ" فَلَمْ یَزَلْ یَقُوْلُ ذٰلِکَ حَتّٰی قَدِمْنَا الْمَدِیْنَۃَ، رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

۹۸۷: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم حضورؐ کی معیت میں سفر سے لوٹے جب ہم مدینہ کے نواح میں پہنچے تو آپؐ نے یہ دعا فرمائی: ''ہم سفر سے واپس آنے والے ہیں توبہ کرنے اور توبہ کرانے والے ہیں' عبادت کرنے والے اور اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں'' آپ یہ فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم مدینہ پہنچ گئے۔ (مسلم)

المدینه: اس سے مراد وہ مقام جہاں سے مدینہ منورہ نظر آتا تھا۔ آیتون: اس میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا حسب طاقت احتیاط سے تقابل کیا گیا ہے۔ آیاب سے ابتداء کی گئی ہے۔ مخالفت سے لوٹنا یہ تخلیہ کی طرح ہے اور پھر صالح اعمال کی توجہ کرنا اور رجوع کرنا ہے پھر اس کی حمد کرنا اس کے توفیق دینے اور آسانی فرمانے سے ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**ولو لا فضل الله عليكم ورحمته ما زكى منكم**﴾: آپ ﷺ کی زبان پر یہ الفاظ رہے یہاں تک کہ ہم مدینہ میں پہنچ گئے۔ ترجمۃ الباب کا تعلق آخر جزء سے ہے۔

تخريج : أخرجه مسلم (١٣٤٥)

الفرائد :وطن واپسی کی دعا ہے کہ جب مغازی پر نگاہ پڑے تو یہ دعا پڑھتا ہوا شہر میں داخل ہو۔

۱۷۸ :بَابُ اسْتِحْبَابِ ابْتِدَآءِ الْقَادِمِ بِالْمَسْجِدِ الَّذِیْ فِیْ جَوَارِهٖ وَصَلَاتِهٖ فِیْهِ رَکْعَتَیْنِ

بَابٌ: سفر سے آنے والے کو قریبی مسجد میں آنا اور اس میں دو رکعت پڑھنے کا استحباب

گھر میں داخلے سے پہلے قریبی مسجد میں کم از کم دو رکعت پڑھی جائیں۔

۹۸۸ : عَنْ کَعْبِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ کَانَ اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ بَدَاَ بِالْمَسْجِدِ فَرَکَعَ فِیْهِ رَکْعَتَیْنِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۹۸۸: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ سفر سے تشریف لاتے تو مسجد سے ابتداء کرتے اور اس میں دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ (بخاری و مسلم)

كان اذا قدم من سفر: کسی بھی سفر سے۔ **بالمسجد**: کیونکہ مسجد سب سے زیادہ شرف والا قطعہ ارضی ہے۔ **رکعتین**: یہ تحیۃ المسجد ہیں۔

الفرائد :سفر سے آنے والا سب سے پہلے مسجد میں آئے اور دو رکعت نماز ادا کرے تا کہ اس کے لئے اور گھر کے لئے برکت کا باعث ہو۔

۱۷۹ :بَابُ تَحْرِيْمِ سَفَرِ الْمَرْاةِ وَحْدَهَا

بَابُ :عورت کے اکیلے سفر کرنے کی حرمت

خواہ وہ سفر میل وفرسخ ہو۔ یہ تحریم غیر فرضی سفر میں ہے۔شوافع کے ہاں سفر حج وعمرہ عورت اکیلی کر سکتی ہے (احناف کے ہاں بلامحرم درست نہیں۔مترجم)

۹۸۹ :عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :"لَا يَحِلُّ لِامْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ تُسَافِرُ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ اِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ عَلَيْهَا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۹۸۹:حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"کسی عورت کے لئے حلال نہیں۔ جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو کہ وہ ایک دن رات کا سفر بغیر محرم کے کرے۔(بخاری ومسلم)

ولا یحل: کا معنی کہ جائز نہیں۔واؤ عاطفہ سے اشارہ کیا کہ یہ حدیث کا ایک جزء ہے۔**لامراۃ:** ایمان کی قید اس لئے لگائی کہ وہی احکام کی پابند ہے اوران پر عمل پیرا ہونے والی ہے۔شوافع کی تحقیق یہ ہے کہ کفار بھی فروغ شریعت کے مخاطب ہیں۔ **تسافر مسیرۃ یوم ولیلۃ:** مگروہ سفر جس پر اجماع ہے۔**یوم ولیلہ:** کی غالب کے اعتبار سے ہے۔محرم فاسق بھی تب بھی اس کے ساتھ سفر جائز ہے کیونکہ مانع طبعی موجود ہے۔

تخریج : أخرجه مالك (۱۸۳۳) واحمد (۳/۷۲۲۶) والبخارى (۱۰۸۸) ومسلم (۱۳۳۹) وابو داود (۱۷۲٤) والترمذى (۱۱۷۰) وابن حبان (۲۷۲۵) وابن خزيمة (۲۵۲۳) وابن ماجه (۲۸۹۹) والبيهقى (۱۳۹/۳)

الفرائد :عورت کو چوبیس گھنٹے کا سفر بلامحرم نہ کرنا چاہئے ورنہ مصیبت کا باعث ہوگا۔

۹۹۰ :عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ :"لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَاَةٍ اِلَّا وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ ، وَلَا تُسَافِرُ الْمَرْاَةُ اِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ" فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ امْرَاَتِيْ خَرَجَتْ حَاجَّةً ، وَاِنِّيْ اكْتُتِبْتُ فِيْ غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا؟ قَالَ : "انْطَلِقْ فَحُجَّ مَعَ امْرَاَتِكَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۹۹۰:حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔انہوں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے سنا:"ہرگز کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ علیحدگی میں نہ بیٹھے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا محرم ہو اور کوئی عورت سفر نہ کرے، مگر یہ کہ اس کا محرم ہو۔"ایک آدمی نے آپ سے سوال کیا کہ میری عورت حج کو جارہی ہے اور میرا نام فلاں فلاں غزوہ میں لکھا جا چکا ہے؟فرمایا:"تو جا اور اپنی عورت کے ساتھ حج کر"۔(بخاری ومسلم)

لا یخلون رجل بامرأة: کیونکہ یہ شک کا مقام اور برائی کا وسیلہ ہے۔ **ومعها ذو محرم:** یہ جملہ حالیہ عام احوال سے مستثنیٰ ہے۔ یہ درحقیقت ماقبل کی تاکید ہے کیونکہ جب محرم موجود ہوگا تو خلوت اجنبیہ حاصل نہ ہوگی۔ **ولا تسافر المرأة:** سفر سے وہ مراد ہے جس کو سفر کہا جاتا ہے۔ لیل ونہار سے مخصوص نہیں وہ تو اس کے بعض افراد کے تذکرہ کی قسم سے ہیں۔ **ذی محرم:** خاوند امانت دار غلام۔ **حاجة:** حج ادا کرنے چلی ہے۔ **فحج مع امرأتك:** معلوم ہوتا ہے اس پر حج فرض تھا یا اس کے ساتھ دوسرا کوئی محرم تھا ورنہ اس کے پانے تک تاخیر کا حکم فرمایا جاتا۔ وہ بلا محرم نہ نکلی تھی ورنہ اس کی حرمت بیان فرمادی جاتی۔ موقعہ بیان پر ترک بیان ثبوت کی دلیل ہے۔

تخریج : أخرجه احمد (۱۹۳٤) والبخاری (۱۸٦۲) ومسلم (۱۳٤۱) وابن ماجه (۲۹۰۰) وابن حبان (۲۷۳۱) وابن خزیمة (۲۵۲۹) والطیالسی (۲۷۳۲) والحمیدی (٤٦۸) وابن ابی شیبة (٤/٦) والبیهقی (۳/۱۳۹)

الفرائد : ① اجنبیہ سے خلوت اس کے محرم کی موجودگی کے بغیر حرام ہے ② عورت کا سفر بھی محرم کے بغیر ناجائز ہے۔

۱۸۰ : بَابُ فَضْلِ قِرَآءَةِ الْقُرْآنِ

بَاب : قرآن مجید پڑھنے کی فضیلت

فضائل: جمع فضیلة یہ لقیصہ کا الٹ ہے۔ بھلائی کو کہا جاتا ہے۔ فتح الدلہ میں اس کو فاضلہ کے معنی میں کہا گیا ہے۔ یہ صفت ہے جو کہ عموماً اچھی صفت کے لئے بولا جاتا ہے (القاموس) فضل کی جمع فضول ہے۔ فضل میں بلند مرتبے کو فضیلت کہتے ہیں اور فاضلہ اس سے اسم ہے۔ فواضل بڑے احسانات یا شاندار احسانات کو کہتے ہیں۔ (القاموس)

قرأة: اس سے تلاوت مراد ہے۔

۹۹۱ : عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ : "اقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّهٗ یَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ شَفِیْعًا لِّاَصْحَابِهٖ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۹۹۱: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''تم قرآن پڑھو اس لئے کہ قرآن قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لئے سفارشی بن کر آئے گا''۔ (مسلم)

ابی امامة: ان کا نام صدی بن عجلان ہے۔ **اقرؤا:** اگرچہ یہ مخاطبین کو خطاب ہے مگر اس سے مراد تمام امت ہے۔ **یأتی یوم القیامة:** علقمی کہتے ہیں قرآن مجید کو قیامت کے دن شکل دی جائے گی۔ تبھی تو وہ آئے گا۔ جیسے میزان کے لئے خیر وشر کے اعمال کو صورت دی جائے گی۔ **شفیعاً لاصحابه:** ان لوگوں کے لئے سفارش کرے گا جو اس کو پڑھنے والے اور اس کے امر و نہی کو پورا کرنے والے ہیں۔

تخریج : أخرجه احمد (۸/۲۲۲۵۵) و مسلم (۸۰٤) وابن حبان (۱۱٦) والحاکم (۱/۲۰۷۱) والطبرانی

(٧٥٤٣) والبيهقى (٢/٣٩٥)

الفرائد : قرآن مجید کی تعلیم وقراءت اوراس پر قائم رہنے کی تاکید کی گئی ہے جوشخص قرآن کے لئے یہ امورانجام دے گا وہ قرآن اس کے لئے شفاعت ومدافعت کرنے والا ہوگا۔

٩٩٢ : وَعَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ :"يُؤْتَى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِالْقُرْاٰنِ وَاَهْلِهِ الَّذِيْنَ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ بِهٖ فِي الدُّنْيَا تَقْدُمُهٗ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَاٰلِ عِمْرَانَ ' تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۹۹۲: حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوفرماتے سنا:'' قیامت کے دن قرآن اور وہ قرآن والے جواس پر عمل کرتے تھے ان کو لایا جائے گا۔سورۂ بقرہ اور آلِ عمران پیش پیش ہوں گی اوراپنے پڑھنے والوں کی طرف سے جھگڑا کریں گی''۔(مسلم)

نواس بن سمعان: رضی اللہ عنہ یہ مشہور صحابی ہیں حالات پہلے گزرے ملاحظہ ہوں۔ **یوتی بالقرآن**: فعل مجہول ہے اور قرآن اس کا نائب فاعل ہے۔ **واهله الذين**: جواس کے حکموں کو مانتے اوراس کی ممنوعات سے بچتے ہیں۔سورۂ بقرہ وآل عمران آگے آگے ہوں گی۔ **سورة البقرة**: مضاف الیہ پر عطف کر کے مضاف ایک ہی ذکر کیا گیا تاکہ ثقل نہ ہو۔ **تحاجان**: محاجات جھگڑے کو کہتے ہیں اصل مقصود پڑھنے والے کی طرف سے اصرار سے دفاع ہے۔صاحب سے وہ شخص مراد ہے جوان میں تدبر کرنے والا اوران کے امرونہی پر چلنے والا ہے۔

تخریج : أخرجه مسلم (٨٠٥) والترمذى (٢٨٩٢)

الفرائد : قیامت کے دن بقرہ وآلِ عمران اپنے پڑھنے،عمل کرنے اورحفاظت کرنے والوں کے لئے سفارشی ہوں گی۔

٩٩٣ :وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :"خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۹۹۳: حضرت عثمان عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس نے قرآن پڑھا اوراس کو پڑھایا''۔(بخاری)

خیر کم: اے گروہ قراء تم میں سب سے بہتر۔ **من تعلم القرآن**: بعض بھی مراد ہو سکتے ہیں جوقرآنِ مجید میں سے ایک آیت بھی پاتا ہے وہ اس سے بہتر ہے جس کے پاس نہیں ہے۔ **وعلمهٗ**: تعلیم وتعلم میں اخلاص برتنے والا اور رضائے الٰہی کا متلاشی ہواوراس کے احکام،اخلاق وآداب پر عمل پیرا ہو۔ان کی خیریت کی وجہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں موجود ہے:((من قرء القرآن فقد استدرج النبوة بين جنبيه غير انه لا يوحى اليه)): جب اس نے سب سے بہتر کلام کو اپنے سینے میں جمع کیا تو یہ بات اس بات کا سبب بنی کہ دوسرے لوگ اس کی طرح ہوں۔اس نے اس انبیاء علیہم السلام کے بعض درجات کا

حصہ پایا۔ وہ ان صدیقین میں شمار ہونے لگا جو حقوق اللہ کو ادا کرنے والے ہیں اور انتہائی اطاعت کرتے ہوئے بندوں کے حقوق کو پورا کرنے والے اور کامل اتباع والے ہیں۔ تعلیم و تعلم سے یہ بات بداہۃً ثابت ہوگئی کہ قرآن سے مراد وہ لفظ ہیں جس کی تلاوت کو عبادت کے طور پر کیا جاتا ہے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا ہوا ہے اور اپنے اعجاز سے اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورت دنیا کو چیلنج دے رہی ہے۔ بخاری کی روایت اس طرح ہے: **افضلکم من تعلم القرآن و علمه**: ان الفاظ میں جو متن میں مذکور ہیں بخاری میں موجود نہیں۔ یہ قلم کی سبقت ہے۔

تخریج : أخرجه احمد (١/٤١٢) والبخاری (٥٠٢٧) والترمذی (٢٩١٦) وابو داود (١٤٥٢) والدارمی (٣٣٣٧) وابن ماجه (٢١٢) وابن حبان (١١٨) وعبدالرزاق (٥٩٩٥) والطیالسی (٧٣)

الفرائد : قرآن مجید کی تعلیم کی بڑی عظمت بتلائی گئی ہے تاکہ تعلیم کی طرف مسلمان کے لئے یہ نہ منقطع ہونے والا عمل ہے۔

٩٩٤ : وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "اَلَّذِیْ یَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ وَهُوَ مَاهِرٌ بِهٖ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ ، وَالَّذِیْ یَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ وَیَتَتَعْتَعُ فِیْهِ وَهُوَ عَلَیْهِ شَآقٌّ لَهٗ اَجْرَانِ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۹۹۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور وہ قرآن مجید پڑھنے کا ماہر ہے۔ وہ بزرگ نیکوکار فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو قرآن اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور اس کے پڑھنے میں اسے مشقت ہوتی ہے۔ اس کو دوگنا اجر ملے گا۔ (بخاری و مسلم)

و هو ماهر به: یہ جملہ حالیہ ہے۔ اس کا معنی یہ ہے وہ الفاظ تلاوت کو عمدہ انداز سے ادا کرنے والا ہو نہ قرأت میں رکے اور نہ متشابہ لگتا ہو۔ **السفرة**: ملائکہ قاصد مراد ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغامات رسولوں تک پہنچانے والے ہیں۔ وہ لکھنے والے کاتب مراد ہیں وہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان لکھنے والے ہیں۔ **السفره** :جمع سافر ہے۔ ملائکہ اعمال کو شمار کرتے ہیں۔ **الکرام**: وہ گناہوں کی گندگی سے معصوم ہیں اس لئے وہ معزز ہیں۔ **البرارة**: وہ طاعت و احسان کرنے والے ہیں۔ قیامت کے دن وہ ان کے مکانات میں ان کے ساتھ ہوں گے کیونکہ وہ محل کتاب اللہ میں ان کی طرح ہیں۔ (۲) جیسا حفظ و برکت میں ان کے ساتھ ہیں ان کے قرآن سننے سے اور راہنمائی سے مسلمانوں کو فائدہ ہوتا ہے۔ **یتتعتع فیه**: قرأت کو دہراتا ہے۔ **و هو علیه شاق**: حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے وہ اس کی زبان پر جاری نہیں ہوتا۔ **له اجران**: قرأت کا اجر اور اٹکنے کا اجر۔ پہلا شخص تو کامل ہے جیسا کہ معیت اس پر دلالت کر رہی ہے کیونکہ وہ قرآن مجید کی طرف زیادہ توجہ دینے والا ان کے حروف میں پختگی حاصل کر کے ماہر بن گیا ہے۔

تخریج : أخرجه احمد (٩/٢٤٧٢١) والبخاری (٤٩٣٧) و مسلم (٧٩٨) وابو داود (١٤٥٤) والترمذی (٢٩١٣) وابن ماجه (٣٧٧٩) وعبدالرزاق (٩١٩٤) وابن حبان (٧٦٧) والطیالسی (٣/٢/٢) والدارمی (٣٣٦٨)

الفرائد: ① قرآن مجید کی تلاوت، تعلیم، فہم اور عمل کی طرف خصوصی توجہ ضروری ہے۔ عامل قرآن قیامت کے دن معزز سفراء کے ساتھ ہوگا اور ان میں شمار ہوگا ② جو تکلیف سے پڑھتا ہے وہ دوہرے اجر کا حقدار ہوگا۔

٩٩٥ :وَعَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِيْ يَقْرَاُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الْاُتْرُجَّةِ : رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَّطَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِيْ لَا يَقْرَاُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ: لَا رِيْحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلْوٌ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِيْ يَقْرَاُ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ: رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَّطَعْمُهَا مُرٌّ ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِيْ لَا يَقْرَاُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ:لَيْسَ لَهَا رِيْحٌ وَّطَعْمُهَا مُرٌّ"، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۹۹۵: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قرآن مجید پڑھنے والے مؤمن کی مثال ترنجن جیسی ہے کہ اس کی خوشبو اچھی اور ذائقہ عمدہ ہے اور اس مؤمن کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا کھجور جیسی ہے کہ ان کی خوشبو تو نہیں مگر ذائقہ میٹھا ہے اور منافق کی مثال جو کہ قرآن پڑھتا ہے، نیاز بو (خوشبودار پودا) جیسی ہے کہ خوشبو اچھی اور ذائقہ کڑوا ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا۔ اندرائن (تمہ) جیسی ہے کہ نہ اس کی خوشبو ہے اور ذائقہ کڑوا ہے۔ (بخاری و مسلم)

مثل المؤمن الذی یقراء القرآن: اس کی عجیب حالت جو دلی پاکیزگی کی وجہ سے عظیم الشان ہے کیونکہ وہ ایمان پر ثابت قدم ہے اور قرآن مجید کی تلاوت سے اس کو خود راحت حاصل ہوتی ہے اور لوگوں کو اس کی آواز سے راحت ملتی ہے اور اس کی تلاوت کے سننے میں ان کو ثواب ملتا اور اس سے سیکھنے میں اجر ملتا ہے اور یقراء سے اس کی اس حالت کو اس لئے تعبیر کیا کہ اس کو دہرانے سے اس کو خود بھی فائدہ پہنچتا ہے اور اس نے قرأت پر ہمیشگی اختیار کی جس کی وجہ سے یہ اس کی عادت ثانیہ بن گئی جیسے کہتے ہیں **فلان یقری الضیف**: ہے۔ **مثل الا ترجة**: لوگ اس کے ذائقہ سے لذت پاتے اور اس کی خوشبو سے راحت پاتے ہیں بعض نے کہا اس سے مثال دینے کی وجہ یہ ہے کہ شہروں میں پائے جانے والے پھلوں میں بہترین ہے جن سے خوشبو اور تفکر دونوں فوائد حاصل ہوں ویسے تو انگور و کھجور بہترین میوے ہیں۔ ان کی افضلیت میں اختلاف ہے حالانکہ ظاہر میں یہ خوبصورت کھانے میں عمدہ، چھونے میں نرم، آنکھوں کو اس سے رونق ملتی ہے اور دیگر کئی اور خواص پائے جاتے ہیں۔ جیسا آیت میں فرمایا: ﴿**فاقع لونها تسر الناظرین**﴾: نفس طعام سے پہلے طبیعت اس کی خواہشمند ہوتی ہے اور اس سے لذت حاصل کرنے کے بعد عمدہ مہک، دباغت معدہ اور قوتِ ہضم میں مفید ہے تو حواس اربعہ اس کے ذریعہ حفاظت میں شریک ہیں یعنی سونگھنا، دیکھنا، چکھنا، چھونا۔ یہ اپنے اجزاء کے ساتھ طبائع کی طرح منقسم ہے۔ اس کا چھلکا گرم خشک گودا گرم تر اور کھٹائی ٹھنڈک خشک، بیج گرم خشک اس کے فوائد طب کی کتب میں مذکور ہیں۔ **مثل المؤمن الذی**: ایمان پر ثبات کی وجہ سے مگر اس سے کوئی خوشبو نہیں نکلتی۔ اس سے مراد واجب کے علاوہ قرأت کی نفی ہے۔ **کمثل التمرة**: ایمان پر مشتمل ہونا ایسا ہے جیسا کھجور مٹھاس پر مشتمل ہونا ہے۔ اس کے باوجود کہ ان میں ہر ایک باطنی معاملہ ہے اور اس کی خوشبو ظاہر نہیں ہوتی کہ جس کو

سونگھنے سے لوگوں کو راحت ملے اسی طرح اس آدمی کی قرأت ظاہر نہیں کہ جس کو سن کر لوگ راحت پائیں۔ **مثل المنافق**: یہ اس اعتبار سے مثال دی کہ منافق کا باطن ایمان سے خالی ہے مگر لوگوں کو اس کی قرأت سے استراحت مل رہی ہے۔ **مثل الریحانة**: نیاز بو کو خوشبو عمدگی میں قرأت کی مانند ہے اور ذائقے کی کڑواہٹ وہ کفر سے مشابہت رکھتی ہے۔ **مثل المنافق الذی**: اس لحاظ سے کہ اس کا باطن ایمان سے خالی ہے اور اس کا ظاہر دیگر منافع سے مبطل ہے گویا اس نے ضرر کا لباس پہن رکھا ہے۔ **کمثل الحنظلة**: اس میں خوشبو کا نہ ہونا منافق میں قرأت کی خوشبو کے نہ ہونے کے مشابہ ہے اور مٹھاس کا نہ ہونا سلبِ ایمان کے مشابہ ہے۔

تخریج : أخرجه احمد (٧/١٩٥٦٦) والبخاری (٥٠٢٠) و مسلم (٧٩٧) و ابو داود (٤٨٣٠) والترمذی (٢٨٧٤) والنسائی (٥٠٥٣) وابن ماجه (٢١٤) وابن حبان (٧٧٠) وعبدالرزاق (٢٠٩٣٣) والطیالسی ٢/٢)

الفرائد : ① قرآن کے حاملین اور دعائیوں کی عظیم بشارت ہے ② دارمی ۳۳۶۴ میں ایمان کا لفظ وارد ہے: ۱) ایمان ملا قرآن نہ ملا کھجور جیسا' ۲) قرآن ملا ایمان نہ ملا نیاز بو جیسا' ۳) قرآن ملا ایمان ملا ترنج جیسا' ۴) ایمان ملا نہ قرآن سو وہ حنظل جیسا۔

٩٩٦ : وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ :"اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتٰبِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۹۹۶: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس کتاب کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو سربلند فرمائے گا اور دوسروں کو ذلیل کرے گا''۔ (مسلم)

ان اللہ یرفع: اس رفعت سے مراد معنوی رفعت ہے۔ **بهذا الکتاب اقواماً**: الکتاب سے مراد قرآن مجید ہے اور اقواماً سے وہ لوگ مراد ہیں جو اس پر ایمان لائے اور انہوں نے دنیا کی راہنمائی کی۔ **ویضع به اخرین**: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن پر ایمان نہ لائے یا اس پر عمل پیرا نہ ہوئے۔

تخریج : أخرجه احمد (١/٢٣٢) و مسلم (٨١٧) وابن ماجه (٢١٨) وابن حبان (٧٧٢) والبزار (٢٤٩) وعبدالرزاق (٢٠٩٤٤) والدارمی (٣٣٦٥)

الفرائد : جس سے قرآن کو مقتداء بنایا اس کے لئے دنیا و آخرت میں عزت کا باعث ہوگا اور اس کو چھوڑنے والا ذلت اور غضب الٰہی کا حقدار ہے۔

٩٩٧ : وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ :"لَا حَسَدَ اِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ : رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ فَهُوَ يَقُوْمُ بِهٖ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ ، وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُهُ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

"اَلْاٰنَاءِ": اَلسَّاعَاتُ۔

۹۹۷: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رشک دو آدمیوں پر جائز ہے۔ ایک وہ آدمی جس کو اللہ نے قرآن دیا اور وہ رات کو اور دن کی گھڑیوں میں قیام کرتا ہو۔ دوسرا وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو۔ جسے وہ دن اور رات کی گھڑیوں میں خرچ کرتا ہو"۔ (بخاری و مسلم)

"اَلْاٰنَاءِ": گھڑیاں، اوقات۔

لاحسد الا فی اثنتین: یعنی ان دو خصلتوں میں رشک جائز ہے کیونکہ اللہ کے ہاں یہ دونوں بڑی شرف والی ہیں۔ **اتاہ اللّٰہ القرآن**: اس کو قرآن کا علم دیا کہ یاد کرنا آسان کر دیا۔ **آناء اللیل**: یہ آنی کی جمع ہے۔ یا انی بروزن لخی۔ یا انو: بروزن قنو۔ دونوں اوقات کے ذکر کرنے کا مقصد تلاوت سے تفکر و تدبر و امتثال اس کا مشغول ہونا ہے۔ **ورجل آتاہ اللّٰہ**: مال سے قلیل و کثیر سب مراد ہے۔ دینے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے سے مقصود پاکیزہ مال کی طرف اشارہ کرنا ہے جس میں حرام کی تلویث نہ ہو۔ **فھو ینفق**: وہ اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کر کے اپنی طاقت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اس کے قرب کے لئے صرف کرنے والا ہے۔ باب الکرم والجود میں یہ روایت گزر چکی۔

تخریج: بخاری، مسلم۔

الفرائد: مع شرح باب فضل الغنی الشاکر پر گزر چکے۔

۹۹۸: وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَجُلٌ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْكَهْفِ وَعِنْدَهٗ فَرَسٌ مَرْبُوْطٌ بِشَطَنَيْنِ، فَتَغَشَّتْهُ سَحَابَةٌ فَجَعَلَتْ تَدْنُوْا، وَجَعَلَ فَرَسُهٗ يَنْفِرُ مِنْهَا – فَلَمَّا اَصْبَحَ اَتَى النَّبِیَّ ﷺ فَذَكَرَ لَهٗ ذٰلِكَ فَقَالَ: "تِلْكَ السَّكِيْنَةُ تَنَزَّلَتْ لِلْقُرْاٰنِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

"الشَّطَنُ" بِفَتْحِ الشِّيْنِ الْمُعْجَمَةِ وَالطَّآءِ الْمُهْمَلَةِ: اَلْحَبْلُ۔

۹۹۸: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی سورہ کہف پڑھتا تھا اور ان کے پاس گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ اس شخص کو ایک بادل نے ڈھانپ لیا اور وہ بادل اس سے قریب تر ہونے لگا تو اس کا گھوڑا اس سے بدکنے لگا۔ جب صبح ہوئی تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس بات کا تذکرہ کیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ سکینت تھی جو قرآن کی وجہ سے اتری"۔ (بخاری و مسلم)

الشَّطَنُ: شین کا فتحہ اور ط نقطہ کے بغیر، رسّی۔

کان رجل: تحفۃ القاری کے بیان کے مطابق یہ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ہیں۔ **فغشیتہ سحابۃ**: ان پر بادل چھا گیا۔ **تدنوا**: اترنا اور قریب ہونا۔ **فرسہ**: فرس مذکر و مونث گھوڑے پر بولا جاتا ہے۔ **منھا**: بادل سے یا بادل کے سبب سے۔ **ذلک**: جو چیز انہوں نے دیکھی تھی۔ **تنزلت للقرآن**: فعل مضاعف کلام میں مبالغہ کے لئے لائے۔ لام اجلیہ یا سببیہ ہے۔ **الشطن**: اس کی جمع شطان ہے۔ اسی کو کہتے ہیں۔

تخریج : أخرجه احمد (۶/۱۸۶۱۵) والبخاری (۳۶۱۴) و مسلم (۷۹۵) والترمذی (۲۸۹۴) وابن حبان (۷۶۹) والطیالسی (۲/۳)

الفرائد :① عمدہ تلاوت حسن ترتیل مع حضورِ قلب عظمت ذکر کی گئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نزولِ ملائکہ کا ذریعہ ہے ② امتی کو فرشتہ نظر آ سکتا ہے

۹۹۹ :وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :مَنْ قَرَاَ حَرْفًا مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهٗ حَسَنَةٌ ، وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا لَا اَقُوْلُ :الٓمّٓ حَرْفٌ ، وَلٰكِنْ اَلِفٌ حَرْفٌ وَّلَامٌ حَرْفٌ ، وَمِيْمٌ حَرْفٌ" رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ :حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

۹۹۹: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جس نے کتاب اللہ کا ایک حروف تلاوت کیا۔ اس کو ایک نیکی ملے گی اور نیکی کا بدلہ کم از کم دس گناہ ہے۔ میں نہیں کہتا کہ ﴿الم﴾ ایک حرف لیکن الف ایک حرف' لام دوسرا حرف اور میم تیسرا حرف ہے''۔ (ترمذی)

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

من کتاب اللّٰہ: اس سے مراد قرآن مجید ہے جو کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ **فلہ حسنۃ**: پڑھے ہوئے حرف کے بدلے۔ **الحسنہ بعشر امثالھا**: یعنی قاری کو حرف واحد کا دس نیکیوں سے بدلہ ملے گا۔ **الم حرف**: حرف ثلاثہ لا مجموعہ حرف نہیں بلکہ یہ تین حروف ہیں۔ پڑھنے والے کو اس پر تیس نیکیاں ملیں گی۔ اس بیہقی کی روایت **بکل حرفٍ منہ عشرون حسنۃ**: سے کوئی اشکال نہیں کیونکہ اس سے مراد دس نیکیاں زائد ہوں جو ضبط و اتقان پر ملتی ہوں۔

تخریج : أخرجه الترمذی (۲۹۱۹) والدارمی (۳۳۰۸) والحاکم (۱/۲۰۴۰)

الفرائد :قرآن مجید کے ہر حرف میں دس نیکیاں ملتی ہیں اور اخلاص و توجہ جس قدر زیادہ ہوگی ثواب بڑھتا جائے اور اللہ تعالیٰ کا قرب میسر ہوگا۔

۱۰۰۰ :وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :"اِنَّ الَّذِیْ لَيْسَ فِیْ جَوْفِهٖ شَیْءٌ مِّنَ الْقُرْآنِ كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ" رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ ، وَ قَالَ :حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

۱۰۰۰: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''بے شک وہ آدمی جس کے دل میں قرآن کا کچھ حصہ نہیں وہ ویران گھر کی طرح ہے''۔ (ترمذی)

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

لیس فی جوفہ: قلب کو جوف سے تعبیر کر دیا اور اس کا تذکرہ اس لئے بھی کر دیا تا کہ خراب مکان سے اس کی مشابہت مکمل ہو جائے گی۔ شاندار تشبیہ ہے کیونکہ اگر جوف میں تمام یا بعض لفظ ہوگا تو اتنا حصہ آباد ہوگا اور جب جوف خالی ہوگا تو وہ بے آباد

اورسامان سے خالی گھر کی طرح ہوگا۔ حالانکہ گھر کی رونق توان چیزوں سے ہے۔اس میں قرآن مجید کے حفظ کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔

تخریج : أخرجه احمد (۱/۱۹۴۷) والترمذی (۲۹۲۲) والدارمی (۳۳۰۶) والحاکم (۱/۲۰۳۷) والطبرانی (۱۲۶۱۹)

الفرائد : ① قرآن مجید کے حافظ اور قرآن سے دِل کو آباد کرنے کا حکم اور اعراض کی ممانعت کی گئی ہے ② اس کو یاد رکھنے میں کوتاہی نہ برتی جائے۔

۱۰۰۱ : وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ قَالَ : يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ : اقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا ، فَإِنَّ مَنْزِلَتَكَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰيَةٍ تَقْرَؤُهَا" رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ ، وَالتِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ : حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

۱۰۰۱: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: ''قرآن والے کو کہا جائے گا۔ پڑھتا جا اور چڑھتا جا اور اسی طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جس طرح تو دنیا میں پڑھتا تھا۔ تیرا مرتبہ اس آخری آیت پر ہے جس کو تو پڑھے گا''۔ (ابوداؤد' ترمذی)

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

یقال: یہ صیغہ مجہول ہے۔ یہ داخلہ جنت کے وقت کی بات ہے تاکہ عاملین اپنے اپنے اعمال کے مطابق مراتب کی طرف متوجہ ہوں۔ صاحب القرآن: تمام کو یاد کرنے والا یا بعض کو حفظ کرنے والا اور اس میں تدبر و تادب اختیار کرنے والا۔ اقرء وارتق: جنت کے اتنے درجات میں چڑھو جتنی آیات تم نے یاد کی ہیں۔ بیہقی کی روایت میں دخل الجنة من اهل القرآن فليس فوقه درجة' عدد درج الجنة' عدد آی القرآن: یہ الفاظ روایت کے شاذ ہیں اور جنت میں حقیقتاً چلا گیا تو مقصد حاصل ورنہ تاویل یہ ہے کہ غیر حافظ کے لئے اس سے اوپر کوئی درجہ نہیں۔ ایک حدیث میں جو نسائی کی روایت میں ہے اس کے راوی درست نہیں۔ ''مقدار درج الجنة علٰى قد رای القرآن بكل آية درجة' فتلك سته آلاف آية ومئنا آيه وستة عشر آية بين كل درجتين مقدار ما بين السماء والارض'': متن والی روایت اور حاکم والی روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جس نے قرآن مجید کی تمام آیات کی قرأت کی وہ اتقیاء کے درجات میں انتہائی درجے کو پائے گا اور جو تھوڑی قرأت کرے گا وہ اسی قدر درجات پائے گا۔ یہ تمام صورتیں اس وقت ہوں گی جب صاحب سے وہ مراد ہو جو ہم نے ذکر کیا۔ ورتل کما کنت: جنت میں قرأت نہ صرف لذت وشہود کے لئے ہوگی۔ جیسا فرشتوں کی عبادت ہے کیونکہ جنت میں نہ تکلیف ہے اور نہ عمل ہے۔ البتہ یہ ثواب اسی کو ملے گا جو قرآن مجید کو یاد کر کے عمدہ ادائیگی اور قرأت کرنے والا ہے۔ ترتیل: طریقہ کے مطابق آہستہ قرأت کو کہا جاتا ہے۔ جو قرأت کو حسن وزینت اور خوب رونق دے دے اور صاحب سے مراد حافظ ہے نہ غیر۔ عموماً قاری اسی پر بولا جاتا ہے جو قرآن سے جدا نہ ہو اور وہ حافظ ہی ہے۔ بعض روایات بھی اسی مراد کی تائید

کرتی ہیں (فتح الدلہ) فان منزلتك عند آخر آية: یہ حفظ کی ترغیب کے لئے علت ذکر کی کہ تیرا مرتبہ آخری آیت پر ہوگا۔ (۲) بعض نے کہا صاحب سے عامل قرآن مراد ہے جو اس میں تدبر کرنے والا ہو وہ ترتیل والے حافظ سے افضل ہے اور درجات سے وہ درجات ہیں جو عمل کے ذریعہ اس نے حاصل کئے۔ جنت میں تو وہی پڑھ سکے گا جو اس کے احکامات کو پورا کرتا رہا ہو۔ (۳) بعض نے کہا اس سے مراد حافظ مرتل عالم عامل مراد ہے۔ پس اس کی قرأت کے مطابق درجات ہوں گے وہ بے نہایت درجات پر پہنچے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿انما یوفی الصابرون اجرهم بغیر حساب﴾

تنبیہ: ان احادیث سے کثرت تلاوت اور تدبر، تفکر و تامل کی ترغیب ملتی ہے۔ اگر وہ ہر دن رات میں ختم کر سکے یا کئی ختم کرے۔ سات سے کم دنوں میں ختم کی ممانعت اس کے لئے جو ایسی مشغولیت رکھتا ہو جو اس سے مانع بنے یا تدبر میں رکاوٹ ہو جیسا باب الاقتصاد میں گزرا۔ نووی کہتے ہیں اس میں مختلف لوگوں کے لحاظ سے مختلف درجات ہیں جو لطائف، معارف نکالتا ہو اس کو اتنی مقدار چاہئے۔ جس میں کمال فہم میسر رہے۔ اسی طرح جو علم کے پھیلانے میں مصروف ہو یا مسلمانوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرتا ہو یا دین کے دیگر اہم کام اور مصالح مسلمین میں مصروف ہو تو جس سے کمال بھی فوت نہ ہو اور تلاوت بھی قائم رہے۔ یہ کثرت اکتاہٹ کی حدود کے اندر اندر ہونی چاہئے۔

تخریج : أخرجه احمد (٢/٦٨١٣) وابو داود (١٤٦٤) والترمذی (٢٩١٤) وابن حبان (٧٦٦) وابن ابی شيبة (١٠/٤٩٨)

الفرائد : جو تدبر سے قرآن مجید کی تلاوت، حفظ اور عمل کا اہتمام کرے گا وہ ان شاء اللہ بڑے درجات پائے گا۔

۱۸۱: بَابُ الْاَمْرِ بِعَتَهُّدِ الْقُرْآنِ وَالتَّحْذِيْرِ مِنْ تَعْرِيْضِهٖ لِلنِّسْيَانِ

بَابٌ: قرآن مجید کی دیکھ بھال کرنے اور بھلا دینے سے ڈرانے کا بیان

النسیان: نسی، نساوۃ، نسوۃ، نسیۃ یہ تمام مصادر ہیں ان کا معنی بھولنا ہے۔

۱۰۰۲ : عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: "تَعَاهَدُوْا هٰذَا الْقُرْآنَ فَوَ الَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَهُوَ اَشَدُّ تَفَلُّتًا مِّنَ الْاِبِلِ فِيْ عُقُلِهَا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۱۰۰۲: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: ''اس قرآن کی حفاظت کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے وہ نکل جانے میں اونٹ سے زیادہ تیز ہے جو رسی میں بندھا ہو (اور کھل جائے)''۔ (بخاری و مسلم)

تعاهدوا القرآن: اس کی قرأت کی حفاظت کرو اور تلاوت پر مداومت اختیار کرو۔ تفلتا: چھوٹنا۔ عقلها: جمع عقال وہ رسی جس سے اونٹ کے ذراع کے درمیان سے باندھا جاتا ہے۔ طیبی کہتے ہیں قرآن مجید کی زبانی حفاظت کو ان اونٹوں سے تشبیہ دی ہے جو بھاگنے والے ہوں اور ان کو عقال سے باندھا گیا ہو۔ بندے اور قرآن مجید کے درمیان کوئی قریبی مناسبت نہیں

کیونکہ بندہ حادث اور قرآن مجید قدیم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے الفاظ سے ان کو یہ نعمت عنایت فرمائی۔ پس بندے کو چاہئے کہ حفظ و مواظبت سے اس کی حفاظت کرے۔

تخریج : أخرجه البخاري (٥٠٣٣) و مسلم (٧٩١)

الفرائد : ① قرآن مجید کی تلاوت پر دوام اختیار کر کے اس کی خبر گیری پر آمادہ کیا گیا ہے ② مقاصد کی وضاحت کے لئے امثلہ بیان کی جا سکتی ہیں ③ پختگی میں اضافہ کے لئے قسم بھی کھائی جا سکتی ہے۔

١٠٠٣ : وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : "اِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ كَمَثَلِ الْاِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ اِنْ عَاهَدَ عَلَيْهَا اَمْسَكَهَا وَاِنْ اَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۱۰۰۳: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن والے کی مثال رسّی سے بندھے ہوئے اونٹ کی طرح ہے۔ اگر اس نے اس کی نگہبانی کی تو اس کو روک لیا اور اگر اس کو چھوڑ دیا تو وہ چلا گیا''۔ (بخاری و مسلم)

صاحب القرآن: اس سے مراد حافظ ہے۔ **الابل المعقلہ**: عقال سے باندھے گئے اونٹوں جیسی ہے۔ **ان عاھد علیھا**: یہ درجہ شبہ بیان فرمائی اگر صاحب قرآن نے تلاوت میں ہمیشگی کی تو محفوظ رہے گا اور اگر چھوڑ دیا تو بھاگ جائے گا اور واپس لوٹانا انتہائی مشقت و کلفت سے ہوگا۔ صاحب قرآن کو صاحب اونٹ سے تشبیہ دینے اور قرآن کو اونٹ سے تشبیہ دینے میں کوئی منافات نہیں کیونکہ قرآن جس طرح اونٹ سے مشابہہ ہے اسی طرح صاحب ابل سے بھی مشابہت رکھتا ہے۔ دونوں میں نگہبانی اور حفاظت کی ضرورت ہے یہی وجہ شبہ ہے۔

تخریج : أخرجه مالك (٤٧٢) واحمد (٢/٤٦٦٥) والبخاري (٥٠٣١) و مسلم (٧٨٩) والنسائي (٩٤١) وابن حبان (٧٦٤) و عبد الرزاق (٥٩٧١) وابن ابي شيبة (٢/٥٠٠) وابن ماجه (٣٧٨٣) والبيهقي (٢/٣٦٥)

الفرائد : ① قرآن مجید کو یاد رکھنے کے لئے اس کی تلاوت اور استذکار کو لازم کرنا چاہئے ② جس نے قرآن کو مصاحب بنا لیا اس کے ہاں وہ قائم رہے گا ورنہ اس کے سینے سے نکل جائے گا اور اس کا لوٹانا مشکل ہوگا۔

۱۸۲ : بَابُ اسْتِحْبَابِ تَحْسِيْنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ وَطَلَبِ الْقِرَاءَةِ مِنْ حُسْنِ الصَّوْتِ وَالْاِسْتِمَاعِ لَهَا

باب: قرآن مجید کو خوش آواز پڑھنے کا استحباب اور عمدہ آواز سے قرآن مجید سنانے کی درخواست اور توجہ سے سننا

اس کے لئے مسواک وغیرہ کرنا جس سے حلق میں قرأت کے حسن کے لئے مخل چیزیں نہ رہیں۔ اسی طرح آواز کو

باریک ونرم کرے اورخوبصورت بنائے کیونکہ یہ دلوں میں اثر کرنے والی ہے۔ طلب القرأة: تا کہ سامع کوزیادہ فائدہ دے اوراس کی طرف خوب کان لگائے۔

۱۰۰۴ :عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ :مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِشَیْءٍ مَّا اَذِنَ لِنَبِیٍّ حَسَنِ الصَّوْتِ یَتَغَنّٰی بِالْقُرْآنِ یَجْهَرُ بِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

مَعْنٰی "اَذِنَ اللّٰهُ" :اَیْ اسْتَمَعَ وَهُوَ اِشَارَةٌ اِلَی الرِّضَآءِ وَالْقُبُوْلِ۔

۱۰۰۴: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے: "اللہ تعالیٰ اس طرح کسی چیز کی طرف کان نہیں لگا تا جس طرح اس خوش آواز پیغمبر کی طرف کان لگاتا ہے جوقرآن کوبآوازِ بلند پڑھتا ہو"۔ (بخاری ومسلم)

اَذِنَ اللّٰهُ : کان لگانا' اشارہ قبولیت ورضامندی کی طرف ہے۔

ما اذن: یہ ما مصدریہ ہے۔ بخاری ما اذن الله لشئی کاذنه: کے الفاظ ہیں۔ یتغنی بالقرآن: قرآن مصدر ہےاورقرأت کے معنی میں ہے۔ یہاں اس سے مراد کتب منزلہ ہیں۔ تغنیہ سے مراد واضح الفاظ سے پڑھنا بعض نے بلند کرنا معنی لیا ہے۔ اَلنَّحْوُ : یہ جملہ نبی کی صفت ہے۔ یجهر به: یہ اس کی تفسیر ہے کلاز بازی کہتے ہیں تغنیہ سے مراد دل کی رقت اورخشیت سے قرأت۔ بعض نے کہا اس سے مرادغم کا کھولنا ہے کیونکہ جب آدمی غم زدہ ہوتا ہے تو اس کے ازالے کے لئے شعرزبان پر لاتا ہے اوراس میں ازالہ محسوس کرتا ہے صدیقین کے غموم کا ازالہ کلام رب کے ذکر سے ہوسکتا ہے کیونکہ ان کے دلوں میں تنگی اس چیز سے ہوتی ہے جوان کو اللہ تعالیٰ سے مشغول کرنے والی ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف اشارہ فرمایا: "من لم یتغن بالقرآن فلیس منا": جواپنے غموں کا ازالہ قرآن کی قرأت وتدبر سے نہیں کرتا وہ ہم سے نہیں یعنی ہمارے اخلاق عادات والا نہیں۔ بعض نے کہا اس کا معنی جوقرآن پر استغناء اختیار نہ کرے یہ استغناء قرأت کے وقت چاہئے اگر کوئی تمام اوقات اس میں مشغول ہوتو کوئی مانع نہیں (ابن مالک) جمہور کہتے ہیں تغنی سے تحسین صوت مراد ہے جب تک کہ وہ حرف کے اضافہ ونقص تک پہنچانے والی نہ ہو (عجمی گانوں کی مشابہت نہ ہو) اذن: سے مراد رضاء وقبول ہے یا کثرت سے ثواب کا عنایت کرنا ہے (شرح مشارق)

تخریج : أخرجه البخاری (۵۰۲۳) ومسلم (۷۹۲) و ابو داود (۱۴۷۳) والنسائی (۱۰۱۶) واحمد (۳/۷۶۷۴) والحمیدی (۹۴۹) وابن حبان (۷۵۱) والدارمی (۱/۳۵۰)

الفرائد : قاری کوچاہئے کہ قرآن مجید کواس کی ترتیل' تحسین' تطیب' حسن صورت کے حقوق سے ادا کرے۔

۱۰۰۵ :وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :"لَقَدْ اُوْتِیْتَ مِزْمَارًا مِّنْ مَّزَامِیْرِ اٰلِ دَاوٗدَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِّمُسْلِمٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَهٗ :"لَوْ رَاَیْتَنِیْ وَاَنَا اَسْتَمِعُ لِقِرَآءَتِكَ الْبَارِحَةَ"۔

۱۰۰۵: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہیں داؤد علیہ السلام کے سُروں میں سے ایک سُر ملی ہے۔" (بخاری ومسلم)

مسلم کی روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم مجھے گزشتہ رات اپنی قراءت سنتے ہوئے دیکھ لیتے۔(تو بہت خوش ہوتے)۔

خوش ہو کر فرمایا تمہیں مزامیر داؤد میں ایک مزمار ملا ہے کیونکہ داؤد علیہ السلام کی یہ خصوصیت تھی کہ ان کو حسن صوت سے اللہ تعالیٰ نے مزین فرمایا تھا۔

روایت کا تفاوت: مسلم میں ہے: **لو رأیت**: یہ ابصرت کے معنی میں ہے۔ **انا استمع**: یہ جملہ حالیہ ہے اور لو کا جواب محذوف ہے۔ **ای لسرك ذلك**: انہوں نے عرض کیا اگر مجھے معلوم ہوتا آپ میری قرأت سنتے ہیں تو میں اور خوب انداز سے پڑھتا۔ **البارحه**: گزشتہ رات اور زوال کے وقت پھر بولا جاتا ہے۔ یہ حقیقی معنی ہے۔ گزشتہ رات پر مجازاً استعمال کیا جاتا ہے جیسا اس روایت میں: **"هل رأى احد منكم البارحة رؤيا"**۔

تخریج: أخرجه البخاری (٥٠٤٨) ومسلم (٧٩٣) والترمذی (٣٨٨١) وابن حبان (٧١٩٧) والحاكم (٣/٥٩٦٦) والبيهقی (١٠)

الفرائد: قرآن مجید کی تلاوت میں عمدگی حروف' ادا آواز میں پیدا کرنی چاہئے۔ اس بات کو جناب رسول اللہ ﷺ نے پسند فرمایا۔

١٠٠٦ : **وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ قَرَاَ فِي الْعِشَآءِ بِالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ فَمَا سَمِعْتُ اَحَدًا اَحْسَنَ صَوْتًا مِّنْهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔**

۱۰۰۶: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عشاء میں ﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ﴾ پڑھتے ہوئے سنا۔ پس میں نے آپؐ سے زیادہ اچھی آواز والا کبھی نہیں سنا۔ (بخاری ومسلم)

قراء فی العشاء: براء رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ **فما سمعت احدًا**: ترمذی میں انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: **ما بعث الله نبيًا الاحسن الوجه حسن الصوت و كان نبيكم احسنهم وجهًا واحسنهم صوتا**۔

تخریج: أخرجه مالك (١٧٦) واحمد (٦/١٨٥٢٩) والبخاری (٧٦٧) و مسلم (٤٦٤) و ابو داود (١٢٢١) والترمذی (٣١٠) والنسائی (٩٩٩) وابن ماجه (٨٣٤) وابن حبان (١٨٣٨) وابن خزيمة (٥٢٢) والطيالسی (٧٣٣) و عبدالرزاق (٢٧٠٦) و ابو عوانة (٢/١٥٥) والحميدی (٧٢٦) وابن ابی شيبة (١/٣٥٩) والبيهقی (٢/٢٩٣)

الفرائد: ① قرآن مجید کی حسن تلاوت اور تجوید کا اہتمام کرنا چاہئے ② مطلب یہ ہے کہ اس کا فعل ہمارے فعل کی طرح

نہیں۔(ابن حبان)

۱۰۰۷ :وَعَنْ اَبِیْ لُبَابَةَ بَشِیْرِ ابْنِ عَبْدِ الْمُنْذِرِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ :"مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ فَلَیْسَ مِنَّا" رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ بِاِسْنَادٍ جَیِّدٍ۔
مَعْنٰی "یَتَغَنّٰی" یُحَسِّنُ صَوْتَهٗ بِالْقُرْآنِ۔

۱۰۰۷: حضرت ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"جوقرآن کو خوش الحانی سے نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں۔"(ابوداؤد)
عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا۔
یَتَغَنّٰی: قرآن کو خوش آوازی سے پڑھنا۔

بشیر بن عبدالمنذر: یہ اوس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں پھران کی شاخ بنی عمرو بن عوف سے ہیں جو بنی امیہ بن زید سے تھے۔ بعض نے کہا ان کا نام رفاعہ تھا اور اپنی کنیت سے زیادہ معروف تھے۔ان کی وفات عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے پہلے ہوئی۔ انہوں نے پندرہ روایات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہیں۔فلیس منا: یعنی وہ ہمارے طریقے اور طرزِ عمل پر نہیں۔ حاکم وطبرانی نے:"حسنوا القرآن باصواتکم فان الصوت الحسن یزید القرآن حسناً":عبدالرزاق کی روایت میں حلیة القرآن الصوت الحسن قالوا فان لم یکن حسن الصوت؟ قال حسنه ما استطاع۔

تخریج: أخرجه ابو داود (۱۴۷۱) (۱۴۷۶/۱) وغیره۔ البخاری (۴۵۵)

الفرائد : قرآن مجید کی تلاوت میں عمدگی حروف' ادا آواز میں پیدا کرنی چاہئے۔اس بات کو جناب رسول اللہ ﷺ نے پسند فرمایا۔

۱۰۰۸ :وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ النَّبِیُّ ﷺ :"اِقْرَاْ عَلَیَّ الْقُرْآنَ" فَقُلْتُ یا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَقْرَاُ عَلَیْكَ وَعَلَیْكَ اُنْزِلَ؟ قَالَ :"اِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اَسْمَعَهٗ مِنْ غَیْرِیْ" فَقَرَاْتُ عَلَیْهِ سُوْرَةَ النِّسَآءِ حَتّٰی جِئْتُ اِلٰی هٰذِهِ الْاٰیَةِ :"فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِیْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ شَهِیْدًا" قَالَ :"حَسْبُكَ الْاٰنَ" فَالْتَفَتُّ اِلَیْهِ فَاِذَا عَیْنَاهُ تَذْرِفَانِ – مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۱۰۰۸: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے نبی اکرمؐ نے فرمایا"مجھے تم قرآن پڑھ کر سناؤ"۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ میں آپؐ کو پڑھ کر سناؤں حالانکہ آپؐ پر قرآن اترا؟ فرمایا"میں دوسرے سے سننا پسند کرتا ہوں۔" چنانچہ میں نے سورۃ النساء شروع کی۔یہاں تک کہ میں اس آیت پر پہنچا۔﴿فکیف ...... شهیدا﴾

پس اس وقت کیا حال ہوگا؟ جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان سب پر آپؐ کو گواہ بنائیں گے۔''
آپؐ نے فرمایا ''اب تم بس کرو۔'' جب میں نے آپ کی طرف نگاہ دوڑائی۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ (بخاری و مسلم)

اقرأ علی القرآن: اس سے معلوم ہوا حسن صوت والے سے قرأت طلب کرنی چاہئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "**من احب ان یقرأ القرآن غضا طریا فلیقرأ بقرأة ابن ام عبد**"۔ **اقرء**: یہ مضارع کا صیغہ ہے اور ایک ہمزہ محذوف ہے۔ **وعلیك انزل**: یہ جملہ حالیہ ضمیر مجرور سے ہے۔ **ان اسمعه**: ان مصدریہ ہے یا فعل کو بمنزلہ مصدر استعمال کیا۔ **من غیری**: اس سے حسن صوت والے سے تلاوت کا استحباب نکلتا ہے۔ **سورة النساء**: ممکن ہے تازہ اتری ہو یا اس میں تقویٰ کا حکم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسانات کا تذکرہ ہے۔ **حسبك**: تمہاری قرأت اتنی کافی ہے۔ سننے سے میری غرض پوری ہوگئی۔ **عیناہ تذرفان**: امت پر رحمت کی وجہ سے آنسو جاری تھے۔ شاہد کوئی چیز نہیں چھپاتا۔ جب وہ گواہی دیں گے تو کمال ہی ظاہر ہوگا۔ شہادت کے لوازمات سے ہے کہ ان کے نقائص بھی سامنے آئیں جس سے خطرہ ہو شہادت کی وجہ سے ان پر عذاب اتر پڑے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب اطہر خوف وحزن سے نرم ہو گیا یہاں تک کہ شفقت سے آنسو جاری ہوگئے اور شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقعہ پر سفارش بھی فرماتے ہوں تو یہ رونا ان پر رقت ورحمت کی وجہ سے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**لقد جاء کم رسول من انفسکم**﴾: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت پر شفقت سب سے بڑھ کر تھی۔ اسی لئے جب ہر پیغمبر کو مستجاب دعوت ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مستجاب دعا امت کے لئے محفوظ کر لی۔ نووی کہتے ہیں اس روایت سے دوسرے سے قرأت کا استحباب اور اس کی طرف کان لگانا اور قرأت میں تدبر کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔ اہل علم کی تواضع اور ان کے مرتبے کی بلندی ثابت ہوتی ہے۔ فتح الدلہ میں تو یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر خشوع وتدبر زیادہ ہو تو سننا تلاوت سے افضل ہے۔ **باب فضل البکاء من خشیة اللہ تعالیٰ**۔

تخریج: أخرجه بخاری و مسلم۔

۱۸۳: بَابُ فِی الْحَثِّ عَلٰی سُوَرٍ وَاٰیَاتٍ مَّخْصُوْصَةٍ

باب: خاص آیات وسورہ پر آمادہ کرنا

السور: قرآن مجید کی کچھ آیات کا یہ توقیفی نام ہے۔ یہ سورة البناء سے لیا گیا ہے اس کا ٹکڑا کیونکہ وہ ایک کے بعد دوسرا مکان دوسرے سے جدا ہوتا ہے۔ (۲) سور المدینہ جس طرح دیوار شہر کو گھیرنے والی ہوتی ہے۔ یہ اپنی آیات سے احاطہ کرنے والی اور گھروں کے اجتماع کی طرح ہے۔ (۳) کنگن کو سوار کہتے ہیں وہ کلائی کو گھیرتا ہے۔ (۴) یہ کلام اللہ ہے اور بلندی والا ہے۔ سورة بلند مکان کی طرح ہے۔ (۵) یہ تسور سے جس کا معنی چڑھنا آتا ہے۔ آیات ایک دوسری پر بلند ہیں جیسا **اذ تسور والمحراب**: میں ہے۔ **آیات**: جمع آیت یہ شجر کے وزن پر آییہ ہے۔ کلمات کا ایک مجموع جو فصل کی وجہ سے دوسروں سے

الگ ہو۔

۱۰۰۹ :عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَافِعِ بْنِ الْمُعَلّٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ :قَالَ :لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ :"اَلَا اُعَلِّمُکَ اَعْظَمَ سُوْرَۃٍ فِی الْقُرْآنِ قَبْلَ اَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ؟ فَاَخَذَ بِیَدِیْ ' فَلَمَّا اَرَدْنَا اَنْ نَّخْرُجَ قُلْتُ :یا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّکَ قُلْتَ لَاُعَلِّمَنَّکَ اَعْظَمَ سُوْرَۃٍ فِی الْقُرْآنِ؟ قَالَ :"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہِیَ السَّبْعُ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْآنُ الْعَظِیْمُ الَّذِیْ اُوْتِیْتُہٗ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ۔

۱۰۰۹: حضرت ابوسعید رافع بن المعلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا میں تم کو مسجد سے نکلنے سے پہلے قرآن مجید کی عظیم الشان سورۃ نہ سکھا دوں؟'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا۔ جب ہم نکلنے لگے۔ میں نے کہا'' یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تھا کہ کیا میں تم کو قرآن کی ان عظیم الشان سورتوں کو نہ سکھا دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ﴾ ہے یہ سات دہرائی جانے والی آیات اور قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا''۔ (بخاری)

ابو سعید رافع بن المعلی رضی اللہ عنہ: بعض نے ان کا نام حارث بتلایا ابن عبدالبر نے اسی کو اصح کہا اور رافع نام کی تغلیط کی ہے کیونکہ رافع بن المعلیٰ تو بدر میں قتل ہوا۔ صحیح ترین قول یہ ہے کہ یہ حارث بن نفیع بن المعلی بن لوان بن حارثہ بن زید بن ثعلبہ بن عدی بن مالک بن زید بن مناۃ بن حبیب بن عبد حارث بن مالک بن عضب الانصاری زرقی ہے۔ ان کی والدہ کا نام آمنہ بنت قرط بن خنساء ہے جو بنی سلمہ سے تعلق رکھتی تھیں اور یہ حبیب بن عبد حارثہ یہ زمرمق کا بھائی ہے اور ابو سعید زرقی کے لئے بولا جاتا ہے کیونکہ اہل عرب اکثر اپنے مشہور بھائی کی طرف بھتیجے کی نسبت کر دیتے تھے۔ یہ اہل حجاز میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہو سلم سے دو روایتیں نقل کی ہیں۔ بخاری اس روایت کی نقل میں منفرد ہیں۔

اعظم سورۃ: یہ پوری توجہ دلانے اور قبولیت کے لئے مکمل طور پر اپنے کو فارغ کرنے کے لئے کہا۔ **فاخذ بیدی:** یہ فرمانے کے بعد آپ چلتے رہے۔ **قلت یا رسول اللّٰہ:** یہ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے تو روایت باللفظ ہے۔ اعظم سورت یہ سورۃ فاتحہ ہے کیونکہ یہ قرآن مجید کے تمام مقاصد کو جمع کرنے والی ہے۔ اسی وجہ سے اس کو ام القرآن کہتے ہیں۔ سورۃ بقرہ کو دوسری روایت میں اعظم سورۃ دوسرے اعتبار سے کہا گیا ہے۔ اس میں دلائل و حج کے ساتھ مسائل و احکام کو ذکر فرمایا اسی وجہ سے اس کو فسطاط القرآن اسی وجہ سے اس کے احکام کی تعلیم عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے نے آٹھ سال میں کی (الموطا لمالک) سورۂ فاتحہ کے اعظم ہونے کی وجہ خود روایت میں مذکور ہے۔ **ھی السبع المثانی:** یہ جمع مثناۃ جو کہ تثنیہ ہے۔ یہ ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہے یا دوسری سورت کے ساتھ ملائی جاتی ہے یا مکہ میں اور پھر مدینہ میں اتری پس یہ مکی اور مدنی ہونے کو جمع کرنے والی ہے۔ اسی طرح سورۃ النحل کی اختتامی آیات اور سورۂ روم کی ابتداء اور آیت الروح بھی۔ یہ ثناء و دعا دونوں چیزوں پر مشتمل ہے۔ اس میں فصاحت مبانی اور بلاغت معانی دونوں مجتمع ہیں۔ مرور زمانہ پر یہ دہرائی جاتی رہے گی مگر نہ مٹے گی نہ پرانی ہوگی۔ اس کے فوائد نئے نئے سامنے آتے ہیں ان کی انتہا نہیں۔ مثناۃ کی جمع ہے جس کا معنی ثناء ہے یہ اللہ تعالیٰ کی ثناء پر مشتمل ہے گویا اس سے اللہ تعالیٰ کی شفاء اس کے اسماء و صفات سے کی جاتی ہے۔ یہ اپنے براعت نظم اور کثرت

معانی کے سبب ہمیشہ ہر شخص کو اپنی تعریف کی طرف دعوت دیتی ہے۔ پھر اس کی تعریف کی طرف جو اس کو یاد کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس امت کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ اس بات میں اور سبعاً من المثانی میں کوئی منافات نہیں کیونکہ من بیانیہ یا تبعیضیہ ہے اور تمام قرآن کو مثانی کہنے میں بھی کوئی رکاوٹ نہیں۔ والقرآن العظیم: اس کا نام قرآن عظیم ہے۔ اس کا نام قرآن عظیم رکھنے کے متعلق علماء نے فرمایا۔ حسن بصریؒ اللہ تعالیٰ نے سابقہ کتب کا خلاصہ قرآن مجید میں اور قرآن مجید کے علوم فاتحہ میں رکھ دیئے۔ اس کی تفسیر سیکھنے والا گویا قرآن مجید کی تفسیر سیکھنے والا ہے۔ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر اس کی تفسیر ۷۰ اونٹوں پر لادوں تو وہ بوجھل ہو جائیں۔ اس کے احکام وعقائد کی تفاصیل کے لئے عمر نوح چاہئے۔

تخریج: أخرجه البخاری (٤٤٧٤) و ابو داود (١٤٥٨) والنسائی (٩١٢) وابن ماجه (٣٧٨٥)

الفرائد: ① فاتحہ کو قرآن مجید کی اعظم سورۃ فرمایا گیا ہے ② یہ شفقت نبوت ہے سب سے آسان اور مختصر سورت کو اعظم قرار دے کر امت کو دین و دنیا میں نفع بخش چیز عنایت کر دی گئی۔

۱۰۱۰: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فِیْ قِرَآءَةِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ: "وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ اِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ" وَفِیْ رِوَایَةٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِاَصْحَابِهٖ: "اَیَعْجِزُ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّقْرَاَ بِثُلُثِ الْقُرْآنِ فِیْ لَیْلَةٍ" فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَیْهِمْ وَ قَالُوْا: اَیُّنَا یُطِیْقُ ذٰلِكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ؛ اَللّٰهُ الصَّمَدُ: ثُلُثُ الْقُرْآنِ" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

۱۰۱۰: حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ کے بارے میں فرمایا: "بے شک یہ قرآن کے تیسرے حصے کے برابر ہے"۔ ایک اور حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: "کیا تم میں سے کوئی آدمی اس بات سے عاجز ہے کہ وہ قرآن کا تیسرا حصہ ایک رات کو پڑھے۔" یہ بات صحابہ رضی اللہ عنہم پر گراں گزری تو انہوں نے کہا: "ہم میں کون یا رسول اللہ ﷺ اس کی طاقت رکھتا ہے؟ آپ نے فرمایا: "﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ قرآن کے تیسرے حصے کے برابر ہے"۔ (بخاری)

قال محال قل هو الله احد: یعنی سورۃ اخلاص کے متعلق فرمایا۔ **والذی نفس بیده:** خیر پر ابھارنے کے لئے قسم کھانا مستحب ہے۔ ید سے قدرت مراد ہے۔ **ل متعدل ثلث القرآن:** ثواب قرأت کے اعتبار سے قرآن کے ثلث کے برابر ہے۔ دوسری روایت میں ایک رات میں ثلث قرآن پڑھنے کا فرمایا تو **فشق ذلك علیهم:** اس کو انہوں نے مشکل سمجھا تو عرض کیا۔ **اینا یطیق:** قرأت کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ہم ہیں اس کی کس کو طاقت ہے۔ حضرت اس کی تخفیف کا سوال چاہئے تو فرمایا اس میں کوئی مشقت نہیں وہ تو قل ہو اللہ ہے۔ مسلم میں ابو درداء رضی اللہ عنہ کی روایت اس طرح ہے: **ایعجز احدكم ان یقرا فی لیلة ثلث القرآن؟ قالوا و كیف نقرأ ثلث القرآن قال قل هو الله تعدل ثلث القرآن۔**

تخریج: أخرجه البخاری (٥٠١٣)

الفرائد: اس سے قل ھواللہ کی فضیلت ذکر کی گئی ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی خالقیت، رزاقیت، معبودیت کو ذکر فرمایا گیا ہے۔

۱۰۱۱ :وَعَنْهُ اَنَّ رَجُلاً سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ :"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" يُرَدِّدُهَا فَلَمَّا اَصْبَحَ جَآءَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ وَكَانَ الرَّجُلُ يَتَقَالُّهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :"وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ اِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ" رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ۔

۱۰۱۱: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے کو ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ پڑھتے اور بار بار دہراتے سنا۔ جب صبح ہوئی اس نے آ کر اس کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے ذکر کیا۔ وہ آدمی اس کو قلیل سمجھ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مجھے اس ذات کی قسم ہے، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ بے شک یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے۔'' (بخاری)

ان رجلاً: تحفہ میں ہے کہ یہ ابوسعید ہیں۔ سمع رجلاً: اس سے مراد قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ ہیں (تحفہ)

اَللُّغَاتُ: یقراء: یردوھا یہ یقراء کے فاعل سے جملہ حالیہ یا قرأت کی کیفیت بیان کرنے کے لئے مستانفہ ہے۔ فذکر ذلک لہ: آدمی کی قرأت اور اس کا بار بار دہرانا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا۔ یتقالھا: یعنی اس کو عمل میں قلیل خیال کر رہا تھا۔

یہ جملہ کان کی خبر ہے اور تمام جملہ حالیہ ہے۔ یہی وہ روایت ہے جس کا بعض حصہ پہلے ذکر کیا اور مکمل یہاں ذکر کر دی حالانکہ مکمل کا تذکرہ بعض کے تذکرے سے مستغنی کرنے والا ہے۔ فتدبر۔

تخریج: أخرجه احمد (٤/١١٠٥٣) والبخاری (٥٠١٥)

الفرائد: سورۃ اخلاص کو ہر رات میں تین مرتبہ پڑھنے پر آمادہ کیا گیا تا کہ کم محنت سے عظیم شرف وفضیلت مل جائے قرآن مجید میں ۱) قصص، ۲) احکام، ۳) صفاتِ باری تعالیٰ کا ذکر ہے اور قل ھواللہ میں صفاتِ باری تعالیٰ ہیں اس لئے یہ ثلث قرآن ہے۔ (طیبی)

۱۰۱۲ :وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فِىْ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ:"اِنَّهَا تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۰۱۲: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ کے بارے میں فرمایا: ''یہ تہائی قرآن کے برابر ہے۔'' (مسلم)

انھا: یہ ابتدائیہ ہے اور جواب قسم مقدر بھی بن سکتا ہے کیونکہ پہلی روایت میں صراحت موجود ہے۔ ثلث قرآن: اس کے معنی کے متعلق چند اقوال ہیں: (۱) اس کی قرأت ثلث قرآن کے برابر ہے بغیر کئی گنا کرنے کے (۲) قرآن مجید کی تین قسمیں

ہیں: (۱) قصص (۲) احکام (۳) صفات باری تعالیٰ۔ یہ خالص صفات کو بیان کرتی ہے پس یہ ثلث قرآن کے برابر ہے (ماوردی) پہلی صورت میں اس کو تیس مرتبہ دہرانے سے پورے قرآن کے ختم کا ثواب ملتا ہے۔ دوسری صورت میں نہیں اور اس کو تیس مرتبہ پڑھنے سے یہ لازم آیا کہ جیسے کسی نے قرآن مجید کو ۱۰ دس گناہ کے ساتھ پڑھا کیونکہ ہر تین مرتبہ ایک قرآن کے برابر ہوا جس نے تیس مرتبہ پڑھا گویا اس نے قرآن مجید کو دس مرتبہ پڑھا اور یہ قرآن کی قرأت بمع اضافہ ایک مرتبہ پڑھنے کی طرح ہے۔

(۳) قرآن مجید کے معارف مہمہ تین ہیں: (۱) توحید کی معرفت (۲) صراط مستقیم کی پہچان (۳) آخرت کی پہچان اور اس میں پہلا مضمون ہے۔ پس تیسرا حصہ بن گئی۔

(۴) براہین قاطعہ جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرنے والے ہیں وہ صفات حقیقیہ ہیں باقی صفات فعلیہ اور صفات حکمیہ ہیں۔ یہ سورۃ صفات حقیقیہ پر مشتمل ہے۔

(۵) قرآن مجید کے بڑے مطالب تین ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے رسول کی پہچان اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات۔ اس سورۃ میں پہلا مضمون ہے۔ ان تمام اقوال میں راجح قول یہ ہے ثلث قرآن کے برابر اجر کے اعتبار سے برابر ہونا ہے اور اس پر اس حدیث سے اعتراض نہیں ہو سکتا: "**من قرء القرآن اعطی بکل حرف عشر حسنات**"۔ کیونکہ تیسرا حصہ قرآن کے اس ثواب کے برابر ہے جس میں اضافہ نہ ہو یا اس سمیت برابر ہے اور اس میں کوئی انوکھی بات نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ تھوڑے حروف پر کثیر اجر عنایت فرمادیں۔ اس کی نظیر مکہ مکرمہ میں نماز تمام مساجد کے مقابلے میں ایک کروڑ گناہ اور مسجد نبوی میں دس لاکھ اور مسجد قدس میں ایک لاکھ کا ثواب رکھتی ہے۔ ابن عبدالبر نے امام احمد کی طرح سکوت کو افضل قرار دیا۔ پس اصل مقصد تعلیم پر تحریص کے لئے یہ فرمایا یہ مطلب نہیں تین مرتبہ پڑھنے سے قرآن کے برابر ثواب ملتا ہے۔ یہ درست نہیں اس کو دوسو مرتبہ پڑھنے سے بھی پورے قرآن کے برابر ثواب نہیں ملتا۔

تخریج: أخرجه البخاری (۵۰۱۳)

الفرائد: قل ھو اللہ کو ثلث قرآن کے برابر قرار دیا گیا۔ یہ بہت شان و عظمت ہے۔

۱۰۱۳: وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اُحِبُّ ھٰذِہِ السُّوْرَۃَ: "قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ" قَالَ: "اِنَّ حُبَّھَا اَدْخَلَکَ الْجَنَّۃَ" رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ: حَدِیْثٌ حَسَنٌ– وَرَوَاہُ الْبُخَارِیُّ فِیْ صَحِیْحِہٖ تَعْلِیْقًا۔

۱۰۱۳: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک میں سورۃ ﴿قُلْ ھُوَ اللّٰہُ﴾ کو پسند کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: "بے شک اس کی محبت جنت میں لے جائے گی۔" (ترمذی)

یہ حدیث حسن ہے۔

بخاری نے تعلیقاً روایت کی ہے۔

هذه السورة: اس پر عطف بیان کے طور پر قل هو الله احد: لائے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید تقدیس اور تعظیم پر مشتمل ہے۔ یہ ہر صاحب ایمان کو اس کی قرأت استمداد حاصل کرنے کی طرف دعوت دیتی ہے۔ ادخلك الجنة: اس کے اعلیٰ درجات میسر کیے ہیں۔ یہ تاویل اس لئے کی ہے تا کہ ان دونوں روایتوں میں موافقت ہو جائے: لن یدخل احد منکم الجنة بعمله۔

تخریج: أخرجه بخاری (۷۷٤) وابن حبان (۷۹۲) والدارمی (۳٤۳٥)

الفرائد: سورۃ اخلاص سے محبت کی فضیلت بیان کی گئی کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی وحدت صمدیت کا اقرار ہے۔ اس کا تکرار اور محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کا باعث ہے اور جنت کے داخلہ کا ذریعہ ہے۔ اللّٰهم اجعلنا منهم ' آمین

❁ ❁ ❁

١٠١٤ : وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : "اَلَمْ تَرَ اٰيَاتٍ اُنْزِلَتْ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ لَمْ يُرَ مِثْلُهُنَّ قَطُّ؟ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ' رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۰۱۴: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیا تم نے ان آیات میں غور نہیں کیا جو اس رات اُتریں کہ ان جیسی پہلے معلوم نہیں؟ ''کہو پناہ مانگتا ہوں میں صبح کے رب کی''۔ اور ''کہو پناہ مانگتا ہوں میں آسمانوں کے رب کی''۔ (مسلم)

عقبہ بن عامر: یہ جہینہ قبیلہ کی شاخ قضاعہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں یہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ امیر شریف فصیح اور قاریٔ فرائض کے ماہر شاعر ہیں۔ ان کو غزوات البحر کا امیر مقرر کیا گیا۔ ابن حجر کہتے ہیں ان کی کنیت کے متعلق سات اقوال ہیں۔ ان میں زیادہ مشہور ابو حماد ہیں۔ یہ فاضل و نبیل صحابہ کرام سے تھے۔ فتوح شام میں شریک رہے جب احتیاط کرتے تو ثابت قدمی ظاہر کرتے۔ فاروق اعظم کے پاس دمشق کی خوشخبری لے کر گئے۔ مدینہ منورہ سات دن میں پہنچ گئے۔ وہاں سے دمشق ڈھائی دن میں واپس لوٹے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس دعا کی اے اللہ تو میری مسافت کو سمیٹ دے۔ پہلے دمشق پھر وہاں مصر میں مقیم ہوئے یہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ۵۴ھ میں مصر کے حکمران بنے۔ وہیں ۵۸ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۵۵ روایات نقل کی ہیں۔ سات متفق علیہ ہیں۔ ایک میں بخاری منفرد اور نو میں مسلم منفرد ہیں۔ الم تر: کیا تم نے دیکھی نہیں۔ مثلهن: تعوذ کے سلسلہ میں ان جیسی آیات کبھی نہیں اتریں۔ قل اعوذ برب الفلق: جب لبید بن اعصم نے سحر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ حفاظت فرمائی۔ ان کے قرآن مجید میں سے ہونے پر اجماع امت ہے۔

تخریج: أخرجه احمد (٦/١٧٣٠٥) و مسلم (٨١٤) و ابو داود (١٤٦٢) والترمذی (٢٩١١) والنسائی (٩٥٣) والدارمی (٣٤٤١) واخرجه احمد (١٧٣٣٦) والنسائی (٩٥٢)

الفرائد: ان دو سورتوں میں جو تعوذات ہیں وہ اور کسی جگہ جمع نہیں ملتے تا آنکہ بعض علماء نے کہا کہ آپ نے جو معوذات سکھائے ہیں وہ ان سورتوں کے نزول سے پہلے کے ہیں۔

❁ ❁ ❁

۱۰۱۵ : وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَعَوَّذُ مِنَ الْجَآنِّ وَعَيْنِ الْاِنْسَانِ حَتّٰى نَزَلَتِ الْمُعَوِّذَتَانِ ، فَلَمَّا نَزَلَتَا اَخَذَ بِهِمَا وَتَرَكَ مَا سِوَاهُمَا رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ :حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

۱۰۱۵: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات اور انسانی آنکھ سے پناہ مانگتے ۔ یہاں تک کہ معوذتین (یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) اتریں جب یہ دونوں اتریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لے لیا اور ان کے علاوہ کو چھوڑ دیا۔ (ترمذی)

یہ حدیث احسن ہے۔

يتعوذ من الجان وعين الانسان: کیونکہ ان کا ضرر شدید ہے اور اس طرح فرماتے: "**اللهم انی اعوذبك من الجان وعين الانسان**"۔ **فلما نزلتا**: جب یہ دونوں سورتیں نازل ہو چکیں تو پھر تعوذ کے لئے ان کو اختیار کیا گیا۔ دیگر معوذات کو چھوڑ دیا گیا۔

وجہ تخصیص: یہ دونوں سورتیں مستعاذ بہ اور مستعاذ منہ کے لحاظ سے جامع ہیں ۔ پہلا فلق' رب فلق سے اس کی ابتداء کی جو فیض ربانی کے طلب کا کھلا اعلان ہے۔ جس سے ہر ظلمت اعتقاد و عمل مال زائل ہوتی ہے کیونکہ پو پھوٹنے سے انوار پھیلتے اور برکات اترنا شروع ہوتی ہیں اور ارزاق تقسیم ہوتے ہیں اور یہ مستعاذ منہ کے زیادہ مناسب ہے۔ سورۃ الناس میں عام مستعاذ منہ کا تذکرہ ہے اور وہ ہر زندہ و جماد مخلوق کا شر ہے۔ خواہ وہ شر بدن میں ہو یا مال یا دنیا سے متعلق ہو یا دین سے تعلق ہو مثلاً آگ کا جلانا' زہر کا قتل کرنا۔ پھر خاص شر سے پناہ مانگی گئی ہے کیونکہ اس کا معاملہ مخفی ہے ۔ وہ انسان کو اس طرح آلیتا ہے کہ وہ جانتا بھی نہیں ۔ گویا اس کو وہ دھوکا میں ڈالتا ہے اور وہ چاند ہے جبکہ غائب ہو جائے کیونکہ اس کے بعد پیش آنے والی ظلمت شر کا سبب ہے۔ پھر روحِ میں سحر کے اثر کو داخل کرنے کے لئے گرہوں پر دم کرنے والیوں کے شر سے پناہ طلب کی گئی۔ یہ شر پہلے سے سخت ہے۔ پھر حاسد کی نارحسد کے بھڑکنے کے وقت' وہ نفس کو ہلاک کرنے والے بہت سے مکاید سے کام لیتا ہے اور اسی طرح دین کو نقصان دینے والے مکائد سے پناہ مانگی گئی ہے۔ یہ دوسرے سے بھی زیادہ دقیق اور بڑا شر ہے۔ پھر دوسری سورت میں وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے پناہ چاہی گئی کیونکہ اس کا شران تمام شرور کے برابر ہے کیونکہ پناہ طلب کرنے والے کے دل میں ان سے تمام کفریات و بدعات وضلالتیں جنم لیتی ہیں ۔ اس وجہ سے اس کی خصوصی تاکید کی گئی اور مستعاذ بہ کی جانب اس وجہ سے مبالغہ کیا گیا کہ مستعاذ منہ بہت بڑا ہے۔ گویا اس طرح فرمایا: میں لوگوں میں وسوسہ پھیلانے والے کے شر سے اس کی پناہ لیتا ہوں جو لوگوں کا مربی ہے اور اپنے قہر و قوت سے سب کا مالک ہے اور وہی ان کا الٰہ اور معبود ہے۔ جس کی وہ دوسروں سے پناہ طلب کرتے اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کی پناہ گاہ وہی ہے اور اسی پر ختم کیا کیونکہ یہ باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور باقی دو کا کبھی کبھی اطلاق دوسروں پر بھی ہوتا ہے۔

تخریج: أخرجه الترمذی (٢٠٦٥) والنسائی (٥٥٠٩) وابن ماجه (٣٥١١)

الفرائد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان معوذات کے نزول پر دیگر معوذات ترک فرما دیئے کیونکہ ان کی تاثیر عظیم تر ہے۔

۱۰۱۶ :وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :"مِنَ الْقُرْاٰنِ سُوْرَةٌ ثَلَاثُوْنَ اٰیَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتّٰی غُفِرَ لَهٗ ، وَهِیَ تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ حَدِیْثٌ حَسَنٌ ، وَفِیْ رِوَایَةِ اَبِیْ دَاوٗدَ :"تَشْفَعُ"۔

۱۰۱۶: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' قرآن میں تیس آیات والی ایک سورۃ ہے جس نے ایک آدمی کی شفاعت کی۔ یہاں تک کہ اس کو بخش دیا گیا اور وہ سورۃ ﴿تَبَارَكَ الَّذِیْ﴾ (یعنی سورۃ الملک) ہے۔(ابوداؤد' ترمذی) یہ حدیث حسن ہے اور ابوداؤد کی روایت میں تَشْفَعُ ہے یعنی سفارش کرے گی۔

سورہ ثلاثون آیه: یہ سورت کی صفت یا مبتداء محذوف کی خبر ہے: ﴿ای ھی ثلاثون﴾ **شفعت**: یہ بھی صفت یا حال یا خبر ثانی ہے یا جملہ مستانفہ ہے۔ **حتی غفرله**: ابہام کے بعد تعصیل دل میں گہری اثر انداز ہوتی ہے یا تو یہ واقعہ پیش آیا یا وحی الٰہی کے ذریعہ آپ کو اطلاع دی گئی تا کہ امت کو اس کی طرف رغبت ہو۔ پس رجل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی نسبت سے نکرہ ہوگا اور امت کو علی سبیل الابہام خبر دی گئی یا امت کے لئے کہ آپ کو بتلا دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وجہ سے نہ بتلایا اور کسی مصلحت کی وجہ سے ظاہر کرنا مناسب خیال نہ فرمایا یا یہ کہ قیامت کے دن شفاعت ایک مخصوص انداز سے ہوگی جیسا کہ اس آیت میں: ﴿ونادی اصحاب الجنة﴾ پس رجل سے مراد جنس قاری ہے اور قرآن کے لئے شفاعت کا ثبوت ہے کہ اس کو جسم دیا جائے گا اور وہ شفاعت کرے گا۔

تخریج: أخرجه احمد (۳/۷۹۸۰) و ابو داود (۱۴۰۰) والترمذی (۲۹۰۰) وابن ماجه (۳۷۸۶) وابن حبان (۷۸۷)

روایت ابوداؤد کا فرق: شفعت کی جگہ تشفع ہے۔ اس سورت کو مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ابتدا زندگی کے پیدا کرنے اور اس کا اختتام پانی پر فرمایا جو مادۂ حیات ہے پس اس کا نتیجہ وہ شفاعت بنی جو مشفوع کے لئے کامل حیات کا باعث ہے۔ نیز سورت کی ابتداء قدرت کے عظیم کاموں اور عظمتوں اور صنعت کی پختگی میں ہے۔ پھر ان لوگوں کی مذمت کی جو اس سلسلے میں جھگڑتے ہیں یا اعراض کرنے والے' پھر ان کی سزا کا ذکر کیا اور وہ جو ان پر نعمتیں ہیں ان کو ذکر کیا۔ پھر خصوصیت سے جاری پانی کا ذکر کیا جو کہ سبب حیات ہے۔ پھر اس سورت کے پڑھنے والے کی غلطیوں کی سزا کے لئے سفارشی قرار دیا اس کو عذاب سے چھڑانے والا قرار دیا۔

الفرائد: سورۃ تبارک الذی کی فضیلت ذکر کی گئی ہے۔ جو اس کو بار بار پڑھے گا اس کے لئے مغفرت اور قبر میں شفاعت کا باعث ہوگی۔

۱۰۱۷ :وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْبَدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ "قَالَ مَنْ قَرَاَ بِالْاٰیَتَیْنِ مِنْ

اٰخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِیْ لَیْلَةٍ کَفَتَاهُ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

قِیْلَ : کَفَتَاهُ الْمَکْرُوْهَ تِلْكَ اللَّیْلَةَ ، وَقِیْلَ کَفَتَاهُ مِنْ قِیَامِ اللَّیْلِ۔

۱۰۱۷: حضرت ابومسعود البدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات رات کو پڑھی تو یہ اس کے لئے رات بھر کفایت کریں گی''۔ (بخاری و مسلم)

بعض نے اس رات کی ناپسندیدہ چیزوں کیلئے کافی ہو جائیں گی۔ بعض نے کہا تہجد کیلئے کافی ہو جائیں گی۔

البدری: یہ مقام بدر کے ساکنین سے تھے۔ بعض نے کہا بدر میں شرکت کی۔ بالآیتین: یہ با تاکید کے لئے بڑھائی گئی ہے۔
روایت کا فرق: دوسری روایت میں کفتاہ المکروۃ تلك اللیلة: یعنی اس سے جن و انس کے شر کو ہٹاتی ہیں۔ اس اضافے کی تاکید حاکم کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے: ''ان اللّٰہ کتب کتابا قبل ان یخلق السموات والارض بالفی عام وانزل منه آیتین ختم بهما سورة البقرة ولا تقرآن فی دار فیقربها شیطان ثلاث لیال''۔ بعض کا قول یہ ہے اس کو قیام لیل کی طرف سے کافی ہو جائیں گی۔ یہاں تک شیطان نہ تو اس کے کانوں میں پیشاب کرتا اور نہ اس کی پیشانی پر بیٹھے گا۔ گویا ان کی قرأت ان چیزوں سے روکنے کے لئے کفایت کرتی ہے مگر یہ ایک احتمال ہے اور ایسی باتیں احتمال سے ثابت نہیں ہوتیں۔ بعض نے کہا کفایت بمعنی اجزاء ہے یعنی سورۂ کہف کی آیات کے فوائد کی جگہ کام دے جائیں گی۔ اسی طرح آیت الکرسی سوتے وقت پڑھنے والا مامون ہو جاتا ہے۔ بعض نے کہا تجدید ایمان کے لئے کافی ہو جائیں گی کیونکہ ان کی ابتداء میں غور کرنے والے کو ایمان و ایقان میں بڑا رسوخ حاصل ہو جائے گا کیونکہ یہ قضا و قدر کے فیصلوں کے سامنے مکمل تفویض و تسلیم کو ظاہر کرتی ہیں کیونکہ جو آدمی ان کاملین کے اس قول پر غور کرتا ہے: ''سمعنا و اطعنا'': تو اس کو پیروی کا شوق اٹھتا ہے اور یہ بات اس کو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نہایت تواضع اور نفس کو مٹانے پر آمادہ کرتی ہے کہ میں تو کچھ بھی نہیں اور بسا اوقات یہ بھی ان کی پیروی میں قدم بڑھاتا ہے اور موت کا بہت تذکرہ کرتا اور بعث بعد الموت کا استحضار کرتا ہے اور یہ دونوں چیزیں کثرتِ عمل اور تقلیل امید کی طرف لے جاتی ہیں اور وہ حقوق خلق سے بری الذمہ ہونا چاہتا ہے۔ اس لئے کہ جو بارگاہِ الٰہی میں حاضری پر غور کرتا ہے تو اپنے کو جلد بری الذمہ کرنا چاہتا اور مناقشہ حساب سے چھڑانا چاہتا ہے۔ بعض نے کہا کفایت سے مراد یہ ہے۔ بہت سی دعاؤں سے اس کو مستغنی کر دیتی ہے کیونکہ یہ دنیا و آخرت کی بھلائی کی کفیل ہیں۔

تخریج: أخرجه احمد (۱۷۰۹٤) والبخاری (۵۰۰۸) و مسلم (۸۰۷) و ابو داود (۱۳۹۷) والترمذی (۲۸) والنسائی (۷۱۸) وابن ماجه (۱۳٦۹) والدارمی (۱/۳٤۰) وابن حبان (۸۷۱) والطیالسی (۲/۱۰)

الفرائد: ان دونوں آیات کی عظیم فضیلت ذکر کی گئی جو ان کو پڑھے گا اس رات اس کے لئے کفایت ہوگی۔

۱۰۱۸ :وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :''لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ مَقَابِرَ اِنَّ الشَّیْطَانَ یَنْفِرُ مِنَ الْبَیْتِ الَّذِیْ تُقْرَاءُ فِیْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ'' رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۰۱۸: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے گھروں کو

قبرستان مت بناؤ بے شک شیطان اس گھر سے دور بھاگتا ہے جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے''۔(مسلم)

مقابر: یہ مقبرۃ کی جمع ہے یعنی گھروں کو عدم اشتغال صلاۃ وقرأت میں قبرستان مت بناؤ اور تم خود ذکر الٰہی چھوڑنے میں مردوں کی طرح مت بنو۔ **ینفر**: ہٹ جاتا اور مکمل اعراض کرتا ہے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جہاں بقرہ کے علاوہ قرآن پڑھا جائے وہاں سے نہیں بھاگتا۔ **تقرأ فیه سورة البقرة**: کیونکہ شیطان ان کے اغواء واضلال سے اس سورت کی برکت سے مایوس ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں تمام قسم کے احکام وعقائد' معجزات' قصص' امثال' براہین حق' منتخب بندوں کی کامرانی اور شیطان کی رسوائی کا تذکرہ ہے اور تسویل شیطانی کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے بعض نے کہا کہ اس میں ایک ہزار اوامر اور ایک ہزار مناہی' ایک ہزار احکام اور ایک ہزار اخبار ہیں۔

تخریج: أخرجه احمد (۳/۷۸۲۶) و مسلم (۷۸۰) والترمذی (۲۸۸۶) وابن حبان (۷۸۲)

الفرائد: جس گھر میں بقرہ پڑھی جائے اس سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ مجرب ومعروف ہے۔

۱۰۱۹ : وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "يَا اَبَا الْمُنْذِرِ اَتَدْرِيْ اَيُّ اٰيَةٍ مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ مَعَكَ اَعْظَمُ؟ قُلْتُ : اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ، فَضَرَبَ فِيْ صَدْرِيْ وَقَالَ : "لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ اَبَا الْمُنْذِرِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۰۱۹: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابو المنذر! کیا تمہیں معلوم ہے کہ تیرے پاس اللہ کی کتاب میں کون سی آیت سب سے بڑی ہے؟ میں نے کہا ﴿اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ (یعنی آیت الکرسی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا: اے ابو المنذر! تمہیں علم مبارک ہو''۔ (مسلم)

ابی بن کعب رضی اللّٰه انصاری: یہ بدری صحابی ہیں ان کے تفصیلی حالات گزرے ملاحظہ کر لئے جائیں باب البکاء۔ **ابو المنذر**: یہ ان کی کنیت ہے۔ **اتدری**: یعنی کتاب اللہ کی کون سی بڑی آیت تمہارے ساتھ ہے۔ یہ ان حفاظ میں سے ہیں جنہوں نے زمانۂ نبوت میں مکمل قرآن یاد کیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ کعب کو سورۃ لم یکن الذین سنائیں۔ اسی طرح کے بہت سے فضائل ان میں پائے جاتے ہیں۔ میں نے عرض کیا: **اللّٰه لا اله**: مکمل آیت الکرسی۔ مسلم کی روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ پہلے جواب میں اللہ ورسولہ اعلم کہا پھر دوبارہ سوال پر انہوں نے آیت الکرسی کا نام لیا۔ یا اولاً تفویض سے جواب دیا پھر دوسرا جواب معلوم نہ تھا مگر انوار نبوت سے وہ جواب ان کے دل میں آ گیا جواب بالکل درست تھا تو آپ نے شاباش کے طور پر۔ **فضرب فی صدری**: اور فرمایا: **لیهنك العلم هنانی الطعام وهنأت به وتهنات به**: جو چیز بلا مشقت مل جائے۔ اصل مقصد علم میں سہولت اور رسوخ کی دعا دینا ہے اور آپ کی دعا سے وہ راسخین فی العلم میں تھے اور علم بطور بشارت ومنّت ان کو میسر ہو گیا۔ یہ ابی بن کعب کی بڑی منقبت ہے اور آپ ﷺ کے ان پر احسان کو دیکھو کہ امداد الٰہیہ سے ان کو خاص فرمایا جو ان کے نظراء کو میسر نہ تھی۔ کنیت سے نوازا۔

مسئلہ: جب خود پسندی کا خطرہ نہ ہو تو آدمی کے علم وتقویٰ کی سامنے تعریف کی جا سکتی ہے۔اس میں مصلحت یہ ہے کہ لوگ ان سے خوب علم حاصل کریں۔فائدہ اٹھائیں۔جمہور کے مسلک کی تائید کہ قرآن مجید کی بعض آیات دوسری سے افضل ہیں یہ بلا ریب حق ہے۔جنھوں نے اعظم کی تاویل عظیم سے کی ہے وہ درست نہیں کیونکہ یہاں تاویل نہیں چلتی البتہ "**وھوا ھون علیہ**": میں ھین سے تاویل لازم ہے کیونکہ تمام مکفونات الٰہیہ قدرت الٰہیہ کے سامنے برابر ہیں: "**ھو اعلم بکم**": میں عقل تاویل کو جائز کرتی ہے کیونکہ علم الٰہی کے لئے سب برابر ہیں مگر حدیث مذکورہ میں عقل ظاہر مراد لینے کے خلاف نہیں یہ اعظم آیت اس لئے کہ اس میں ذاتِ باری تعالیٰ کا اثبات اور اس کی صفات وافعال کا تذکرہ ہے اور ان کی پہچان علوم کی چوٹی ہے بقیہ اس کے تابع ہیں "اللہ" کے لفظ سے ذات اور القیوم سے اس کے جلال کی طرف اشارہ ہے۔قیوم وہ ذات مراد ہے جو بذاتِ خود قائم اور دوسرے تمام اس کے قائم کرنے سے قائم ہے یہ بڑی عظمت وجلال ہے۔**لا تاخذہ سنۃ**: صفات حوادث جو اس کی ذات کے لئے محال ہیں ان سے اس کی تنزیہ وتقدیس بیان کی۔**لہ ما فی السموات**: اشارہ ہے کہ تمام افعال اسی سے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔**من ذا الذی**: اس سے اشارہ ہے کہ بادشاہی حکومت اختیار میں وہ منفرد ہے۔سفارش وہی کرے گا جس کو وہ مشرف فرمائے گا اور اجازت دے گا۔اس نے بادشاہی اختیار میں شرکت کی نفی کر دی۔**یعلم ما بین**: صفت علم کی طرف اشارہ فرمایا یہ کہ اس کا علم منفرد ہے۔باقی جس کے پاس علم ہے وہ اس کی مشیت وارادے سے عطاء کیا ہوا ہے۔**وسع**: عظیم ملک اور کمالِ قدرت کی طرف اشارہ ہے۔**ولا یودہٗ**: عزت وکمال کی صفت ذکر کی اور ضعف ونقص سے اس کا بے عیب ہونا بتلایا۔**وھو العلی العظیم**: یہ تمام صفات اور کسی آیت میں نہیں ہیں۔**شھد اللہ**: میں اگر توحید ہے تو **قل اللھم**: اس میں توحید افعال ہے اور اخلاص میں توحید تقدیس فاتحہ میں مذکور ہے مگر تشریح سے نہیں۔البتہ سورۂ حشر کی آیات ان کے کچھ مشابہ ہیں اور حدید کی ابتدائی آیات اس کے مشابہ ہیں مگر وہ آیات ہیں اور یہ ایک آیت ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم الحی القیوم پایا جاتا ہے۔اس کی فضیلت میں کہا گیا ہے کہ اس میں سولہ مقام پر اللہ تعالیٰ کا نام لفظاً اور ضمیر کی صورت میں ذکر ہوا بلکہ اگر الحی القیوم اور العلی العظیم کے احتمال اور فاعل حفظہما میں مقدر ہونا جو کہ اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے تو اکیس بن جاتی ہیں۔اس آیت کو سورۃ آی القرآن کہا گیا ہے۔اس کے لئے اعظمیت وافضلیت کے دونوں الفاظ آئے ہیں۔اسی لئے غزالی نے کہا جو فضل کی بہت سے انواع کو جامع ہو اس کو افضل کہا جاتا ہے۔فضل اضافی اور افضل بہت اضافی کو کہتے ہیں۔باقی ستودد یہ ہے کہ جس میں شرف ومرتبہ کا مقصود راسخ ہو جائے اور شرف وبرتری کا معنی جو مقتدیٰ بننے کا تقاضا کرے اور پیروی سے انکاری ہو اور بہت سے معانی ومعارف پر مشتمل ہے پس وہ افضل ہے اور آیت کرسی معرفت عظمیٰ پر مشتمل ہے۔سارے معارف جس کے تابع ہیں پس یہ سید کہلانے کی حقدار ہے (فتح الدلہ)

تخریج: أخرجه مسلم (۸۱۰)

الفرائد: ① اس میں آیت الکرسی کی فضیلت ذکر کی گئی کہ یہ قرآن مجید اعظم آیت ہے ② عالم کو متعلمین سے مسائل سکھانے کے لئے پوچھنے چاہئیں۔ابی بن کعب کی فضیلت ظاہر ہوئی ہے۔

❁ ❁ ❁

۱۰۲۰ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: وَكَّلَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِحِفْظِ زَكَاةِ رَمَضَانَ ،

فَاَتَانِیْ اٰتٍ فَجَعَلَ یَحْثُوْا مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ فَقُلْتُ : لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ، قَالَ : اِنِّیْ مُحْتَاجٌ وَعَلَیَّ عِیَالٌ ، وَبِیْ حَاجَةٌ شَدِیْدَةٌ - فَخَلَّیْتُ عَنْهُ فَاَصْبَحْتُ ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "یَا اَبَا هُرَیْرَةَ ، مَا فَعَلَ اَسِیْرُكَ الْبَارِحَةَ؟ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ شَكَا حَاجَةً وَّعِیَالًا فَرَحِمْتُهٗ وَخَلَّیْتُ سَبِیْلَهٗ - فَقَالَ : "اِنَّهٗ قَدْ كَذَبَكَ وَسَیَعُوْدُ" فَعَرَفْتُ اَنَّهٗ سَیَعُوْدُ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَرَصَدْتُّهٗ - فَجَآءَ یَحْثُوْا مِنَ الطَّعَامِ فَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ دَعْنِیْ فَاِنِّیْ مُحْتَاجٌ وَّعَلَیَّ عِیَالٌ لَا اَعُوْدُ فَرَحِمْتُ وَخَلَّیْتُ سَبِیْلَهٗ - فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا فَعَلَ اَسِیْرُكَ الْبَارِحَةَ قُلْتُ : یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ شَكَا حَاجَةً وَّعِیَالًا فَرَحِمْتُ وَخَلَّیْتُ سَبِیْلَهٗ فَقَالَ : فَرَصَدْتُّهُ الثَّالِثَةَ - فَجَآءَ یَحْثُوْا مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ فَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهٰذَا اٰخِرُ ثَلَاثِ مَرَّاتٍ اِنَّكَ تَزْعُمُ اَنَّكَ لَا تَعُوْدُ ثُمَّ تَعُوْدُ! فَقَالَ : دَعْنِیْ فَاِنِّیْ اُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ یَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهَا ، قُلْتُ : مَا هُنَّ؟ قَالَ اِذَا اَوَیْتَ اِلٰی فِرَاشِكَ فَاقْرَاْ اٰیَةَ الْكُرْسِیِّ فَاِنَّهٗ لَنْ یَّزَالَ عَلَیْكَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ ، وَلَا یَقْرَبُكَ شَیْطَانٌ حَتّٰی تُصْبِحَ ، فَخَلَّیْتُ سَبِیْلَهٗ فَاَصْبَحْتُ ، فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "مَا فَعَلَ اَسِیْرُكَ الْبَارِحَةَ؟" فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ زَعَمَ اَنَّهٗ یُعَلِّمُنِیْ كَلِمَاتٍ یَنْفَعُنِی اللّٰهُ بِهَا فَخَلَّیْتُ سَبِیْلَهٗ فَقَالَ: مَا هِیَ؟ " فَقُلْتُ : قَالَ لِیْ : اِذَا اَوَیْتَ اِلٰی فِرَاشِكَ فَاقْرَاْ اٰیَةَ الْكُرْسِیِّ مِنْ اَوَّلِهَا حَتّٰی تَخْتِمَ الْاٰیَةَ : "اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ" وَقَالَ لِیْ : لَا یَزَالُ عَلَیْكَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ ، وَلَنْ یَّقْرَبَكَ شَیْطَانٌ حَتّٰی تُصْبِحَ - فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ : "اَمَا اِنَّهٗ قَدْ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوْبٌ ، تَعْلَمُ مَنْ تُخَاطِبُ مُنْذُ ثَلَاثٍ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ؟ قُلْتُ : لَا - قَالَ : "ذَاكَ شَیْطَانٌ" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

۱۰۲۰: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے رمضان کی زکوۃ یعنی صدقہ فطر کا نگران بنایا۔ میرے پاس ایک آنے والا آیا اور کھانے کے چلو بھرنے لگا۔ میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا میں تمہیں ضرور رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کروں گا۔ اس نے کہا میں ضرورت مند اور عیال دار ہوں' مجھے سخت ضرورت تھی' میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ جب حضور ﷺ کی خدمت میں صبح کی تو آپ نے فرمایا: ''اے ابو ہریرہ تیرے رات والے قیدی کا کیا بنا؟ میں نے کہا رسول اللہ ﷺ اس نے ضرورت اور عیال داری کا عذر کیا لہٰذا میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا'' اس نے تم سے جھوٹ بولا' وہ عنقریب واپس آئے گا۔ میں نے جان لیا کہ وہ واپس لوٹے گا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دیا تھا۔ پس میں نے اس کا انتظار کیا چنانچہ وہ آیا اور دونوں ہاتھوں سے غلہ لینے لگا۔ میں نے کہا میں تمہیں ضرور حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو' میں محتاج اور عیال دار ہوں۔ پھر دوبارہ نہیں آؤں گا' مجھے اس پر رحم آیا اور میں نے اس کو جانے دیا۔ میں صبح حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابو ہریرہ تیرے رات والے قیدی کا کیا بنا؟ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس

نے ضرورت اور عیال داری کی شکایت کی۔ جس پر مجھے رحم آیا اور میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس نے تجھ سے جھوٹ بولا اور عنقریب لوٹے گا۔'' پس میں نے اس کا تیسری مرتبہ انتظار کیا تو وہ آ کر دونوں ہاتھوں سے غلہ لینے لگا۔ پس میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا ضرور میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیش کروں گا۔ یہ آخری اور تیسری مرتبہ ہے تُو کہتا ہے کہ واپس نہیں لوٹے گا؟ پھر لوٹتا ہے اس نے کہا مجھے چھوڑ دو میں تمہیں ایسے کلمات سکھاؤں گا جس سے اللہ تمہیں فائدہ دیں گے۔ میں نے کہا' وہ کیا؟ اس نے کہا جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو آیۃ الکرسی پڑھو۔ بے شک تم پر اللہ کی طرف سے نگران مقرر رہو گا اور شیطان صبح تک تیرے قریب بھی نہیں آئے گا۔ میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تیرے رات والے قیدی کا کیا بنا؟'' میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا خیال یہ ہے کہ وہ مجھے کچھ کلمات سکھائے گا جس سے اللہ مجھے فائدہ دے گا۔ اس لئے کہ میں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کلمات کیا ہیں؟ میں نے کہا' اس نے یہ بتایا کہ جب تم اپنے بستر پر لیٹو تو آیۃ الکرسی شروع سے آخر تک پڑھو۔ پھر مجھے کہا کہ تم پر اللہ کی طرف سے ایک نگران مقرر ہو گا اور صبح تک شیطان تمہارے قریب ہرگز نہیں آئے گا تو نبی اکرمؐ نے فرمایا: ''اچھی طرح سنو بے شک اس نے تم سے سچ کہا حالانکہ وہ بہت بڑا جھوٹا ہے'' اے ابو ہریرہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تین راتوں سے تمہارا مخاطب کون رہا؟ میں نے کہا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شیطان تھا۔ (بخاری)

زکاۃ رمضان: یعنی صدقۃ الفطر۔ اس کو رمضان کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ رمضان کا ایک جزء پالینا اس کے لازم ہونے کی شرط ہے اور رمضان المبارک میں ہونے والی کوتاہیوں کا ازالہ کرتا ہے۔ اس لئے رمضان کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے۔ **فجعل یحثو:** نسائی میں ہے کھجور اس طرح معلوم ہوئی اس میں سے کچھ کم کیا گیا ہے۔ برتن یا کپڑے میں ہتھیلی بھا کر ڈالا۔ **فاخذته:** میں نے اس کو پکڑ لیا۔ سیوطی نے توشیح میں نسائی سے ذکر کیا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اس کو پکڑنا چاہتے ہو تو کہو **سبحان من سخرك لحمله:** جب میں نے یہ الفاظ کہے وہ میرے سامنے کھڑا ہو گیا میں نے اسے پکڑ لیا۔ **لارفعنك:** میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا تاکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس ذمہ داری کی ادائیگی کا ذکر کروں جو آپ نے حفاظت کی صورت میں تفویض فرمائی تھی اور خائن و سارق اور اُچکے سے بچانے کا حکم دیا تھا۔ یا اس کے ظاہر کے مطابق اس کو ملامت کریں اور ڈانٹ ڈپٹ کریں۔ **محتاج:** میں حاجت مند ہوں۔ **علی عیال:** میرے عیال ہیں جن کے خرچ کا میں ذمہ دار ہوں۔ **وبی حاجة شدیدہ:** یہ ماقبل کی تاکید ہے یا تاسیس ہے کہ میں محتاج اس طور پر ہوں کہ میں فقیر ہوں اور عیال کی حاجت مجھ سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ وہ زیادہ ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اتنی بات ذکر کی کہ اس نے شدت ضرورت کی شکایت کی۔ **فخلیت عنه:** میں نے یہ سمجھ کر کہ کھانا ضرورت مندوں کے لئے ہے محتاج ہے تو وہ اس کا مالک بن جاتا ہے۔ حفاظت تو غیر محتاج سے ہے۔ **افعل اسیرك:** اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے دی اور فرمایا کہ وہ عنقریب لوٹے گا۔ **قلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:** میں نے اسے فقر کی وجہ سے آزاد کر دیا۔ **وسیعود:** اس نے جھوٹ بولا پھر لوٹے گا۔ **فجاء**

یحثوا: حال مقدرہ ہے کیونکہ حثو آنے کے بعد ہی ہے (۲) یہ بھی بن سکتا ہے: فجاء و جعل یحثو۔ دعنی: تم مجھے چھوڑ دو اوراس نے پہلی بات میں اضافہ کیا کیونکہ اپنے سابقہ معاملے کی وجہ سے چھٹکارا چاہتا تھا۔ پہلے اپنی حاجت کا ذکر کیا یہاں اہل وعیال کی حاجت کا ذکر کیا اور کہنے لگا اللہ کی قسم میں دوبارہ لوٹ کر نہ آؤں گا۔ فخلیت سبیله: آپ ﷺ کے اس ارشاد: "انه قد کذبك": کے باوجود اس گمان سے چھوڑ دیا کہ پہلی مرتبہ کے چھوڑنے پر تائید فرمادی تھی کہ وہ پھر لوٹے گا اور دوسری بات یہ ہے کہ اس کا جھوٹ اس کی محرومی کا سبب یا یہ کہ اس نے ساری بات ہی جھوٹی بنائی یا اس نے اپنے جھوٹ سے توبہ کر لی۔ ما فعل وسیرك: تمہارے قیدی کا کیا ہوا۔ گزشتہ رات نہیں فرمایا کیونکہ پہلے کی خلاف ورزی کر کے دوسری بات میں زیادہ وقت نہ گزرا تھا۔ اور جہاں "بارحه": کی قید لگائی جاتی ہے اس کا مقصد اس وہم کا ازالہ ہوتا ہے کہ عمر کے کسی حصہ میں واقعہ پیش آیا۔ وسیعود: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مطلقاً برقرار رکھا حالانکہ اس کا جھوٹ ظاہر ہو چکا۔ اس کے گمان سے جانا کہ وہ معذور ہے یا کوئی اور وجہ تھی۔ فرصدته: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایسی بات کہی جو چھوٹنے کی طمع کو منقطع کرنے والی تھی۔ اس نے کہا میں چھوٹنے کی راہ نہ پائی تو کہنے لگا تیسری بار ہے مجھے چھوڑ دو۔ میں تمہیں کلمات سکھاتا ہوں۔ عامل کی تنشیط کے لئے کلمات کہا۔ اللہ تعالیٰ ان سے تمہیں فائدہ دیں گے۔ جب بستر پر لیٹ جاؤ تو آیت الکرسی پڑھو۔ اللہ کی طرف سے تم پر محافظ مقرر کر دیا جائے گا۔ من: یہ ابتدائیہ یا سببیہ ہے جیسا اس آیت میں ﴿یحفظونه من امر اللّٰه﴾ لا یقربك شیطان: یہ جملہ مستانفہ ہے۔ ضمن یہ بات پہلے جملے میں آچکی مگر ضرر شیطانی کی بڑھائی کو ظاہر کرنے کے لئے یہ جملہ لائے۔ حتی تصبح: یہاں تک کہ صبح ہو جائے۔ روایت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ خواہ آیت پڑھنے والا نہ جاگے تب بھی حفاظت کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے یا اس سے اس لئے تعبیر کیا کہ عموماً جاگنے کا یہ وقت ہے۔ فخلیت سبیله: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نیکی کے اعمال میں خوب رغبت تھی۔ اس کی اطلاع اور جھوٹی توبہ پر اعتبار کر لیا اور اس وجہ سے بھی کہ ان کو اس مال تک پہنچنے سے روکنے والی چیز کا علم ہو گیا۔ فاصبحت فقال لی: معطوف علیہ جملہ مقدر ہے کہ میں صبح کو خدمت اقدس ﷺ میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: ما فعل اسیرك البارحه: تو میں نے عرض کیا کہ اس کا خیال یہ تھا کہ وہ مجھے نفع بخش کلمات سکھائے گا۔ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ زعم کا لفظ اس لئے لائے کہ آپ ﷺ فرما چکے تھے فقد کذبك: وہ تم سے نہ آنے کا جھوٹا وعدہ کر گیا ہے۔

النحو: قال لی لا یزال: لانفی میں لن کی طرح ہے اگرچہ اس میں تابید وتاکید نہیں ہوتی اگر یہ نفی کا فائدہ نہ دیتا تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس کو یہاں استعمال نہ کرتے۔

علیك من اللّٰه حافظ: ایک ظرف یزال کی خبر ہے اور دوسرا ظرف حافظ سے محل حال میں ہے۔ اما: یہ حرف استفتاح ہے مخاطب کو خبردار کرنے کے لئے آتا ہے۔ صدقك: اس سے تمہیں واقع کے مطابق بات کہی حالانکہ وہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔ هو کذوب: گزشتہ جملے سے مدح کا گمان تھا یہ جملہ حالیہ مذمت کے لئے لائے۔ تعلم: ہمزہ استفہامیہ اس سے پہلے محذوف ہے۔ ثلاث سے راتیں مراد ہیں۔

تخریج: أخرجه البخاری (۲۳۱۱)

الفرائد: ① شیطان کو مؤمن کی نفع بخش چیزوں کا علم ہے اسی لئے اس کو گناہ میں ڈالتا ہے تا کہ ان سے نفع نہ اٹھا سکے

④ شیطان کئی اشکال بدل سکتا ہے ③ جنات بھی انسانی کھانے کھاتے ہیں۔

۱۰۲۱ :وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ :"مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آیَاتٍ مِّنْ اَوَّلِ سُوْرَةِ الْکَھْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ" وَفِیْ رِوَایَةٍ :"مِنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْکَھْفِ" رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

۱۰۲۱: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سورۃ الکہف کی دس پہلی آیات یاد کرلیں وہ دجال سے محفوظ رہے گا۔

ایک روایت میں ہے سورۃ الکہف کی آخری آیات۔ دونوں کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

من حفظ: زبانی یاد کرلیں۔ **الدجال:** دجل سے ہے ملمع ساز یہ سیف مدجل جس پر سونا مل دیا جائے۔ ابن درید دجل ڈھانپنے کو کہتے ہیں۔ یہ اسی سے لیا گیا ہے کیونکہ وہ زمین کو کثیر مجمع سے ڈھانپ لے گا۔ اس کی جمع دجالون ہے (المصباح) دجال آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ اس کے ہاتھوں سے بطور استدراج بارش کا اترنا اور فصل کا اگانا ظاہر ہوگا۔ اس لئے اس کو عظیم ترین فتنہ کہا گیا۔ ہر پیغمبر علیہ السلام نے اس کے فتنے سے قوم کو خبردار کیا جو ان آیات کو پڑھے گا اگر اس زمانہ میں ہو تو فتنہ سے بچا لیا جائے گا یہ بھی ممکن ہے کہ کذاب وتلبیس کرنے والا عام ہو جیسے دوسری روایت میں فرمایا: **"لا تقوم الساعة حتی یخرج ثلاثون دجالا"**: ایک روایت میں: **"یکون فی آخر الزمان دجالون"**: کا لفظ وارد ہے۔

روایات کا فرق: ان آیات کی اس فتنہ سے بچنے میں خصوصیت یہ ہے کہ یہ آیات عجائبات قدرت پر مشتمل ہیں۔ جن پر تدبر وغور انسان کو فتنے سے بچاتا ہے۔ نیز ان نوجوانوں کا تذکرہ ہے جن کو فتنے سے محض رحمت الٰہیہ سے نجات ملی۔ ابن مردویہ نے اس طرح نقل کیا: **"من حفظ عشر آیات من اول سورة الکھف کانت له نوراً یوم القیامة"**۔

تخریج: أخرجه مسلم (۸۰۹) و ابو داود (۴۳۲۳) والترمذی (۲۸۹۵) والنسائی (۸۰۲۵)

الفرائد: سورۃ کہف اور خاص طور پر اس کی دس اولیٰ اور آخری آیات کی فضیلت ذکر کی گئی ہے۔ ان کو تلاوت کرنے والا دجال کے فتنوں سے بچا رہے گا۔

۱۰۲۲ :وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ :بَیْنَمَا جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَاعِدٌ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ سَمِعَ نَقِیْضًا مِّنْ فَوْقِہٖ فَرَفَعَ رَاْسَہٗ فَقَالَ :ھٰذَا بَابٌ مِّنَ السَّمَآءِ فُتِحَ الْیَوْمَ وَلَمْ یُفْتَحْ قَطُّ اِلَّا الْیَوْمَ فَنَزَلَ مِنْہُ مَلَکٌ فَقَالَ :ھٰذَا مَلَکٌ نَزَلَ اِلَی الْاَرْضِ لَمْ یَنْزِلْ قَطُّ اِلَّا الْیَوْمَ فَسَلَّمَ وَقَالَ :اَبْشِرْ بِنُوْرَیْنِ اُوْتِیْتَھُمَا لَمْ یُؤْتَھُمَا نَبِیٌّ قَبْلَکَ :فَاتِحَةُ الْکِتَابِ ، وَخَوَاتِیْمُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ لَنْ تَقْرَاَ بِحَرْفٍ مِّنْھَا اِلَّا اُعْطِیْتَہٗ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

"النَّقِيضُ" :الصَّوْتُ۔

۱۰۲۲: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اسی دوران حضرت جبریل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنے اوپر سے ایک آواز سنی تو اپنا سر اوپر اٹھایا اور کہا۔ "یہ آسمان کا وہ دروازہ ہے جو آج کھولا گیا ہے اور آج سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا۔ اس سے ایک فرشتہ اترا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا یہ وہ فرشتہ زمین پر اترا ہے' جو آج سے پہلے کبھی نہیں اُترا چنانچہ اس فرشتے نے سلام کیا اور کہا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو ان دو نوروں کی بشارت ہو جو آپ کو دیئے گئے اور آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے :۱) سورۃ الفاتحہ ۲) اور سورۃ البقرۃ کی آخری آیات۔ آپ ان میں سے جو بھی حرف پڑھیں گے وہ آپ کو عطا کر دی جائے گی۔

النَّقِيضُ :آواز

بينما: یہ ما کافہ ہے۔ نقیضا: دروازے کی آواز۔ فرفع راسه: یہ جبرئیل علیہ السلام کی طرف ضمائر لوٹتی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے بتلائی یا انہوں نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا اور دروازے کی آواز سنی۔ من السماء: آسمان دنیا مراد ہے اور بیت العزۃ آسمان دنیا میں ہے۔ لم یفتح قط: یہ فعل مجہول ہے یہ دروازہ پہلے کبھی نہیں کھلا یہ تخصیص ظاہر کرنے کے لئے فرمایا۔ دروازے کا کھلنا اور فرشتے کا اترنا یہ دو سعادتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت کی گئیں۔ ابشر: یہ (س) سے آتا ہے عام تفعیل میں اس کو متعدی بناتے ہیں (ن) سے بھی آتا ہے خوشخبری دینا۔ بشرت و ابشرته: پانی کا پھیلنا (مفردات) بنورین اوتیتھما: ان کو نور اس لئے کہا کہ پڑھنے والے کے لئے قیامت کے دن نور ہوں گی اور اس کے آگے آگے ہوں گی یا دنیا میں نور ہیں ان کے معانی پر غور کرنے والا صراط مستقیم پر ہے۔ لم یوتھما نبی: تمام قرآن مجید ایسا ہی ہے۔ ان کو خاص کرنے کی وجہ ان کی شان کی بلندی ہے کیونکہ یہ جامع معانی پر مشتمل ہے۔ الفاظ مختصر' شاندار انداز' معانی کا سمندر۔ فاتحة الکتاب: یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ فتح الدلہ میں امن الرسول: کی بجائے للہ ما فی السموات: سے ابتداء کا قول ہے۔ لن تقرأ: بظاہر خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر امت کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے خطاب ہے۔ بحرف کی با الصاق واستعانت دونوں کی ہو سکتی ہے۔ الا اعطیته: وہ غرض کیوں کر پوری نہ ہو جبکہ فاتحہ کافیہ ہے۔ خواتیم رات کے لئے کافیہ ہیں مطلب یہ ہے ان کا ثواب اس قدر عظیم الشان ملتا ہے جو ان کی نظیر سے بڑھ کر ہے یا حرف سے مراد جملہ مستقلہ ہے خواہ ثناء و تجید پر مشتمل ہو۔

تخريج : أخرجه مسلم (٨٠٦) والنسائی (٩١١) وابن حبان (٧٧٨) والحاكم (١/٢٠٥٢) والطبرانی (١٢٢٥٥)

الفرائد :اس میں سورۂ فاتحہ' سورہ بقرہ کی آخر آیات کی فضیلت ذکر کر کے ان کی کثرت اور یاد کرنے اور رکھنے پر آمادہ کیا۔

۱۸۴: بَابُ اسْتِحْبَابِ الْاِجْتِمَاعِ عَلَي الْقِرَآءَةِ

بَاب: قراءت کے لئے جمع ہونے کا استحباب

کیونکہ اس میں قرآن مجید کی تعظیم وتکریم ہے۔

۱۰۲۳ : عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ بَیْتٍ مِنْ بُیُوْتِ اللّٰهِ یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰهِ وَیَتَدَارَسُوْنَهٗ بَیْنَهُمْ ، اِلَّا نَزَلَتْ عَلَیْهِمُ السَّکِیْنَةُ وَغَشِیَتْهُمُ الرَّحْمَةُ ، وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَآئِکَةُ ، وَذَکَرَهُمُ اللّٰهُ فِیْمَنْ عِنْدَهٗ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۰۲۳: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو لوگ اللہ کے گھر میں سے کسی گھروں میں قرآن کی تلاوت کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں اور آپس میں اس کی تکرار (اعادہ) کرتے ہیں تو ان پر تسکین اترتی ہے اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔ فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن کا اپنے پاس والوں میں ذکر فرماتے ہیں۔ (مسلم)

اجتمع قوم: مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہے یا خاص مرد مراد ہیں کیونکہ آداب مجلس کا یہ زیادہ لحاظ کر سکتے ہیں کیونکہ ان کی عقل کامل ہے۔ **بیوت اللّٰہ:** مساجد مراد ہیں۔ عظمت کے لئے ذکر کیا۔ **یتلون کتاب اللّٰہ:** یہ فاعل سے جملہ حالیہ ہے۔ **یتدارسونہ:** دور کرنا۔ **السکینة:** یہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے جس سے بندوں کو طمانیت ملتی ہے۔ ملائکہ بھی اسی سے ہیں۔ واللہ اعلم۔ **غشیتھم:** چھا جانا۔ ہر طرف سے ڈھانپ لینا۔ **الرحمہ:** ارادہ رحمت یا فضل واحسان مراد ہے۔ **حفتھم:** ان کو گھیر لینا۔ **الملائکة:** یہ تعظیم وتشریف کے لئے ہے کیونکہ انہوں نے تلاوت کو سنا۔ **فیمن عندہ:** عندیت ربی مراد ہے۔ مراد اس سے ملائکہ ہیں۔ **ولذکر اللّٰہ اکبر:** ہر بات پہلی سے علی سبیل الترقی ہے۔ ملائکہ کی آمد احاطہ ملائکہ نزول سکینہ واللہ اعلم۔

تخریج: أخرجه مسلم ۔

۱۸۵: بَابُ فَضْلِ الْوُضُوْءِ

بَاب: وضو کی فضیلت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَکُمْ ...... اِلٰی قَوْلِهٖ ...... مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِنْ حَرَجٍ ، وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ﴾ [المائدة :٦]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے ایمان والو! جب نماز کا ارادہ کرو تو اپنے چہرے کو دھوؤ...... آیت کے آخر تک...... اللہ نہیں

چاہتے کہ تمہیں تنگی میں ڈالے لیکن اللہ چاہتے ہیں کہ تم کو پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کرے تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ''۔(المائدہ)

الوضوء: یہ وضاءت سے لیا گیا۔ وہ حسن و نظافت کو کہتے ہیں شرعی طور پر وضو اعضاء مخصوصہ پر خاص نیت سے پانی کے استعمال کرنے کو کہا جاتا ہے۔ معراج کی رات نماز کی فرضیت کے ساتھ فرض ہوا (راجح قول یہ ہے کہ ابتداء نماز سے ہی فرض ہوا۔ مترجم) **اذا قمتم:** جب تم قیام کا ارادہ کرو۔ **الی الصلاۃ:** نماز کے لئے۔ اس کے بعد حذف مانا گیا **وانتم محدثون**۔ (قول زید بن اسلم) تقدیر عبارت یہ ہے: **اذا قمتم الی الصلاۃ من النوم:** جب تم نیند سے بیدار ہو کر نماز کا ارادہ کرو یا قضائے حاجت سے فارغ ہوتے ہو یا تم نے جماع کیا ہو تو غسل کرو اور اگر جناب کی حالت میں ہو تو غسل سے طہارت حاصل کرو۔ اور اگر تم بیمار یا سفر کی حالت میں ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو تیمم کرو۔ تقدیر کو بعض نے توفیقی مانا ہے۔ البتہ تقدیر کے بغیر چارۂ کار نہیں شیخ زکریا کہتے ہیں جنب کو مقدر مانیں تو تکلف کی حاجت نہیں: ﴿**ان کنتم مرضی او علی سفر وانتم جنب**﴾: دوسرے علماء نے کہا آیت اپنے عموم سے محدث کو بطور ایجاب و متطہر کو بر سبیل استحباب شامل ہے۔ بعض نے کہا یہ آیت اس بات کو بتلانے کے لئے اتری کہ وضو نماز کا ارادہ کرتے وقت لازم اور کسی عمل کے لئے نہیں کیونکہ دیگر اعمال کے لئے حدث رکاوٹ نہیں۔ عز بن عبد السلام کہتے ہیں ہر نماز کے لئے وضو کا وجوب ظاہر آیت سے ثابت ہو رہا ہے خواہ حدث ہو یا نہ مگر صحیح مسلم میں وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے وضو فرماتے۔ جب فتح مکہ ہوا تو پانچوں نمازیں ایک وضو سے ادا فرمائیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ ﷺ نے آج ایسا عمل کیا جو پہلے نہ کرتے تھے تو فرمایا اے عمر میں نے جان بوجھ کر کیا۔ علامہ خطابی نے کہا کہ وضو محدث پر واجب ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کا عمل فضیلت پر محمول ہے۔ اس روایت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواز ثابت کیا ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قیام کے وقت فعل وضو شرط نہیں۔ اگر وقت سے مقدم و موخر کر لیا تو درست ہے۔ اگرچہ آیت کے ظاہر سے یہ بات سمجھ نہیں آتی۔ **فاغسلوا:** جمہور مرفقین کو غسل میں داخل مانتے ہیں۔ **وامسحوا بروسکم:** با الصاق یا تبعیض کے لئے ہے۔ **وارجلکم الی الکعبین:** وجوہ پر عطف سے لفظ منصوب پڑھا گیا اور جر کو جوار کے لئے مانا گیا۔ کسی ایک پر عطف کی وجہ سے محلاً منصوب ہے یا رؤس پر عطف کی وجہ سے لفظاً و محلاً جر ہے مگر اس کو موزے پہننے پر محمول کریں گے یا غسل خفیف پر۔ اس آیت کریمہ میں وضو کے ارکان اربعہ مذکور ہیں۔ جو دیگر ارکان کو بھی واجب مانتے ہیں مثلاً نیت و ترتیب ان کے لئے مسئلہ بنے گا اور وہ انہوں نے دوسرے دلائل سے لیا ہے۔ نیت کو اس روایت: **انما الاعمال بالنیات:** ترتیب کو آیت سے اخذ کیا ہے۔ راس ممسوح سے ہاتھ اور پاؤں میں فاصلہ کیا گیا جو کہ دونوں مغسول ہیں اور متجانسین میں کسی چیز کو نکتہ کی وجہ سے داخل کرتے ہیں اور وہ ترتیب ہے جو مستحب نہیں بلکہ فرض ہے کیونکہ آیت فرائض کے بیان کے لئے ہے اور بسم اللہ بعض کے ہاں اور نیند سے بیدار ہونے پر دونوں ہتھیلیوں کا دھونا اور مضمضمہ' استنشاق بعض چیزوں میں بعض نے وجوب کا قول کیا ہے۔ دلائل موجود ہیں۔ **وان کنتم جنباً فاطھروا:** تو غسل کرو۔ **وان کنتم مرضی:** لامستم عستم کے معنی میں ہے اور یہاں اجنبیات کی قید لگانی پڑے گی (اگر ملامست کو محاورہ عرب کے مطابق لیں تو کسی قید کی ضرورت نہیں ''اور تم نے اپنی بیویوں سے قربت کی ہو''۔ **فلم تجدوا ماء:** تو مٹی کا قصد کرو جو پاک ہو۔ **ایدیکم منہ:** یعنی کہنیوں سمیت مل لو کیونکہ پانی تو میسر نہیں۔ **ما یرید اللّٰہ:** اللہ تعالیٰ نے

وضوٴ غسل وتیمم کو تنگی کے لئے لازم نہیں کیا بلکہ وہ احداث وذنوب سے تمہیں پاک کرنا چاہتے ہیں۔ **ولیتم نعمته علیکم**: اسی لئے اس نے قلوب وابدان کو گناہوں اور احداث سے پاک کرنے والی چیزیں بیان فرمادیں۔ **لعلکم تشکرون**: تا کہ تم میری نعمتوں کا شکریہ ادا کرو اور میں اور اضافہ کروں۔

۱۰۲۴ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ :"اِنَّ اُمَّتِیْ یُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِیْنَ مِنْ اٰثَارِ الْوُضُوْءِ ، فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمْ اَنْ یُّطِیْلَ غُرَّتَهٗ فَلْیَفْعَلْ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۱۰۲۴: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا "میری اُمت قیامت کے دن وضو کے نشانات کی وجہ سے سفید ہاتھ پاؤں سے بلائی جائے گی جو آدمی تم میں سے اپنی روشنی کو طویل کر سکتا ہو تو وہ ضرور ایسا کرے۔ (بخاری ومسلم)

امتی یدعون: امت اجابت مراد ہے۔ غر یہ اغر کی جمع ہے۔ جیسے حمر واحمر یہ اسم تفضیل نہیں اگر یہ اسم تفضیل ہوتی تو وجوب افراد کی وجہ سے جمع نہ ہوتی۔ اسم تفضیل کی تذکیر نکرہ چاہئے۔ **غراً**: یہ یدعون کا دوسرا مفعول ہے یعنی اس نام سے پکارے جائیں گے۔ **محجلین**: یہ ضمیر سے حال ہو یا دونوں حال ہوں ای قیامت کے اس حال میں کہ وہ اس میں پنج کلیان سفید ہوں گے یا یدعون ینادون کے معنی میں ہے ان کو اسی حالت میں آواز دی جائے گی اگر یہ کہا جائے یہ صفت منتقلہ نہیں پھر حال کس طرح بنے گا۔ جواب یہ ہے کہ یہ یہاں منتقل ہونے والوں سے ہے کیونکہ تمام مخلوق غیر محجل ہوگی جب اس امت سے خاص کیا تو منتقلہ صفات کے حکم میں کر دیا۔ بعض نے کہا کہ موقف میں ان کی یہ علامت ہوگی پھر حوض کے پاس پھر داخلہ کے وقت ان سے منتقل ہو جائے گی۔ منتقل کا یہی معنی ہے۔ **العزة**: چہرے کا جتنا حصہ دھونا فرض ہے۔ اسی طرح کانوں سے اسی طرح۔ **التحجیل**: واجب سے اوپر ہاتھ و پاؤں کو دھونا' اس کی غایت عضد وساق سے استیعاب ہے۔ **آثار الوضو**: من تعلیلیہ یا ابتدائیہ بن سکتا ہے۔ اثار یہ یہ اثر کی جمع ہے نشان کے معنی میں ہے۔ ترمذی میں وارد ہے: **امتی یوم القیامة غرمن السجود محجلون فی الوضو**: اس میں اور اس میں تعارض نہیں کیونکہ چہرے کے نور کے دو سبب ہیں وضو وسجدہ' ظرف کے متعلق یدعون' غرا اور محجلین کا تنازع ہے۔ جیسا اس آیت میں: ﴿**اذا دعاکم دعوة من الارض**﴾: من الارض فعل سے متعلق ہے۔ واللہ اعلم۔ **فمن استطاع منکم**: غرہ سے یہاں وادوہ ہے جو تحجیل والا ہو یا تقابل کی وجہ سے حذف کر دیا۔ ظرف فعل سے متعلق ہے۔ من بیانیہ للجنس ہے۔ ان یطیل مفعول ہے۔ یہاں مطلوب نفس فعل ہے ہیئۃ نہیں۔ مگر سہیلی نفس فعل کو اسی طرح مانتے ہیں اس مثال میں **کرهت ان خرجت**۔

تخریج: أخرجه البخاری (۱۳۶) و مسلم (۲۴۶) واحمد (۳/۹۲۰۶) وابن حبان (۱۰۴۹) والبیهقی (۱/۵۷)

الفرائد: ① وضو کی فضیلت ذکر کی گئی ہے۔ یہ قیامت کے دن صاحب وضو کے لئے نور کا باعث ہوگا ② کامل وضو کرے تا کہ نور میں اضافہ ہو۔

۱۰۲۵ : وَعَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ خَلِيلِي ﷺ يَقُولُ : "تَبْلُغُ الْحِلْيَةُ مِنَ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ يَبْلُغُ الْوُضُوْءُ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۰۲۵: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ میں نے اپنے خلیل ﷺ کو یہ فرماتے سنا "مؤمن کا زیور (جنت میں) وہاں تک ہوگا جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا۔" (مسلم)

سمعت خليلی صلی اللّٰه عليه وسلم: یہ فعیل بمعنی مفعول ہے۔ خلیل اس دوست کو کہتے ہیں جس کی محبت دل میں اتر جائے اور باطن میں پہنچ جائے۔ خلیل کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض نے صاحب اور بعض نے دوستی میں خالص۔ بعض نے کہا وہ جس کی دوستی میں خلل نہ ہو۔ بعض نے کہا جو موالات و معادات کرنے والا ہو۔ بعض نے اور باتیں کہی ہیں۔ اس کے اشتقاق میں اختلاف ہے۔ بعض نے اس کو خلت بمعنی حاجت سے لیا اور بعض نے خلت سے لیا جس کی محبت دل میں مل گئی۔ بعض نے خلت سے لیا یہ ایک پودا ہے جس کو صرف اونٹ استعمال کرتے ہیں اور کتاب کے شروع میں گزرا کہ محبت و خلت میں کون سا مقام بلند ہے اور اس میں منافات نہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: "لو كنت متخذا خليلاً غير ربی" : کیونکہ متقفع تو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مولیٰ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو خلیل بنانا ہے کسی دوسرے کے آپ ﷺ کو خلیل بنانے کی ممانعت نہیں۔ **الحليه:** بعض نے کہا کہ حلیہ سے اہل جنت کا زیور مراد ہے کیونکہ ابن حبان نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی: "تبلغ حلية اهل الجنة مبلغ الوضو من المؤمن"۔ بعض نے کہا جنت میں مومن کے زیور مراد ہے اور وہ وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے۔ اس روایت میں غرہ اور تحجیل کو بڑھانے پر آمادہ کیا گیا ہے۔

ایک روایت: بخاری نے کتاب اللباس میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے جس میں مذکور ہے: **ثم دعا بتور من ماءٍ فغسل يديه حتى بلغ ابطيه فقال يا اباهريره الشئی سمعتهٗ من النبی صلی اللّٰه عليه وسلم ؟ قال منتهی اللحية"۔**

تخریج: أخرجه مسلم (۲٤٥) و ابو عوانة (۱/۲۲۹)

الفرائد: ① کامل وضو کرنا چاہئے ② مؤمن کا زیور وہاں تک ہوگا جہاں تک وضو کا پانی پہنچا۔

۱۰۲٦ : وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "مَنْ تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِهٖ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۰۲٦: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے اچھے طریقہ سے وضو کیا اسکے گناہ اس کے جسم سے نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی"۔ (مسلم)

من توضا: جو وضو آداب و سنن پر مشتمل ہو۔ نووی کہتے ہیں اس میں آداب و سنن و شروط وضو پر آمادہ کیا گیا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اس طرح وضو ہو کہ سب کے ہاں جو وضو ہو جائے مثلاً بسم اللہ نیت و مضمضمہ' استنشاق ناک میں پانی ڈالنا وغیرہ سب کو انجام دے۔ **خطاياه:** اس سے صغائر مراد ہیں۔ خروج سے مجاز مراد ہے (مگر مجاز کی ضرورت نہیں وہ لطیف اجسام رکھتے ہیں۔

حتی: یہ غایت کے لئے ہے۔ تمام جسم سے نکلتے ہیں جیسا مسلم کی روایت میں ہے۔ تخرج من تحت اظفارہ: اس سے تاکید مراد ہے تاکہ یہ وہم نہ رہے کہ جہاں پانی نہ پہنچے کیا وہاں سے بھی نکلتے ہیں یا نہیں۔ اگر مسلم کی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت: اذا توضأ العبد المسلم او المؤمن": کو دیکھیں تو وہ دلالت کرتی ہے کہ اعضاء وضو کے گناہ صرف بخشے جاتے ہیں۔ دوسروں کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا' جواب یہ ہے بقیہ جسم کے گناہوں کی بخشش بسم اللہ وغیرہ ہیں اور احسن الوضو میں اسی طرف اشارہ ہے۔ عبدالرزاق کی مرسل روایت من ذکر اللّٰہ اول وضوئہ لم بہ جسدہ کلہ' وان لم یذکر اللّٰہ لم یطہر الامواضع الوضو"۔

تخریج: أخرجه مسلم۔

الفرائد: ① وضو کو خوب عمدہ انداز سے کرے تاکہ کل قیامت کو مغفرت کا ذریعہ ہو ② اور اس امت کے لئے اللہ تعالیٰ کی یہ خصوصی رحمت و برکت ہے۔

❁ ❁ ❁

١٠٢٧ :وَعَنْهُ قَالَ :رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَوَضَّاَ نَحْوَ وُضُوْئِیْ ثُمَّ قَالَ مَنْ تَوَضَّاَ هٰكَذَا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَكَانَتْ صَلٰوتُهٗ وَمَشْيُهٗ اِلَى الْمَسْجِدِ نَافِلَةً رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۰۲۷: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا جس طرح میں نے وضو کیا۔ پھر کہا جس نے اس طرح وضو کیا اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور اس کی نماز اور مسجد کی طرف چلنے کا ثواب ظاہر ہے۔ (مسلم)

قال: انہوں نے مکمل وضو کیا اور پھر کہنے لگے۔ توضا مثل وضوئی هذا: اگر رایت علمت کے معنی میں ہو تو جملہ اس کا مفعول ہے۔ (۲) اور اگر البصرت کے معنی میں ہو تو جملہ محل حال میں ہے۔ ایک روایت میں: "من توضا نحو وضوئی هذا": مثلیت میں غالب کا اعتبار ہوتا ہے (فتح الباری) ما تقدم: سے مراد صغیرہ ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو۔ وکانت صلاته: اس کا عطف جملہ جواب پر ہے۔

فرق روایت: مسلم کی روایت میں "ثم صلی رکعتین لا یحدث فیهما نفسه": کے الفاظ زائد ہیں۔

تخریج: اخرجه مسلم (۲۲۹)' بخاری' ابو داؤد' نسائی' ابن خزیمه' طبرانی' بزاز' اسماعیلی' ابو عوانه' دارقطنی' برقانی' ابو نعیم' بیهقی (شرح عمدة الاحکام)

الفرائد: ① وضو کو اسی انداز سے کرے جیسے جناب رسول اللہ ﷺ نے کیا ② وضو مستقل طور پر کفارۂ سیئات ہے۔

❁ ❁ ❁

١٠٢٨ :وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : "اِذَا تَوَضَّاَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ" اَوِ الْمُؤْمِنُ– فَغَسَلَ وَجْهَهٗ خَرَجَ مِنْ وَّجْهِهٖ كُلُّ خَطِيْئَةٍ نَظَرَ اِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَآءِ اَوْ مَعَ اٰخِرِ قَطْرِ الْمَآءِ، فَاِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتْ كُلُّ خَطِيْئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ

مَعَ الْمَآءِ اَوْ مَعَ اٰخِرِ قَطْرِ الْمَآءِ، حَتّٰی یَخْرُجَ نَقِیًّا مِّنَ الذُّنُوْبِ" رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

۱۰۲۸: حضرت ابو ہریرہؓ روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: "جب مسلم یا مؤمن بندہ وضو کے دوران اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے کا ہر گناہ، جس کی طرف اس نے آنکھوں سے دیکھا، پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطروں کے ساتھ نکل جاتا ہے۔ جب وہ اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو اسکے دونوں ہاتھوں کا ہر گناہ، جو اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے کیا ہوتا ہے، پانی یا اسکے آخری قطرے کے ساتھ نکل جاتا ہے۔ جب وہ اپنے دونوں پاؤں دھوتا ہے تو ہر وہ گناہ، جس کی طرف چل کر گیا، پانی کے ساتھ یا اسکے آخری قطرے کے ساتھ نکل جاتا ہے یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک ہو کر نکلتا ہے۔ (مسلم)

اذا توضا العبد: مکلّف، آزاد، مذکر ہو یا مونث مراد ہے۔ **خرج من وجهه:** یہ بخشش سے کنایہ ہے۔ **نظر اليها بعينيه:** یہ تاکید کے لئے ذکر فرمایا اور مراد کبائر وحقوق العباد کے علاوہ ہیں۔ **او:** یہ شک راوی کے لئے ہے۔ **قطر:** یہ قطرہ کی جمع ہے اس کی جمع قطرات بھی آتی ہے۔ آنکھ کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دل کا جاسوس ہے۔ اس لئے دوسروں کی ضرورت نہ رہی۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے: "**فاذا غسل وجهه خرجت الخطايا من وجهه حتى تخرج من تحت اشفاء عينيه**"۔ مگر صاحب فتح الدلہ نے کہا کہ آنکھوں کے ذکر کی وجہ یہ نہیں کہ وہ کفیل ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ منہ، ناک ہر ایک کے لئے مطہر موجود ہے اور آنکھ کے لئے سوائے چہرے کے دھونے کے کوئی مطہر نہیں۔ اس لئے چہرے کے دھونے سے اس کے گناہ بھی ساتھ اتر گئے۔ گویا یہ اپنی صفائی میں چہرے کی محتاج بن گئی۔ واللہ اعلم۔ **حتى يخرج نقيا:** صاف ستھرا۔ **الذنوب:** وہ صغائر جو حقوق اللہ سے متعلق ہیں۔

تخریج: أخرجه احمد (۳/۸۰۲۶) و مسلم (۲۴۴) والترمذی (۲) وابن خزیمة (۴) والدارمی (۷۱۸) والبیهقی (۱/۸۱)

الفرائد: ① وضو گناہ کو اسی طرح صاف کرتا ہے جیسے پانی میل کچیل کو ② جب وضو کیا جاتا ہے تو اس کے جسم کے اعضاء سے گناہ ڈھل جاتے ہیں وہ زمین پر پاک ہو کر چلتا ہے۔

۱۰۲۹: وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَتَی الْمَقْبَرَةَ فَقَالَ: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ، وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ، وَدِدْتُّ اَنَّا قَدْ رَاَيْنَا اِخْوَانَنَا" قَالُوْا: اَوَلَسْنَا اِخْوَانَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: "اَنْتُمْ اَصْحَابِيْ، وَاِخْوَانُنَا الَّذِيْنَ لَمْ يَاْتُوْا بَعْدُ" قَالُوْا: كَيْفَ تَعْرِفُ مَنْ لَّمْ يَاْتِ بَعْدُ مِنْ اُمَّتِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: "اَرَاَيْتَ لَوْ اَنَّ رَجُلًا لَّهٗ خَيْلٌ غُرٌّ مُّحَجَّلَةٌ بَيْنَ ظَهْرَيْ خَيْلٍ دُهْمٍ بُهْمٍ اَلَا يَعْرِفُ خَيْلَهٗ؟" قَالُوْا: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ: "فَاِنَّهُمْ يَاْتُوْنَ غُرًّا مُّحَجَّلِيْنَ مِنَ الْوُضُوْءِ، وَاَنَا فَرَطُهُمْ عَلَى الْحَوْضِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۰۲۹: حضرت ابو ہریرہؓ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبرستان میں پہنچ کر فرمایا: "سلام ہو تم پر اے

مؤمن گھر والو! بے شک ہم اگر اللہ نے چاہا تو تمہیں ملنے والے ہیں، میں پسند کرتا ہوں کہ ہم اپنے بھائیوں کو دیکھیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ہم آپ کے بھائی نہیں؟ فرمایا: ''تم میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) ہو اور میرے بھائی وہ لوگ ہیں جو ابھی نہیں آئے۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔آپ ان لوگوں کو کیسے پہچانیں گے جو آپ کی امت میں ابھی تک نہیں آئے۔فرمایا ''تمہارا کیا خیال ہے اگر کسی آدمی کے سیاہ گھوڑوں میں پانچ کلیان گھوڑے ہوں، کیا وہ اپنے ان گھوڑوں کو نہیں پہچانے گا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ۔اس پر آپ نے فرمایا: ''وہ وضو کی وجہ سے سفید ہاتھ پاؤں کے ساتھ میدانِ محشر میں آئیں گے اور میں ان کا حوض پر استقبالی ہوں گا۔'' (مسلم)

اتی المقبرة: اس سے مراد البقیع ہے۔ **دار قوم مؤمنین:** یہ اختصاص کی وجہ سے منصوب ہے: **ای اخص دار قوم مؤمنین۔ انا ان شاء الله:** یہاں تبرک باسم اللہ کے لئے ہے۔جیسا اس آیت میں: ﴿**ولا تقولن لشئی انی فاعل**﴾:(۲) تحسین کلام کے لئے ہے۔ **انا قد راینا احواننا:** زندگی میں ان کو دیکھ لیا۔عیاض کہتے ہیں بقول بعض موت کے بعد ان کی ملاقات کی تمنا ہے۔اس میں تمنا کا جواز خصوصاً جب کہ فضیلت والے لوگوں سے ملاقات ہو۔ **قالوا:** وہ صحابہ جو اس وقت ساتھ تھے۔ **اولسنا اخوانك:** اس کا عطف جملہ مقدر پر ہے: **اتتمنی لقاء اخوانك اولسنا اخوانك**"۔ **قال انتم اصحابی:** تم میرے صحابہ ہو اور میرے اخوان وہ ہیں جو ابھی نہیں آئے۔نووی کہتے ہیں بقول باجی یہ ان سے اخوت کی نفی نہیں بلکہ صحابیت کی وجہ سے انکی برتری ذکر کی۔ **ای فانتم احوة صحابة:** اور جو بعد میں آئیں گے وہ صحابہ تو نہ ہوں گے صرف اخوۃ ہوں گے۔جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**انما المؤمنون اخوة**﴾:

عبدالبر کا منفرد قول: اس روایت اور بعض دوسری احادیث جن میں آخری زمانہ والوں کی فضیلت ذکر کی گئی ہے ثابت ہوتا ہے۔صحابہ کے بعد آخری زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جو من جملہ صحابہ سے افضل ہوں گے۔رہی "**خیر کم قرنی**": والی روایت کا معنی **خیر الناس قرنی**: یعنی سابقون الاولون خواہ مہاجرین سے ہوں یا انصار سے ہوں اور جو ان کی راہ پر چلنے والا ہو وہ افضل امت ہیں اور حدیث سے وہی مراد ہیں۔باقی جو آپ ﷺ کے زمانے میں ملے جلے لوگ ہیں خواہ انہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا اور صحبت اختیار کی مگر ان کو سابقیت فی الاسلام نہیں اور نہ دین ان کا کوئی واضح کام ہے تو بعد والے زمانوں میں ایسے لوگ آئیں گے جو ان سے افضل ہوں گے۔جیسا کہ آثار سے معلوم ہوتا ہے۔قاضی عیاض کہتے ہیں ان کی اس رائے کو بعض متکلمین نے دیگر معانی کے ساتھ اختیار کیا ہے۔مگر امت کے اکثر علماء کی رائے اس کے خلاف ہے۔وہ کہتے ہیں جس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی اور عمر میں ایک مرتبہ ایمان سے دیدار کیا اس کو صحبت کی وجہ سے وہ مقام مل گیا کہ بعد میں آنے والے تمام لوگوں سے وہ افضل ہو گیا اور افضلیت صحبت کے برابر کوئی چیز نہیں۔یہ فضل خداوندی ہے جس کو چاہے دے۔انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو بنیاد بنایا: "**لو انفق احد منکم مثل احد ذهبا ما بلغ مداحدهم ولا نصيفه**"۔ **من امتك:** یہ لم یات کے متعلق ہے۔ **ارایت:** تم مجھے بتلاؤ۔ **خیل غیر محجلة:** جس گھوڑے کے ماتھے پر سفیدی ہو۔ **التحجیل:** پاؤں کی سفید نصف پنڈلی تک پہنچ جائے (المصباح) **بین ظهری:** یہ ظہرانی بھی استعمال

ہوتا ہے۔ دھم: جمع ادھم۔ الدہمۃ۔ سیاہی۔ بھم البھیم: وہ گھوڑا جس کا ایک رنگ ہو دوسرے کی ملاوٹ نہ ہو خواہ سفید ہو یا سرخ۔ الا یعرف خیلہٗ: کیا وہ آدمی اپنے گھوڑے کو دوسرے سے نہ پہچانے گا۔

النحو: غر الحجلین: یہ یاتی کے فاعل سے حال مترادف ہیں یا متداخل ہیں۔ من الوضوء: من تعلیلیہ ہے۔ انا فرطھم الی الحوض: آگے جانے والا تا کہ ان کے لئے پانی وغیرہ کا انتظام کرے۔ یہ وہی حوض کوثر ہے جو ایک عرصات قیامت میں ہوگا۔ اس سے پینے والا کبھی پیاسہ نہ ہوگا' دوسرے جنت کے اندر حوض ہوگا۔ وہ کس قدر خوش نصیب ہے جس کے استقبالی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ اللھم اجعلنا منھم۔

تخريج: أخرجه مالك (٦٠) واحمد (٣/٧٩٩٩) و مسلم (٢٤٩) و ابو داود (٣٣٧) والنسائی (١٥٠) وابن ماجه (٤٣٠٦) وابن حبان (١٠٤٦)

الفرائد: ① وضو کی علامت سے آپ اپنی امت کو پہچانیں گے ② سنت کی مخالفت سے گریز کرنا ضروری ہے ③ دین میں احداث پر شدید وعید ہے۔

۱۰۳۰ :وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :"اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يَمْحُوا اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا' وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ؟" قَالُوْا : بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ـ قَالَ :"اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ ' وَكَثْرَةُ الْخُطَا اِلَى الْمَسَاجِدِ ' وَانْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ ؛ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ ' فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۰۳۰: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا میں ایسی بات نہ بتلا دوں جس سے اللہ غلطیاں مٹاتے ہیں اور درجات بلند کرتے ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وضو کو مکمل کرنا ناپسندیدگی (وقت اور موسم کی رکاوٹ) کے باوجود' مسجد کی طرف دور سے چل کر آنا اور ایک نماز کے بعد دوسری کا انتظار کرنا۔ پس یہی رباط ہے۔'' (مسلم)

الا: یہ حرف تنبیہ ہے۔ مایمحوا اللّٰہ بہ الخطایا: (۱) معافی سے کاتبوں کے دفاتر سے مٹاتا ہے یہ بخشش کی دلیل بن جاتی ہے۔ عفو کو مسبب بنایا' مٹنے والے گناہ صغائر ہیں کیونکہ طاعات سے انہی کا کفارہ ہوتا ہے۔ جب گناہوں سے الگ ہو گیا تو تب رفع درجات ہے۔ یہ متاخر ہوتا ہے۔ یہ بڑی سعادت والی بات ہے اگرچہ فقط گناہ کی بخشش نہیں بلکہ بلندی درجات بھی ساتھ ہے۔ یہ شوق دلانے کے لئے لائے۔ چنانچہ انہوں نے کہا: قالوا بلٰی: آپ ﷺ ہماری راہنمائی فرمائیں اور رسول کی شان یہی ہے کہ وہ اپنی امت کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔ اسباغ الوضو: مکمل وضو کرنا۔ المکارہ: مثلاً سردی کی مشقت۔ الی المساجد: یہ اس وقت ہے جب گھر دور ہو۔ اور بار بار آنا جانا ہو۔ بخاری میں روایت کے بنو سلمہ نے اپنے محلے سے منتقل ہو کر مسجد کے قریب اپنے مکانات بنانے کا ارادہ کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیارکم تکتب اثارکم: تم اپنے گھروں کو لازم پکڑو۔ تمہارے قدموں پر ثواب لکھا جاتا ہے۔ انتظار الصلاۃ: یہ دونوں میں

مشترک وقت کے سلسلہ میں ہے۔ان کے علاوہ میں لوگوں کا عمل نہ تھا (ولید یاقی) نووی کہتے ہیں تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔
فذلکم الرباط: رباط یہی ہے جس کی ترغیب دلائی جارہی ہے۔اصل رباط اپنے کو روکنا۔گویا اس آدمی نے مسجد میں رک کر اپنے کو اس طاعت پر روک لیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ان سے افضل ہو۔دوسری روایت میں اس کا تکرار وہ عظمت و تاکید کے لئے ہے۔بعض نے کہا یہ تکرار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کے مطابق ہے بعض اوقات ایک بات کو ضرورۃً دو دو تین مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دہراتے تھے تاکہ سامعین خوب سمجھ لیں۔باب بیاق طرق الخیر میں روایت گزری۔
تخریج: باب بیان کثر طرق الخیر میں گزر چکی۔
الفرائد: ایضاً۔

۱۰۳۱ : وَعَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَقَدْ سَبَقَ بِطُوْلِهٖ فِیْ بَابِ الصَّبْرِ – وَفِی الْبَابِ حَدِیْثُ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ السَّابِقُ فِیْ اٰخِرِ بَابِ الرَّجَآءِ ، وَهُوَ حَدِیْثٌ عَظِیْمٌ ، مُشْتَمِلٌ عَلٰی جُمَلٍ مِّنَ الْخَیْرَاتِ۔

۱۰۳۱: حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "طہارت (یعنی پاکیزگی) ایمان کا حصہ ہے۔" (مسلم)
یہ روایت تفصیل سے باب الصبر میں گزری اور اس باب الرجا کے آخر میں حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت ہے اور وہ بڑی عظیم روایت ہے جو بہت سے کاموں پر مشتمل ہے۔
الطهور شطر الایمان: جب طا کا ضمہ ہو تو تطہیر کے معنی میں ہے اور طا کے فتحہ سے حذف مضاف کے ساتھ ہے یعنی استعمال **الطهور حالة الطهارة**: یعنی پانی کے معنی میں ہے۔شطر: جزء کو کہتے ہیں۔اس کو جزو ایمان قرار دینے سے اسکی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔
نوٹ: باب الصبر میں یہ روایت گزری اس باب میں حدیث عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ ہے جو عظیم الشان مضامین پر مشتمل ہے۔حافظ علائی نے اس روایت کی تفصیل خوب لکھی ہے۔
تخریج: باب الصبر میں گزر چکی۔
الفرائد: ایضاً۔

۱۰۳۲ : وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : "مَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ یَتَوَضَّاُ فَیُبْلِغُ – اَوْ فَیُسْبِغُ الْوُضُوْءَ – ثُمَّ قَالَ : اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ – وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِیَةُ یَدْخُلُ

مِنْ اَیِّهَا شَاءَ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ - وَزَادَ التِّرْمِذِیُّ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ"۔

۱۰۳۲: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تم میں جو آدمی وضو کرے مکمل وضو کرے' پھر کہے : اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ...... آخر تک۔ کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جس سے چاہے وہ داخل ہو۔'' (مسلم)

ترمذی میں یہ الفاظ زائد ذکر کئے: ''اے اللہ مجھے توبہ کرنے والوں میں سے بنا اور خوب پاکیزگی حاصل کرنے والوں میں سے بنا دے''۔

اللغات: **مامنکم من احد**: منکم خبر مقدم ہے من مبتداء پر تاکید کے لئے لائے۔ **یتوضاء**: یہ مبتداء کی صفت یا حال من الخبر ہے اور پہلا ظرف مبتداء سے حال ہے یا اس کی خبر جملہ میں ہے۔ **فیبلغ**: یہ ابلاغ سے ہے یعنی وضو کو واجبات سمیت ادا کرنے والا ہے اور مندوبات کے شامل ہونے کا بھی احتمال ہے۔ او یہ شک راوی کے لئے ہے۔ **فیسبع**: یہ ابلاغ کے معنی میں ہے اور مندوبات کے شامل ہونے کے احتمال کی تائید ہے۔ **لا الٰه الا اللّٰه**: یہ توحیدِ ذات ہے اور وحدہ یہ توحید صفات ہے۔ **لا شریك له**: یہ توحید افعال ہے۔ **عبده و رسوله**: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبودیت رسالت سے افضل ہے۔ جیسا کہ اشرف مواطن میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی سے تعریف فرمائی ہے۔ مثلاً ﴿**سبحان اللّٰه اسری بعبده**﴾ ﴿**ما انزلنا علی عبدنا یوم الفرقان**﴾ **له**: یہ ظرف رابطہ کے لئے ہے جیسے کہتے ہیں: "**حفظت لزید ماله**"۔ **یدخل**: طہارت کرنے والے کی حالت کو بیان کرنے کے لئے جملہ مستانفہ لائے یا حال مقدرہ ہے۔ اس روایت اور صائمون والی روایت میں تضاد نہیں کیونکہ اس سے صرف روزہ دار داخل ہوں گے کیونکہ باب تو یہ بتلا رہی ہے کہ اس کو تمام دروازوں سے بلایا جائے گا کیونکہ اس نے عظیم عمل کیا پھر داخلہ اسی دروازے سے ہوگا جس قسم کی نیکیاں غالب ہوں گی۔ اس روایت میں جو اضافہ اس کے لئے ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت شاہد ہے: "**من توضا فای حسن الوضوء' ثم قال عند فراغه لا اله الا اللّٰه وحده لا شریك له اللهم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطهرین فتح اللّٰه له ثمانیة ابواب الجنة یدخل من ایها شاء**"۔

تخریج: أخرجه احمد (۶/۱۷۳۱۶) و مسلم (۲۳۴) و ابو داود (۱۶۹) والترمذی (۵۵) وابن ماجه (۴۷۰)

الفرائد: ① وضو کے بعد دعا کی فضیلت مذکور ہے ② جو اس پر مداومت کرے گا قیامت کے دن آٹھوں دروازوں سے بلوایا جائے گا۔

۱۸۶ :بَابُ فَضْلِ الْاَذَانِ

بَابٌ :اذان کی فضیلت

الاذان! اذان تاذین لغت میں اعلان کو کہا جاتا ہے۔شرع میں مخصوص کلمات کو اعلان جس سے وقت نماز کا علم ہوتا ہے۔اس میں اجماع سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ارشاد:﴿اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ﴾!اور﴿اذا نادیتم الی الصلوۃ﴾!اوراسی طرح عبداللہ بن زید بن عبدربہ انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت جس کو بخاری ومسلم نے نقل کیا ہے۔

۱۰۳۳ :عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :"لَوْ یَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِی النِّدَآءِ وَالصَّفِّ الْاَوَّلِ، ثُمَّ لَمْ یَجِدُوْا اِلَّا اَنْ یَّسْتَهِمُوْا عَلَیْهِ لَاسْتَهَمُوْا عَلَیْهِ، وَلَوْ یَعْلَمُوْنَ مَا فِی التَّهْجِیْرِ لَاسْتَبَقُوْا اِلَیْهِ، وَلَوْ یَعْلَمُوْنَ مَافِی الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

"اَلْاِسْتِهَامُ" :اَلْاِقْتِرَاعُ۔ "وَالتَّهْجِیْرُ" :اَلتَّبْکِیْرُ اِلَی الصَّلٰوةِ۔

۱۰۳۳: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر لوگ جان لیں اس فضیلت کو جو اذان دینے اور پہلی صف میں ہے تو پھر وہ کوئی چارہ نہ پائیں سوائے اس کے کہ وہ قرعہ اندازی کریں۔اگر لوگ جان لیں جو کچھ اوّل وقت میں فضیلت ہے تو ضرور اس کی طرف دوڑ کر آئیں اور اگر لوگ جان لیں جو عشاء اور صبح کی نماز کی فضیلت ہے تو ضرور ان دونوں میں آئیں خواہ ان کو گھٹنوں کے بل ہی چل کر آنا پڑے۔(بخاری ومسلم)

اَلْاِسْتِهَامُ :قرعہ اندازی۔

اَلتَّهْجِیْرُ: نماز کی طرف جلدی آنا۔

لو یعلم الناس! طیبی کہتے ہیں۔یہاں ماضی کی بجائے مضارع لائے تا کہ اس کو اس چیز کے قائم مقام رکھیں جس کی طرف وہ بلاتا ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پھر لوگ ایک دوسرے سے بڑھنے کی دوڑ لگائیں تو ان پر واجب ہو جائے گی اور استمرار علم کا فائدہ دے پس مناسب ہے کہ وہ ایک حالت پر رہے۔ما فی النداء! اذان مراد ہے۔من بیانیہ ما کی وجہ سے حذف کر دیا۔الصف الاول! سے امام سے قریب صف اول اگر چہ وہ کعبہ کے قریب کھڑے لوگوں کی بنسبت دور ہو اگر امام والی جانب مقتدی کعبہ کے قریب ہو جائے تو اس کی نماز ختم ہو جائے گی (تحفہ ہیثمی وایضا ہدایہ) بقول تیمی تو صف اول کی فضیلت قرآن مجید سننے اور قرأت پر تامین کے لئے ہے اور جب امام کو خلیفہ کی ضرورت ہو تو وہ امام کی خلافت کر سکے اور نماز کی حالت کو نقل کرے اور لوگ اس کو مان لیں اور پھر تیسری سے دوسری صف افضل ہے۔ثم! یہ تراخی مرتبہ کے لئے ہے۔استہام قرعہ ڈالنے کو کہا جاتا ہے۔اذان وصف اول کی فضیلت کی حاصل کرنے کے لئے قرعہ ڈالتے۔علیہ کی مفرد ضمیر ما کی طرف راجع ہے۔ایک واقعہ برمادی نے نقل کیا کہ جنگ قادسیہ میں جب فتح ہوئی مسلمان کفار کو دھکیلتے چلے گئے یہاں تک کہ تکمیل فتح تک ظہر کا وقت ہو گیا۔

اذان ظہر کے لئے ہر ایک تیار تھا۔ تلواریں نکل آئیں۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قرعہ اندازی کرائی جس کا نام آیا اس کو اذان کا حکم فرمایا۔ **ولو یعلمون!** اس میں قرعہ کی ضرورت اس لئے نہیں کہ وقت میں وسعت ہے اور اس میں طاعت کی مسارعت کا ثواب ہے۔ **العتمة!** یہ غروب شفق کے بعد آخر ثلاث اول تک کا وقت ہے اور رات کا عتمہ اس وقت ہے جب شفق کی روشنی ختم ہو کر رات کا پہلا اندھیرا چھا جائے۔ یہاں نماز عشاء مراد ہے۔

ایک اشکال: اس لفظ کی ممانعت سے پہلے کی روایت ہے یا نہی تنزیہ کے لئے تحریم نہیں یا اس وہم کو دور کرنے کے لئے مغرب کو عشاء نہ خیال کر لیں اور مطلوب فوت ہو جائیں۔ پس بڑے مفسدہ سے بچانے کے لئے خفیف کو اختیار کیا۔ **لا توھما!** یعنی اگر لوگوں کو ان اوقات کی نمازوں کا علم ہوتا تو ہر ممکن طریقہ سے وہ آتے۔ **ولو حبوا!** ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل چلنا یا گھسٹ کر چلنا۔ **التھجیر!** نماز میں جلدی کرنا۔

تخریج: أخرجه مالك (١٥١) واحمد (٣/٧٢٣٠) والبخاری (٦١٥) و مسلم (٤٣٧) والنسائی (٥٣٩) وابن حبان (١٦٥٩) وابو عوانة (١/٣٣٢) وابن خزيمة (٣٩١) والبيهقى (١/٤٢٨) و عبدالرزاق (٢٠٠٧)

الفرائد: ① اذان کا فائدہ اور عظیم ثواب ذکر کیا گیا ہے اسی طرح مؤذن' صف اوّل' تکبیر اولیٰ' جماعت کی حاضری کی فضیلت کا مذکور ہے ② نماز صبح' مغرب و عشاء کی خاص فضیلت ذکر کی گئی تا کہ ان میں سستی نہ ہو۔ یہ نمازیں خصوصاً لوگوں پر گراں ہیں۔

❖ ❖ ❖

١٠٣٤ : وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : "الْمُؤَذِّنُوْنَ اَطْوَلُ النَّاسِ اَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۰۳۴: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''اذان دینے والوں (یعنی موذن) کی قیامت کے دن سب سے زیادہ لمبی گردنیں ہوں گی''۔ (مسلم)

اطول الناس اعناقا! یہ عنق کی جمع ہے۔ اس کا معنی یہ ہے: (۱) تمام لوگوں کی نسبت رحمت الٰہی کی طرف زیادہ جھانکنے والے ہوں گے پس مطلب یہ ہوا کہ اذان کا کثیر ثواب دیکھیں گے (۲) نضر بن شمیل کہتے ہیں جب لوگ پسینے کی لگام ڈالے جائیں گے تو ان کی گردنوں کو لمبا کر دیا جائے گا تا کہ پسینے کے دکھ سے بچ جائیں۔ (۳) وہ سردار ہوں گے اہل عرب سردار کو طویل العنق کہتے ہیں۔ (۴) متبعین کے لحاظ سے زیادہ ہوں گے۔ (۵) ابن الاعرابی کہتے ہیں اعمال کے لحاظ سے بڑھے ہوں گے۔ (۶) ابوبکر بن داؤد نے کہا قیامت کے دن لوگوں کو پیاس لگے گی اور پیاسے کی گردن پھٹ جاتی ہے۔ مگر موذنین کو پیاس ہی نہ لگے گی۔ ان کی گردنیں بلند رہیں گی۔ قاضی عیاض کہتے ہیں تیز چلنے کو سیر العنق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تخریج: أخرجه مسلم (٣٨٧) وابن ماجه (٧٢٥)

الفرائد: ① مؤذن جس کا مقصود رضاء الٰہی ہو وہ قیامت کے دن خوف سے محفوظ کر دیا جائے گا۔

❖ ❖ ❖

١٠٣٥ : وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ صَعْصَعَةَ اَنَّ اَبَا سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَهٗ : "اِنِّیْ اَرَاكَ تُحِبُّ الْغَنَمَ وَالْبَادِیَةَ فَاِذَا كُنْتَ فِیْ غَنَمِكَ اَوْ بَادِیَتِكَ۔ فَاَذَّنْتَ لِلصَّلٰوةِ فَارْفَعْ صَوْتَكَ بِالنِّدَآءِ فَاِنَّهٗ لَا یَسْمَعُ مَدٰی صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ" وَلَا اِنْسٌ ، وَلَا شَیْءٌ ، اِلَّا شَهِدَ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ قَالَ اَبُوْسَعِیْدٍ :سَمِعْتُهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ - رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

۱۰۳۵: حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ کہتے ہیں کہ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے کہا: ''میں تمہیں دیکھتا ہوں تم بکریاں اور جنگل پسند کرتے ہو لہٰذا جب تم اپنی بکریوں میں ہو اور نماز کے لئے اذان دو تو اذان میں اپنی آواز کو بلند کرلو مؤذن کی آواز کی حد تک۔ جو بھی جن' انسان یا کوئی اور چیز اس کو سنے گی تو قیامت کے دن اُس کی گواہی دیں گے۔ ابوسعید کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی۔ (بخاری)

عبداللہ بن عبدالرحمان! یہ مازن قبیلہ سے متعلق ہیں۔ ان سے ان کے بیٹے عبدالرحمان' محمد سے روایت لی ہے۔ بخاری' ابو داؤد' ابن ماجہ نے ان کی روایت کی تخریج کی۔ حافظ نے ان کو مدنی انصاری' کبار تابعین میں شمار کیا (تقریب) البادیہ! اس سے خلاف قیاس پر ہی اسم منسوب بنے گا۔ جمع بوادٍ ہے۔ فاذنت للصلاۃ! اذان کا ارادہ کرے۔ فارفع صوتك! اتنی جس سے تمہارے گلے کو ضرر نہ پہنچے۔ مدی! انتہا و غایت۔ تورپشتی کہتے ہیں بلندی آواز میں حکمت یہ ہے کہ جہاں تک آواز پہنچے گی تو ہر چیز گواہی دے گی۔ بلند آواز کرنے میں پوری کوشش صرف کرے۔ جب آخری چیز گواہی دے گی تو قریب والی تو بدرجہ اولیٰ دے گی۔ جن ولا انس! ان پر اکتفاء اس لئے کیا کہ دونوں مکلف ہیں۔ ولا شئی! اس سے مراد فرشتہ ہے یا عاقل و غیر عاقل ہر چیز مراد ہے۔ حیوانات و جمادات یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔ الاشهد له یوم القیامة! شہادت کا فائدہ فضیلت موذن کو پھیلانا اور اس کے بلند درجے کو ظاہر کرنا ہے۔ ابن حجرؒ نے لکھا کہ اس شہادت میں راز یہ ہے وہ گواہی عالم الغیب والشہادۃ کی بارگاہ میں ہوگی۔ آخرت کے احکام اسی طرح جاری ہوتے ہیں جس طرح دنیا میں مخلوق کے احکام چلتے ہیں مثلاً دعویٰ کا پیش ہونا جواب دعویٰ پھر شہادت (ابن المنیر) سمعته من رسول الله صلی الله علیه وسلم! اس سے کون سا کلام مراد ہے۔ بعض نے انه لا یسمع! تا آخر مراد لیا اور تذکرہ غنم کو موقوف قرار دیا۔ غزالی اور رافعی نے تمام مرفوع قرار دیا حافظ کا اشارہ اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔

تخریج: أخرجه مالك (١٣٥) واحمد (١١٣٠٥/٣) والبخاری (٦٠٩) والنسائی (٦٤٣) وابن حبان (١٦٦١) وابن خزيمة (٣٨٩) والحمیدی (٧٣) و عبدالرزاق (١٨٦٥)

الفرائد : ① اذان میں خوب آواز کو بلند کرنا چاہئے کہ نمازی کثرت سے آئیں ② دیہات میں علم کی روشنی کے ساتھ جبکہ شہر فتن سے پر ہو رہنا درست ہے ③ اکیلے آدمی کو بھی اذان دے دینی چاہئے تا کہ فرشتے شریک جماعت ہوں۔

١٠٣٦ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "اِذَا نُوْدِیَ بِالصَّلٰوةِ اَدْبَرَ الشَّیْطَانُ وَلَهٗ ضُرَاطٌ حَتّٰی لَا یَسْمَعَ التَّاْذِیْنَ ، فَاِذَا قُضِیَ النِّدَآءُ اَقْبَلَ حَتّٰی اِذَا ثُوِّبَ

بِالصَّلٰوۃِ اَدْبَرَ حَتّٰی اِذَا قُضِیَ التَّثْوِیْبُ اَقْبَلَ حَتّٰی یَخْطِرَ بَیْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهٖ یَقُوْلُ : اذْکُرْ کَذَا - وَاذْکُرْ کَذَا - لِمَا لَمْ یَذْکُرْ مِنْ قَبْلُ حَتّٰی یَظَلَّ الرَّجُلُ مَا یَدْرِیْ کَمْ صَلّٰی" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

"التَّثْوِیْبُ" اَلْاِقَامَةُ۔

۱۰۳۶: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب نماز کی اذان ہوتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے اوراس کی ہوا خارج ہوتی ہے تا کہ وہ اذان نہ سنے۔ جب اذان پوری ہو جاتی ہے تو واپس لوٹتا ہے یہاں تک کہ تکبیر پوری ہوتی ہے تو پھر واپس لوٹتا ہے تا کہ آدمی اور اُس کے دل میں وسوسہ ڈالے۔ وہ یوں کہتا ہے: فلاں چیز کو یاد کر، فلاں چیز کو یاد کرو جو اس سے پہلے اس کو یاد نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ آدمی کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ اس کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ اس نے کتنی رکعت پڑھیں؟ (بخاری و مسلم)

"التَّثْوِیْبُ": اقامت۔

اذا نودی بالصلاۃ! یہ مسلم و نسائی کے الفاظ ہیں بخاری میں ما کی بجائے لازم ذکر کیا ہے۔ دونوں ہم معنی ہیں۔ او ابر الشیطان! یہ جملہ اسمیہ حالیہ ہے جیسا یہ ارشاد: ﴿اھبطوا بعضکم لبعض عدو﴾ ضراط! عیاض کہتے ہیں یہ ظاہر پر ہے کیونکہ وہ بھی غزاء والا جسم نامی ہے۔ مگر اصمعی نے تیز دوڑنے سے کنایہ قرار دیا۔ طیبی کہتے ہیں شیطان کے اذان سن کر مدہوش ہونے کی کیفیت کو ذکر کیا کہ اس کے کانوں اور کسی چیز کو سنتے ہی نہیں پھر قباحت کے لئے اس کو ضراط سے تعبیر کیا۔ ظاہر سے معلوم ہوتا ہے یہ ابلیس ہے اور ممکن ہے ہر شیطان متمرد مراد ہو۔ حتی لا یسمع التاذین! اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ (۱) وہ جان بوجھ کر ضراط نکالتا (جیسا گدھا ڈر سے بھاگتے وقت) ہے تا کہ اذان کی آواز نہ سنائی دے یا (۲) اذان کی توہین کے لئے کرتا ہے جیسا بیوقوف کرتے ہیں۔ (۳) وہ جان بوجھ کر کرتا ہے مگر اذان سے اس پر شدت خوف طاری ہوتا ہے جس کے سبب یہ آواز پیدا ہوتی ہے۔ (۴) وہ قصداً کرتا ہے تا کہ نماز کے مناسب طہارت کا مقابلہ حدث سے کرے۔ حدیث مسلم میں اس کے لئے حصاص کا لفظ بھی آیا ہے۔ اصمعی کا قول تائید کرتا ہے۔ روایت مسلم میں دور بھاگنے کو مقام روحاء جو ۳۶ میل ہے سے تعبیر کیا۔ حافظ نے اس کو ابن راہویہ کی بنسبت معتمد قرار دیا۔ حتی یخطر! اس کا معنی وسوسہ ڈالنا یہ فطر البعیر سے ہے جب اونٹ اپنی دم رانوں پر مارے۔

برماوی کا قول: شیطان کے اذان سے بھاگنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کلمہ توحید پر لوگوں کا اتفاق، اسی عقائد اور اقامت شعائر دیکھ کر بھاگتا ہے۔ نماز شروع ہونے پر واپس لوٹتا ہے کیونکہ اس کا غالب حصہ پوشیدہ اور مناجات ہیں۔ اس لئے اس کے کرنے والے کو بگاڑنے کے لئے راہ پالیتا ہے یا کم از کم اس کے خشوع کو بگاڑ دیتا ہے۔ بعض نے کہا اذان کے وقت وہ اس لئے بھاگتا ہے تا کہ ابن آدم کے حق میں گواہی پر مجبور نہ کیا جائے۔ بین المرء و نفسه! موقعہ کا تقاضا یہ ہے کہ نفس مرء سے الگ ہو۔ پس مراد یہ ہوگی بینه و بین قلبهٗ! جیسا دوسرے مقام پر ان اللّٰه یحول بین المرء و قلبه۔! بخاری میں اسی طرح ہے۔ من قبل! نماز میں شروع ہونے سے پہلے۔ حتی یظل الرجل! یہ یصیر کے معنی میں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ اسے بھلاتا ہے۔ روایت میں حتیٰ

کا لفظ پانچ مرتبہ آیا ہے۔ پہلا' چوتھا' پانچواں تو کی کے معنی میں ہے۔

اَلنَّحْوُ: جملہ شرطیہ پر ما داخل ہو تو علت کو بیان کرتا ہے۔ تثویب! سے مراد یہاں اقامت ہے۔ خطابی نے اسی کو راجح کہا ہے اگر اذان واقامت کے درمیان تثویب مکروہ ہے۔ ائمہ احناف بھی اس کو درست قرار نہیں دیتے۔

تخریج: أخرجه مالك (١٥٤) واحمد (٣/٨١٤٥) والبخاری (٦٠٨) و مسلم (٣٨٩) والنسائی (٦٦٩) وابن حبان (١٦) و ابو داود (٥١٦) و ابو عوانة (١/٣٣٤) والطیالسی (٢٣٤٥) والدارقطنی (١/٣٧٣) وابن ابی شیبة (١/٢٢٩) والبیهقی (٢/٣٢١)

الفرائد: ① اذان کی خصوصی فضیلت صرف اذان سے ہی مل سکتی ہے ② اذان سے شیطان پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے کیونکہ اذان دیتے ہوئے وہ وسوسہ نہیں ڈال سکتا پس بھاگ جاتا ہے۔

١٠٣٧ :وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: ''اِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَآءَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّهٗ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ فَاِنَّهٗ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا' ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَاِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِيْ اِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَاَرْجُوْا اَنْ اَكُوْنَ اَنَا هُوَ' فَمَنْ سَاَلَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

١٠٣٧: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''جب تم مؤذن کو سنو (اذان دیتے ہوئے) تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے۔ پھر مجھ پر درود بھیجو' اس لئے کہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ پھر میرے لئے وسیلے کا سوال کرو' یہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کے لائق ہے اور مجھے امید ہے کہ میں ہی وہ بندہ ہوں۔ پس جس نے میرے لئے وسیلے کا سوال کیا اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو گئی۔ (مسلم)

فقولوا مثل ما یقول! جواب کا تعلق اذان سننے پر ہے۔ دوسرے پر جواب لازم نہیں۔ قلقشندی نے کہا یہ قید غالب کے اعتبار سے ہے۔ پہلے موذن کی اذان کا جواب مختار ہے کیونکہ امر تکرار کا مقتضی نہیں۔ باقی افضل متابعت میں ہے۔ اس میں تخصیص اوّل کے متعلق مذکور نہیں۔ ابن عبدالسلام کہتے ہیں سبب متعدد ہیں ہر ایک کو جواب دے۔ البتہ پہلے کی اجابت افضل ہے مگر صبح و جمعہ میں۔ ابن سید الناس مؤذن کی فراغت کے بعد کہے۔ مگر روایات ساتھ ساتھ ادا کرنے کا کہتی ہیں۔ کرمانی نے یہاں مثل ما یقول کہا گیا ہے مثل ما قال نہیں کہا کیونکہ وہ ہر کلمہ کے بعد اسی جیسے کلمے سے جواب دے رہا ہے۔ عام علماء شوافع ہر کلمہ کے بعد کلمہ کو مستحب کہتے ہیں کیونکہ فا تعقیب وارد ہے مگر یہ حدیث ظاہر کرتی ہے یہ کلمات موذن کی حکایت ہے۔ حنابلہ کا قول یہی ہے جمہور و شافعیؒ کہتے ہیں کہ سننے والا **حی علی الصلاح و الفلاح!** کے وقت لاحول ولاقوۃ پڑھے کیونکہ حدیث معاویہ اور ابن عمر

رضی اللہ عنہما میں خاف مذکور ہے جو اس کو خاص کرتا ہے۔ البتہ اگر وہی الفاظ کہہ دیتے تو ثواب حاصل ہو جائے گا۔ حی علی الصلاۃ میں مؤذن کا نماز کی دعوت دینے والا عمل اسی سے خاص ہے جو موقلہ سے موذن کے لئے تو چھوٹ جائے گا۔ قولوا کے الفاظ سے طحاوی خطابی اور عیاض وجوب جواب کے قائل ہیں۔ ثم صلوا علی! عرفی اجابت کے بعد یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔ من صلی علی! جو صیغہ احادیث میں وارد ہوئے۔ صلی اللہ علیه بها عشرا! دس مرتبہ رحمت سے بدلہ دیتے ہیں۔ اس سے درود شریف کا شرف ثابت ہوتا ہے۔ اس کا بدلہ ذکر الٰہی کی طرح قرار دیا۔ فرمایا: ﴿فاذکرونی اذکرکم﴾! حدیث قدسی میں ہے: انا عند ظن عبدی بی ان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاءٍ خیر منه! یہ مقدار اس سے زائد ہے جو اس آیت سے ثابت ہے: ﴿من جاء بالحسنه فله عشر امثالها﴾! ہر فرد کو شامل ہے۔ ثم سلوا اللّٰه! ثم سے اشارہ کیا دعا کو ثناء باری تعالیٰ سے شروع کرنا اور پھر درود شریف اور دعا خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہو۔ الوسیله! یہ جنت کا بلند مقام ہے۔ الا لعبد! عبودیت میں کامل بندہ۔ تنوین عظمت کے لئے ہے۔ ارجوا ان اکون انا! کتاب سنت میں رجاء کے الفاظ وجوب وقوع کو ثابت کرتے ہیں اس میں تخلف نہیں۔ سال اللّٰه! یعنی میرے لئے دعا وسیلہ کی وہ میری شفاعت کا حقدار بن گیا۔

تخریج: أخرجه احمد (۲/۶۵۷۹) و مسلم (۳۸۴) و ابو داود (۵۲۳) والترمذی (۳۶۱۴) والنسائی (۶۷۷) وابن حبان (۱۶۹۰) وابن خزیمة (۴۱۸) وابن ابی شیبة (۱/۲۲۶) و ابو عوانة (۱/۳۳۶) والبیهقی (۱/۴۰۹)

الفرائد: ① مؤذن کا انہی کلمات سے جواب مستحب ہے۔ فراغت کے بعد درود شریف اور پھر دعائے وسیلہ ② جو دعا کرتا رہے گا وہ شفاعت کا حقدار ہو جائے گا۔

۱۰۳۸: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: "اِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَآءَ فَقُوْلُوْا كَمَا يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۱۰۳۸: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم اذان سنو تو اسی طرح کہو جس طرح مؤذن کہتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

النداء! اذان اقامت دونوں کا حکم یکساں ہے۔ کما یقول الموذن! موذن کے قول کی طرح۔ موذن کا لفظ مدرج نہیں جیسا ابن وضاح کو وہم ہوا۔

تخریج: أخرجه مالك (۱۵۰) واحمد (۴/۱۱۸۶۰) والبخاری (۶۱۱) و مسلم (۳۸۳) و ابو داود (۵۲۲) والترمذی (۲۰۸) والنسائی (۶۷۲) وابن ماجه (۷۲۰) وابن حبان (۱۶۸۶) والذارمی (۱/۲۷۲) وابن خزیمة (۴۱۱) و عبدالرزاق (۱۸۴۲) وابن ابی شیبة (۱/۲۲۷) و ابو عوانة (۱/۳۳۷)

الفرائد: ① اذان کے انہی کلمات کو دہرانا مسنون ہے البتہ حی علی الصلوٰۃ وحی علی الفلاح پر لاحول ولا قوۃ پڑھا جائے۔

۱۰۳۹ :وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :"مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَآءَ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَا نِ الْوَسِيْلَةَ ، وَالْفَضِيْلَةَ ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ ، حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

۱۰۳۹: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اذان سن کر یہ دعا کی: ''اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ ...... ''۔ ''اے اللہ! جو اس کامل دعوت اور قائم ہونے والی نماز کا رب ہے' تو محمد (ﷺ) کو مقام وسیلہ اور فضیلت عنایت فرما اور ان کو مقامِ محمود پر مقرر فرما جس کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے۔'' اس کو میری شفاعت قیامت کے دن حلال ہوگی۔ (بخاری)

یسمع النداء! یہ تسمع بالمعیدی خیر من ان وتراہ کے قبیل سے ہے اور اجابت اذان اس کے کہنے کے بعد ہوگی نہ کہ پہلے۔ اللھم رب! رب ماقبل کا بدل ہے وصف نہیں (۲) اہتمام کے لئے نداء کو دوبارہ لائے۔ الدعوة! سے اذان و اقامت مراد ہے۔ التامه! نقص کے سرایت کرنے سے محفوظ ہے کیونکہ وہ فوائد کو جامع ہے۔ (۲) کمال وتمام کے اعتبار سے وہی تام کہلانے کی حقدار ہے ورنہ دنیا تو نقص وفساد کا نشانہ ہے۔ (۳) وہ تغیر سے محفوظ ہے اور قیام تک باقی رہنے والی۔ رب هذه الدعوة! کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس وصف کا حقدار ہے۔ و الصلاة القائمه! وہ جو کہ عنقریب قائم ہوگی۔ (۲) جو باقی رہنے والی ہے اس میں تبدیلی نہیں اور نہ نسخ ہے۔ آت! یہ اعط کے معنی میں ہے دو۔ الوسیله! جس سے قرب حاصل کیا جائے۔ یہاں اس سے مراد حدیث مسلم میں جو مذکور ہے وہ ہے۔ بیضاوی نے کہا وہ اس ارشاد میں مذکور ہے: ﴿یایها الذین آمنوا اتقوا اللّٰه وابتغوا الیه الوسیلة﴾ الوسیلة! یعنی جس کے ذریعہ تم اس کے ثواب تک پہنچتے اور اس کا قرب فعل طاعات اور ترک معاصی سے کرتے ہو اور حدیث میں ہے کہ وسیلہ جنت کے ایک مقام کا نام ہے۔ الفضیلة! مخلوق سے زائد مرتبہ۔ وابعثهٗ! یہ اعط کے معنی میں ہے۔ مقاماً محمود یہ مفعول بہٖ یا مفعول فیہ بن سکتا ہے۔ (۲) یہ صاف کشاف ظرف کی وجہ سے نصب مانا ہے ای فیقیمك مقاماً یا یبعثنك! میں یقیمك! کا معنی متضمن ہے یا حال ہے ای ذا مقام محمود! اس کو نکرہ تو تفخیم کے لئے لایا گیا ہے۔ الذی وعدته! اپنے اس ارشاد سے: ﴿عسی ان یبعثك ربك مقاما محمودا﴾! مفسرین کا اس پر اجماع ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عسیٰ وجوب کے لئے ہے۔ اسم موصول الذی ماقبل سے بدل ہے۔ حلت له شفاعتی! اس کو خاص طور پر میری شفاعت واجب ہوگئی۔ اس میں کہنے والے کو اسلام پر موت کی خوشخبری دی گئی ہے کیونکہ ایمان پر موت کے بغیر شفاعت نہیں۔

تخریج: أخرجه احمد (۵/۱۴۸۲۳) والبخاری (۶۱۴) و ابو داود (۵۲۹) والترمذی (۲۱۱) وابن حبان (۱۶۸۹) وابن خزیمة (۴۲۰) والبیهقی (۱/۴۱۰)

الفرائِد: ① اذان کے بعد یہی دعا افضل ہے جو یقین سے کرتا ہے اس پر شفاعت کا وعدہ ہے ② اذان کا وقت قبولیت دعا کے اوقات سے ہے' اسی پر آمادہ کیا گیا۔

١٠٤٠ : وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ : "مَنْ قَالَ حِیْنَ یَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا ، غُفِرَ لَهٗ ذَنْبُهٗ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۰۴۰: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے مؤذن سے اذان سن کر یہ کلمات کہے: ''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ...... ''۔''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں' محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں' میں اللہ کے رب ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوں۔''اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔(مسلم)

وقاص! یہ مالک کی کنیت ہے۔ انه قال! یہ ان ہو تو عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم! سے بدل الاشتمال ہے (۲) اگر کسرہ ہو تو تقدیر عبارت یہ ہے۔ قال سعد بیانا لقوله عن النبی انه قال۔ من قال! (۱) یہ موذن کا مقولہ ہو تو یقول مقدر کا مفعول ہوگا یہ کثیر الاستعمال ہے۔ (۲) موذن کا سامع جو کہتا ہے اس قسم سے ہو۔ نووی کہتے ہیں یہ موذن کے قول کے جواب میں یہ کلمات کہے جائیں۔ پھر کہے : رضیت باللّٰه ربًا۔ ربًا یہ مفعول بہ سے تبدیل شدہ تمیز ہے اور رسولاً بھی اسی طرح۔ ایک روایت میں رسولاً کی بجائے نبیاً ہے احتیاط دونوں کو جمع کر لیا جائے۔ جیسا دعا عرفہ میں ظلماً کثیراً کبیراً۔ غفر له ذنبه! اس سے صغائر ہی مراد ہیں۔

تخریج: أخرجه احمد (١/١٥٦٥) و مسلم (٣٨٦) و ابو داود (٥٢٥) والترمذی (٢١٠) والنسائی (٦٧٨) وابن ماجه (٧٢١) وابن حبان (١٦٩٣) وابن ابی شیبة (١٠/٢٢٦) وابو عوانة (١/٣٤٠) وابن خزیمة (٤٢١) والبیهقی (١/٤١٠) والبزار (١١٣٠) و ابو یعلی (٧٢٢)

الفرائد: ① دعا وسیلہ شفاعت والوں میں شمار کا ذریعہ ہے ② مغفرت گناہ کا باعث ہے۔

١٠٤١ : وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "اَلدُّعَآءُ لَا یُرَدُّ بَیْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ : حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

۱۰۴۱: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی۔'' (ابوداؤد' ترمذی)

یہ حدیث حسن ہے۔

لا یرد! یہ فعل مجہول ہے دعا رد نہیں کی جاتی۔ بین الاذان والاقامة! یہ ظرف ہے جو محل حال میں واقع ہے۔ مزید اہتمام کے لئے مقدم لائے اور اس کے کرنے پر ابھارا گیا ہے۔ ترمذی نے نقل کیا اس وقت یہ اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی عافیت مانگنی چاہئے۔ کتاب الدعوت ترمذی یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے مگر کثرت طرق سے ضعف میں کمی آ گئی۔

تخریج : أخرجه احمد (١٣٣٥٦) و ابو داود (٥٢١) والترمذی (٢١٢) وابن حبان (١٦٩٦) وابن خزيمة (٤٢٧) وابن ابی شيبة (١٠/٢٢٦) و عبدالرزاق (١٩٠٩) والبيهقی (١/٤١٠) والنسائی (٩٨٩٦)

الفرائد : ① اذان و اقامت کے درمیان دعا کی قبولیت کا وقت ہے دعا کرنی چاہئے ② یہ دعا اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے لوٹائی جائے گی۔